مواعظ
دارالعلوم ماٹلی والا

جلد: دوم

* خطبات *

حضرت مولانا مفتی) اقبال بن محمد ٹنکاروی صاحب)

(مہتمم و شیخ الحدیث دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا، بھروچ)

* مرتب *

مولانا قاری ذاکر صاحب ولنوی

(خادم التجوید والقرأت : دارالعلوم ماٹلی والا)

تفصیلات

نام کتاب: مواعظ دارالعلوم ماٹلی والا (جلدر ۲)

خطبات : حضرت مولانا مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی (دامت برکاتہم)

(شیخ الحدیث ومہتمم دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا)

مرتب : مولانا قاری ذاکر صاحب ولنوی

(خادم التجوید والقرأت: دارالعلوم ماٹلی والا)

صفحات : ۶۱۳

سن طباعت: ۱۴۴۴ھ مطابق ۲۰۲۲ء

ملنے کا پتہ

مکتبہ: ابوبکر ربیع بن صبیح بصری

دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا

عیدگاہ روڈ، بھروچ، گجرات، انڈیا۔۳۹۲۰۰۱

اجمالی فہرست

◆◆◆

نوٹ: مذکورہ اجمالی فہرست میں یہ سہولت دے رکھی ہے کہ جس عنوان پر آپ کلک کریں، وہ مطلوب عنوان تفصیل کے ساتھ آپ کے سامنے ہوگا، اور اگر دوبارہ اجمالی فہرست پر جانا چاہیں تو اسی عنوان پر کلک کریں۔ شکریہ۔۔۔

تفصیلی فہرست

(۲)حضرت نانوتوی علیہ الرحمۃ کا پیغام فضلائے دیوبند کے نام

عرض مرتب

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلی آلہ وأصحابہ أجمعین. وبعد!

محترم قارئین! قبل ازیں بندۂ ناچیز مرتب کے ذریعہ ''مواعظ دارالعلوم ماٹلی والا'' کی جلد اول شائع ہوکر منظر عام پر آچکی ہے، **فللہ الحمد علی ذلك.**

مقام شکر ہے کہ جلد اول کی اشاعت کے موقع پر قارئین حضرات سے جلد دوم کو منصۂ شہود پر لانے کا جو وعدہ کیا تھا آج بتوفیق الٰہی و بفضلہٖ اس کی تکمیل ہورہی ہے، فالحمد للہ رب العالمین۔ یہ گلدستہ بتیس (۳۲) پرمغز مواعظ پر مشتمل ہے۔

محترم قارئین! اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی خطیب کے خطبات کو اس کی حیات ہی میں کتابی شکل مل جانا، اس کے تجربات، مشاہدات، حالات وواقعات اور اس کی علمی وفکری خدمات کا منصۂ شہود پر آجانا، ہم جیسے طلبۂ عزیز کے لیے بیش بہا نعمت خداوندی اور قیمتی سوغات کی حیثیت رکھتا ہے۔

تشکر وامتنان:

اولاً حق سبحانہ وتعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرتا ہوں، جس نے اپنے اس نحیف وناتواں بندے کے حصہ میں اتنی بڑی سعادت مقدر فرمائی، اسی سے دعا ہے کہ وہ اسے قبول فرمالے، آمین۔

ثانیاً حضرت الاستاذ (صاحب خطبات) معروف عالم وفقیہ حضرت مولانا مفتی اقبال صاحب ٹنکاروی دامت برکاتہم (مہتمم وشیخ الحدیث دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا، بھروچ) کا صمیم قلب سے ممنون ومشکور ہوں کہ حضرت والا نے احقر کی نااہلیت کے باوجود اپنے بیانات

کوتحریری شکل دینے کی اجازت مرحمت فرما کر ذرہ نوازی فرمائی۔ **فجزاهم الله تعالىٰ أحسن الجزاء. آمین!**

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی - منت شناس ازو کہ بخدمت بداشت

اسی طرح بیانات کوتحریری شکل دیتے وقت بعض طلبۂ عزیز کا جو تعاون رہا، وہ قابل تحسین ہے، چند طلبۂ عزیز کے اسماء قابل ذکر ہیں:

(۱) مولوی نعمان بروڈوی	فاضل	جامعۂ ہٰذا
(۲) مولوی صابر ولنوی	//	//
(۳) مولوی فرحان نیپالی	//	//
(۴) ساہل بھڑکودروی	متعلم عربی ر ۳	//
(۵) لقمان ہنگلوٹی	متعلم عربی ر ۷	//
(٦) شہاب کھنڈالی	متعلم عربی ر ۵	//

رب کریم تمام کو دنیا وآخرت میں سرخ روئی عطا فرمائے اور مزید خدمات دین کے مواقع میسر فرمائے، آمین۔

اسی طرح کمپوزنگ کے جمیع امور کی انجام دہی کے لیے رفیق محترم، ملنسار مولانا ذاکر صاحب پارکھیتی سلمہ (استاذ: تحفیظ القرآن الکریم جامعۂ ہٰذا) اور پروف ریڈنگ کے جمیع امور کی انجام دہی کے لیے استاذ محترم حضرت مولانا مفتی عبدالرشید صاحب منوبری (استاذ: تدریب الافتاء جامعۂ ہٰذا) کا تہِ دل سے شکر گذار ہوں کہ ان تمام حضرات نے اپنا قیمتی وقت فارغ کیا اور آخری مرحلہ تک تصحیح ومراجعت کا کام بہت ہی تن دہی سے انجام دیا۔ اسی طرح مولانا عبداللہ صاحب لاجپوری (استاذ: تخصص فی الحدیث جامعۂ ہٰذا) کا بے حد ممنون ومشکور ہوں کہ جناب موصوف نے مواعظ کے درمیان ذکر کردہ احادیث نبویہ کی تخریج فرمائی۔

فجزاهم الله خيرا احسن الجزاء في الدارين. آمین!

● یہ کتاب بتیس (۳۲) خطبات پر مشتمل ہے، ان شاء اللہ اس کی تیسری جلد بھی بہت جلد منظر عام پر آئے گی۔

اخیر میں دعا ہے کہ رب تبارک وتعالیٰ اس کتاب کو قبول فرمائے، اس کے نفع کو عام وتام فرمائے اور حضرت الاستاذ (صاحب خطبات) کی محنتوں کو قبول فرمائے اور ہم تمام کو ان سے اکتساب فیض کی توفیق عطا فرما کر ہم سب کے لیے اس کتاب کو صدقۂ جاریہ بنائے، آمین بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

ناکارہ : ذاکر بن عبداللہ ولنوی

خادم التجوید والقرأت: دارالعلوم ماٹلی والا

بھروچ، گجرات

مؤرخہ: ۱۰؍ربیع الثانی ؍ ۱۴۴۴

مطابق: ۶؍نومبر؍ ۲۰۲۲ء بروز اتوار

(۱)افتتاحِ مشکوۃ شریف

(دارالعلوم بھوج، کچھ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ علٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ، وَ عَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن، اما بعد!

قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وتَعَالٰی فِی الْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ والْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

مَا آتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَہَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَہُوْا○ (حشر:۷)

وَقَالَ النَّبِیّ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ، وَإِنَّمَا لِکُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَی، فَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہُ إِلَی اللہ ورسولہ فھجرتہ إلی اللہ ورسولہ ،ومن کانت ھجرتہ إلیٰ دُنْیَا یُصِیبُھَا، أَوْ امْرَأَۃٍ یَنْکِحُھَا، فَھِجْرَتُہُ إِلَی مَا ھَاجَرَ إِلَیْہِ. (بخاری شریف :باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کتاب النکاح ،باب من ھاجر أو عمل خیر اًلتزویج إمرأۃ)

صدق اللہ العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علیٰ ذلک لمن الشاھدین و الشاکرین و الحمدللہ رب العالمین.

محترم ومکرم حضرات علمائے کرام اور ایمان والے بھائیو!

اللہ تبارک وتعالی کا شکر واحسان ہے کہ آج اس نے ہمیں ایسی بابرکت مجلس میں حاضری دینے کی سعادت نصیب فرمائی، تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دسترخوان سے ہمیں کچھ روحانی غذا حاصل کرنے کی توفیق ملے۔

دینی مجلس کی اہمیت:

دوستو اور بزرگو! دنیا میں بہت سے جلسے اور جلوس ہوتے ہیں، بہت ساری محفلیں ہوتی ہیں، لیکن جناب نبی اکرم ﷺ کی نسبت سے جو مجلس ہوتی ہے اور آپ ﷺ کی احادیث مبارکہ کی نسبت پر جو مجلس ہوتی ہے یہ انتہائی بابرکت مجلس ہوتی ہے، حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ جو فرمایا گیا: ''**أهل الحديث هم اهل النبي**'' جو لوگ نبی کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ سے اپنے آپ کو وابستہ کرتے ہیں، صبح وشام جن کا پڑھنا، اوڑھنا اور بچھونا جناب نبی اکرم ﷺ کی روایتیں ہوتی ہیں، یہ وہ حضرات ہیں؛ جو اہل نبی ہیں، جیسے ایک روایت میں فرمایا: ''**هم أهل القرآن: أهل الله و خاصته**'' (ابن ماجه: المقدمة، باب فضل من تعلم القرآن و علمه) جو حضرات قرآن کریم کی تعلیم سے، اس کی تلاوت سے، اس کے معانی سے، اس کی تفسیر سے اپنے آپ کو وابستہ کیے ہوئے ہیں، یہ **أهل القرآن أهل الله و خاصته.** اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہیں۔

اس طرح ایک شاعر فرماتے ہیں: ''**أهل الحديث هم أهل النبي و ان لم يصحبوا نفسه، انفاسه صحبوا**'' جو لوگ اپنے آپ کو احادیث مبارکہ سے وابستہ کیے ہوئے ہوں؛ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والے ہیں، آگے شاعر یہ کہتا ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں تو حاضری نہیں دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں یہ خود حاضر نہیں ہو سکے، لیکن ان کے سانس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ہیں یعنی گویا احادیث مبارکہ سے جو حضرات اپنے آپ کو متصف کرتے ہیں، حقیقت میں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہیں، اس لیے آج کی یہ بابرکت مجلس جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کا ایک گلدستہ ''مشکوٰۃ المصابیح'' کی شکل میں جو ہمارے سامنے پڑھا گیا، جس کی پہلی روایت پڑھی گئی، یہ جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایتوں کا ایک بہت بڑا مجموعہ ہے۔

علاقۂ کچھ میں درس حدیث کا سلسلہ:

دوستو بزرگو! بخاری شریف تو ہندوستان میں صوبۂ گجرات کو چھوڑ کر اور علاقوں میں بہت بعد میں آئی ؛لیکن ایک لمبی مدت تک ہمارے مدارس اسلامیہ میں اور ہماری خانقاہوں میں ’’مشکوۃ المصابیح‘‘ کا درس ہوتا رہاہے،آپ حضرات جس علاقے سے وابستہ ہیں، یہ اسلام کا وہ اولین مرکز ہے،علاقہ سندھ اور کچھ جس میں حضرات صحابہ کرام کے بعد تابعین اور تبع تابعین اور اس کے بعد محدثین کی ایک بہت بڑی جماعت تشریف لائی،محدثین نے علمائے سندھ کے سلسلہ میں مستقل کتاب لکھی گئی اور اس میں کچھ (کچھ) اور دوسرے علاقوں کے جو محدثین ہیں ان سارے حضرات کا ذکر کیا گیا ہے، اس لیے میرے لیے خود آج کی مجلس کی حاضری انتہائی سعادت اور برکت والی ہے کہ ایک ایسے علاقے کے ساتھ ہماری نسبت ہے کہ جو اسلامی خلافت کے اعتبار سے بھی اسلامی سلطنت کا سب سے پہلا حصہ برصغیر میں ہوا اور علم حدیث کے ساتھ علماء کرام کا تعلق ہے۔حاشیۂ سندھی کے نام سے بخاری شریف کا حاشیہ مشہور ہےاور بھی حدیث کی بہت ساری کتابیں مشہور ہیں، علماءِ سندھ نے ان پر اپنی تعلیقات اور حواشی لکھے ہیں ،اس لیے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلامی سلطنت کی ابتداء کے ساتھ بھی آپ کا علاقہ وابستہ ہے، علامہ بلاذریؒ نے فتوح البلدان میں حضرات تابعین و تبع تابعین کے آنے کے سلسلہ میں جو نقل کیا ہے،اس کے اندر صاف صریح الفاظ میں کچھ (کچھ) کا لفظ لکھا ہے، اور یہ فرمایا ہے: اس سے مراد یہی علاقہ ہے، ہمارے یہاں تو مشہور ہے،اس زمانے میں اور عالم عرب کے اندر مشہور نہیں تھا،تو اس کی نسبت کرتے ہوئے علامہ بلاذریؒ نے اس علاقے کا بھی ذکر کیا ہے۔

فن حدیث میں علماء گجرات کی خدمات:

دوستو بزرگو! احمد آباد شہر میں چار سو مدرسے تھے، بڑی بڑی مسجدیں ہیں، شاہ عالم کی مسجد،خان پور کی مسجد میں شاہ وجیہ الدین سوئے ہوئے ہیں، حضرت شاہ عالم رحمۃ اللہ علیہ بھی سوئے ہوئے ہیں ،شاہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان میں بارہ پشتیں باپ اور بیٹوں کی سب

کے سب قرات سبعہ عشرہ کے قاری تھے، اللہ پاک نے اس طریقے سے اس خاندان کو نوازا، شیخ عبدالملک بمبانی عباسی رحمۃ اللہ علیہ بخاری شریف کے حافظ تھے، زبانی بخاری شریف پڑھاتے تھے، کل ایک صاحب کا احمد آباد سے فون آیا، وہ عباسی خاندان کے بڑی عمر کے بزرگ ہیں، انہوں نے کہا: میرا بیٹا ''الفضل'' مدرسہ سے فارغ ہوا ہے اور آپ کے مدرسہ میں افتاء کرنا چاہتا ہے، میں نے ان سے کہا: حضرت چھبیس بچے امتحان دے کر داخل ہو چکے ہیں، لیکن چونکہ آپ اس خاندان کے ہیں، جس نے ہمیں علم حدیث دیا ہے، اس لئے جگہ نہیں ہوگی تو میں اپنی طرف سے پڑھاؤں گا، لیکن آپ کے پوتے کو ضرور داخل کروں گا، انہوں نے محدثین ومفسرین گجرات پر کتاب لکھی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے خاندان کے ہیں، یہ حضرات یمن سے آئے تھے اور گجرات میں انہوں نے علم حدیث کو پہنچایا، آپ کی بھی محدثین کی سرزمین ہے، اسحاق بھٹی صاحب پاکستان کے بڑے لکھنے والے ہیں، مؤرخ ہے اور علم حدیث پر بھی بہت کام کیا، انہوں نے بڑے بڑے علماء کے سلسلے میں ''برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش'' یہ کتاب لکھی ہے اور اس طریقہ سے ''رجال الہند والسند'' یہ عربی میں کتاب ہے، حضرت مولانا قاضی اطہر مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ کی، اور سندھ اور ہند کے محدثین کا انہوں نے تذکرہ کیا ہے، اس لیے علم حدیث کا آغاز یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے آپ کے لیے، یہ ایک کھوئی ہوئی چیز تھی، اللہ پاک نے ان بانیوں کے اور ان بانیوں کے صاحبزادے اور ان علمائے کرام کے صدقے میں پھر اس علاقے میں حدیث شریف کا نور روشن کیا۔

آج اس کی یہاں نشاۃ ثانیہ ہو رہی ہے، ہم یہ نہیں کہیں گے کہ احادیثِ مبارکہ کا درس اس علاقے میں پہلی مرتبہ ہو رہا ہے، البتہ یہ ضرور کہیں گے کہ ایک لمبی مدت تک احادیث مبارکہ سے ہم تھوڑے سے دور ہو گئے، آج اللہ تبارک وتعالی نے یہ برکت والا دن کچھ (ویڑو) والوں کو نصیب فرمایا، احادیث مبارکہ کی نسبتیں اور احادیث مبارکہ کی خدمتیں جو اس علاقے کے ساتھ وابستہ تھی، آج اللہ تعالی نے ہمیں بھی اس کے ساتھ منسلک کر دیا۔

مشکوۃ شریف کی خصوصیات:

آج ایک ایسی کتاب کی ابتدا ہو رہی ہے، جو کئی کتابوں کا مجموعہ ہے، آپ کے سامنے کتابیں کھلی ہوئی ہیں اور یہ دو کتابوں کا مجموعہ ہے، "مصابیح" بھی ہے اور "مشکوۃ" بھی، مصابیح کے مصنف نے روایتوں کو جمع کیا، لیکن کچھ چیزیں سند وغیرہ کی حوالہ کی رہ گئیں تھیں، تو پھر مشکوۃ کے مصنف تشریف لائے اور انہوں نے اس کے اندر اضافہ کیا فصل ثالث کا، اس لیے ہر زمانے کے علمائے محدثین کے یہاں مشکوۃ المصابیح کا ایک بڑا مقام ہے، اس کی وجہ ایک یہ بھی ہے کہ یہ ایک کتاب نہیں ہے، بلکہ یہ احادیث مبارکہ کی کئی کتابوں کا مجموعہ ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ دورۂ حدیث شریف میں آخری سال میں جو کتابیں احادیث کی پڑھائی جاتی ہیں، ایک سال میں وہ ساری کتابیں ختم نہیں کی جاتی، روایۃً اور درایۃً میں، ایک بڑا حصہ روایۃً ہوتا ہے۔ اس لئے مشکوۃ پڑھانے والے مدرس کو اس کی محنت کرنی پڑتی ہے، پوری کتاب ہمارے مدارس اسلامیہ میں درایۃً پڑھائی جاتی ہے، حدیث شریف بھی پڑھائی جاتی ہے اور اس کے معانی اور اس کے مطالب اور حدیث شریف میں ائمۂ محدثین اور ائمہ مجتہدین نے جو محنتیں اور کاوشیں اور کوششیں فرمائیں، اس کا بھی اس میں ذکر کیا جاتا ہے، اس لیے یہ کتاب بڑی بابرکت ہے، کتاب پڑھانے والے اور پڑھنے والے سب بابرکت ہیں، اللہ پاک نے اس کتاب کو ایسی مقبولیت عطاء فرمائی ہے کہ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ جنہوں نے نصابِ تعلیم پر بہت سارے مضامین لکھے ہیں، مدارس کا نصاب کیسا ہو؟ مشکوۃ کے سلسلہ میں آپ نے بھی اور مقالات سلیمانی میں علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان میں مشکوۃ کس طریقہ سے آئی؟ اس سے پہلے اور دوسری حدیث شریف کی کتاب پڑھائی جاتی تھی، لیکن جب مشکوۃ آئی تو عموماً صرف مدارس اسلامیہ میں ہی نہیں بلکہ صوفیاء کرام کی خانقاہوں میں بھی مشکوۃ المصابیح کا درس ہونے لگا اور ہمارے لیے بڑی خوشی اور مسرت کا مقام ہے کہ ہندوستان کے ایک بہت بڑے محدث حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی

رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور اکبر کے زمانے میں گزرے؛ یہ دونوں بڑے بزرگ ہیں، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے میدان میں کام کیا اور علم حدیث میں حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑا کام کیا، مشکوۃ شریف سے آپ کو خصوصی مناسبت تھی، اس لیے آپ نے اس کی دو شرحیں لکھیں، ایک شرح فارسی میں لکھی جس کا نام "اشعۃ اللمعات" ہے اور ایک دوسری شرح لکھی "لمعات" جو عربی زبان میں ہے، جو اب تک ہندوستان میں نہیں ملتی تھی، اللہ تعالی جزائے خیر عطا فرمائے محدثِ وقت علامہ تقی الدین ندوی دامت برکاتہم کو کہ انہوں نے اس کتاب پر محنت فرمائی، حواشی چڑھائے، اس کے حوالے لکھے اور حواشی کے اندر نسخے کے اعتبار سے، شرح کے اعتبار سے آپ نے بہت بڑا کام فرمایا، میری طلبۂ عزیز سے گزارش ہے اور مدرسہ کے ذمہ دار حضرات سے کہ آپ نے مشکوۃ المصابیح کو شروع فرمایا ہے، حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ دونوں کتابیں ہمارے طلبائے عزیز تک پہنچائی جائے اور وہ اس سے فائدہ اٹھائیں، اور اگر ہر طالب علم کو میسر نہ ہوسکے تو آپ کے سامنے ان کا حاشیہ ہے اور حاشیہ میں حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی لمعات کی بہت ساری چیزیں آپ پڑھیں گے، ملاعلی قاریؒ کی مرقات جو مشکوۃ کی شرح ہے، اس سے بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں، حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی "التعلیق الصبیح" مشکوۃ کی شرح لکھی۔

ابن حجر دو ہیں:

یہ بھی یاد رکھیں کہ حافظ ابن حجر دو ہیں، (۱) ابن حجر عسقلانی اور (۲) ابن حجر ہیثمی مکی۔ ابن حجر عسقلانیؒ کو تو اللہ پاک نے علم حدیث میں بہت بڑا مقام عطا فرمایا تھا، علم حدیث میں بخاری شریف کی جو آپ نے شرح لکھی ہے، اس کا کوئی بدل نہیں، اس کا نام "فتح الباری" ہے، لیکن دوسرے محدث ہیں ابن حجر ہیثمیؒ، ان کو گجرات سے مناسبت یہ ہے کہ جس وقت گجرات میں علمِ حدیث آیا اور یہاں کے علماء نے جن حضرات سے علم حدیث کو حاصل کیا، ان میں سے

اکثر حضرات حافظ ابن حجر ہیثمیؒ کے شاگردوں میں سے ہیں، اس لیے گجرات کو علم حدیث سے بڑی مناسبت ہے، جس وقت ہندوستان میں منطق و فلسفہ کی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں، اس موقع پر اللہ پاک نے صوبۂ گجرات میں شیخ علی متقی رحؒ جنہوں نے ''کنز العمال'' لکھی اور اس طرح حضرت مولانا محمد بن طاہر پٹنی جنہوں نے حدیث شریف کی شرح لکھی، اصل تو لغات میں لکھی ہے ''مجمع بحار الانوار''، لیکن جناب صدیق حسن نواب صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ایسی کتاب اور ایسی شرح لکھی کہ عالم اسلام کے کتب خانوں میں احادیث مبارکہ کی لغات اور اس شرح کے اعتبار سے اس کا مثل اور بدل نہیں، اتنی شاندار محنتیں صوبۂ گجرات میں علم حدیث کی نسبت سے ہوئی۔

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ کا علم حدیث میں مقام:

جس محدث عظیم کا میں نے نام لیا، شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ خود مدینہ منورہ گئے اور شیخ علی متقی کے قریبی رشتہ دار شیخ عبدالوہاب متقی مکی رحمۃ اللہ علیہ اور بھروچ شہر کے ایک بہت بڑے محدث شیخ عبداللہ تھے مدینہ منورہ میں، ان دونوں حضرات سے حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے علم حدیث حاصل کیا، حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کمال ہے، میں نے خود حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے بخاری کے حاشیہ میں دیکھا ہے، اس میں جب مشکل مقام آتا ہے تو اکثر و بیشتر مقامات پر میں نے دیکھا، وہاں نہ ابن حجر عسقلانی کا حوالہ ہوتا ہے، نہ علامہ عینی کا حوالہ ہوتا ہے، نہ قسطلانی کا حوالہ ہوتا ہے، نہ کرمانی کا حوالہ ہوتا ہے، وہ اس جگہ پر شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ دیتے ہیں اور وہ جگہ حدیث میں مشکل مقامات میں سے ہوتی ہے، شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ پاک نے عربی زبان میں ایسا ملکہ عطا فرمایا تھا، اور ایسی مٹھاس اور ایسی چاشنی آپ کو عربی زبان میں اور خاص کر کے حدیثی زبان میں عطا فرمائی تھی کہ آج بھی جب ہم ان کا حاشیہ پڑھتے ہیں، تو دوسرے محشی حضرات کے مقابلے میں ان کے حاشیہ میں

عربی زبان کا ادب اور فصاحت و بلاغت بھی ہوتی ہے۔ مختصر جملوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی احادیث مبارکہ کو وہ سمجھاتے ہیں، تو مشکوۃ شریف ایک ایسی کتاب ہے کہ ہمارے علماء محدثین نے مشکوٰۃ کی بہت ترغیب دی ہے، اس لئے کہ بخاری شریف اور صحاح ستہ سے پہلے مشکوۃ المصابیح پڑھی جاتی ہے، اس لئے طالب علم کو اور استاد کو اس کتاب میں بہت تیاری کرنی پڑتی ہے، حضرات محدثین اور شرّاح نے جو کچھ لکھا ہے اس پر ان کو کام کرنا پڑتا ہے۔

فخر ہند، محدث کبیر حضرت مولانا شیخ عبدالحق دہلویؒ ابھی عالم وجود نہیں آئے تھے کہ گجرات علم حدیث کا مرکز بن چکا تھا؛ بلکہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے گجرات کے دو عالم شیخ عبدالوہاب اور شیخ عبداللہ بھروچی سے حدیث کا علم حاصل کیا۔

علامہ سخاویؒ (جو محدث جلیل حافظ حدیث علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کے شاگرد ہیں)، حافظ ابن حجر مکی اور شیخ الاسلام زکریاؒ کے تلامذہ کافی تعداد میں یہاں بس گئے تھے، اور تشنگان حدیث ان سے سیراب ہوتے تھے، بقول مولانا سید عبدالحئیؒ لکھنویؒ علوم وفنون میں اگر گجرات شیراز تھا تو حدیث شریف کی خدمات کے لحاظ سے یمن میمون سے مماثلت رکھتا تھا۔

صحیح بخاری شریف کی دو شرحیں جو غالباً ہندوستان میں بخاری شریف کی سب سے قدیم شرحیں ہیں، یعنی علامہ بدرالدین کی مصابیح الجامع جو آپ نے احمد شاہ بادشاہ کے نام معنون کی، اور دوسری شرح سید عبدالاول حسینیؒ کی فیض الباری اسی سرزمین پر لکھی گئی ہیں۔ ۸۵۱ھ کا گجراتی عالم کا لکھا ہوا بخاری شریف کا نسخہ بھی پٹن میں موجود تھا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث (بخاری) کا درس نویں صدی میں بھی جاری تھا، فتح الباری شرح بخاری کا نسخہ ابوالقاسم مکی دسویں صدی کو گجرات میں لیکر داخل ہوتے ہیں، امیر الغ خاں کی موجودگی میں بخاری شریف کا ختم ہوتا ہے، اور امیر کی طرف سے اختتام جلسہ پر پرتکلف دعوت کا اہتمام ہوتا ہے، اسی صدی کا بخاری شریف کے ختم کا دوسرا واقعہ بھی ذکر کیا جاتا ہے، شیخ عبدالمعطی کی ایک کتاب حدیث کے اسماء رجال پر اس صدی میں لکھی گئی تھی، صحیح مسلم شریف کا سب سے قدیم

نسخہ سلطان محمود کے کتب خانہ میں تھا جس پر عبدالرحیم خاں کی مہر گی ہوئی ہے۔ ۹۹۲ھ میں احمد آباد کے کتب خانہ میں آنے کی تاریخ درج ہے۔

حافظ سخاویؒ کے تلامذہ میں سب سے پہلے غالباً مولانا راجح بن داود گجراتی ہیں، ۸۹۴ھ میں وہ حافظ موصوف کے حلقہ میں داخل ہوئے، اور **الفیۃ الحدیث** کی سند حاصل کی، علامہ سخاویؒ **الضوء اللامع** میں ان کی فہم اور عقلمندی کی تعریف کرتے ہوئے حدیث شریف کی اجازت دینے پر خود خوشی محسوس کرتے ہیں، اس کے بعد وہ گجرات وارد ہوئے، لوگوں نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا، ۹۰۴ھ میں احمد آباد میں وفات پائی، اس کے بعد مولانا وجیہ الدین مالکیؒ آئے، ان کی بڑی قدر ہوئی، سلطان گجرات نے ان کو ملک المحدثین کا لقب دیا، وہ یہیں کے ہو رہے، ۹۲۹ھ میں وفات پائی۔

ان ہی کے ہم عصر مولانا علاء الدین احمد نہروالی ہیں، عرب جا کر حافظ بن فہد اور نورالدین شیرازی سے حدیث کی سند حاصل کی، آخر عمر مکہ معظّمہ میں گذاری، حرمین شریفین کے علماء نے بڑے ذوق و شوق کے ساتھ آپ سے حدیث شریف کی اجازت حاصل کی اور وہیں اپنا سلسلہ درس جاری رکھا، ۹۴۹ھ میں وفات پائی۔

ان ہی کے قریب العہد حافظ سخاوی کے دوسرے شاگرد جمال الدین محمد بن عمر حضرمیؒ مظفر شاہ حلیم سلطان گجرات کے زمانہ میں آئے، سلطان نے خود زانوئے ادب ان کے سامنے طے کرتے ہوئے ان کو اپنا استاذ بنایا، احمد آباد (گجرات) میں ۹۳۱ھ میں وفات پائی۔

شیخ عبدالمعطی بن الحسن باکثیر المکی کو شیخ الاسلام زین الدین زکریا انصاری سے حدیث کی سند حاصل تھی، ۹۵۳ھ میں وفات پائی۔

شہاب الدین احمد العباس المصری شیخ الاسلام زین الدین زکریا کے شاگرد تھے، اور صاحب تصنیفات تھے، شاہان گجرات کے نام پر کئی کتابیں تصنیف کی تھیں، ۹۹۲ھ میں وفات پائی، سید عبداللہ شیرازی چانپانیر میں حدیث کا درس دیتے تھے، علم حدیث واصول

حدیث میں رسالہ لکھا جو مشکل اور جمیع اقسام حدیث کو شامل ہے، ۹۸۲ھ میں وفات پائی۔

شیخ محمد بن عبد اللہ الفاکہی جو علامہ ابن حجر مکی کے شاگرد تھے، ۹۹۲ھ میں وفات پائی، سید شیخ بن عبد اللہ العیدروس علامہ ابن حجر مکی اور حافظ عبد الرحمن بن ربیع الشیبانی کے شاگرد تھے، ۹۹۰ھ میں وفات پائی۔

شیخ محمد بن فضل اللہ احمد آباد میں پیدا ہوئے، شاہ وجیہ الدین کے شاگرد ہیں، حدیث و تفسیر کے درس میں زندگی بھر مشغول رہے، ۹۷۲ھ میں وفات پائی۔

شیخ سعید شافعی حبشی شاگرد ابن حجر کی متوفی ۹۹۱ھ، جمال الدین محمد بن عبد الرحیم عمودی متوفی ۹۸۴ھ، جمال الدین محمد علی بن الحشیری متوفی ۱۰۰۰، مجد الدین محمد بن محمد الایجی، یہ چند اسماء گرامی ان محدثین کے ہیں جنہوں نے گجرات میں رہ کر اپنی عمر عزیز اس فن شریف کی خدمت میں بسر کردی۔

کچھ مدت کے لئے گجرات میں اقامت اختیار کرنے والے محدثین:

کچھ ایسے بھی ہیں جو تشریف لائے اور برسوں رہے، لوگوں نے ان سے فائدہ اٹھایا پھر واپس تشریف لے گئے، انہیں بزرگوں میں حدیث شریف کی مشہور کتاب **کنز العمال في سنن الاقوال و الافعال** کے مصنف حضرت شیخ علی متقی رحمۃ اللہ علیہ تھے، جو گجرات میں بود و باش اختیار کرنے کے بعد ہجرت کر گئے تھے،، دو تین بار گجرات تشریف لاکر احمد آباد میں رہے، اورا پنے انفاس متبرکہ سے لوگوں کو عرصہ تک مستفید ہونے کا موقع دیا، سلطان محمد نے آپ کے قدموں میں اپنی سلطنت لاکر رکھ دی، آپ کی اور آپ کے مدرسہ وطلبہ کے وظائف بھی جاری کئے، ۹۷۵ھ میں شیخ علی متقی نے ۹۵ سال کی عمر میں وفات پائی۔

ان ہی بزرگوں میں سید عبد الاول حسینی شارح صحیح بخاری کی ذات گرامی ہے، جو آخر عمر میں بیرم خاں کے اصرار سے دہلی چلے گئے تھے اور وہیں رحلت فرمائی، یہ برسوں گجرات میں رہے، شیخ طیب سندی نے قیام گجرات کے زمانے میں ان سے حدیث پڑھی تھی، جو تقریباً

پچاس برس تک ایلچ پور برہان پور میں اس فن شریف کی خدمت کرتے رہے۔

شیخ عبداللہ بن سعدالدین متقی اور شیخ رحمۃ اللہ بن عبداللہ سندی دونوں کا شمار محدثین کبار میں تھا، آپ کی سند حدیث بہت عالی تھی، اور دونوں مہاجر تھے، کشش آب و دانہ سے گجرات تشریف لائے، اور برسوں احمد آباد میں رہ کر حدیث کی خدمت کرتے رہے، اسی زمانہ میں شیخ بہلول دہلوی نے گجرات پہنچ کران دونوں بزرگوں سے حدیث پڑھی تھی، اور دہلی واپس جا کر مدۃ العمر اسی فن شریف کی خدمت کرتے رہے، مولانا عبدالملک عباسی کا شماران محدثین کرام میں ہے جنہوں نے ساری عمر اسی فن شریف کی خدمت میں صرف کی، انہوں نے اپنے بھائی مولانا قطب الدین سے حدیث پڑھی تھی اور انہوں نے علامہ سخاویؒ سے استفادہ کیا تھا، ۹۷۰ھ میں وفات پائی صحیح بخاری ان کو لفظاً و معناً یاد تھی، ایک مؤرخ ان کی نسبت لکھتا ہے **"کان حافظا للقرآن و صحيح البخاري لفظا و معناو كان يدرس عن ظهر قلبه و لم يكن مثله في زمانه في التوكل و التجريد"**۔یعنی وہ قرآن شریف اور صحیح بخاری کے لفظاً و معناً حافظ تھے، اور اپنی یادداشت سے درس دیتے تھے، ان کے زمانہ میں توکل و تجرید میں ان کی کوئی نظیر نہ تھا۔

حدیث شریف کے درس و تدریس اور کتابوں کی تصنیفات میں خاص اہمیت کے مالک علامہ مجدالدین محمد بن طاہر پٹنی ایسے بلند پایہ محدث تھے جن کے فضل و کمال کی شہرت دنیا بھر میں ہے، اوران کی تصنیفات سے علماء حجاز و یمن اسی طرح سے فائدہ اٹھاتے ہیں جیسے کہ ہندوستان کے علماء، انہوں نے ملامہنہ، شیخ ناگوری، مولانا یداللہ اور مولانا برہان الدین سے علم حاصل کرنے کے بعد مکہ معظّمہ جا کر شیخ ابوالحسن بکری، علامہ ابن حجر مکی، شیخ علی بن العراق، شیخ جار اللہ بن فہد، و دیگر محدثین کرام سے حدیث پڑھی، اور عرصہ تک شیخ علی متقی کی صحبت میں رہے، وہاں سے آنے کے بعد بجز تصنیف و تدریس کے اور کوئی شغل اختیار نہیں کیا، اور جو دولت ان کو اپنے پدر بزرگوار سے ملی تھی اس کو بے دریغ وظائف طلبہ پر صرف کر ڈالا، حضرت شیخ عبدالقادر حضرمی "النور السافر" میں لکھتے ہیں: **حتى لم يعلم اناحدا من علماء**

غجرات بلغ مبلغه في فن الحديث كذا قاله بعض مشائخنا. ہمارے بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ یہ بھی معلوم نہیں کہ علماء گجرات میں سے فن حدیث کے اندر کوئی ان کے برابر کا ہو۔

ان کی سب سے مشہور تصنیف لغت حدیث میں **"مجمع بحار الانوار"** ہے جس کو یہ کہنا چاہئے کہ وہ صحاح ستہ کی شرح ہے، نواب سید صدیقی حسن خاں مرحوم **"اتحاف النبلاء"** میں اس کی نسبت لکھتے ہیں: **"كتاب متفق على قبوله بين اهل العلم منذ ظهر في الوجود، له منة عظيمة بذلك العمل على اهل العلم"** جب سے یہ کتاب تصنیف ہوئی ہے اس وقت سے اہل علم میں یہ مقبول ہے، اور سب کو اس پر اتفاق ہے، شیخ محمد بن طاہر نے اس کو تصنیف کر کے علماء پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔

علاوہ اس کتاب کے ان کی تصنیفات میں سے **"المغنی فی اسماء الرجال"** اور **"تذکرۃ الموضوعات وقانون الموضوعات"** بے مثل کتابیں ہیں جو ملا علی قاری اور علامہ شوکانیؒ کی **الموضوعات** سے بھی بڑی اور ضخیم ہے، ایک رسالہ مشکوۃ شریف کی لغات پر بھی لکھا ہے، ۹۸۶ھ میں ان کو مرتبۂ شہادت حاصل ہوا۔

مفتی قطب الدین محمد نہروالی گجرات کے ان علماء کرام میں تھے جن پر ہم سب کو فخر ہے، یہ بہت بڑے محدث اور ادیب تھے، اپنے والد مولانا علاء الدین احمد سے علم حاصل کر کے مکہ معظّمہ گئے اور شیخ احمد بن محمد العقیلی النویری ومحدث یمن عبدالرحمن بن علی ربیع سے حدیث پڑھی، نورالدین ابوالفتوح شیرازی سے ان کو بھی صحیح بخاری کی سند حاصل تھی، جو قلت وسائط کی وجہ سے حجاز و یمن میں بہت مقبول ہوئی، ان کو حرم شریف میں درس دینے کا شرف حاصل ہوا، اور باوجود ہندی ہونے کے شرفاء مکہ کے میر منشی قرار دیئے گئے، مزید قابل فخر بات یہ کہ ان کے حرم شرف میں قیام کے دوران محدث کبیر شارح حدیث ملا علی قاریؒ نے آپ سے حدیث کے علم میں زانوئے تلمذ طے کیا۔

حضرت شاہ وجیہ الدین علویؒ کو کیسے فراموش کر سکتے ہیں جنہوں نے ۶۷ سال تک احمد آباد

میں معقولات ومنقولات کا درس دیا، درس نظامی کی ۲۲ کتابوں پر حواشی لکھے، اصول حدیث کی مشہور کتاب **شرح نخبۃ الفکر** پر بھی آپ کا حاشیہ ہے جس کا قلمی نسخہ رام پور کے کتب خانے میں موجود تھا، آپ کے ایک شاگرد حکیم عثمان صدیقیؒ نے بخاری شریف کی شرح بھی لکھی ہے۔

مولانا نورالدین احمد آبادی: کثرت تصنیفات میں شاہ وجیہ الدین کے بعد آپ سے بڑھ کر کوئی نہیں گذرا، بخاری شریف کی ایک شرح لکھی ہے جس کا نام **نور القاری شرح صحیح البخاری** ہے۔

مولانا خیرالدین سورتی جو شیخ محمد حیات سندھی کے شاگرد ہیں، ۵۰ سال تک سورت میں آپ نے حدیث شریف کا درس دیا ہے۔

شیخ تاج الدین پٹنی صحاح ستہ کے حافظ تھے، شیخ عبدالکریم گجراتی جو ابن حجر مکی کے شاگرد ہیں "**النهر الجاری علی البخاری**" کے نام سے بخاری شریف کی شرح لکھی ہے، شیخ جعفر بخاری گجراتی کی "**الفیض الطاری شرح البخاری**"، شیخ شطاری گجراتی کی "**ذریعة النجاة شرح مشکوة**" اور "**شرح نخبة الفكر**"، شیخ سعید جعفر گجراتی کی "**زينة النكات شرح مشكوة**" عبدالقادر حضرمی کا فتح الباری شرح بخاری پر حاشیہ، شیخ ابوبکر بھروچی کا شفاء قاضی عیاض کا فارسی ترجمہ، مولانا ولی اللہ سورتی کی "**التنبيهات النبوية في سلوك الطريقة المصطفوية**" اور مشکوۃ شریف، شفاء قاضی عیاض اور **المواهب اللدنيه** کی تلخیص، مولانا ہاشم سورتی کے تراجم بخاری پر عربی میں سات اجزاء، مولانا فاضل سورتی کی **معین الفضائل شرح شمائل** وغیرہ کتب حدیث وشروحات؛ بخاری وغیر علم حدیث کے ساتھ ان کے خصوصی تعلق اور شغف کی دلیل ہے۔

احادیث مبارکہ کا اسلام میں کیا مقام ہے؟

دوستو اور بزرگو! میں اپنی گفتگو میں کچھ دوسری باتیں کہنا چاہتا ہوں، اس لئے کہ ہمارے بہت سارے حضرات جو عوام الناس ہیں، جو اپنے دیہات سے محض جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث سے محبت کی نسبت پر یہاں آئے ہیں، ان کو میں کہنا چاہتا ہوں کہ احادیث مبارکہ کا

اسلام میں کیا مقام ہے؟ جب کسی چیز کے مقام اور مرتبہ کا ہم کو پتہ نہیں چلتا ہے وہاں تک اس چیز سے ہماری صحیح معرفت اور صحیح تعلق نہیں ہوتا ہے، ایک آدمی سیدھے سادے لباس میں ہمارے پاس بیٹھا ہوا ہے، ہمیں یہ معلوم نہیں ہے کہ یہ بہت بڑے عالم اور مفتی صاحب ہیں، ہم ان کو دیہاتی سمجھتے ہیں؛ یا کوئی ڈاکٹر اور پروفیسر صاحب ہوں اور ہم ان کے عہدے اور مرتبہ اور ان کی تعلیم کو نہیں جانتے تو ہم ان کی وہ قدر نہیں کرتے، لیکن جب پتہ چلتا ہے کہ یہ ڈاکٹر صاحب ہیں، انجنیئر صاحب ہیں، مفتی صاحب ہیں، بڑے عالم ہیں، محدّث ہیں، تو جیسے جیسے ان کی صفات کا پتہ چلتا ہے اس کے مطابق ہم کو ان کے مقام کا بھی احساس ہوتا ہے، اس وقت جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ اپنا کیا مقام رکھتی ہے؟ اس کو جاننا بہت ضروری ہے، آج ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں سے دور ہو چکے ہیں، آپ کی محبت اور آپ کی تعلیمات پر عمل کرنے سے ہم نے اپنے آپ کو بہت دور کر دیا ہے، ہمارے سر سے لے کر پیر تک اور ہمارے بچے سے لے کر بوڑھے تک یورپی تہذیب، یورپی کلچر اور دنیا میں فیشن کے عنوان سے جو نئی نئی چیزیں آرہی ہیں، بے شرمی اور بے حیائی کے عنوان سے ہماری زندگیوں میں، ہمارے ماحول میں، ہمارے سماج میں، ہماری شادیوں میں، ہماری معیشت میں، یہ ساری چیزیں غیروں کی ہمارے سماج میں اور ہمارے ماحول میں آچکی ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباس ؓ کا علم حدیث حاصل کرنے کے لیے مجاہدہ کرنا:

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ کیا چیز ہے؟ وہ ان سے پوچھا جائے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضری دی، حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین؛ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی ہیں، آپ مدینہ منورہ کی دوپہر کی تپتی ہوئی ریت میں جو اکابر صحابہ کرام تھے، جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے احادیث مبارکہ کو یاد کیا تھا، یہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما چھوٹے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے، تو آپ کی عمر تقریباً تیرہ (۱۳) سال کے قریب بتلائی جاتی ہے، آپ

نے بہت ساری احادیث جو آپ ﷺ سے یاد نہیں کی تھیں اور مجلس میں حاضر نہ ہو سکے تھے تو آپ اپنے آپ کو اکابر صحابہ کرام کے دروازے پر لے جاتے، جب صحابہ ظہر کی نماز کے لئے باہر نکلتے ہیں تو اپنے دروازے پر جناب نبی اکرم ﷺ کے چچازاد بھائی کو دیکھتے ہیں، تو یہ حضرات کہتے ہیں کہ آپ یہاں کیوں آئے؟ کہا کہ فلانی روایت آپ ﷺ سے آپ نے براہ راست سنی ہے، وہ روایت میں آپ سے پوچھنے اور یاد کرنے آیا ہوں، وہ صحابی یہ عرض کرتے ہیں: آپ ہمیں کہہ دیتے، ہم آپ کے گھر آتے اور آپ کو یہ روایتیں سناتے، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کے روضۂ اقدس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں، کہ ان کے علم اور ان کی احادیث کا ادب اور احترام یہ ہے کہ میں خود اس حدیث کے بیان کرنے والے کے پاس جاؤں۔ (جامع السنن والمسانید ابن کثیر: ۱۰/۳۰)

امام مالکؒ کی حق گوئی:

ہارون رشید دنیا کا بڑا بادشاہ گذرا ہے، چائنہ (CHAINA) سے لے کر افریقہ کے جنگل تک اللہ تعالی نے اتنی لمبی چوڑی حکومت دی تھی، ایک مرتبہ بادل جارہے تھے، ہارون رشید نے اس کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ تو جس علاقے میں بھی جا کر برسے گا، وہ میری حکومت ہوگی، یہ اتنی بڑی سلطنت کے مالک؛ انہوں نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ میرے دو صاحب زادے مامون اور امین آپ سے حدیث شریف کا علم حاصل کرنا چاہتے ہیں، آپ میرے دربار میں آجائیں اور ان بچوں کو حدیث شریف کا علم سکھلائیں۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: آپ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس کے خاندان سے ہیں، اور اس گھر سے یہ سبق ملا ہے کہ علم حدیث کے لیے ہمیں جانا ہوتا ہے، حدیث شریف پڑھانے والا ہمارے پاس نہیں آئے گا، اگر میں آپ کے گھر آجاؤں تو وہ غریب طلباء جو بے چارے دور دراز علاقوں سے علم حاصل کرنے میرے پاس آئیں گے، ان کا کیا حال ہوگا؟ آپ کے دربار میں سب کو تو اجازت نہیں ہوگی، اس لئے اگر مامون اور امین کو

''موطا'' پڑھنی ہے، تو یہ عام طلبہ کی طرح میری مسجد میں آئیں گے اور حدیث شریف کا علم حاصل کریں گے، ہارون رشید نے بھی ان کا احترام کیا اور انہوں نے اپنے دونوں صاحب زادوں کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں بھیجا، صحابہ کرام، خلفاء اور مسلمانوں کے بادشاہ وقت کو معلوم تھا کہ حدیث شریف دین میں کیا مقام رکھتی ہے اور معاشرہ میں کیا کردار ادا کرتی ہے۔

سنتوں پر عمل کرنے سے شان صحابیت پیدا ہوتی ہے:

دوستو اور بزرگو! حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں جتنے بھی دینی یا دنیوی علم ہے، ہر علم کا اپنا ایک خاصہ ہے، اس کا ایک اثر ہوتا ہے، ایک آدمی ڈاکٹر ہے تو ڈاکٹر کی لائن سے ان پر اثر آئے گا اور انجینئر ہے تو انجینئرنگ کا؛ ایک آدمی کاشتکار ہے تو کاشتکاری میں اس کی طبیعت اور اس کے مزاج کے اثرات بدلتے رہیں گے، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو احادیث مبارکہ سے تعلق رکھے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایتوں کو پڑھے گا، سنے گا، اس پر عمل کرے گا تو اس شخص کے اندر شان صحابیت پیدا ہوگی، صحابہ کرام کی شان اگر پیدا کرنی ہے تو ہم کو جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایتوں سے زندگی کو آراستہ کرنا ہوگا ہر عمل میں، میرے نبی کیسے سوتے تھے؟ میرے نبی نے کیسے کھانا کھایا؟ میرے نبی نے کپڑے کیسے پہنے؟ میرے نبی نیند سے رات میں اٹھتے تھے تو کون سی دعائیں پڑھتے تھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں اٹھتے تھے تو کس طرح تہجد پڑھتے تھے؟ آپ کے گھر کے اندر کیسے فاقہ چلتا تھا؟ آپ اپنے گھر کے اندر کس وقت ہوتے تھے؟ ازواج مطہرات اور آپ کی اہلیہ محترمہ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے کام کاج میں کیسے شریک ہوتے تھے؟

دوستو اور بزرگو! قرآن کریم میں یہ چیلنج کیا کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے علاوہ اور آپ کی سیرت کے علاوہ تمہارے لئے اور کوئی سیرت، نمونہ اور آئیڈیل نہیں بن سکتی، لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. (ممتحنہ:٦) تاکید کے ساتھ فرمایا، تمہارے

لیے اللہ کے رسول کی زندگی اسوہ اور نمونہ ہے اور قرآن کی یہ آیت قیامت تک کے انسان کے لئے نازل ہوئی ہے، ایمان والوں کے لیے بھی، بغیر ایمان والوں کے لیے بھی، سائنس، ٹیکنالوجی پڑھنے والوں کے لیے بھی اور دیہات میں رہنے والے عامی اور جاہل آدمی کے لیے بھی، ایک کاشتکار کے لیے بھی اور ایک تاجر کے لئے بھی جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی نمونہ ہے، اس لئے کہ قرآن کریم کی اس آیت کریمہ میں یہ نہیں کہا کہ فلاں کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی نمونہ ہے اور فلاں کے لئے نہیں، ہاں! صفات ضرور بتلائیں، لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ. (ممتحنہ:٦) جو اللہ تعالیٰ کے پاس قیامت کے دن ملنے کی امید کر رہا ہو، آخرت کے دن کا اس کو استحضار ہوگا تو آپ کی زندگی اس کے لیے نمونہ ہے۔

دوستو اور بزرگو! ہمیں پیدائشی طور پر اور وراثتی طور پر جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دین مل گیا، اس لیے احادیث مبارکہ کی اور دینِ اسلام کی وہ قدر نہیں ہے۔

ایک واقعہ:

جرمنی کا ایک مستشرق اور ایک بہت پڑھا لکھا آدمی، بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان کی دولت سے مالا مال فرمایا، محمد اسد صاحب، انہوں نے اپنی سیرت لکھی ہے، اپنی سوانح حیات لکھی ہے، میں کفر کے زمانے میں کیسا تھا؟ یورپ میں کیسی زندگی گزار رہا تھا؟ اسلام کیوں لایا؟ اور اسلام میں آنے کے بعد مجھے کیا فائدے ہوئے؟ اسی میں انہوں نے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ پر ایک تفصیلی کلام کیا ہے، ایک مستشرق اور یورپ کا رہنے والا اس کی پوری زندگی مادیت (ભૌતિકવાદ) کی چیزیں، اور دنیا میں عمر گزری، جن کے یہاں خدائیت کا کوئی تصور نہیں، جو ملحد لوگ ہیں، ایسے ماحول میں ان کو اللہ پاک نے ایمان کی توفیق دی اور اس کے بعد جب یہ عالم اسلام میں گئے، تو وہاں مسلمانوں کے حالات دیکھے تو انہوں نے سیرت مقدسہ پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ پر تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے لکھا کہ دو الگ الگ زندگی کے نمونے ہیں، ایک وہ نمونہ ہے جو میں نے یورپ میں دیکھا اور ایک وہ

نمونہ ہے جو میں نے احادیث مبارکہ کی کتابوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھا اور اس کے بعد لکھا کہ مسلمانو! مجھے بہت افسوس ہے کہ میں نے عالم اسلام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت نہیں دیکھی، یورپ کی تہذیب اور یورپ کا کلچر دیکھا اور اس کے بعد فرمایا کہ دونوں کے درمیان بڑا فرق ہے، ایک طرف اللہ کو راضی کرنا، اپنی زندگی کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ساتھ وابستہ کرنا اور اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والے اعمال پر لگانا اور ایک اس کے مقابلے میں دوسری زندگی ہے، جہاں مرنے کے بعد والی زندگی کا تصور نہیں، جہاں صرف اور صرف روزی روٹی کمانا اور کھا پی کر زندگی بسر کرنا ہے، فارسی میں مثل مشہور ہے،

بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

قرآن نے فرمایا: نموت و نحی وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ ۔ (جاثیہ: ۲۴) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے جو ملحدین تھے جنہوں نے یہ کہا کہ کھانا پینا اور جیسے یہ گھڑی ایک مدت کے بعد خراب ہو جاتی ہے، پنکھا بگڑ جاتا ہے، پھینک دیا جاتا ہے؛ انسان کا بھی یہ مشین بگڑ جاتا ہے، وہ دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے، اس کے بعد کوئی نئی زندگی نہیں ہے، لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دین ہمیں دیا ہے، اس میں ہر وقت مرنے کے بعد والی زندگی کا تصور ہے۔

فاضل مصنف محمد اسد نے اپنی کتاب میں جس کا عنوان ہے ''اسلام دوراہے پر'' اسلام دشمنی کے حقیقی اسباب اور اس سازش کی خطرناکی کی جو مسلم معاشرہ کو اس بے بدل قوت سے محروم، اور اس بے نظیر خزانہ سے خالی کر دینا چاہتی ہے، بڑی اچھی تشخیص کی ہے، وہ کہتے ہیں:

''سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ آہنی ڈھانچہ ہے، جس پر اسلام کی عمارت کھڑی ہے، اگر آپ کسی عمارت کا ڈھانچہ ہٹا دیں تو کیا آپ کو اس پر تعجب ہوگا کہ عمارت اس طرح ٹوٹ جائے، جس طرح کاغذ کا گھروندا''۔

انکار حدیث کا اثر اور اتباع سنت کی ضرورت اور اس کا نتیجہ بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''لیکن اعلیٰ مقام جو اسلام کو اس حیثیت سے حاصل ہے کہ وہ ایک اخلاقی عملی، انفرادی

اوراجتماعی نظام ہے،اس طریقہ سے (یعنی حدیث اوراتباع سنت کی ضرورت کے انکار سے) ٹوٹ کراور بکھر کررہ جائے گا۔

جب تک حدیث شریف کا یہ ذخیرہ باقی اوراس سے استفادہ کا سلسلہ جاری رہے گااوراس کے ذریعہ سے عہد صحابہ کا ماحول محفوظ ہے، دین کا صحیح مزاج و مذاق جس میں آخرت کاخیال دنیا پر، سنت کا اثر رسم ورواج پر، روحانیت کا اثر مادیت پر غالب ہے، باقی رہے گا،توکبھی اس امت کودنیا پرستی، سرتاپا مادیت، انکارآخرت اور بدعات وتحریفات کا پورے طور پر شکار نہیں ہونے دے گا؛ بلکہ اس کے اثر سے ہمیشہ اس امت میں اصلاحی وتجدیدی تحریکیں اور دعوتیں اٹھتی رہے گی اور کوئی نہ کوئی جماعت حق کی علمبرداراور سنت وشریعت کے فروغ کے لئے کفن بردوش رہے گی اورآپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ پیشین گوئی برابر قیامت تک حق وثابت رہے گی، **لا تزال طائفة من امتی قوامة علی امر اللہ لا یضرھا من خالفھا**. (ابن ماجہ: المقدمۃ، باب اتباع سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

میری امت میں ایک جماعت برابر دین وشریعت کی نگرانی کرتی رہے گی، مخالفت کر نے والا اس کوکوئی تکلیف وگزند نہیں پہونچا سکے گا۔

علم حدیث میں اسناد کی اہمیت:

دوستو اور بزرگو! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ نے ہمیں کیا فائدہ پہنچایا؟ یہ تب سمجھ میں آئے گا جب دنیا کی دوسری امتوں کی تاریخ ہم دیکھیں گے، ایک یہودی کو آج حضرت موسیٰ ؑ کی زندگی پر عمل کرنا ہے کہ حضرت موسیٰ ؑ کے رات اور دن کیسے گذرتے تھے؟اس کے پاس کوئی نمونہ نہیں، انھوں نے موسیٰ ؑ کی زندگی کو محفوظ شکل میں نہیں یادرکھا؛ بلکہ موسیٰؑ کی زندگی تو بہت بعد کی چیز ہے، اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی توراۃ جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ ؑ پر اتاری، يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهِ (نساء:۴۶) انھوں نے اس کتاب میں بھی تحریف اور تبدیلی کردی، سیدنا موسیٰ ؑ کی زندگی پرآج دنیا میں کسی یہودی کوبھی عمل کرنا ہوتو اس کے پاس کوئی اسوہ اور کوئی نمونہ نہیں ہے۔

ایک عیسائی پادری بہت پڑھے لکھے ہیں دنیاوی اعتبار سے، انہوں نے یہ لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ ؑ کی زندگی کا اسوہ اور نمونہ اور آپ کی سیرت لکھنے کے لیے میں نے برسوں تک محنت کی، مسلسل محنت کرنے کے بعد بھی مجھے جو چیز حضرت عیسیٰ ؑ کی زندگی کی ملی وہ صرف اور صرف پچاس (۵۰) دن کی ملی ہے اور وہ بھی معتبر ذرائع کے ساتھ نہیں۔

میں اپنے مسلمان بھائیوں سے کہوں گا کہ آپ کے سامنے ہمارے ان طلبہ نے جو حدیث شریف پڑھی، اس حدیث کو مشکوٰۃ المصابیح کے مصنف نے متفق علیہ فرمایا، بخاری شریف، مسلم شریف دونوں میں یہ روایت ہے؛ لیکن یہ روایت مختلف الفاظ میں ہے، آپ نے جو پڑھے وہ الفاظ بھی ہے، اور دوسرے الفاظ بھی ہے، الگ الگ طریقوں سے صحابہ نے اس روایت کو نقل فرمایا، اس روایت کو متفق علیہ فرمایا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے اپنے زمانہ سے لے کر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ تک کے جتنے محدثین ہیں جو ان کے استاذ اور استاذ کے استاذ ہیں، ان سب کی سند امام بخاری نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچائی، امام بخاری سے لے کر میرے اور آپ تک جو پڑھنے والے ہیں جو علماء کرام فارغ ہو چکے ہیں، ان سب حضرات نے بخاری شریف پڑھی تو ان کی سند بتلائی گئی۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ سے لے کر امام بخاریؒ تک، اور حضرت شاہ ولی اللہؒ سے لے کر اپنے استاذ تک، جیسے میں نے بخاری شریف جس استاذ سے پڑھی ہے ان سے لے کر حضرت شاہ ولی اللہؒ تک، حضرت شاہ ولی اللہؒ سے لے کر امام بخاری، مسلم، ترمذی ان سب کی سند حضرت شاہ ولی اللہ نے اپنی کتاب میں لکھی ہے، اور امام بخاری سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک بخاری شریف میں نقل کی۔ ایک مسلمان جب کوئی حدیث ذکر کرتا ہے تو وہ ڈنکے کی چوٹ پر یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ میں نے فلاں سے سنی، انہوں نے فلاں سے سنی، انہوں نے فلاں سے سنی اور جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک ہماری یہ روایتیں پہنچی ہے، یہ عیسائی پادری کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عیسیٰ ؑ کی زندگی کے جو واقعات ملے ہیں اس کی کوئی سند نہیں ہے، لکھا ہے لوگوں نے؛ لیکن کس نے کس سے نقل کیا؟ اس کی کوئی گارنٹی نہیں۔

امام بخاریؒ کا روایت حدیث میں احتیاط:

حضرت امام بخاریؒ کو ایک حدیث شریف کے سلسلہ میں ایک صاحب کا پتہ چلا کہ وہ حدیث شریف نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مختصر سند کے ساتھ نقل فرماتے ہیں تو امام بخاریؒ ان کے دروازے تک پہنچ جاتے ہیں، یہ وہ زمانہ تھا جب کھانے پینے، رہنے سہنے اور سفر کی ساری سہولیات نہیں تھی، کتنی مشقتیں برداشت کر کے حضرت امام بخاریؒ وہاں پہنچے، اتفاق تھا کہ وہ صاحب اپنے گھوڑے کو بلا رہے تھے اور دیہاتوں میں آپ کو معلوم ہے کہ جانور کو بلانے کے لیے دامن پھیلایا جاتا ہے تاکہ بکری اور جانور یہ سمجھے کہ کچھ کھانا اور کچھ غلہ ہے، اور وہ دوڑتے ہوئے آجاتے ہیں، لیکن دامن میں کچھ تھا نہیں اور وہ اپنے جانور کو بلا رہے تھے، حضرت امام بخاریؒ دور دراز کا سفر کر کے ان تک پہنچے بھوک، پیاس، سردی، گرمی برداشت کر کے، لیکن انہوں نے یہ دیکھا کہ یہ شخص اپنے گھوڑے کو بلا رہا ہے اور دامن کے اندر کوئی چیز نہیں ہے، گویا گھوڑے کے ساتھ جھوٹا معاملہ کر رہے ہیں، کہ اناج اور غلہ کھانے کے لیے بلا رہے ہیں اور دامن میں کچھ نہیں ہے، حضرت امام بخاریؒ وہیں سے روانہ ہو گئے اور ان سے حدیث شریف نہیں لی، اور یہ فرمایا کہ جو شخص اپنے گھوڑے کے ساتھ جھوٹ بول سکتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ جناب نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کے ساتھ بھی اس کا یہ معاملہ ہو، اس طریقے سے جناب نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو دین ہم تک پہنچا ہے امام بخاری، امام مسلم، ابوداود، ترمذی اور دوسرے بہت سارے محدثین، حضرت امام محمد اور امام ابو یوسف اور ہمارے چاروں ائمہ مجتہدین جو بڑے محدثین تھے، ان سارے حضرات سے جو ہمیں علم حدیث پہنچا ہے اس کی قدر کے لیے میں آپ حضرات کے سامنے یورپ کے ایک شخص کا قصہ نقل کرتا ہوں۔

خدمت حدیث کی وجہ سے محدثین کے احوال زندگی کا محفوظ ہو جانا:

Spinger یورپ کے ایک بہت بڑے لکھنے والے ہیں، انہوں نے یہ کہا کہ میں اسلام کا مطالعہ کر رہا تھا اور اسی میں میں نے احادیث مبارکہ کا مطالعہ شروع کیا، تو مجھے ایک چیز عجیب معلوم ہوئی مسلمانوں کے یہاں؛ کہ احادیث کو تو یہ لوگ نقل کرتے ہی ہیں؛ لیکن ان

کے یہاں ایک مستقل سبجیکٹ (Subject) ہے ''فن اسماء الرجال''، وہ لوگ جنہوں نے نبیٔ اکرم ﷺ کی احادیث کو ہم تک پہنچایا؛ یہ خود کیسے تھے؟ کہاں پیدا ہوئے؟ کہاں وفات ہوئی؟ کس سے علم حاصل کیا؟ جن سے علم حاصل کیا وہ کیسے تھے؟ جن سے انہوں نے شاگردگی اختیار کی؛ ان کی عملی زندگی کیسی تھی؟ ان کی علمی زندگی کیسی تھی؟ سماج اور سوسائٹی میں وہ کیسے رہتے تھے؟ اخلاقیات میں وہ کیسے تھے؟ مسلمانوں نے نبیٔ اکرم ﷺ کی روایت نقل کرنے والے چار لاکھ انسانوں کی زندگی محفوظ کر لی ہے اور ہمارے کتب خانوں میں یہ کتابیں موجود ہیں، اس میں جس راوی کے متعلق آپ کو تحقیق کرنی ہو وہ آپ کو مل جائے گا، Spinger لکھ رہا ہے کہ دنیا کی تاریخ میں یہ ایک عجیب چیز ہے کہ ایک شخص کی زندگی کو محفوظ رکھنے کے لیے جن لوگوں نے محنتیں کیں، ان لوگوں کی زندگی کو محفوظ رکھنے کا انتظام کیا گیا، ایک طرف تو ان محدثین کو اللہ پاک کی طرف سے یہ دنیا میں انعام ملا کہ جب تم نے میرے حبیب ﷺ کی احادیث کو پہنچانے کے لیے جرح وتعدیل اور روایتوں میں چھان پھٹک کی اور محنت اور مشقت کر کے تم نے یہ روایتیں جمع کیں اور روایتوں کے راویوں پر کلام کیا، تم نے میرے حبیب ﷺ کی حدیث پر یہ محنت کی تو میں نے تمہاری زندگیوں کو بھی محفوظ کر دیا، یہ جناب نبیٔ اکرم ﷺ کا معجزہ ہے کہ آج ان سارے محدثین کی زندگی محفوظ ہے، میں اور آپ اپنے دوستوں کو نہیں جانتے؛ اتنا زیادہ امام بخاریؒ کے متعلق، امام مسلم اور سارے محدثین کے متعلق کتابیں بھری پڑی ہے۔

مصابیح اور مشکوٰۃ کے مصنفین ان دونوں بزرگوں کے متعلق حدیث شریف کی کتابیں آپ دیکھیں گے، امام بغوی نے کیا کیا، امام تبریزی نے کیا کیا، ان حضرات نے کیسے یہ کتابیں لکھی، مقدمہ میں انہوں نے جو کچھ لکھا ہے اور اس کے علاوہ اور دوسرے بہت سے محدثین نے بہت ساری چیزیں لکھیں، فصل اول اور فصل ثانی ذکر فرما کر انہوں نے اس کے اندر کیا کمال کیا ہے اور کیسی محنت کی ہے۔

رواہ رزین:

اس روایت کے ایک راوی ہے ’’رواہ رزین‘‘ یہ لفظ آتا ہے، ہمارے محدثین پریشان تھے کہ رزین کون ہے؟ تھوڑی کچھ تو ان کے متعلق معلومات ملی تھی لیکن دوسرے حضرات کے مقابلے میں ان کی معلومات زیادہ نہ تھی، تو عصر حاضر کے محدثین نے محنتیں کیں اور اب رزین پر مستقل کتاب آچکی ہے، وہ شخص جن کے متعلق پچھلے دور میں سو(۱۰۰) دوسو(۲۰۰) سال پہلے ہمارے محدثین صرف اتنا کہتے تھے کہ رزین نام کے ایک محدث ہیں، ان کا یہ نام ہے، لیکن پوری تاریخی معلومات ان کی نہیں تھی لیکن الحمدللہ علم حدیث میں محنت کرنے والوں نے امام رزین کی پوری زندگی کو محفوظ کرلیا، انہوں نے اس کتاب میں یعنی ان کی اپنی اس کتاب سے مشکوٰۃ کے مصنف نے جو روایتیں لی ہیں ان حضرات نے اس کو مستقل الگ کر دیا اور رزین کے حوالے سے اس پر پوری تحقیق کی۔

مفکر ملت حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ فرماتے ہیں: رزین بن معاویہ العبدری کی کنیت ابوالحسن تھی اور وہ مالکی المذہب تھے، مکہ معظّمہ میں سکونت رکھتے تھے، ان کا زمانہ پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کا ہے، انہوں نے صحاح ستہ کو ایک کتاب میں جمع کرنے کی سعی فرمائی اور اس میں اور روایتیں بھی داخل فرمائی ہے۔ وہ ناقل حدیث تھے، ناقد حدیث نہیں تھے، ان کی سند بھی نازل تھی، فیروزآبادیؒ نے ان کے بارے میں جو تبصرہ فرمایا ہے اس کے بعد ان سے جو روایتیں نقل ہوئی ہیں؛ اس کو علمائے محدثین کے اصول کے مطابق جانچ پرکھ کر ہی قبول کرنا چاہیے۔

اسلام میں حدیث شریف کا مقام:

دوستو اور بزرگو! میں آپ کو بتلانا چاہتا ہوں کہ یہ سب محنتیں کیوں کی؟ حدیث شریف کا اسلام میں کیا مقام ہے؟ ایسا سمجھ لیجئے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالی نے جو احکام نازل فرمائے، اللہ پاک نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمایا: ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ. (قیامہ:۱۹) قرآن کریم

جو ہم آپ پر نازل کر رہے ہیں، آپ اس میں جلدی نہ کیجئے اور یہ بیان حضرت جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہے، تو میں آپ کو یہ کہنا چاہتا تھا کہ ایک یہودی کو موسی علیہ السلام کی زندگی پر عمل کرنا ہے تو اس کے پاس کوئی چیز نہیں ہے، ایک عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی پر عمل کرنا چاہتا ہے، تو اس کے پاس کوئی چیز نہیں ہے، تو کیا ہوا پھر؟ مجھے آپ حضرات کو فرق بتلانا ہے کہ جن مذاہب میں ان کے اپنے نبی کی زندگی محفوظ نہیں تھی، تو نبی کو چھوڑ کر نبی کے بعد والے جو لوگ ہیں ان کی باتیں اور ان کی زندگیوں کو انہوں نے نمونہ بنایا، اس میں کوئی مجتہد بھی تھا، کوئی غلط بھی تھا، جیسا بھی آیا اس کی زندگی کو نمونہ بنایا، قرآن کریم میں یہ فرمایا لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ. (ممتحنہ:٦) یہ آیت ایک طرف تو صحابہ کرام کو جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی دعوت دے رہی ہے، تو دوسری طرف یہ آیت اشارہ کر رہی ہے کہ جب ہم تمہیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے نمونے پر عمل کرنے کا حکم دے رہے ہیں، تو ہمارا ذمہ ہے کہ ہم اپنے نبی کی زندگی کو محفوظ رکھیں، کل کوئی مسلمان یہ نہ کہے کہ قرآن کریم نے ہم کو یہ کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر عمل کرو اور میرے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر عمل کرنے کے لئے کوئی چیز نہیں ہے، اللہ پاک نے محدثین کی ایک جماعت کو تیار کیا، جو صحابہ کرام سے لے کر ہمارے زمانے تک علم حدیث پر مسلسل محنتیں کر رہے ہیں، عرب ملکوں میں کوئی نہ کوئی کتاب علم حدیث کی چھپ کر آتی ہے، ہندوستان میں ہمارے محدثین علم حدیث پر مستقل الگ الگ طریقوں سے الگ الگ زاویوں سے علم حدیث کا کام کر رہے ہیں، ہمارے یہاں مشہور ہے کہ سارے علوم میں علم حدیث وہ علم ہے، جو پختہ ہے، مکمل ہو چکا ہے، جو کچھ محنتیں ہو رہی ہیں، وہ دوسرے اعتبار سے ہیں؛ لیکن جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر عمل کرنے کے لئے ایک مسلمان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر عمل کرنا ہے تو شمائل ترمذی کی روایتیں ہمارے سامنے ہیں، اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان سے کتابیں لکھی گئیں، سیرت سرکار مدینہ کے عنوان سے کتابیں لکھی گئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک عمل کو

محفوظ کیا گیا، حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی مبارک کے بال کتنے سفید تھے؟ اور کتنے سفید نہیں تھے؟ صحابہ کرام نے اس کو بھی محفوظ فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روایت بیان فرما رہے ہیں، اس وقت کس ہیئت وکیفیت میں بیٹھے ہوئے ہیں اور اسی روایت کو بیان کرتے کرتے آپ اپنے بیٹھنے کی شکل بدل رہے ہیں، صحابہ کرام نے اس کو بھی نقل فرمایا۔ ایسا دنیا کی تاریخ میں کسی قوم کے پاس نہیں ہوگا کہ جس کو اپنے نبی کی زندگی پر عمل کرنا ہو لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا. یہاں رات نہیں ہے، اندھیرا نہیں ہے، یہاں کی رات بھی اجالے والی ہے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر عمل ہمارے سامنے کھلا ہے۔

اب امت مسلمہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ پر عمل کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر چلنا کتنا آسان ہوگیا! مجھے اور آپ کو دعائیں مانگنی ہیں، ہم کیسے دعائیں مانگیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعائیں مانگیں، اور محدثین نے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اور اسی طرح حصن حصین کے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے؛ ان تمام حضرات نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کو نقل فرمایا، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ”کتاب الدعوات“ اور اسی طریقے سے دوسرے کئی محدثین ہیں؛ جنہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث کو محفوظ فرمایا۔

احادیث مبارکہ؛ دین کا بنیادی ڈھانچہ:

دوستو اور بزرگو! جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث دین کا وہ بنیادی ڈھانچہ ہے، جسے آپ ایک مثال سے سمجھئے کہ ایک عمارت ہے اور اس کا اسٹرکچر اور اس کا ایک ڈھانچہ تیار ہوتا ہے، پوری بلڈنگ میں اتنے سلیے (still) آئیں گے، اتنے گیز کے آئیں گے، اتنی سائز کے ہوں گے، یا اس طرح کی سمنٹ استعمال ہوگی اور اس پر پوری عمارت بعد میں کھڑی ہوگی، جیسا کہ آپ نے دیکھ لیا کہ یہ مسجد کس طریقے سے بنائی گئی ہے؟ اس سے پہلے اس کا ڈھانچہ تیار ہوا اور پھر اس کے اوپر یہ ساری چیزیں، سمجھ لیجئے میں سمجھانے کے طور پر کہہ رہا ہوں، کہ دین کا

اسٹرکچر اور دین اسلام کا ڈھانچہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہیں، اس کی روشنی میں ہم کو چلنا ہوگا، تو ہی ہم اپنے آپ کو منزل مقصود تک پہنچا سکتے ہیں، شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی، کیں راہ کہ تو می روی بترکستان است''۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ تو کعبہ تک نہیں پہنچ سکے گا، اس لئے کہ تو نے جو راستہ اپنایا ہے، وہ یورپ کا راستہ ہے، یہ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے میں کہہ رہے ہیں، میں کہوں گا کہ ہندوستان میں بیٹھ کر ہم نے غیروں کا راستہ اپنایا ہے، آج ہمیں یہ معلوم نہیں ہے کہ میرے نبی پانی کس طرح پیتے تھے؟ اب سائنس والے کہہ رہے ہیں کہ کھڑے ہو کر پانی پینے میں یہ نقصانات ہے اور بیٹھ کر پانی پینے کے یہ فائدے ہیں، تو مسلمان اپنے ہیلتھ (Health)، طبیعت اور تندرستی کے لیے اس چیز کو اپنا رہا ہے، میرے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال پہلے مجھے یہ چیز بتلائی۔

انما الاعمال بالنیات:

تو یہ پہلی روایت کہہ رہی ہے، **انما الاعمال بالنیات**. آپ نماز پڑھ رہے ہیں، لیکن نماز ایکسرسائز (Exercise) کے لئے پڑھ رہے ہیں، آپ رات کو اٹھ کر تہجد پڑھ رہے ہیں، لیکن ڈاکٹر نے یہ کہا ہے کہ اس طرح کی ایکسرسائز کرو تو آپ نے تہجد کو بنیاد بنایا، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس روایت کو اپنی کتاب میں سب سے پہلے نقل کیا ہے، یہ روایت ایک چھوٹے سے مدرسے کے چھوٹے سے بچے سے لیکر ایک بہت بڑے عالم، ڈاکٹر اور انجینئر سب کو یہ کہہ رہی ہے کہ جب تم کوئی کام کرو تو کام کرنے سے پہلے اپنی نیت کو ٹٹولو۔

دوستو اور بزرگو! ابھی رمضان المبارک کا مہینہ گزرا ہے، روزہ ایک اہم عبادت ہے، سب لوگ روزہ رکھے ہوئے ہیں، لیکن روزے میں کرنے کا کوئی کام نہیں ہے، رکنے کا کام ہے، کھانے پینے سے رکنا ہے، ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے، آنکھوں سے نظر آرہا ہے کہ یہ نماز ہے؛ ایک شخص صدقہ کر رہا ہے، آنکھوں سے نظر آرہا ہے، زکوۃ دے رہا ہے، آنکھوں سے نظر آرہا ہے، حج کی ادائیگی کر رہا ہے، آنکھوں سے نظر آرہا ہے؛ لیکن روزہ ایک ایسی عبادت ہے

جوآنکھوں سے نظرنہیں آتی، یہ ایک نہ کرنے کی چیز ہے، اب یہاں ریاکاری اور دکھاوا بہت کم ہوتا ہے، اس کے مقابلہ میں نماز میں ریاکاری آسکتی ہے، زکوۃ دے رہے ہیں، اس میں ریاکاری آسکتی ہے، تو حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں؟ ہر چیز کا بدلہ اللہ تعالی کی طرف سے بندے کو دیا جاتا ہے؛ **الا الصیام** ۔مگر روزہ **"وانا اَجْزِی بہ"**۔(بخاری شریف: کتاب الصوم، باب ھل یقول إنی صائم إذا شتم) میں اس کا بدلہ دوں گا اور ایک روایت میں محدثین نے لکھا **"اُجْزٰی بہ"**. میں ہی اس کا بدلہ ہوں، کیوں؟ اس لئے کہ روزہ میں انتہائی اخلاص ہے، اس کے مقابلہ میں دوسری عبادتوں میں اخلاص نہیں ہے ؛ ایسا نہیں ہے، لیکن شیطان ریاکاری کرواسکتا ہے۔ روزے میں ریاکاری کے خطرات کم ہے، دکھلاوے کے خطرات کم ہے، اس لیے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایتوں کے ذریعہ ہم کو بتلایا گیا کہ جب ہم اپنی زندگی میں کوئی کام کریں تو اللہ تعالی کو راضی کرنے کے لیے ہو۔

ہمارے طلبائے عزیز کو بھی کہا جارہا ہے کہ یہ حدیث شریف کے ذریعہ آپ علم حدیث میں داخل ہورہے ہیں، حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ ایک شخص اس لیے علم حاصل کرتا ہے تاکہ لوگوں کے درمیان فخر کرے، لوگوں کے درمیان واہ واہ ہو کہ فلاں بہت بڑا عالم ہے، فلاں بہت بڑا قاری ہے، فلاں بہت بڑا قاضی ہے، آپ روایتیں سن چکے ہیں کہ بدلہ نہیں ملے گا؛ بلکہ کہا جائے گا کہ جن کے لئے تم نے یہ کیا تھا ان سے ہی بدلہ لے لو اور وہ کوئی بدلہ نہیں دے سکے گا، تو وہ محروم القسمت ہے، اس لیے ہمارے طلبہ کو بھی کہا جارہا ہے، اس روایت کے ذریعہ کہ ہم اپنی نیتوں کو درست کرلیں، نیتوں کی درستگی میں سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ میں یہ علم اس لیے حاصل کرتا ہوں تاکہ میری زندگی میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ آجائے، میری محبت اور میرا تعلق اپنے آقا سے ہوجائے۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں آپ پر درود کتنا پڑھوں؟ آپ نے فرمایا: جتنا چاہو، انہوں نے پھر اپنی عبادت کے کچھ حصے بتلائے کہ عبادت میں کتنا حصہ

میں درود شریف پڑھوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سے بھی زیادہ کر سکتے ہو؟ (ترمذی: أبواب صفة القيامة والرقائق والورع عن رسول الله ﷺ، رقم: ٢٤٥٧) قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے خود حکم فرمایا: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا. (احزاب: ٥٦) اللہ تعالیٰ کو اپنے نبی کتنے محبوب ہیں، اللہ پاک فرماتے ہیں کہ اللہ پاک اور اس کے فرشتے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر ایک اپنی شان کے اعتبار سے رحمت اور دعائیں فرما رہے ہیں، یہ سب کچھ ہو رہا ہے، کتنی شاندار آیت کریمہ ہے، اللہ پاک نے اس آیت سے پہلے بہت سے مسائل ذکر فرمائے؛ سورۂ احزاب میں نکاح اور طلاق کے اور پھر اس کے بعد عورتوں کے پردے کے مسائل ذکر کئے اور اس ضمن میں اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی، اشارہ کر دیا کہ ایک طرف تو جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب کو اللہ پاک کی طرف سے بڑھایا جا رہا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا جا رہا ہے، سورۂ محمد اور سورۂ فتح میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا جا رہا ہے، سورت کا نام ہی محمد ہے اور اس کے بعد والی سورت میں مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ. (فتح: ٢٩) یہ آیتیں اللہ تعالی نے نازل فرمائیں، آپ نے اس کے ضمن میں یہ روایت نقل فرمائی کہ اللہ پاک نے تورات کے اندر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اوصاف کو ذکر فرمایا، مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ. (فتح: ٢٩) اور اس کے بعد سمجھا کر مثالیں دیں۔

حضرات صحابۂ کرام کا مقام و مرتبہ:

دوستو اور بزرگو! صحابی کا لفظ ان کو ملا اور اہل سنت والجماعت کے نزدیک یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ صحابہ کرام کا مرتبہ اتنا اونچا ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا ولی، قطب اور غوث ان کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا، یہ کیوں ہے؟ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کی آنکھوں نے زیارت کی، انہوں نے آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کی، یہ اتنی برکت والی عظمت والی چیز ہے کہ کائنات میں کوئی اپنے کسب سے، اپنی محنت سے، اپنی مشقت سے ان کے مرتبہ تک

ہر گز نہیں پہنچ سکتا، صحابہ کرام سے زیادہ کس کی عبادت وریاضت بڑھ سکتی ہے؟ کس کا علم ہوسکتا ہے؟ محدثین نے لکھا ہے کہ صحابہ کرام کے وصف تک پہنچنا کسی کے بس کی بات نہیں، اللہ پاک نے جن حضرات کے لئے لکھا تھا، وہی جناب نبی اکرم ﷺ کے صحابی بن سکے، کیا تاثیر تھی!

ایک صحابی حضرت معقل بن یسارؓ سے ایک مرتبہ کھانے کے دوران لقمہ گر گیا تھا، جس کو آپؓ نے اٹھا کر صاف کر کے کھا لیا، اس پر جب وہاں موجود عجمی کسان اپنی آنکھوں کے اشارے سے اپنی حیرت کا اظہار کر رہے تھے تو بعض حضرات نے حضرت معقل بن یسارؓ کو ان کے اشاروں کی طرف متوجہ کیا جس پر آپؓ نے فرمایا: **إني لم أكن لأدع ما سمعت من رسول الله ﷺ لهذه الأعاجم .....** (ابن ماجه: كتاب الاطعمة، باب اللقمة إذا سقطت) یعنی میں ان عجمیوں کی (اس پر حیرت اور استعجاب کی) وجہ سے آپ ﷺ سے سنی ہوئی سنت کو ترک نہیں کر سکتا۔

دوستو اور بزرگو! ان کے اس جملے سے مجھے یہ بتلانا ہے کہ جو لفظ ان صحابی نے ارشاد فرمایا، اس پر صحابی کی عظمت اور قدر معلوم ہوئی، وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کے علاوہ اور دوسرے طریقوں پر زندگی گزارنے والے بے وقوف ہیں، وہ یہ کہنا چاہتے ہیں، چاہے دنیا کے اعتبار سے کتنا بھی آگے بڑھے ہوں، اپنی تہذیب اور کلچر پر ان کو کتنا ناز ہو، ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ. (نجم:۳۰) یہ دنیوی اعتبار سے ہے، آخرت کے اعتبار سے یہ بے وقوف ہیں، حدیث شریف میں فرمایا کہ عقلمند کون ہے؟ "**الكيس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت**". (ترمذی: أبواب صفة القيامة والرقائق والورع عن رسول الله ﷺ، رقم: ۲۴۵۹) عقلمند وہ انسان ہے جو اپنے آپ کو پہچانے اور موت کے بعد کی فکر کرے، امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہر آدمی کی کچھ چھپی ہوئی چیزیں ہیں، گناہ اور عیب وہ دوسرے سے چھپانا چاہتا ہے، اس لئے کہ ہم سب کے سب گنہگار ہیں، اللہ پاک فرماتے ہیں: يَاأَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللهِ. (فاطر:۱۵) تم سب کے سب فقیر ہو، بادشاہ ہو کر بھی فقیر۔

واقعہ:

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ اوراس طرح دوسرے بزرگ کا واقعہ ہے، ایک بادشاہ کے دربار میں بیٹھے ہوئے تھے، بادشاہ نے ان سے کہا: میں آپ کو خود ہدیہ دینا چاہتا ہوں، تھوڑی دیر کے بعد آپ نے پوچھا کہ کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے پاس اس وقت جتنی حکومت ہے اس سے زیادہ ہوجائے، تو بادشاہ نے کہا: جی ہاں! آپ کے پاس جتنا مال و دولت اورخزانہ ہے، کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ اس سے زیادہ خزانہ آپ کے پاس آجائے، بادشاہ نے کہا: جی، ہاں! تو بزرگ نے فرمایا کہ تب تو آپ اس روپیہ کے مجھ سے زیادہ مستحق ہیں، اس لئے کہ آپ کو ضرورت ہے، مجھے ضرورت نہیں ہے۔

حضرت عثمان غنیؓ کا سنت پر عمل کا جذبہ:

دوستو اور بزرگو! یہ ہے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اورآپ سے تعلق کی چاشنی، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ کے موقع پر مکہ کے مشرکین کے پاس پہنچے، آپ کی طرف سے بھیجے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا: اے عمر! تم مکہ والوں کے پاس جاؤ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کے رسول! مکہ والوں سے میری دشمنی تو آپ جانتے ہیں، اس لیے میں ان کے پاس صلح کے لیے جاؤں، شاید معاملہ بگڑ جائے، میں آپ کی ایک شخص کی طرف رہنمائی کرتا ہوں، آپ ان کو بھیجئے، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیجیے، اس لیے کہ ان کا خاندان وہاں مکہ میں بڑا مالدار ہے اوران کا خاندان سردار ہے، ابوسفیان بھی ان کے خاندان کے، خالد بن ولید بھی، عمرو بن العاص بھی اور بھی بہت سارے؛ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جس وقت کعبۃ اللہ کے پاس پہنچے اوران کے خاندان والوں نے ان کو دیکھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تہبند اورلنگی ٹخنوں کے اوپر ہے، عرب لوگ جاہلیت میں اس کو معیوب سمجھتے تھے، آج بھی لوگ اس کو معیوب سمجھ رہے ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ یہ کیا پہن کر آئے ہو؟ تم تو شہزادہ

تھے اور تمہارا یہ لباس کس طرح کا؟ فرمایا: میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی طریقہ ہے، اور اس طریقے میں مجھے مزہ آتا ہے، اس لیے اس طریقہ کو جو معیوب سمجھتا ہے، اس کو بھی میں پسند نہیں کرتا۔ (مصنف ابن أبی شیبة: ۲۰/۴۱۲-۴۱۱، رقم: ۳۸۰۰۷)

خرید وفروخت کے بنیادی اصول احادیث مبارکہ کی روشنی میں:

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایتیں اور آپ کا یہ پورا دین حدیث شریف کی شکل میں ہمارے پاس محفوظ ہے، مجھے کاروبار کیسے کرنا ہے؟ مشکوہ شریف میں **کتاب المعاملات** میں آپ دیکھیں گے؛ کتاب البیوع میں مسائل ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو وہ مسائل بتلائے ہیں، اصول اور ضابطے بتلائے، آپ بازار میں خود گئے اور آپ نے دیکھا کہ گیہوں بیچے جارہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اندر ہاتھ مارا تو اندر گیہوں گیلے تھے، بیچنے والا دھوکہ دے رہا ہے، آپ نے فرمایا: **من غش فلیس منا**. (ترمذی: أبواب البیوع، باب ماجاء فی کراهیة الغش فی البیوع، رقم: ۱۳۱۵) جو دھوکہ دے گا وہ ہم میں سے نہیں، ایک تاجر یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے تجارت کرنی ہے اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ مجھے معلوم نہیں، طریقہ تو کیا؟ آپ سے محبت کرنے والے محدثین نے اور آپ سے محبت کرنے والے ائمہ مجتہدین، مفتیان کرام اور فقہاء کرام نے ان کے ایک ایک لفظ کی ایسی بال کی کھال نکالی کہ جب امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں ایک یہودی نے دیکھیں، کتاب الاصل، مبسوط، جامع صغیر، جامع کبیر یہ سب کتابیں آپ کی دیکھیں، تو اس نے یہ کہا: ”**هذا محمدكم الاصغر فما بال محمدكم الاكبر**“. جب تمہارے چھوٹے محمد کے علم کا یہ حال ہے تو تمہارے پیارے نبی جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا کیا حال ہوگا؟ امام محمدؒ کی کتابیں دیکھ کر جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی عظمت اس کو معلوم ہوئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ ہمارے سامنے ہیں، ان احادیث مبارکہ میں ہمیں رات کی تنہائی میں اللہ سے کیسے مانگنا ہے؟ کیسے رونا ہے؟ حضرت عبداللہ بن عباس

رضی اللہ عنہما چھوٹے بچے ہیں، اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی باری ہے، اس دن وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال کو دیکھنا چاہتے تھے، ایک کمرے میں سو گئے، دیکھا کہ رات کے اتنے حصے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور کھڑے ہو کر آپ نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر کونسی دعا مانگی؟ (مسلم: کتاب المساجد، باب الدعاء في صلاة الليل وقيامه)
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کو محفوظ کرلیا اور آج مجھے اور آپ کو وہ دعا معلوم ہے، چاہے ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہیں تھے، لیکن حضور کی ایک ایک بات آپ کا ایک ایک عمل صحابۂ کرامؓ نے ہم تک پہونچایا۔ کاشتکار کو کاشتکاری کیسے کرنی ہے؟ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع کے مسائل کو ذکر فرمایا، مدینہ منورہ میں کھجور کی کھیتی کس طرح ہوتی تھی؟ اور آپس میں ایک دوسرے سے مزارعت کھیتی باڑی کی بھاگیداری کیسے ہوتی تھی؟ یہ سارے طریقے بتلائے۔

اسلامی اصول قانون کی امتیازی خصوصیت:

دوستو اور بزرگو! جب یورپ کے مستشرقین نے ہدایہ کو دیکھا کہ اس کے اندر اتنے مسائل اتنے دلائل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، تو یہ حیران ہو گئے، ایک مستشرق نے لکھا ہے کہ دنیا کے اندر ایسی کوئی قانون کی کتاب جس میں قانون ذکر کیا گیا ہو، اور اس کی دلیل قرآن وحدیث سے دی گئی ہو اور اس کی دلیل انسانی عقل، انسانی اجتہاد اور انسانی سمجھداری سے دی گئی ہو اور اتنی ترتیب سے دی گئی ہو، ایسی کوئی کتاب میں نے روئے زمین پر نہیں دیکھی، جیسے ہدایہ میں سب سے پہلے قرآن کی آیت، پھر احادیث، پھر اس کے بعد اجماع امت ہے تو اس کو ذکر کرتے ہیں، ائمہ مجتہدین نے جو قیاس کیے ہیں، کتاب وسنت کی روشنی میں اس کو نقل کرتے ہیں۔

دوستو بزرگو! ان احادیث کی روشنی میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جو قانون دیئے، اس کی قدر ہمیں تب ہوتی ہے کہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب پروفیسر تھے اور پیرس میں رہتے تھے، حیدرآباد کے تھے، ان کے ذریعے ایک دن میں بائیس آدمی فرانس میں ایمان

لاتے تھے، یہ میرا اپنی طرف سے لکھا ہوا نہیں ہے جو لوگ پیرس میں رہتے تھے اور جنہوں نے ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی کتابیں پڑھی ہیں، ان کی محنتوں کو دیکھا ہے، یہ کہتے ہیں کہ آخری زندگی میں ایک ایک دن میں بائیس بائیس گورے اور فرانس والے ان کے ہاتھ پر ایمان قبول کرتے تھے، یہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کہتے ہیں کہ جب میں انگلینڈ کی کالج میں پروفیسر کی تعلیم، لو(law) کی تعلیم، قانون کی تعلیم لے رہا تھا، اس کالج کے سو سال پورے ہوئے تھے اور فرانس کی ایک دوسری یونیورسٹی سے ایک بہت بڑا قانون کا ماہر آیا اور اس نے کہا کہ میں آج آپ لوگوں کو ایسی بات کہتا ہوں، جو شاید آپ میں سے کسی کو معلوم نہ ہو، اس کے بعد اس نے کہا کہ میں قانون کا پروفیسر ہوں، پوری زندگی دنیا کے قانون لکھنے پڑھنے اور سمجھنے میں گزار دی، لیکن جب میں نے مسلمانوں کی اصول فقہ کی کتابوں کو دیکھا تو حیران ہو گیا، مجھے عجیب لگا کہ جب ہمارے پاس کوئی نیا مسئلہ آتا ہے تو اس کو کہاں تلاش کیا جائے؟ کیسے تلاش کیا جائے؟ اور اس مسئلے کو کیسے حل کیا جائے؟ اس میں مجھے پریشانی بہت لاحق ہوئی۔

لیکن مسلمانوں کے پاس جو قانون ہے، قانون تک پہنچنے کے جو ذرائع ہے، یعنی ان کے پاس جب بھی کوئی مسئلہ آئے گا تو وہ اس کو فوراً قرآن کریم کی آیات میں غور کریں گے، احادیث مبارکہ میں غور کریں گے، ائمہ مجتہدین کے اقوال میں غور کریں گے اور اپنے زمانے میں کتاب وسنت کی روشنی میں جو چیز پیش آتی ہیں، ان سب چیزوں کے دیکھنے کے بعد مسئلے کا حل ذکر کرتے ہیں، دنیا نے کتنی ترقی کی لیکن کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی نئی نئی چیزیں ایجاد ہوئیں اور مفتیوں کے پاس ان کے مسئلے کا حل نہیں ہے، اس کا جواب نہیں ہے۔

ڈی این اے (DNA) کیا ہے؟

ایک چیز ہے ڈی این اے (DNA)، انسانی جسم کے اندر اللہ پاک نے چھوٹے چھوٹے بہت سے خلیے رکھے ہیں، جیسے ایک مکان اینٹوں سے بنتا ہے، اللہ پاک نے ہمارے جسم کو چھوٹے چھوٹے اسٹیم سیل سے بنایا ہے، کروڑوں کی تعداد میں ہر انسان کے جسم میں اللہ پاک

نے بنائے ہیں، روزانہ کے کٹتے ہیں اور نئے آتے رہتے ہیں، ہم کھاتے ہیں پیتے ہیں، ویٹامین لیتے ہیں، کھانے پینے کی ان چیزوں سے اللہ پاک ان کو بناتے ہیں، جب ہم تھک جاتے ہیں، کام کرتے ہیں تو یہ اس کے اندر استعمال ہوتے ہیں، اس DNA کے اس مسئلے پر اسلامی فقہ اکیڈمی جدہ کے علمائے کرام کی میٹنگ ہوئی، کوئی ڈھائی ہزار صفحات پر مشتمل مفتیان کرام کے مضامین نقل کر کے ذکر کیے گئے اور وہ نیٹ کے اوپر موجود ہے، ایک مسئلہ پر ڈھائی ہزار صفحے لکھے جائیں، اس امت کو جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے سب سے پہلی وحی نازل ہوئی ہے، اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ. (علق:۱) پڑھئے آپ اپنے رب کے نام سے۔

مدارس اسلامیہ کی خصوصیت:

دوستو اور بزرگو! پڑھا بہت جا رہا ہے، لیکن اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ نہیں ہے، دنیا کے لیے پڑھا جاتا ہے، لوگوں کو تباہ اور برباد کرنے کے لئے پڑھا جائے، ایٹم بم کس نے بنایا؟ کسی جاہل نے بنایا؟ یا مولوی نے بنایا؟ دنیا کے بہترین تعلیم یافتہ لوگوں نے اور بہترین یونیورسٹیوں میں پڑھنے والوں نے، ان بڑے بڑے ہتھیاروں کو جو ایک سیکنڈ میں کروڑوں انسانوں کو تباہ کر دے یہ ہتھیار انھوں نے بنائے، ان انسانوں نے بنائے جنہوں نے یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کی، یہ اِقْرَأْ ہے، لیکن اس میں اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ نہیں، رب کے نام سے نہیں، مدارس اسلامیہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں حدیث شریف بھی پڑھائی جاتی ہے، یہاں تفسیر بھی پڑھائی جارہی ہے، ساتھ میں منطق ولوجک بھی پڑھائی جاتی ہے، فلوسوفی بھی پڑھائی جاتی ہے، جغرافیہ اور تاریخ کی چیزیں بھی پڑھائی جاتی ہے، لیکن ان سب کو اسلامیات کے طریقہ سے پڑھایا جاتا ہے، ان سب کو ہماری اپنی دنیا اور آخرت کی ضرورت کے اعتبار سے پڑھایا جاتا ہے، اس کے مقابلہ میں اس وقت دنیا میں جو تعلیم ہے وہ محض انسان کو اپنی روزی روٹی کے لئے سکھائی جاتی ہے، اپنے جوب اور اپنے کیریئر کے لیے پڑھائی جاتی ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی صفہ والی جماعت کو تیار کیا اور یہ بتلایا کہ

دنیا میں ایک ایسی علم والی جماعت بھی موجود ہے جو علم کو صرف علم کے لیے پڑھتے ہیں، ۱۹۳۰ء میں کانگریس کا ایک جلسہ تھا، گاندھی جی بھی اس جلسے میں شریک تھے، حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں فرمایا کہ دنیا میں علم کو محض علم کے اعتبار سے پڑھنے والے اگر کوئی ہے تو محض یہ مدارس اسلامیہ میں پڑھنے والے ہیں، دوسرے حضرات کے متعلق فرمایا کہ ایک مٹھی چاول اور ایک مٹھی گیہوں کے لئے پڑھنے والے تو بہت سارے ہیں، لیکن علم کو علم کی نسبت سے پڑھنے والے، اپنے اللہ کو راضی کرنے والے، اپنے اللہ کی معرفت کے لیے پڑھنے والے دوستو اور بزرگو! یہ وہ مدارس اسلامیہ ہیں جہاں دنیا نہیں بنائی جاتی ہے، دین بنایا جاتا ہے، لیکن خود بخود دنیا ان کے پاس آتی ہے، **اتته الدنيا و هي راغمة.** (ترمذی: أبواب صفة القيامة والرقائق والورع عن رسول الله ﷺ، رقم: ۲۴۶۵) دنیا ان کے پاس آتی ہے، وہ چاہتے نہیں ہیں اور دنیا ان کی قدر کرتی ہے، یہ قدر کس لیے ہے؟ علماء کرام کو اچھا کھانا، اچھا پینا اور اچھی سواریاں ملتی ہیں، یہ ذرا غور کریں، تھوڑی سی نسبت ہم نے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہونے کی کی، تو اللہ پاک کی طرف سے آخرت میں تو نعمتیں ملنے والی ہی ہیں، **ما لا عين رأت و لا اذن سمعت و لا خطر علي قلب بشر.** (بخاری: کتاب التوحید، باب قول الله تعالیٰ: يريدون أن يبدلوا كلام الله) جنت کی نعمتیں ایسی ہیں کہ کسی آنکھ نے دیکھی نہیں، کسی کان نے سنی نہیں، ہم سنتے ہیں کہ کینیڈا میں اس طریقہ کی عجیب چیزیں ہیں، امریکہ میں اس طرح ہے، یہ سب دنیا کی چیزیں ہیں، اللہ پاک فرماتے ہیں کہ جنت کی نعمتیں ایسی ہے **و لا خطر علي قلب بشر.** کسی انسان کے ذہن و گمان میں بھی وہ چیز نہیں آئی۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما **وَأُوتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا.** (بقرہ: ۲۵) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی کی طرف سے جنت میں پھل دیئے جائیں گے، تو دنیا میں جو پھل دیکھے ہیں اس کے جیسی شکل میں ہوں گے، **وَأُوتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا.** کیوں؟ تاکہ یہ بیچارا یہ نہ سمجھے کہ یہ کون سا پھل ہے؟ لیکن مزہ؛ دنیا کے پھل کا مزہ اور ہے، دنیا فانی ہے، دنیا کی نعمتیں اور دنیا کی

نعمتوں کی لذتیں بھی فانی ہے۔

ابن آدم کی حرص اور تمنا:

ایک غریب آدمی جھونپڑی میں رہتا ہے وہ پریشان ہے کہ کب میں پختہ مکان میں رہوں گا؟ اور جو لوگ شاندار بنگلوں میں رہتے ہیں، وہ وہاں رہتے رہتے بھی اکتا گئے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ اس سے اعلیٰ مل جائے، اس لئے حدیث شریف میں فرمایا: ابن آدم کی بھوک اور پیاس کو سوائے قبر کی مٹی کے کوئی نہیں بھر سکتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سونے کی ایک پوری وادی بھری ہو، انسان چاہے گا کہ اسے دوسری وادی ملے، دوسری ملے گی تو تیسری چاہے گا، **ولن یملأ فاہ الا التراب**۔ (بخاری: کتاب الرقاق، باب ما یتقی من فتنۃ المال) قبر کی مٹی کے علاوہ اس کو کوئی نہیں بھر سکتا، حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مثالیں دے کر فرمایا: آج یہ کہتے ہیں کہ پروجیکٹر پر تعلیم دی جاتی ہے، کمپیوٹر کے ذریعے تعلیم دی جاتی ہے، اسکرین پر تعلیم الگ الگ طریقوں سے دی جاتی ہے۔

مثال سے وضاحت:

دوستو اور بزرگو! جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال پہلے ریت کی اسکرین پر نشانات کر کے صحابہ کو مسائل سمجھائے، اس طرح آپ نے چکونی لکیریں کھینچی اور ایک لکیر لمبی کھینچی، جو اس سے آگے نکل رہی تھی، تو آپ نے فرمایا: یہ انسانی زندگی ہے اور بیچ میں آپ نے چھوٹے چھوٹے نشانات کیے، یہ انسانی زندگی میں آنے والی پریشانیاں ہیں، اور جو آگے لکیر جا رہی ہے، وہ انسان کی امیدیں ہیں، (بخاری: کتاب الرقاق، باب فی الامل و طولہ) ہم اور آپ ہر ایک جانتے ہیں کہ اگر فرشتہ لینے کے لئے آجائے، کتنی تمنائیں رہ جائیں گی، اور اچانک چل بسیں گے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: چار سمتوں سے فرشتوں نے گھیرا ہے، اِذَا جَاءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ (اعراف: ۳۴) ایک گھڑی آگے پیچھے نہیں جائیں گے، لیکن ڈھائی سو سال کی امیدیں لگائے ہم بیٹھے ہیں، ایک کام پورا ہوتا ہے،

بچوں کی شادی ہوگئی، تو سوچا کہ میں پوتوں کی بھی شادی کروا کے دنیا سے جاؤں، رات دن اس طرح ہوتا ہے، یہ میرا ایک باغیچہ ہے، دوسرا بھی آجائے، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ قبر کی مٹی کے علاوہ کوئی نہیں بھر سکتا۔

سنت نبوی اور جدید سائنس:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات امت کے لیے نمونہ ہے، سائنسداں رات دن محنتیں کر رہے ہیں، کچھ دن پہلے انگلینڈ سے ایک صاحب آئے، انہوں نے مجھے سنایا، ایک مجلس میں یورپ کے سارے پڑھے لکھے لوگ جمع تھے، وہ بھی بہت بڑے تاجر ہیں، پڑھے لکھے ہیں، بھر وچ میں کالج بھی چلا رہے ہیں، انہوں نے مجھے کہا کہ کھانے کے لئے ہم بیٹھے تو میں نے ہاتھ دھوئے اور سب لوگوں نے رومال سے ہاتھ پوچھ لیا، میں نے نہیں پوچھا، پھر کھانا کھانے کے بعد میں نے ہاتھ دھو کر اپنے ہاتھ پوچھے، ایک یورپین عورت میرے عمل کو دیکھ رہی تھی، اس نے مجھے یہ کہا کہ تم نے یہ عمل کیوں کیا؟ انہوں نے کہا کہ ہمارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں یہی طریقہ بتلایا کہ کھانے سے پہلے ہاتھ دھولو، پوچھا نہ جائے اور کھانا کھا کر ہاتھ دھولو اور اس کو تولیے سے پوچھ لیا جائے، اس نے کہا کہ میں نے چند دن پہلے سائنس کی کتاب میں یہ پڑھا ہے کہ کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کے بعد پوچھا نہ جائے، اس لیے کہ تولیہ کے اندر جراثیم ہوتے ہیں، اس کے اندر بیماریوں کے وائرس ہوتے ہیں، یہ آپ کے ہاتھ تک آجائیں گے، کھانا کھانے کے بعد پوچھا جائے، عورت نے کہا کہ تمہارے نبی کو چودہ سو سال پہلے یہ وائرس کا پتہ کیسے چلا؟ تو انہوں نے کہا کہ یہ تو ایک چھوٹی سی سنت ہے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی، آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام سنتوں کا یہ حال ہے۔

خدا کے لیے انجام دیا جانے والا عمل ہمیشہ باقی رہتا ہے:

دوستو! محبت کی دنیا نفع نہیں دیکھتی، اس لئے دنیوی نفع کے اعتبار سے آپ کی سنتوں پر عمل نہ کیا جائے، یہ مشکوۃ کے مصنف ہمیں فرما رہے ہیں کہ ایک آدمی ہجرت کر رہا ہے اور ایک عورت سے شادی کی نیت ہے تو اس نیت کو پسند نہیں کیا اور ایک آدمی ہے جو محض اللہ کو راضی

کرنے کے لیے عمل کر رہا ہے، رات کی تنہائی میں بھی اگر وہ عمل کرے گا، اللہ پاک اس کے عمل کو دنیا کے سامنے کھول دیں گے اور ایک آدمی دکھلاوے کے لیے کر رہا ہے، لوگوں کے سامنے کرے گا؛ لیکن لوگ اس کو اچھا نہیں سمجھیں گے، اللہ پاک لوگوں کے دلوں میں اس کی وہ قدر اور منزلت نہیں رکھیں گے، یہ عجیب چیز ہے، قرآن کریم نے تہجد کے متعلق فرمایا: تَتَجَافٰى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ (سجدہ: ۱۶) کہ یہ رات کو اٹھ کر اکیلے اللہ تعالی کو راضی کرنے کے لیے عبادت کرتے ہیں اور کسی کے لئے نہیں، اس لئے قرآن نے فرمایا: إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْئًا وَأَقْوَمُ قِيلًا (مزمل: ۶)، رات کو سو گیا، دنیا اور دنیا کے جھمیلے اور سارے کام جو دماغ میں لگے ہوئے ہوتے ہیں، وہ سب نکل چکے ہیں، نیند سے اب جب اٹھتا ہے، قرآن پڑھتا ہے تو سیدھا اللہ کی طرف توجہ کرتا ہے، دعائیں مانگتا ہے تو ادھر ادھر کی چیزیں نہیں آتی، وَأَقْوَمُ قِيلًا، درست بات کہتا ہے، یہ رات کی تنہائی میں ایک اللہ کو راضی کرنے کے لیے جب کر رہا ہے، تو اللہ تعالی فرماتے ہیں: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ (سجدہ: ۱۷) چنانچہ کسی متنفس کو کچھ پتہ نہیں ہے کہ ایسے لوگوں کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا سامان چھپا کر رکھا گیا ہے؟ قرآن کریم کا عجیب انداز ہے، وہ اللہ تعالی کو راضی کرنے کے لیے تنہائی میں اٹھا ہے، کوئی نہیں دیکھ رہا ہے، لوجہ اللہ ہے، اللہ تعالی کو راضی کرنے کے لیے، تو اللہ تعالی اس کے عمل کو دن کے اجالے میں روشن کریں گے ہی، دنیا کے اندر بھی روشن کریں گے، ہم نے تہجد پڑھنے والوں کو دیکھا ہے، ہمارے شیخ الحدیث صاحب اور مولانا عبدالحنان صاحب کو سفر میں میں نے دیکھا، لمبا سفر ہے، تہجد کے مکمل پابند تھے، جہاں بیٹھتے فوراً نیند آجاتی، یہ تہجد کی برکت تھی کہ رات کی نیند ختم ہو جاتی تھی، دن میں یا رات میں کسی بھی وقت بیٹھے ہیں، گاڑی میں نیند آجاتی۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق سنا ہے کہ ریلوے اسٹیشن پر گاڑی آنے میں دس منٹ دیر ہوتی تھی، تو حضرت فرماتے کہ میں تھوڑا آرام کرلوں، دس منٹ میں خراٹے کی نیند

آجاتی؛ کیونکہ ان کو رات کے اٹھنے سے جو بیداری ہوئی تو اللہ پاک نے ان کو برکتیں عطا فرمائیں اور ہم ہیں کہ نیند نہیں آرہی ہے، کروٹیں بدل رہے ہیں، تہجد کا وقت ہے، لیکن شیطان ہمیں اٹھنے نہیں دیتا، تھپکیاں دے رہا ہے۔

دوستو! یہ عجیب وغریب معاملہ اللہ تعالیٰ کا اخلاص کرنے والوں کے ساتھ ہے، دنیا میں ہی دے دیتے ہیں اور جنت میں کیا دیں گے؟ اللہ پاک کیا فرماتے ہیں: **فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴿١٧﴾** یہ آیت ہم کو بتلاتی ہے کہ اخلاص وللّٰہیت کی بنیاد پر جب کوئی کام کیا جاتا ہے تو اللہ پاک اس کو ہمیشہ باقی رکھتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کی بنیاد اخلاص کے ساتھ:

دارالعلوم دیوبند کی بنیاد اخلاص کے ساتھ تھی، اللہ کے بندوں نے انگریزوں سے مقابلہ کے لئے جہاد کیا، لیکن اللہ کا نظام تھا، اللہ پاک اس ملک کو علم سے بھرنا چاہتے تھے، قرآن و حدیث کے علوم سے مالا مال کرنا چاہتے تھے، تو شاملی کے میدان میں شکست دی اور (۱۸۵۷) کی جنگ میں ہار گئے اور حضرت نانوتویؒ نے دیکھا کہ اب اس طرح مقابلہ نہیں کر سکتے تو آپ نے رخ موڑ دیا اور امت کو تعلیم کے میدان پر لے آئے، اس وقت ہندوستان میں چار لاکھ مکاتب اور مدارس موجود ہیں، یہ سب برکتیں ان علماء ربانیین کی ہے، آج جو میں اور آپ یہاں بیٹھے ہیں ان علماء کرام کی قربانی ہے اور کتنے علماء کرام کی قربانی کس تسلسل کے ساتھ ہے، ڈیڑھ سو سال سے یہ مدارس قائم ہے، اور ایک کے بعد ایک عالم محنت کرتا ہے، کس نے کیسی محنت کی، میں اور آپ نہیں جانتے، کتنے اللہ کے بندے ہیں جنہوں نے بھوکے پیاسے رہ کر دین کے لئے خدمتیں کیں، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو قائم کرنے کے لئے اپنے علاقے میں محنتیں کیں، اللہ تعالیٰ کے رسول کو سب سے زیادہ دشمنی غیروں کے طریقے سے ہے، **من احدث فی امرنا ھٰذا ما لیس فیہ فھو رد۔** (بخاری: کتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا علی صلح جور) اس دین میں آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو چھوڑ کر اور دوسرے

طریقے جو جو بھی آئیں گے، انسانوں کی طرف سے، کسی سماج کی طرف سے، کسی کی طرف سے گھڑے ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکہ لگا دیا **فھو رد**. کہ وہ قابلِ اعتبار نہیں ہے۔

ایک صحابیؓ کا اخلاص:

ایک صحابیٔ رسول ﷺ اپنی بیوی اور بچوں کو پھسلا رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان ہمارے گھر آرہے ہیں، کھانا ہے نہیں، بیوی نے کہا: بچوں کے لئے تھوڑا سا ہے، کہا: ان کو کسی طرح سلا دو، سلا دیا گیا اور میاں بیوی نے بھوکے پیاسے رات گزاری، بچوں نے بھوکے پیاسے رات بسر کی، صحابیؓ صبح اللہ تعالیٰ کے رسول کی مجلس میں جاتے ہیں اور آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم پر آیت نازل ہوتی ہے، **يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ**. (بخاری: کتاب مناقب الأنصار، باب ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ) یہ اللہ کے لیے اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، چاہے وہ بھوکے پیاسے ہوں اور دوسری ایک آیت میں فرمایا: **اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا**۝ (انسان:۹)

ہجرت کا معنیٰ:

میرے عزیز طلبہ! یہ آیت اور یہ روایت جو پڑھی گئی، مجھے اور آپ کو یہ کہہ رہی ہے کہ فارغ ہونے کے بعد دین کا کام کریں گے، تو دنیا آئے گی ہی، یہ اللہ پاک کا نظام ہے، ہم اپنی نیتوں کو درست کرتے ہوئے محض یہ نیت کریں کہ جب میں دیہات میں جاؤں تو آپ ﷺ کی سنتوں کو اور آپ کے طریقوں کو لوگوں میں رائج کروں، لوگوں کے چہرے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت والے ہو جائے، اگر آپ نے یہ کیا تو ان شاء اللہ یہ روایت کہتی ہے **فمن كانت هجرته** ہجرت کے بہت سارے معانی ہیں، ہجرت کا ایک معنیٰ یہ بھی ہے: **المهاجر من هجر ما نهى الله عنه**. (بخاری: کتاب الایمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ) اللہ پاک نے جن چیزوں سے منع کیا ہے، ہم ان چیزوں سے رک جائیں، میں نے آپ کے سامنے آیت پڑھی، **مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا** (حشر:۷) جو

بات اللہ کے رسول دے اس کو پکڑ و اور جن باتوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا، ان کو چھوڑ دو، یہ ہیں آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اور آپ دیہات میں جا کر اس کی کوشش کریں، لیکن پیار محبت سے سمجھائیں: فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا (طہ:۴۴) فرعون کے دربار میں موسیٰ جارہے ہیں، انا ربکم الاعلیٰ (نازعات:۲۴) کا دعویٰ کرنے والے کے پاس لیکن موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا جا رہا ہے فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا، علماء کرام کی اتنی بڑی بڑی ٹیم جو کچھ (۲۸۹ ﷺ) میں تیار ہوئی، اور اس مدرسہ نے بنیادی کام کیا، دوستو اور بزرگو! یہ ان کے بانیوں کا اخلاص ہے اور آپ کے اساتذۂ کرام کا اخلاص تھا کہ جن کی برکتوں سے آج آپ کے علاقے میں اتنے علماء کرام کی تعداد اتنی کثیر مقدار میں جمع ہوگئی، یہ اللہ تبارک وتعالی کا احسان ہے۔

یاد رکھیں، بہت سے لوگ بھروچ ضلع میں اور سورت ضلع میں دوسرے صوبوں سے آتے ہیں، اور وہ مدرسوں کی عمارتوں کو دیکھ کر کہتے ہیں، کئی مرتبہ کچھ لوگوں نے مجھے کہا: ہمیں آپ کے مدرسہ جیسا مدرسہ بنانا ہے، میں نے کہا: تعمیر کے اعتبار سے یا تعلیم کے اعتبار سے، ان بیچاروں کی نظر یہی ہوتی ہے کہ تعمیر ہو جائے تا کہ سہولیات ہو، میں نے ان کو کہا کہ یاد رکھیے، بھروچ ضلع اور سورت ضلع میں پہلے دین آیا، پھر اللہ تعالیٰ نے دنیوی اعتبار سے نوازا، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ لوگ بہت غریب تھے، جب دین اپنایا، اللہ پاک نے انگلینڈ کے راستے، افریقہ کے راستے کھولے، یہ عجیب اللہ پاک کا نظام ہے جب بندہ اللہ کے لئے دین کو قبول کرتا ہے، تو اللہ پاک اس کو بلند مقام عطا فرماتے ہیں۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ کی پیش گوئی: مغز اور بادام کا حلوہ کھائے گا:

آپ ہمارے علمائے کرام سے پوچھیے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ پڑھنے کے لئے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جاتے ہیں اور والد محترم کا انتقال ہو گیا تھا، والدہ غریب تھی، محتاج تھی، یہ چاہتی تھی کہ میرا بیٹا کچھ کام کر لے، کچھ سیکھ لے، کوئی ہنر کا کام کرے، تا کہ بڑا ہو کر میری روزی روٹی کا انتظام کرے، حضرت امام ابو یوسفؒ بڑھئی کے یہاں کام سیکھتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ

حضرت امام ابو یوسفؒ راستے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے سبق میں چلے گئے، بڑھئی کے یہاں نہیں گئے، والدہ کو پتہ چلا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں ہے، دوڑتی ہوئی گئی اور کہا تمہیں کیا ہے، تم تو بڑے تاجر ہو؛ میرا بچہ اکیلا ہے، اس کا باپ نہیں ہے، یہ میری روزی روٹی کا ذمہ دار ہےاور تم نے اس کو یہاں اپنے پاس بٹھا رکھا ہے، یہ ایک ہنر سیکھنے جاتا ہے، سیکھے گا تو مجھے کچھ ملے گا، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس بوڑھی ماں کو کہا کہ تیرا بیٹا بادشاہ کے ساتھ بیٹھ کر مغز اور بادام کا حلوہ کھائے گا، بوڑھی ماں نے کہا کہ ابھی تو روٹلے (روٹی) کا ٹھکانہ نہیں ہے اور بادشاہ وقت ہارون رشید کے ساتھ بیٹھ کر میرا بیٹا اور وہ بھی بادام اور مغز کا حلوہ کھائے گا؟ کہا کہ پاگل ہو گئے ہو؟ خود تو پاگل ہو مجھے بھی پاگل سمجھتے ہو، امام صاحب مالدار تھے، کہا تمہارا بچہ کما کر کتنے پیسے لاتا ہے؟ کہا کہ اتنے، کہا: روزانہ تم کو ملتے رہیں گے، امام صاحب نے انتظام کیا اور ادھر امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ بڑے ہوئے، پورے عالم اسلام کے قاضی القضاۃ ہوئے، چین سے لے کر مراکش تک اور افریقہ تک، اتنے لمبے علاقے کا قاضی القضاۃ ہے، بادشاہ وقت ہارون رشید نے ایک مرتبہ کھانے کی چیز حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے پیش کی، اس کو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بڑی لذیذ چیز ہے، یہ کیا ہے؟ ہارون رشید نے کہا: یہ مغز اور بادام کا حلوہ ہے، جو مجھے بھی روزانہ نہیں ملتا ہے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ رونے لگے، بادشاہ وقت خلیفۃ المسلمین ہارون رشید نے کہا: اتنی قیمتی چیز مل رہی ہے اور آپ رو رہے ہیں؟ فرمایا: ”قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید“، اس کا ترجمہ میں کر رہا ہوں کہ وہ امام ابوحنیفہ بوڑھا قلندر تھا، انہوں نے ایک بات مجھے کہی تھی، آج وہ بعینہ ثابت ہو رہی ہے، جب میں بھوکا پیاسا تھا، جب میرے پاس پہننے کے کپڑے نہیں تھے، میری والدہ کی روزی روٹی کا انتظام نہیں تھا اور اس وقت انہوں نے کہا تھا کہ اگر اپنے بیٹے کو علم دین سکھلاؤ گی، تو کل بادشاہ وقت کے ساتھ تمہارا بیٹا اس طرح کھائے گا، آج مجھے وہ منظر یاد آ رہا ہے کہ میری ماں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے درسگاہ میں آئی تھی اور اس وقت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جملہ کہا تھا۔

’’انما الاعمال بالنیات‘‘ کو مقدم کرنے کی وجہ:

اس لیے دوستو اور بزرگو! یہ روایت ہم کو کہہ رہی ہے کہ جتنا اللہ کے دین کے لئے اخلاص ہوگا، اللہ پاک اتنا ہی چمکائیں گے اور جہاں دکھاوا آگیا، برکتیں نہیں آئے گی، اس لیے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ روایت ہمیں کہتی ہے، یہ دین کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اصول ہے، اس لیے مشکوۃ کے مصنف بھی اور امام بخاریؒ بھی اس روایت کو پہلے لائے اور اصل جو دین کی بات ہے، وہ حدیث جبریل میں اس کے بعد آرہی ہے، دوسرے نمبر کی جو روایت ہے پورا دین اس کے اندر آگیا، اس لئے اللہ تعالی آپ کے اس جلسے کو کامیاب فرمائے اور حدیث شریف کے اس درس کو صرف ایک مدرسے میں نہیں، بلکہ اللہ تعالی شہر شہر مدارس اسلامیہ میں قائم فرمائے، دنیا میں یونیورسٹیاں بہت ہیں، کالج بہت ہیں، ایک کالج اور دوسرے کالج آمنے سامنے ہوتی ہے تو وہاں کوئی اشکال نہیں ہوتا اور جہاں مدرسے آمنے سامنے ہوتے ہیں تو وہاں اشکال ہوتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ اپنے مکاشفات میں فرماتے ہیں کہ میں نے یہ دیکھا کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ اقدس سے نور کی کرنیں پھیل رہی ہے اور محدثین کے سینوں میں جاکر لگ رہی ہیں، حدیث نبوی کا جو نور ہے مشکوۃ نبوت، یہ جو چراغ ہے، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورانیت ہے۔

دوستو اور بزرگو! اللہ پاک نے اتنی برکت والی یہ سعادت ہمیں نصیب فرمائی، ہم اس کی قدر کریں اور اس زندگی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کو لانے کی کوشش کریں، یہ سب سے بڑی چیز ہے، صرف علم کافی نہیں ہے، علم تو دنیا میں لوگوں کے پاس بہت ہیں، حضرت مولانا علی میاںؒ فرماتے ہیں ’’میرے دیکھے ہوئے ہیں، مشرق و مغرب کے مے خانے‘‘ میں مشرق و مغرب کے مختلف علاقوں میں پہنچا ہوں، قدر اگر ہے، تو اہل اللہ کی ہے، صاحب دل کی قدر ہے، ’’از دل خیزد بر دل ریزد‘‘ جو لوگ دل سے بات کرتے ہیں وہ دل پر اثر کرتی ہے، ایسے لوگوں کی ضرورت ہے اور یہ آتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقوں سے، اللہ پاک ہم سب کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقوں پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(۲)
حضرت نانوتویؒ کا پیغام فضلائے دیوبند کے نام
(بمقام دارالعلوم وقف دیوبند)

الحمدلله رب العالمين والصلاة والسلام على نبى المرسلين وعلىٰ آله وأصحابه أجمعين. قال الله تعالىٰ فى كلامه المجيد والفرقان الحميد

أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
اَلرَّحْمٰنُ ﴿١﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ﴿٢﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ﴿٣﴾ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴿٤﴾ (رحمٰن)
اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ ﴿١﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ﴿٢﴾ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ﴿٣﴾ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ﴿٤﴾ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ﴿٥﴾ (علق)

وقال النبى ﷺ: إن من البيان لسحرا. (بخاری: کتاب الطب، باب إن من البيان لسحراً)

صدق الله العظيم و صدق رسوله النبى الكريم و نحن علىٰ ذلك لمن الشاهدين والشاكرين والحمدلله رب العالمين.

محترم ومکرم قابل تکریم حضرت صدر محترم، حضرات اساتذۂ کرام اور طلباء عزیز! میرے لئے آج کا دن انتہائی سعادت مندی کا ہے کہ آج حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ کی نسبت سے منعقد ہونے والے اس مبارک جلسہ میں میری حاضری ہورہی ہے۔

تمہیدی گفتگو:

عزیز طلباء! حضرت کو سمجھنے سے پہلے چند تمہیدی باتیں میں آپ کے سامنے عرض کرنا چاہتا ہوں، اسلام کے آنے سے پہلے دنیا میں علم چند خاندانوں کے درمیان منقسم تھا، اس ملک میں

جہاں میں اور آپ آباد ہیں، یہاں آج بھی مذہبی تعلیم کے لئے ایک گروہ متعین ہے، مذہبی رسومات کی ادائیگی کے لئے ایک جماعت مخصوص ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے جناب نبیٔ اکرم ﷺ کو مبعوث فرمایا اور آپ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہوئی کہ آپ کے ذریعہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے علم کو عام فرمایا: اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ (رحمٰن :۱، ۲، ۳، ۴) اللہ تبارک وتعالیٰ نے ''اقرأ'' کے ذریعہ علم کو جناب نبیٔ اکرم ﷺ کی پہلی وحی سے عام فرمایا، آپ ﷺ نے علم کو اتنا عام فرمایا کہ انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا کے مقالہ نگار نے ہسٹری آف ایجوکیشن کے نام سے ۹۰ صفحات کا ایک مضمون لکھا ہے اور اس میں دنیا کی ایجوکیشن اور علم کی تاریخ لکھتے ہوئے یہ لکھا کہ دنیا میں بڑے بڑے مندر اور بڑے محل تو دنیا نے بہت سارے دیکھے اور اس کا رواج برسوں سے ہے، لیکن تعلیم اور ایجوکیشن کے نام پر بڑی بلڈنگیں بنانا، یونیورسٹیاں قائم کرنا یہ صرف اور صرف اسلام کی خصوصیت ہے۔

اسلام میں علم کا تصور:

اسلام نے دنیا کو علم دیا، اسلام سے پہلے عیسائیت سمجھی جائے، یہودیت تو ہے ہی خاندانی مذہب اور اس ملک میں ہم اور آپ آباد ہیں، برہمن کے علاوہ کسی کو مذہبی کتاب پکڑنے کا حق نہیں تھا؛ لیکن جناب نبیٔ اکرم ﷺ تشریف لائے اور اللہ پاک نے آپ کے ذریعہ ایسا علم عام کیا کہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطابؓ حضرت بلال کو دیکھ کر فرماتے ہیں: **أنت مولانا وسیدنا**. ایک غلام اور ایک حبشی النسل قوم کو انسان کہا جائے یا نہ کہا جائے؛ لیکن عملی شکل میں ان سے جانوروں جیسا کام لیا جاتا تھا، اس کو کعبہ کی چھت پر چڑھ کر فتح مکہ کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی بلندی اور کبریائی کا حق جناب نبیٔ اکرم ﷺ نے دیا، وہ آپ ہی کے علم کی برکت ہے، آپ نے مساوات انسانی قائم فرمائی، اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ علم مخصوص دائروں سے نکل کر دنیا کے وسیع وعریض علاقوں میں پھیل گیا اور آپ دیکھ لیجئے کہ نماز ایک عالم بھی پڑھے گا اور ایک عامی آدمی بھی ادا کرے گا، تشہد کا پڑھنا ہمارے لئے بھی ضروری ہوگا اور ایک عامی آدمی کے لئے بھی

پڑھنا واجب، نماز کی وہ تمام کیفیات اور وہ ادائیگیاں جو فرائض اور واجبات کے ساتھ ہم ادا کر رہے ہیں، ایک عالم بھی ادا کرے گا اور ایک عامی آدمی بھی ادا کرے گا، اجتماعی نمازیں بھی رکھیں جماعت کے ساتھ، اور انفرادی نمازیں بھی رکھیں؛ اس لئے اس امت کے ہر فرد کو نماز پڑھنی ہے، یہاں کسی کی خصوصیت نہیں، نماز پڑھانے کے لئے امامت کے لئے وہ شخص بھی آگے آ سکتا ہے، جو نماز کے فرائض، واجبات اور سنتوں کو جانتا ہو اور وہ نماز اچھی طریقہ سے ادا کر سکتا ہو، اس امت میں کسی کی خصوصیت نہیں ہے کہ فلاں نسل کا آدمی ہی امامت کروائے، ایک طرف جماعت کے ساتھ نماز کو عام فرما کر سب کو نماز سکھلائی اور عملی طور پر سب کو ایک ہی صف میں کھڑا کر دیا اور اس کے ذریعہ اس دنیا میں علم کو عام فرمایا، جہاں نکاح پڑھانا ہے قاضی کی ایک مخصوص شخصیت ہی نکاح نہیں پڑھائے گی، عامی آدمی بھی جو نکاح کے مسائل جانتا ہوگا وہ نکاح پڑھا سکتا ہے، یہ وہ چیزیں ہیں جو اللہ پاک نے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ اس دنیا میں عام فرمائی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد پوری دنیا میں علم مدینہ منورہ سے نکل کر بغداد پہنچا، دمشق پہنچا، مصر پہنچا اور اللہ پاک نے اس ملک ہندوستان کو بھی اس علم سے نوازا۔

اکابرین علماء دیوبند کی فراست اور وسعت نظری:

۱۸۵۷ میں جب ہمارے بزرگوں نے انگریز کے خلاف جہاد فرمایا اور وقتی اور عارضی کچھ مصلحتوں کے پیش نظر اللہ پاک کی طرف سے ظاہری شکست ہوئی؛ لیکن حضرات علماء کرام اور اس میں سرفہرست ہمارے دیوبند کے اکابر اور اس میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ اور حضرت مولانا گنگوہیؒ اور دوسرے جن بزرگوں نے اس کو قائم فرمایا ان حضرات نے دیکھا کہ انگریز کا اب بظاہر مقابلہ نہیں ہوسکتا، تو انہوں نے اپنا رخ تعلیم و تربیت کی طرف موڑ لیا۔

عزیز طلباء! یہی وہ بنیادی بات ہے جس کی طرف میں آپ کی رہنمائی کرنا چاہتا ہوں، دشمن جب غالب آتا ہے تو اہل ایمان اپنے پینترے بدلتے ہیں، دشمن سے کس طریقہ سے ہمیں کام لینا ہے، ایک مثبت کام کو ان حضرات نے شروع فرمایا اور یہ بتلایا کہ اب تعلیم کو عام کئے

بغیر،علم کو عام کئے بغیر دہریت والحاد کا مقابلہ نہیں کرسکتے ، لارڈ میکالے نے اپنا ایک پروگرام بنایا،تو حجۃ الاسلام اورآپ کے ساتھیوں نے اپنا ایک پروگرام بنایااور تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ لارڈ میکالے اپنے اس پروگرام میں ناکام ہوااورا کابرین دیوبند اپنے پروگرام میں الحمدللہ ۱۰۰ فی صد کامیاب ہوئے ،آج یہ علم کا سلسلہ ہم تک پہنچااور دنیا کے کونے کونے میں علوم پہنچیں ، یہ ان اکابر کی وسعت نظری تھی۔ اللہ پاک نے ان کے ذریعہ پوری دنیا میں علم کو عام فرمایا، ان بزرگوں نے صرف دیوبند کو قائم نہیں فرمایا، اطراف کے بہت سارے مدارس کو انہوں نے قائم فرما کر یہ اشارہ کیا کہ مدارس کا ایک نیٹ ورک (Network) ہونا چاہئے ، یہ سارے مدارس ہمارے ہیں ، جب ہم سب کا مقصد ایک ہے تو ہم باہم تعاون اور تناصر میں رہیں، اس لئے بزرگوں نے یہ ادارے قائم فرمائے ، ان حضرات کے لئے دنیا میں سب سے پہلا تجربہ تھا کہ عوام الناس کے پاس سے پیسہ لے کر ان مدارس کو قائم کیا جائے ،دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی ، بادشاہ تھے، بڑے مالدار لوگ تھے جو ادارے چلا رہے تھے؛ لیکن ان بزرگوں نے جس چیز کو قائم فرمایا عزیز طلباء! عرب کے بڑے بڑے سربراہ، بڑے بڑے علماء کرام حیران ہیں، دارالعلوم دیوبند کیسے چل رہا ہے؟ اور دارالعلوم دیوبند کی نسبت سے چلنے والے ہزاروں اور لاکھوں مدارس اسی نہج پر چل رہے ہیں، عوام الناس کے چندے اور عوام الناس کو اپنے ساتھ رکھنے سے حق بات کو کہا جاسکتا ہے، آج میں اور آپ صحیح اور حق بات کہہ سکتے ہیں، بہت سارے عرب ممالک ہے جہاں علماء کرام حق بات نہیں بول سکتے اس کے پیچھے غور کیا جائے، جب یہ عوامی اور عمومی ادارے نہیں رہیں گے تو دنیا کا کیا حال ہوگا۔

اسپین سے اسلامی حکومت کے خاتمہ کی وجہ:

اسپین سے اسلامی حکومت گئی اوراس کے ساتھ مسلمان بھی ختم ہوئے ، اس کی وجہ کیا تھی؟ وہاں عوام الناس کے رابطہ والے ادارے نہیں تھے، ان کے نہ ہونے نے عوام کو دین سے دور کر دیا، وہ مقابلہ اور تاب نہیں لا سکے، اس کے مقابلہ میں ہندوستان میں جس وقت انگریز اپنا جھنڈا لہرا

رہا تھا، اپنے آپ کو اس ملک کا مالک سمجھ رہا تھا، ایسے موقع پر ان اکابر نے ثابت کر کے بتایا، جب ہوا کا رخ دوسری طرف پھیر و گے تو ہم اپنے ارادوں میں اور اپنے عمل میں کامیاب ہو جائیں گے، حضرت نانوتویؒ اور آپ کے ساتھ ان بزرگوں نے صرف اسی پر اکتفاء نہیں کیا؛ بلکہ آج آپ کی جو انجمن ہے اور جس کی نسبت پر ہم جمع ہوئے ہیں، حضرت نانوتوی ؒ نے سب سے بڑا جو کام فرمایا؛ باطل فرقوں کا آپ نے مقابلہ فرمایا، ضال اور گمراہ جماعتوں کا آپ نے تعاقب فرمایا۔

عبقری شخصیت:

دوستو اور بزرگو! آپ کے مناظرے اور اس کی روداد کو پڑھیں، کس طریقہ سے وہاں پہنچے؟ کیسے بخار اور کیسی بیماری میں وہاں پہنچے ہیں اور کون سی سواریوں پر بیٹھ کر پہنچے ہیں کہ آج ہم سب اہل علم کے لئے بڑی عبرت کی چیز ہے، آج ہم نے اپنے آپ کو ایک مخصوص کیٹگری (Category) میں کر رکھا ہے، فلانی چیز میں نہیں بیٹھ سکتے، فلانہ سفر نہیں کر سکتے، عوام الناس تک پہنچنے میں ہمیں بہت ساری رکاوٹیں آتی ہیں، ان اللہ کے بندوں کو لوگ پہچان نہیں پاتے تھے؛ یہ قاسم نانوتوی ہے، سر پر بوجھ لے کر چل رہے ہیں، پھر پتہ چلتا ہے کہ یہ تو حضرت قاسم العلوم والخیرات ہیں۔

دوستو بزرگو! حضرت کا سب سے بڑا جو ہمیں سبق ملا ہے آپ نے قرآن و حدیث پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات کس سادگی اور فلسفیانہ انداز میں پیش کئے، آپ کے اس ادارے کے ان عزیز طلباء کو میں مبارک بادی دیتا ہوں، آپ نے جو جلسہ کے عنوانات طے کئے، آپ نے جو سال بھر پروگرام کئے اور جو عنوانات آپ کو دیئے گئے مجھے یہ محسوس ہوا کہ یہاں زندگی اپنی آب و تاب کے ساتھ چل رہی ہے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی الندویؒ نے تفقہ اور فقہ کی ایک عجیب و غریب تعریف فرمائی، تمام علماء نے فقہ کے لئے تفقہ فی الدین پر مختلف طریقہ سے تعریفیں اور تعبیرات فرمائیں، حضرت نے ایک جملہ فرمایا:

''تغیر پذیر زمانہ میں تبدل نہ ہونے والے دین کا رشتہ قائم رکھنا'' یہ تفقہ ہے، زمانہ بدلتا

رہے گا اور نئے نئے ہتھیاروں سے لیث ہوکر، کہیں اعتزال جدید آئے گا تو کہیں مرجیہ قدریہ بھی آئیں گے کہیں الحاد آئے گا سائنسی بنیاد پر، تو کہیں عقل پرستار معتزلہ کی دنیا سے نکل کر آج کے نئے نئے سوالات کریں گے، مستشرقین کی ٹیم ہے جو لگی ہوئی ہے برسوں سے؛ لیکن عزیز طلباء! آپ نے مستشرقین کی باتوں کو پڑھا ہوگا، آپ کو اندازہ ہوگا کہ جن عبارتوں کو ہم سادگی کے ساتھ بخاری شریف کی روایتیں یا حدیث شریف کی روایتیں، قرأت سبعہ وعشرہ کے مضامین جو احادیث مبارکہ میں ہیں، یہ ان کا کتنی گہرائی سے مطالعہ کرتے ہیں اور دقیق سے دقیق بات کس طریقہ سے اندر سے نکال لیتے ہیں، اس کا بھی ہم کو جواب دینا ہوتا ہے، اس کے لئے یہ لوگ کتنی محنت کرتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ، ابن شہاب زہری ان بزرگوں کے متعلق ان لوگوں نے کیسے کیسے اعتراضات کئے؟ تو مجھے یہ بتلانا ہے کہ مستشرقین نے جو اعتراضات کئے اور ان کے جوابات کے لئے آپ نے تیاری فرمائی اور مزید گہرا مطالعہ آپ کو کرنا ہوگا، مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ آپ نے جن مضامین کا انتخاب فرمایا تغیر پذیر زمانہ میں ان مضامین کا جواب دینا ہے، تغیر پذیر زمانہ کا عدم تغیر پذیر دین، دین اسلام سے رشتہ قائم کرنا ہے، حضرت نانوتویؒ نے کتنے سادہ انداز میں دیانند سرسوتی کے جواب دئے۔

عزیز طلباء! اس کے ساتھ ان بزرگوں کی سب سے بڑی خصوصیت اور جو آج ہم اہل علم میں کم ہوتی جارہی ہے، قرآن وحدیث اور فقہ کے علوم میں ہمیں گہرائی حاصل کرنی ہے، اس کے لئے علوم کی کتابیں نحو وصرف، بلاغت اور منطق میں ہمیں محنت کرنی ہے کہ ہماری بنیاد مضبوط ہو اور کتاب وسنت کے علوم گہرائی کے ساتھ اکابر سے ہم نے حاصل کئے ہوں گے تو پھر اس کے بعد ہم جواب دے پائیں گے۔

مشکل ترین حالات میں انبیاء کرامؑ کے واقعات کی طرف رجوع کریں:

اس وقت موبائل واٹس ایپ نے ہمارے ایمان کو کمزور کر دیا ہے، ہم اپنی پریشانی کا رونا رو رہے ہیں، ہر چہار سمت میں مسلمانوں کے درمیان جو واٹس ایپ چلتے ہیں، اخبارات اور رسائل

میں جو مضامین آتے ہیں، یہ مایوسی اور امت کو اپنا امت پنا کھو دینے کی باتیں ہیں، یہ صحافت کی زبان میں چلتا رہے گا؛ لیکن ہمارا براہ راست تعلق کتاب وسنت سے ہو، اللہ پاک کے ان وعدوں پر ہو جو اللہ پاک نے کتاب اللہ میں فرمایا، قرآن کریم کا سب سے بڑا خلاصہ اگر ہے تو وہ انبیاء کرامؑ کے واقعات ہیں جو قرآن کریم میں اللہ پاک نے ذکر فرمائے، نبیوں کی تعداد بہت بڑی ہے؛ لیکن قرآن کریم میں ۲۸ انبیاء کرام کے واقعات ذکر فرمائے، مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ط (غافر:۷۸) کچھ کے واقعات ذکر فرمائے اور کچھ کے واقعات ذکر نہیں فرمائے لیکن جن کے واقعات ذکر فرمائے ۲۵ انبیاء کرامؑ کا تو نام لے کر ان کے واقعات ذکر فرمائے اور (۳) انبیاء کا نام تو نہیں لیا، لیکن حضرات مفسرین نے ان تینوں جگہ پر انبیاء کرام کے ساتھ قصہ کو منسوب فرمایا۔

سیدنا حضرت موسیٰؑ کا واقعہ:

چنانچہ قرآن کریم میں اللہ پاک نے بہت ساری آیتوں میں انبیاء کرامؑ کے واقعات ذکر فرمائے، قرآن کریم میں ایک تہائی یا ایک چوتھائی حصے میں اللہ پاک نے سیدنا موسیٰؑ کا ذکر فرمایا؛ جب بنی اسرائیل بھاگ رہے ہیں، بحر قلزوم کے کنارہ پر پہنچ رہے ہیں اور پیچھے سے فرعون کا لشکر آرہا ہے، سیدنا موسیٰؑ سے انہوں نے کہا اِنَّا لَمُدْرَكُونَ ﴿٦١﴾ (شعراء:۶۱) اتنی تاکید کے ساتھ کہہ رہی ہے قوم کہ ضرور بالضرور پکڑے گئے، اللہ کے نبی سیدنا موسیٰؑ کا ایمان نبی کا ایمان ہوتا ہے، آپ نے تاکید کے ساتھ جواب فرمایا كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿٦٢﴾ (شعراء: ۶۲) ہرگز نہیں میرے ساتھ میرا اللہ ہے، وہ میری ضرور رہنمائی کرے گا۔

غزوۂ خندق کا واقعہ:

عزیز طلباء! جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابۂ کرام کے لئے اللہ پاک نے سورۂ احزاب میں اپنی نعمت کا ذکر فرمایا کہ دشمن آپ کے آگے سے آئے، پیچھے سے آئے، ہر چہار سمت سے دشمن تم پر حملہ آور ہوئے، ایسے موقع پر منافقین نے یہ کہا اب ہم لوگ پکڑے جائیں گے، اب

مدینہ منورہ میں ہم لوگ گھر گئے ہیں، اب اسلام صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گا اور صحابۂ کرام کو یہ لوگ ڈرانے لگے، قرآن کریم نے پورے منظر کو بیان فرمایا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ذکر فرمایا، صحابۂ کرام نے جواب میں کیا فرمایا؟ هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ (احزاب: ۲۲) یہ وہ چیز ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہمیں وعدہ کیا، جب ہم فتن کی روایتیں پڑھتے ہیں، اشراط ساعات، قیامت کی جونشانیاں ہیں اس کو ہم پڑھتے ہیں، شام کے حالات ہم پڑھتے ہیں، ہندوستان کے مستقبل کے حالات کیا ہو سکتے ہیں؟

عند اللہ تسلسل اور مداومت مطلوب ہے:

عزیز طلباء! اس وقت سب سے بڑے جو غور وفکر کی ضرورت ہے وہ اس ملک میں کتاب و سنت کے علوم کے ساتھ ہمیں انبیاء کرام کی سیرت سے سبق لینا ہے، ہمیں اپنے اکابرین کی سیرت سے سبق لینا ہے، ان حضرات نے اس موقع پر کس طریقہ سے مورچے کو سنبھالا اور انگریز کس طریقہ سے ناکام ہوئے اور حجۃ الاسلام اور آپ کے متبعین اور آپ کے ساتھی کس طرح کامیاب ہوئے؟ عزیز دوستو! ان حضرات نے جو مہم چلائی ہم سب اس کا پھل کھا رہے ہیں، تسلسل کے ساتھ پوری دنیا کے اندر ان حضرات نے مدارس کا (Network) نیٹورک قائم کیا، اللہ پاک کے یہاں تسلسل اور مداومت مطلوب ہے، قرآن کریم میں اللہ پاک فرماتے ہیں: الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ﴿۲۳﴾ (معارج: ۲۳) ”وہ اپنی نمازوں میں مداومت کرتے ہیں“ یہ کیوں ہے؟ پانچ وقت کی نمازیں کیوں رکھی؟ اور کس طریقے سے رکھی؛ تا کہ امت اس کو تسلسل سے ادا کر سکے، تو مدارس کا نظام بھی تسلسل کے ساتھ رواں دواں رہے، ہزاروں لاکھوں علماء نے اس کے پیچھے اس ملک میں محنتیں کیں، کیسی کیسی پریشانیوں کے ساتھ انہوں نے مدارس کو آباد کیا ہے، کیسی ذلت نفس برداشت کی ہے، اور اس کے ساتھ ان مدارس کو وجود بخشا، آج یہ مدارس ہمارے پاس بطور امانت کے ہیں،، ہمیں مستقبل میں کیا کرنا ہے؟ اس ملک کے حالات جو کروٹ لے رہے ہیں، نصاب تعلیم میں جو تبدیلی آچکی ہے اور کسی بھی وقت وہ ہمارے سر پر تھوپی جائے گی، اس سے پہلے پہلے

اپنی اولاد کی، اپنی نسل کی حفاظت کے لئے امت مسلمہ کو کیا کرنا ہے؟

لادینیت اور الحاد:

دوطرح سے دشمن محنتیں کررہے ہیں، ایک طرف تو الحاد اور لادینیت کا وہ سیلاب جو یورپی تہذیب اور کلچر نے اور داڑوین ازم نے اور سائنس کا ایک مفکر اسٹیفن جس کا آج انتقال ہوا، تھوڑے سال پہلے اس نے کہا تھا، نعوذ باللہ مجھے خدا کا وجود نظر نہیں آرہا ہے، آج تو دیکھ لیا ہوگا کہ خدا کا وجود کیسے ہے، اس طریقہ سے ہمارا وہ طبقہ جو یونیورسیٹی میں پڑھ رہا ہے اس کو یہ الحاد سکھایا جارہا ہے؛ اس لئے آپ کو ضرورت ہوگی ان چیزوں کو جاننے کی، سمجھنے کی، جوان میں گردش کررہی ہے، یہ بول نہیں پارہے ہیں؛ لیکن اندر سے خدا کے وجود کے منکر ہوچکے ہیں۔

ایک واقعہ:

ابھی بھروچ شہر کے انجینئرنگ کا ایک طالب علم میرے پاس آیا اور اس نے کہا میرے ساتھ سائنس میں ایک مسلم طالب علم پڑھ رہا ہے اور اس نے یہ اعتراض کیا، ابھی تو سائنس کی چند چیزیں پڑھی ہے، اس نے کہا اللہ پاک کو انسان کے ہاتھ کا یہ حصہ (آگے والا) پیچھے رکھنا چاہئے اور یہ پیچھے والا حصہ آگے رکھنا چاہئے، نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق پر ایک چھوٹا سا سائنس کا طالب علم اشکال اور اعتراض کررہا ہے، جس احکم الحاکمین نے اپنے لئے لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْٓ أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ﴿۴﴾ (تین:۴) فرمایا اس پر یہ اعتراض مسلم بچہ کررہا ہے، یہ چیزیں ہمارے طلباء کے اندر، امت مسلمہ کے نوجوانوں کے اندر آرہی ہے، یونیورسیٹی اور کالج میں پڑھنے والے اسلامی لاپر اعتراضات کررہے ہیں، یہ سب سے بڑا خطرہ ہے جو برسوں سے پوری دنیا میں عام ہے۔

برہمن واد:

دوسرا خطرہ برہمن واد کا جو اس ملک میں آرہا ہے اور اب انہوں نے پورا سلیبس (Syllabus) تیار کرلیا ہے، اس میں سب سے بنیادی جو چیزیں ہیں؛ برہمن واد کو آگے بڑھانا، کچھ باتیں ایسی کہی ہے جس کو سائنس داں بھی دیکھ کر اور پڑھ کر ہنس رہے ہیں، یہ

سائنس کی جتنی بھی ایجادات ہیں ان کا کہنا ہے کہ یہ چار ہزار پانچ ہزار سال پہلے ہندوستان میں ہمارے لوگوں نے ان سب کو ایجاد کرلیا، یہ اس طریقہ سے باتیں لکھی ہیں؛ لیکن وہ ہمارے لئے اتنی خطرناک نہیں ہے، سب سے خطرناک جو چیز ہے وہ ہے ہندو دیوتا واد، ایک اللہ تعالیٰ کی ذات کے ہونے کے یقین کے مقابلہ میں مخلوق سے ہونے کے یقین کو دلوں میں بھرا جارہا ہے، چیزوں سے ہونے کا یقین ہمارے دلوں میں ڈالا جارہا ہے، ایسے موقع پر اگر ہمارا ایمان یقین کی کیفیت والا نہیں ہوگا، ہمارے اندر غیر متزلزل یقین جب تک نہیں ہوگا ہم بھی ان کی باتوں میں آسکتے ہیں؛ اس لئے سب سے بنیادی ضرورت اس وقت ہم علماء کرام کو یہ ہے کہ اپنے آپ کو کتاب وسنت سے وابسطہ رکھے، توحید کا سبق، اللہ پاک کی ذات اور صفات کے علوم جو ہم عقائد کی کتابوں میں پڑھتے ہیں، رات دن ان عقائد کے ساتھ جو تصادم ہورہا ہے ، ہمارے نصاب تعلیم پڑھنے والے چھوٹے بچے سے لے کر بڑے طالب علم تک کو کس کس طریقے سے ہندو دیوتاواد سکھایا جارہا ہے، مستقبل میں اس کی کوشش ہونے والی ہے، ایسے موقع پر ہم کو کتاب وسنت کے دلائل کے ساتھ جو اس ملک کی اور عصر حاضر کی ضرورت ہے اور اس ملک میں جس طریقہ سے جو چیزیں چل رہی ہے، اس کا جواب ہم کس طریقے سے دیں؟

عزیز طلباء! اس کے لئے ہمیں اپنے آپ کو موبائل سے زیادہ کتابوں سے وابستہ کرنا ہوگا، قرآن کریم اور احادیث نبویہ کے علوم ہمیں گہرائی کے ساتھ حاصل کرنے ہوں گے، جس طرح ہمارے بزرگوں نے گہرائی کے ساتھ علوم حاصل کئے، اور اس کے ساتھ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کا ایک جملہ میں بڑھاتا ہوں ''عموق کے ساتھ آج اس زمانہ میں وسعت علم کی بھی ضرورت ہے''، جو نئی چیزیں آرہی ہے اس سے ہمارے طلباء عزیز کو واقف ہونا ہے، عصر حاضر کی پیدا شدہ نئی نئی جو چیزیں آرہی ہے، ایک مفتی اگر اس کو نہیں سمجھے گا تو آنے والے استفتاء کا جواب وہ کس طریقہ سے دے گا؟ اس لئے ہمیں اس کو اپنی دینی ضرورت سمجھتے ہوئے، کوئی دنیوی عہدہ، لالچ اور یونیورسیٹی کی دیگڑی کے لئے نہیں، بل کہ اس

لئے کہ یہ اس ملک کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔

اہل سائنس کے اساسی اور بنیادی امور کا اصولی جواب:

اصولی طور پر یہ امر ملحوظ رہنا چاہیے کہ شریعت کا مقصود یہ ہے کہ مخلوق کی رہنمائی خالق کی معرفت کی طرف کی جائے اور مخلوق کا خالق سے رابطہ بحال کیا جائے، اسی طرح کیفیت عبادت اور وہ احکام جن سے انتظام معاش قائم ہو اور معاد بہتر ہو، ان کا بیان مقصود ہے۔ علوم کونیہ، کیفیت خلق عالم کے مباحث شریعت کا مقصود نہیں ہیں۔ ہاں مقاصد کی تحصیل میں جس قدر ضرورت تھی بطور اجمال کے بقدر ضرورت ان کا ذکر کیا گیا مثلاً آسمان وزمین کا پیدا کرنا، ان کا عدم سے وجود میں لانا، نوع بنوع مخلوقات میں اختلاف کی نوعیت اور نظام جس سے لوگوں کے لیے عالم کے معبود وخالق کے وجود پر عقلی دلیل قائم ہو سکے۔

اب سمجھنا چاہیے کہ فلسفہ جدیدہ اور سائنس میں جو چیز قطعی طور پر ثابت ہے دلیل شرعی اس کا انکار نہیں کرتی، کیوں کہ دو قطعی دلیلوں میں ٹکراؤ نہیں ہوسکتا، اور جو بات شریعت میں قطعی طور پر مذکور ہے، مثلاً: سات آسمان اور سات زمین کا ہونا، تمام مخلوق کا حادث ہونا، کواکب کا آسمان میں ہونا اور عوالم کی ہر نوع کی تخلیق مستقل طور پر ہونا نہ کہ انشقاق وارتقاء کے طریقہ پر، ان چیزوں کی نفی پر کوئی قطعی عقلی دلیل قیامت تک قائم نہیں ہوسکتی اور جو دلیل بیان کی جاتی ہیں مثلاً ارتقا میں، وہ محض مفروضات وتخمینے ہیں، بعض میں محض تحکم ہے؛ بعض میں بے بنیاد دعوی ہے، مثلاً ملائکہ کے انکار کا دعویٰ۔ جہاں تک فروع کا اصول کے صفات میں مبائن ہونے کا مسئلہ ہے تو یہ نباتات وحیوانات ہی میں نہیں اور نہ ہی محض فروع واصول میں بلکہ تمام موجودات میں یہ چیز جاری وساری ہے جو اللہ تعالی کی قدرت کا ظہور ہے تاکہ تمام انواع کے افراد میں تمییز وتفریق ہوسکے؛ کیوں کہ اگر تمام انواع کے افراد ایک ہی صورت پر ہوتے تو اشتباہ پیدا ہوکر نظام عالم میں اختلال واقع ہوجاتا، اور انتخاب طبعی جس کو کہا جارہا ہے تو یہ بھی تو ممکن ہے کہ بطور تخلیق کے یہ بات ہو کہ اللہ تعالی نے پہلے ادنی اور ضعیف مخلوق کو پیدا

کیا ہو،اس کے بعد اس سے زیادہ قوی اور اعلی مخلوق ادنی اور کمزور مخلوق سے نکالنے کے بجائے مستقلاً پیدا کی ہو جس سے قوی کے لیے ضعیف سے تنازع للبقاء کی نوبت ہی نہ آئی، پھر اس سے زیادہ قوی اور اعلی مخلوق مستقلاً پیدا کردی ہو اسی طرح سلسلہ چلتا آرہا ہو یہاں تک کہ موجودہ تمام انواع ظہور پزیر ہوگئی ہوں، ایسی صورت میں ارتقاء کا نظریہ ازروئے عقل بھی بے گمان ہوکر مشکوک ہوجاتا ہے اور ظواہر نصوص کی تائید کے ساتھ نظریہ خلق ہی راجح ہوجاتا ہے، اس طرح جب نظریہ ارتقا بے ثبوت ٹھہرا تو اس نظریہ پر انسان اور بندر کا اصل واحد سے پھوٹ کر (بطور انشقاق) نکلنے کی بنیاد بھی ظاہر ہے کہ نہیں رکھی جاسکتی۔

سائنس دانوں کی باقی چیزوں میں جن کا تعلق تحقیقات ومشاہدات سے ہے صرف اتنی خطا ہے کہ وہ ان کا فاعل حقیقی مادہ کو قرار دیتے ہیں اور یہ باطل ہے بلکہ ان کا خالق اللہ تعالی ہے۔اور ہاں انسان کے لیے روح ہے جو مرنے کے بعد بھی باقی رہتی ہے،اسے لذت والم کا احساس ہوتا ہے۔اس عقیدہ کی نفی پر اہل سائنس کے پاس کوئی برہان عقلی قطعی یا ظنی نہیں ہے۔ اسی سے عذاب قبر کے متعلق اشکالات بھی دور ہوگئے۔

اعتقاد معاد: پر نجات حقیقی کا مدار تو ہے ہی،نظام عالم دنیاوی کا دارومدار بھی اسی پر ہے، کیوں کہ خواہشات،شہوات،لذات کی ہوس کا مقابلہ محض قوانین اور قوانین کا علم نہیں کرسکتے ، بلکہ نفوس کو مضرتوں سے بچانے اور طریق خیر کی اتباع پر آمادہ کرنے والی چیز ایمان بالمعاد اور مکافاۃ علی الاعمال ہی ہے۔اگر انکار کیا جائے تو اس سے برا کوئی شر نہیں۔ **فحصل ان انکار المعاد شر لایماثلہ شر۔** (الشطر الثانی: درایۃ العصمۃ از حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ:ص/ ۷۵ تا ۹۱ ملخصاً)

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا: جس قدر مادیات میں ترقی ہورہی ہے ہم کو دین کی تحقیق میں بہت سہولت ہورہی ہے مثلاً گراموفون ہے جو محض جماد ہے، مگر اس میں بامعنی آواز پیدا ہوتی ہے تو نامۂ اعمال کی پیشی کے وقت ہاتھوں پیروں کا بولنا اس کے بہت قریب نظیر ہے، اس سے اس دعوے کے سمجھانے میں ہم کو بڑی سہولت ہوگئی، منکرین کا ایسی ایجادیں کرنا ہمارے لیے

حجت تامہ ہوگئی، خدانے ان ہی سے وہ کام لیا جس سے خود لا جواب ہوگئے مگر باوجود اس کے اس کی قدرتوں کا انکار کرتے ہیں۔ اپنے تجربہ میں آجائے اس کے تو قائل اور جو اسلام کہے گو اسی کی نظیر ہوں اس سے انکار۔ (ملفوظات، الافاضات الیومیہ جلد/ ۸ ص/ ۱۱۹، ۱۲۰)

جس روز یہ مریخ پر پہنچ گئے چند رکعتیں شکرانہ کے پڑھونگا اگر یاد رہا (کیونکہ ان لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسمانی معراج سے انکار ہے ہمارے پاس جواب ہوگا کہ وہاں (معراج میں) موانع کے قائل ہو اور تمہارے لیے وہ موانع کیوں مرتفع ہوگئے۔

(ملفوظات حکیم الامت: الافاضات الیومیہ: ج/ ۸، ص/ ۳۳۸ تا ۳۳۹)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا علم الکلام میں تجدیدی کارنامہ

علم کلام میں مجدد وقت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ایک ۸۰ /صفحہ کا چھوٹا سا رسالہ ”**الانتباهات المفيدة عن الاشتباهات الجديدة**“ ہے جس کی تقریب تالیف کا ماحصل یہ ہے کہ:

”اس زمانہ میں مسلمانوں میں عقائد کی اور پھر اس سے اعمال کی جو دینی خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں، اور ہوتی جارہی ہیں، ان کو دیکھ کر اکثر زبانوں سے جدید علم کی ضرورت تدوین کا ذکر سنا جاتا ہے گو جو قدیم علم کلام پہلے سے مدوّن موجود ہے، اس کے اصول بالکل کافی ووافی ہیں، البتہ ان اصول کے استعمال اور تفریعات کے اعتبار سے یہ جدید ضرورت مسلّم ہوسکتی ہے، مگر اس کا یہ جدید ہونا شبہات کے جدید ہونے کی بناء پر موجود ہے، تاہم یہ شبہات کیسے ہی ہوں اور کسی بھی زمانہ میں ہوں، ان کے جواب کے لیے وہی قدیم علم کلام کافی ہوتا ہے۔“

لہذا ایک ضروری اصلاح وتجدید تو یہ فرمائی کہ قدیم علم کلام ہی کے اصول سے تفریع کرکے جدید شبہات کے جوابات دیئے جاسکتے ہیں، لیکن بہت زیادہ اہم وضروری اصلاح خود کلام جدید کا نام لینے والوں کے اس خطرناک رجحان کی ہے کہ وہ تحقیقاتِ جدیدہ کو غیر مشکوک

ومسلّم قرار دے کر شریعت کے قطعیات ومنصوصات تک کو کھینچ تان کر ان کے موافق وتابع کر دینا چاہتے ہیں۔

”گو ان تحقیقات کی صحت نہ مشاہدہ سے ثابت ہو، نہ کوئی اور قطعی عقلی دلیل قائم ہو، سو ظاہر ہے کہ یہ مقصود سراسر باطل ہے، کیونکہ جن دعووں کا نام تحقیقات جدیدہ رکھا گیا ہے، نہ وہ سب تحقیقات کے درجہ کو پہنچے ہوئے ہیں، بلکہ زیادہ تر تخمینات ووہمیات ہیں اور نہ ان میں اکثر جدید ہیں، بلکہ فلاسفۂ قدیم کے کلام میں بھی پائے جاتے ہیں، اور ہمارے متکلمین نے ان پر بحث بھی کی ہے۔

البتہ اس میں شبہ نہیں کہ بعضے شبہات کا ذکر زبانوں پر نہیں رہا تھا وہ اب از سرنو تازہ ہو گئے ہیں، اور بعض کا عنوان کچھ جدید ہو گیا ہے، اور بعضوں کا خود معنی مبنیٰ بھی جدید پیدا ہو گیا ہے، جن کو واقعی تحقیقات جدیدہ کہنا صحیح ہو سکتا ہے، اس لیے ان شبہات اور ان کے ازالہ کو؛ نیز اس وجہ سے کہ مذاق زمانہ کے لحاظ سے کچھ طرز بیان میں بھی جدت مفید ثابت ہوتی ہے، اس کو کلام جدید کہنا درست وبجا ہے، اور اس بناء پر کلام جدید کی ضرورت سے بھی انکار نہیں۔“

اس رسالہ ”انتباہات“ میں حضرت نے بڑی حد تک اسی دشواری کو دور فرمایا ہے اور سب سے پہلے اصول موضوعہ ہی کا بیان اور شرح فرمائی گئی ہے کہ اگر ان کو سمجھ کر پیش نظر رکھا جائے تو سابقہ شبہات ہی کا نہیں بلکہ آئندہ بھی قیامت تک جدید سے جدید تحقیقات سے پیدا ہونے والے شبہات کا بھی ان شاء اللہ قلع قمع ہوتا رہے گا، ان اصول موضوعہ کے بعد مختلف ”انتباہات“ ہیں جن میں مختلف شبہات کو ان اصول موضوعہ کے حوالوں سے اسی طرح حل کیا گیا ہے، جس طرح اقلیدس یا ہندسہ میں مختلف اشکال یا دعووں کو اصول موضوعہ اور علوم متعارفہ کے حوالو ل سے ثابت کیا جاتا ہے۔ (تجدید معاشرت: ص/ ۱۵۴)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب ”الانتباہات المفیدہ“ پر تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

”انیسویں صدی عیسویں کے فلسفہ نے مختلف اسلامی عقائد پر جو اعتراضات وشبہات وارد کئے، متجددین کے ایک طبقے نے ان سے مرعوب ہو کر ان عقائد میں کتر بیونت شروع

کر دی، حالانکہ یہ شبہات علمی و عقلی تحقیق پر نہیں؛ ملحدین کی پبلسٹی پر مبنی تھے، حضرت تھانویؒ نے یہ کتاب انہی لوگوں کے شبہات کی تردید میں لکھی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ عہد حاضر کی فکری گمراہیوں میں سے شاید کوئی گمراہی ایسی نہ ہو جس کے منشاء و ماخذ پر اس کتاب میں انتہائی معقول کلام موجود نہ ہو۔ حضرت تھانویؒ نے شروع میں عقلی تحقیق کے لئے سات اصول قائم کر کے انہیں ثابت اور واضح کیا ہے پھر ان اصولوں کے مطابق متجددین کے شبہات کا ایک ایک کر کے جواب دیا ہے، چنانچہ اس میں حدوث مادہ، خدا کی قدرت کاملہ، رسالت، حقانیت قرآن، حجیت حدیث واجماع وقیاس، ملائکہ، جنات اور شیاطین کے وجود، واقعات مابعد الموت، آفاقی حقائق، مسئلہ تقدیر، مسئلہ معجزات، عبادات، معاملات، سیاسیات، معاشرت واخلاق اور عقلی طریق پر استدلال سے متعلق نہایت جامع و مانع، اطمینان بخش اور فکر انگیز مباحث موجود ہیں۔

قدیم وجدید فلسفہ میں فرق:

یونانی فلسفہ وحکمت سے مرعوبیت نے مسلمانوں کی سیاسی واقتداری قوت وسطوت کے عین شباب میں ایک تعلیم یافتہ طبقہ کے دل و دماغ پر قبضہ پالیا تھا؛ لیکن اس وقت اول تو اس طبقہ کے ہاتھ میں عام مسلمانوں کی قیادت وحکومت نہ تھی، دوسرے یونانی فلسفیات سے پیدا ہونے والے شکوک وشبہات زیادہ تر عقائد کے دقیق مسائل تک محدود تھے، سیاسیات ومعاشیات، تہذیب وتمدن جن کا اثر عوام وخواص کے سارے طبقات پر پڑتا ہے، ان کے بھیس میں لادینی نظریات وتصورات کی دعوت واشاعت نہ ہوتی تھی، آج ذہن پہلے ان ہی راستوں سے مسموم ہوتا اور بالآخر غیر شعوری طور پر ایمان وعمل سب کو لے ڈوبتا ہے، یونانیات کے مقابلہ میں اگر ہمارے علماء ومتکلمین کو زیادہ تر صرف ایمانیات کے ایک محاذ کا سامنا تھا، تو آج انفرادی واجتماعی، سیاسی ومعاشی، تمدنی وثقافتی غرض زندگی کے ہر ہر محاذ پر مسلح ہونے اور رہنے کی ضرورت ہے۔

اس لئے وہ سائنسی نظریات جس کا تعلق عقائد ومعاشرت سے ہے ان کا صرف اجمالی

ذکر کر کے ''جدید فلسفہ وعلم الکلام'' میں ان کے جوابات دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

مولانا عبدالباری ندویؒ اس سلسلے میں رقمطراز ہے:

سائنس کی عملی تعلیم درکار نہیں۔ البتہ سائنس کا فلسفہ و مذہب سے فرق وتعلق، اس کی تحقیق ورسائی کی تجدید ،طبیعیات، حیاتیات اور فلکیات وغیرہ کے خاص خاص ایسے نظریات ومعلومات، جن کا مذہب پر سلبی وایجابی کوئی اثر پڑتا ہو، مثلاً مادہ کی ساخت ونوعیت ،حیات کی حقیقت وماہیت ،ارتقا واضافیت وغیرہ کی محض نظری تفہیم وتشریح، جدید فلسفہ خصوصًا تصوریت (آئیڈیلزم) اور علمیات (اپسٹمالوجی) کے مباحث سے پوری واقفیت ضروری ہے۔

قدیم فلسفہ کی اصطلاحات سے واقفیت:

منطق ،فلسفہ وکلام کا اس قدر جزءِ شریک نصاب رہنا مناسب ہوگا کہ ان کے مسائل اور اصطلاحات وتعبیرات سے ذہن مانوس ہوجائے اور اولاً تو خود ہمارے دینی علوم تفسیر، حدیث وفقہ میں ان تعبیرات واصطلاحات سے تقاضائے وقت کی بنا پر اسی طرح کام لیا گیا تھا، جس طرح آج رائج الوقت اصطلاحات وتعبیرات سے دینی مضامین میں بے تکلف لیا جاتا ہے اور جن سے بالکلیہ ناآشنارہ کر اسلاف کے ان خاص وخالص دینی کارناموں سے بھی پوری طرح استفادہ دشوار ہے۔ دوسرے راقم ہذا کا ذاتی تجربہ ہے کہ ان سے ذہن کی تشحیذ وتربیت کا نفع خاصا ہوتا ہے ،ایسا نفع کہ خود جدید خیالات وعقلیات کی فہم وتفہیم میں بڑی مدد ملتی ہے؛ بالخصوص قدیم علمِ کلام کے اصول ومبادی سے تو آج جدید کلام کی تدوین میں بڑا کام لیا جاسکتا ہے، جس کا اندازہ خود حضرت حکیم الامتؒ کے مختصر رسالہ ''الانتباہات المفیدۃ عن الاشتباہات الجدیدۃ'' سے کیا جاسکتا ہے۔ (تجدید تعلیم وتبلیغ: ص/ ۲۱۸ تا ۲۲۴)

علماء کرام اور عوام کے درمیان ربط وتعلق وقت کی اہم ضرورت:

دوسری اس وقت کی اہم ضرورت؛ وہ یہ ہے کہ عوام سے علماء کرام کا رابطہ مضبوط ہو، عوام میں ایک طبقہ وہ ہے جو دین دار ہے، وہ تو ہمارے ساتھ مسجدوں سے وابستہ ہے، دعوت وتبلیغ

سے وابستہ ہے، کتاب وسنت کی بنیاد پر اور علماء کے بیانات کی بنیاد پر وابستہ ہے؛ لیکن ایک وہ طبقہ جو ہم سے دور ہے اور اسی کے ساتھ اس میں ہمارے چھوٹے چھوٹے دیہات میں رہنے والے عوام الناس جن پر کبھی قادیانیت حملہ کرتی ہے، کبھی RSS کے لوگ حملہ کرتے ہیں اور کس طرح ان کو اپنی طرف کھینچ کر ان کو کفر کے دلدل میں پھنسانے کی کوشش کر رہے ہیں، ایسے لوگوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمیں کتاب وسنت کے علوم کے ساتھ کتاب وسنت جس یقین کی کیفیت کا ہم سے مطالبہ رہا ہے یہ کیفیتیں پیدا کرنی چاہیئے، اللہ پاک کے وعدوں پر ہمارا یقین ہونا چاہیئے، قرآن کا سب سے بنیادی جو موضوع ہے ان انبیاء کرام کے واقعات کے ذریعہ ہمارے دلوں میں ایمان کو پختہ کر رہا ہے، افسوس ہے کہ ہم واٹس ایپ کے ذریعہ ڈرانے والی خبریں پڑھ کر ڈرانے والے ہتھیار دیکھ کر ڈر جاتے ہیں، ہمارا ایک عالم بھی اس طریقہ سے ڈر جائے جس طریقہ سے ایک عامی آدمی ڈرتا ہے، کتاب وسنت پر ہمارے یقین کی یہ کیفیت ہو، تو ہم کس طریقہ سے امت کی رہنمائی کریں گے؟

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی تواضع:

اس لیے ضرورت ہے کہ ہم تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو اللہ کے نیک صالح بندوں سے وابستہ کریں، امام احمد بن حنبلؒ اپنے زمانے کے امیر المؤمنین فی الحدیث اور فقہ حنبلی کے بانی ہیں؛ لیکن آپ جا رہے ہیں اپنے وقت کے ایک بزرگ کے پاس، آپ کے صاحب زادہ نے کہا والد محترم آپ اتنی بڑی شخصیت ہو کر ان کے پاس کیوں جا رہے ہیں؟ حضرت نے جواب میں فرمایا بیٹا کوئی کسی کے پاس اپنے فائدہ کے لئے ہی جاتا ہے، مجھے اپنا فائدہ ان کے پاس نظر آیا اس لئے میں نے اپنے آپ کو ان سے وابسطہ کیا۔

حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ کا حضرت تھانویؒ کی صحبت اختیار کرنا:

حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ جن کو علامہ فرمایا گیا اور جن کی تصنیفات اور جن کے علوم کا پورے غیر منقسم ہندوستان میں ڈنکا بج رہا ہے، یہ جا رہے ہیں حکیم الامت حضرت تھانویؒ

کے دروازے پر،شور ہو گیا کہ اتنا بڑا علامہ اور ندوی عالم اور وہ ایک دیوبندی عالم کے یہاں جا رہا ہے، حضرت علامہ نے فرمایا: عجیب لوگ ہیں، مجھے علامہ بھی کہہ رہے ہیں، اپنے علم سے میرے علم کو زیادہ بھی کہہ رہے ہیں،تو میں اپنے علم کی روشنی میں جس چیز کو سمجھ رہا ہوں، میں نے اپنے اندر جس کمی کو محسوس کیا اور تھانہ بھون میں وہ کمی پُر ہو رہی ہے، اس کے لئے میں نے اپنے آپ کو وہاں پہنچایا، مولانا عبدالباری ندویؒ سائنس اور فلسفہ کے امام ہیں، حضرت مولانا علی میاں ندویؒ فرماتے ہیں" میرے دیکھے ہوئے ہیں مشرق ومغرب کے میخانے'' جس چیز کی کمی ہے اس وقت، وہ اپنے آپ کو اپنے اللہ تعالیٰ سے مربوط کرنے کی ضرورت ہے۔

قابلیت کے ساتھ مقبولیت:

ہمارے ان بزرگوں میں سے جتنوں نے کام کیا قابلیت سے نہیں کیا، مقبولیت سے فرمایا، مجھے حضرت مفتی شفیعؒ کا ایک چھوٹا سا ملفوظ یاد آرہا ہے، آپ نے فرمایا: اپنے وقت کے دو بڑے عالم ان میں سے ایک ہماری انجمن کی جن سے نسبت ہے، حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ اور دوسری اسی وقت کی ایک بہت بڑی علمی شخصیت حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ ۔ شیخ عبدالفتاح ابو غدہؒ نے ان کے علوم پر تعلیقات اور تحقیقات کے ذریعہ ہمیں ان کے علوم سے روشناش کرایا، واقف کرایا، علامہ زاہد کوثری جیسا اتنا بڑا محدث وہ کہہ رہے ہیں اپنے شاگرد سے کہ عبدالحی لکھنوی کی جو بھی کتاب ہو اس کے اوپر تعلیق وتحشیہ ہو، حضرت مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں اپنے وقت کے یہ دونوں بزرگ ہیں، لیکن جتنا امت کو فائدہ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ سے ہوا اتنا حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ سے نہیں ہوسکا۔

بعثت نبوی کے تین مقاصد:

قال اللہ تعالی :يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ (جمعہ:۲)

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تین وصف نعمائے الٰہیہ کے ضمن میں بتلائے گئے

ہیں: ایک تلاوت آیات قرآن، یعنی قرآن پڑھ کر سنانا۔ دوسرے ان کو ظاہری اور باطنی ہر طرح کی گندگی اور نجاست سے پاک کرنا، جس میں بدن اور لباس وغیرہ کی ظاہری پاکی بھی داخل ہے، اور عقائد و اعمال اور اخلاق و عادات کی پاکیزگی بھی۔ تیسرے تعلیم کتاب وحکمت۔ یہ تینوں چیزیں امت کے لئے حق تعالی کے انعامات بھی ہیں اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے مقاصد بھی۔

چونکہ امت محمدیہ علی صاحبہا السلام کے علماء کرام کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ نہایت عظیم بشارت ومژدہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا **"العلماء ورثة الأنبياء"** (أبو داود: كتاب العلم، باب الحث على طلب العلم) کہ ہماری امت کے علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں، اس لئے علماء کی ذمہ داری ہے کہ ان تینوں مقاصد یعنی آیات اللہ کی تلاوت، تزکیہ نفوس اور کتاب وحکمت کی تعلیم و تعلم کو احسن طریقہ سے انجام دیں اور درحقیقت یہی حضرات علماء ربانیین کہے جانے کے مستحق ہیں، جن کے متعلق یہ ارشاد پاک ہے:

وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝

(آل عمران: ۷۹)

لیکن تم لوگ اللہ والے بن جاؤ بوجہ اس کے کہ تم کتاب سکھاتے ہو اور بوجہ اس کے کہ پڑھتے ہو۔

اس آیت کی توضیح کے سلسلے میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ یوں رقمطراز ہیں:

قرآن مجید کی یہ آیت بھی ایک مستقل معجزہ ہے بلکہ معجزات کا مجموعہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ" لیکن تم لوگ اللہ والے بن جاؤ، پھر اس کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے ربانیین کا لفظ استعمال کیا ہے، اس میں تربیت بھی داخل ہے، یعنی وہ عالم جو ایک طرف اللہ رب العزت سے تعلق رکھتا ہو اور اس سے اس کا تعلق صحیح ہو، اخلاص اس کو حاصل ہو اور دوسری طرف اس کو ایمان واحتساب کا درجہ حاصل ہو، یعنی وہ دعوت وتربیت اور اصلاح کی طرف بھی متوجہ ہو۔ میں عربی زبان کے ایک طالب علم کی حیثیت سے نہیں جانتا کہ کوئی لفظ اتنا جامع ومعنیٰ

خیز اور ایسا توجہ طلب اور نظر افروز ہوسکتا ہے، علمائے امت اور علمائے اسلام کو اللہ تعالیٰ ربانیین کے لفظ سے یاد کرتا ہے ''اللہ والے بنو'' لیکن اللہ تعالیٰ کی صفت میں ''رب'' کے لفظ کا انتخاب فرمایا گیا کہ ایسے علماء بنو جن کے اندر تربیت کا مادہ ہو، تربیت کی صلاحیت بھی ہو، اُنہیں کو علمائے ربانیین کہتے ہیں۔

حقیقت میں علمائے ربانیین وہ ہیں ''وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ'' کہ اللہ تعالی ان سے دین کی تعلیم کا بھی کام لے اور دین کی اشاعت کا بھی اور اصلاح کا بھی اور شریعت پر اور سنت پر عمل کرنے کا بھی اور جو چیز ان کی امتیازی ہے وہ ایمان اور احتساب ہے اور یہی ربانیین کے لئے ضروری ہے کہ جو کام بھی کیا جائے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیا جائے، اللہ کی قدرت اور استعانت پر یقین کرتے ہوئے بھی اور پھر اجر وثواب کی لالچ سے کیا جائے۔

پھر اس کے بعد فرمایا کہ ''بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ﴿۷۹﴾'' کہ تم دوسروں کو کتاب کی تعلیم دو، اس کے ساتھ تدرسون کا لفظ بھی لگایا گیا جو ہمارے اور آپ سب کے لئے قابل غور ہے کہ مطالعہ جاری رہے، استفادہ اور علمی سفر جاری رہے، علمی ترقی جاری رہے۔ (قرآنی افادات: ص/ ۲۴۷)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے مسائل سلوک میں تحریر فرمایا ہے کہ: ''إنما يخشى الله من عباده العُلمٰؤا'' ۔(فاطر: ۲۸) روح المعانی میں ہے: جو حق تعالی کی ذات وصفات جلیلہ اور افعال حمیدہ وشیون جمیلہ کو جانتے ہیں، نہ وہ جو محض صرف ونحو جانتے ہیں، سو خشیت کا مدار پہلا علم ہے نہ کہ دوسرا علم۔ (مسائل سلوک حاشیہ بیان القرآن)

حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ اس آیت کے لطائف واسرار کے ضمن میں یوں رقمطراز ہیں:

قال اللہ تعالیٰ: ''إنما يخشى الله من عباده العُلمٰؤا'' جز این نیست کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء اللہ سے ڈرتے ہیں، اس آیت میں علماء سے وہ لوگ مراد ہیں جن کو اللہ کی

عظمت اور جلال کا اور اس کے احکام اور اوامر اور نواہی کا علم ہو اور پھر وہ اللہ تعالی کے حکموں پر چلتے ہوں، جس درجہ کا علم ہوگا اسی درجہ کا ان کو خوف ہوگا، خشیت خداوندی علم اور معرفت پر موقوف ہے۔ علم خشیت کے لئے شرط ہے مگر علت تامہ نہیں، جیسے طہارت نماز کے لئے شرط ہے مگر نماز کے لئے علت تامہ نہیں اور جس علم کے بعد خوف خداوندی حاصل نہ ہو تو سمجھو کہ وہ علم اللہ کے نزدیک معتبر نہیں اور ایسے عالم جو اللہ سے نہ ڈرتے ہوں وہ اللہ کے نزدیک عالم نہیں؛ اگر چہ دنیا ان کو علامہ کہتی ہو۔

علم چندآنکہ بیشتر خوانی = چوں عمل در تو نیست نادانی

یعنی علم چاہے جتنا بھی حاصل کرلو مگر جب اس پر عمل نہیں تو نادان ہی ہو۔

نیز علم سے وہ علم مراد نہیں جو محض قال کے درجہ میں ہو؛ بلکہ وہ علم مراد ہے جو حال کے درجہ میں ہو اور ظاہر و باطن اس کے رنگ میں رنگین ہو گیا ہو ”ومن أحسن من الله صبغة“

علم را بر دل زنی یارے بود — علم را برتن زنی مارے بود

جان جملہ علمہا این است ایں — کہ بدانی من کیستم در یوم دیں

یعنی علم کو اگر دل کے سنوارنے میں صرف کرو گے تو وہ تمہارے لئے یار و مددگار ثابت ہوگا، اور اس کو بدن کے زیب وزینت کا ذریعہ بناؤ گے تو وہ تمہارے لئے سانپ ثابت ہوگا، تمام علوم کی جان بس یہ ہے کہ آدمی یہ سمجھ لے کہ قیامت کے دن میرا کیا درجہ ہے۔

حالات کا نیا رخ اور علمائے دین کی ذمہ داری:

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۳۲﴾ (فاطر:۳۲)

معلوم ہوتا ہے کہ ”توریث“ یعنی نائبین انبیاء اور حاملین کتاب کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا، اس طرح وارثین انبیاء اس امانت کے حاملوں اور دین کے نمائندوں کی بڑی

ذمہ داری ہے، اس دین کے بارے میں بھی، اپنے ماحول و معاشرے اور اپنے ملک کے بارے میں بھی اور پوری انسانیت کے بارے میں بھی، جس کی قسمت دین صحیح اور آسمانی تعلیمات سے وابستہ ہے،اسی حقیقت کو ایک حدیث میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

یحمل ھذا العلم من کل خلف عدو له، ینفون عنه تحریف الغالین و انتحال المبطلین و تاویل الجاھلین۔ (مشکوۃ: ص/۳۸، فصل ثانی، روایت ازبیھقی)

ترجمہ: اس علم کے ہر نسل میں ایسے عادل و متقی حامل و وارث ہوں گے جو اس دین سے غلو پسند لوگوں کی تحریف، اہل باطل کے غلط انتساب و دعوت اور جاہلوں کی دوراز کار تاویلات کو دور کرتے رہیں گے۔

وارثین کتاب، نائبین انبیاءاور عام فہم الفاظ ہیں ''علمائے دین'' کی یہ اتنی بڑی ذمہ داری اور اتنا نازک معاملہ ہے کہ اگر اس کا صحیح طور پر ادراک ہوتو جن لوگوں کو اللہ نے یہ شرف عطافرمایا ہے اوران کے کاندھوں پر یہ ذمہ داری ڈالی ہے،ان کے رونگٹے کھڑے ہوجائیں،راتوں کی نینداڑ جائے اور کھانے پینے کی لذت ختم ہوجائے اوران کا سکون ہمیشہ کے لئے جاتا رہے۔

مدارس کے فضلاء، اساتذہ اور طلبہ کے لئے ضروری ہوگیا ہے کہ وہ اپنے اخلاق اور سیرت و کردار میں بھی ممتاز ہوں، اخلاص، تعلق مع اللہ میں بھی کھلا ہوا امتیاز رکھتے ہوں،ان کا مطالعہ بھی وسیع ہو اور وہ عصر حاضر کی زبان اور اسلوب پر بھی قدرت رکھتے ہوں اور جدید ذہن کی ساخت و مشکلات کو بھی سمجھتے ہوں،اس مجموعی اخلاقی،روحانی،علمی وفکری بلندی وامتیاز کے بغیر وہ اس عہد انقلاب اوراس دورفتن میں جس میں خود ہماری کمزوریوں اور جدید واقعات نے علمائے دین کے وقار کو مزید مجروح اور دین اور علم پر اعتماد کو مزید متزلزل کردیا ہے، نیابت انبیاء اور وارثین کتاب کی ذمہ داری ادانہیں کرسکتے،ذمہ داری پچھلے عہد سے بھی بڑھ گئی ہے، یہ کسی ایک جماعت وعلماء، کسی ایک ادارے مدرسہ کا مسئلہ نہیں،اس ملک میں دین وعلم کے مستقبل

اور ملت کے دین پر اعتماد اور شریعت وعلوم دین سے ارتباط کا مسئلہ ہے، خدا کرے ہم اپنی ذمہ داری محسوس کریں اور اس کو ادا کرنے کی مخلصانہ اور سرفروشانہ کوشش میں لگ جائیں۔

اخیر میں سرپرست مدرسہ شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب دامت برکاتہم کی انتہائی مفید کتاب **”دینی اداروں اور جماعتوں کی ذمہ داریاں“** سے ایک اہم مضمون **”مدارس دینیہ کے مؤثر ہونے کے اصول واسباب“** ذکر کرکے اپنی بات ختم کرتا ہوں۔

مدارس دینیہ کے مؤثر ہونے کے اصول واسباب:

حضرت دامت برکاتہم فرماتے ہیں: دل میں یہ خواہش ہوئی کہ اخیر میں بطور خلاصہ کے یہ حقیر کتاب وسنت، سیرت سلف صالحین اور اپنے علماء وشیوخ کے افاضات وارشادات کی روشنی میں چند اسباب ہدایت اور اصول اصلاح وتربیت لکھے، جن پر عمل کرکے ہم ان شاءاللہ اپنے مدارس دینیہ کو مؤثر وکارآمد بنا سکتے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

(۱) پہلی اصل یہ ہے کہ چونکہ تعلیم وتعلم بھی دین کا ایک اہم عمل خیر ہے، اس لئے طلبہ وعلماء کو چاہئے کہ اس کی تحصیل میں بھی صحیح نیت اور اخلاص کو اختیار کریں۔ اسی بنا پر حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ ہم طلبہ سے بھی برابر تصحیح نیت اور اخلاص کا مطالبہ فرماتے تھے اور اس کی ضرورت پر شد ومد سے کلام فرماتے تھے، چنانچہ ہم لوگوں کو اولاً ان آیات کی تفسیر پڑھائی جن میں نفاق کی مذمت کا بیان ہے؛ تاکہ نفاق سے نفرت پیدا ہوجائے اور اخلاص کی قدر واہمیت دل نشین ہوجائے۔

(۲) دوسری اصل یہ ہے کہ علماء کرام کو چاہئے کہ اہل دولت وثروت سے کسی قسم کی طمع نہ رکھیں، نہ ان سے سوال کریں اور نہ اپنی ضرورت کا اظہار کریں، اس لئے کہ اس کی وجہ سے ہمارا وعظ وبیان بے اثری کا شکار ہوجائے گا، اس لئے انبیا علیہم السلام نے اپنی قوم کے درمیان اعلان کیا کہ ہم تم سے اس دعوت وتبلیغ پر کسی اجر کا سوال نہیں کرتے اور یہ اس لئے تاکہ مخلوق کے نزدیک طمع کے ساتھ متہم نہ ہوجائیں جو تعلیم وتربیت کی راہ میں سدراہ ہے۔

(۳) تیسری اصل یہ ہے کہ علماء کو چاہئے کہ عوام کو جن باتوں کا حکم کریں ان پر خود بھی عمل کریں، اس لئے کہ اس کے خلاف ہونے پر عوام علماء سے ضرور بالضرور بدظن ہوں گے اور ان کی باتوں کو ہرگز ہرگز قبول نہ کریں گے۔

(۴) چوتھی اصل یہ ہے کہ اساتذہ کا فریضہ ہے کہ علوم دین کے طلبہ کو ان کے والدین کی طرف سے امانت سمجھیں، اس لئے کہ تعلیم وتربیت ہی کیلئے دوسرے صوبوں بلکہ دیگر ملکوں کے طلبہ ہمارے مدارس میں آتے ہیں اور اسی غرض سے والدین ان کی جدائی کو گوارا کرتے ہیں کہ ہمارا بچہ دین کا علم وادب سیکھنے گیا ہے؛ لہٰذا اساتذہ کے لئے لازم ہے کہ حدیث پاک **کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته.** (بخاری: کتاب الوصایا، باب تاویل قول اللہ تعالیٰ: من بعد وصیة توصون بها) کے تحت غایت محبت وشفقت کے ساتھ ان کی تعلیم وتربیت کی فکر رکھیں اور ان کو اخلاق حسنہ سے آراستہ کرکے والدین ہی نہیں بلکہ پوری امت کے حوالہ کریں تاکہ پوری امت کیلئے مفید ثابت ہوں، جیسا کہ عصری تعلیم کے جو طلبہ محنت سے پڑھتے ہیں وہی ڈاکٹر انجنیئر وغیرہ بنکر اپنے لئے نیز والدین کیلئے بلکہ پوری قوم کیلئے مفید ثابت ہوتے ہیں، ویسے ہی دینی علوم کے طلبہ کو چاہئے کہ خوب جد وجہد سے علم دین حاصل کرکے اپنے ہی لئے نہیں بلکہ امت محمدیہ کی اصلاح وتربیت کیلئے راہنما ومفید ثابت ہوں۔

(۵) پانچویں اصل یہ ہے کہ تعلیم وتربیت کے باب میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ بچوں کے ذہنوں اور دلوں میں توحید ورسالت کے عقیدہ کو مضبوط کریں اور قیامت کا یقین دلوں میں پیوست کریں کہ دنیا ہمیشہ نہ رہے گی، بلکہ فنا ہوگی، پس یہ عقائد دین متین کے بنیادی اصول وقواعد ہیں جن پر تمام اعمال کی بنیاد ہے، اگر اس میں کامیابی حاصل ہوگئی تو آگے کی منزلیں ان شاء اللہ بآسانی طے ہوجائیں گی۔

(۶) چھٹی اصل یہ ہے کہ اساتذۂ کرام علم دین کی فضیلت واہمیت کو واضح طور پر سمجھائیں کہ دیکھو کسی علم کی فضیلت اس کی منفعت کے لحاظ سے ہوتی ہے، اگر کسی علم کی منفعت

زیادہ اور دائمی ہے تو ظاہر ہے کہ اس علم کی فضیلت بھی زیادہ مانی جاتی ہے، لہٰذا اس اصول سے سمجھو کہ دنیا کے علم کا نفع خواہ کتنا ہی زیادہ ہو وہ دنیا ہی تک محدود رہتا ہے مگر علم دین کا نفع اس دنیا تک ہی نہیں بلکہ اس کا نفع فناء دنیا کے بعد تک جاری رہے گا؛ یہاں تک کہ اللہ تعالی کی رضا وخوشنودی کے حصول اور دخول جنت پر تمام ہوگا جو یقیناً سب سے بڑی نعمت ومنفعت ہے۔ نیز طلبۂ کرام کو خاص طور سے ہدایت ہے کہ مزید تقویت وبصیرت کے لئے علماء آخرت کے واقعات اور حالات کی کتابیں پڑھا یا سنا کریں؛ تاکہ علم دین اور عمل صالح کی تحصیل کی طرف رغبت ہو اور آخرت کو سنوارنے کی فکر لاحق ہو۔

(۷) ساتویں اصل یہ ہے کہ اساتذہ کی ذمہ داری ہے کہ کمال ورسوخ فی العلم جوامت پر فرض کفایہ ہے اس کے لئے اہل کا انتخاب کریں تاکہ دینی اہم امور میں اس علم کا استعمال ہو سکے۔ یعنی دین اسلام پر جو ملحدین مشرکین کی طرف سے اعتراضات ہوں ان کا دنداں شکن جواب دے کر ان کے قلوب کو مطمئن کیا جا سکے۔ پس اس کیلئے ضروری ہے کہ اساتذہ اس علم کے لئے نہایت زیرک، عالی ظرف حوصلہ مند طلبہ کا انتخاب کریں تاکہ مقصد حاصل ہو سکے۔

چنانچہ اس سلسلہ میں فقیہ الامت حضرت سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ارشاد گرامی کو لائحۂ عمل بنانے کی اشد ضرورت ہے، وہ یہ ہے:

عن ابن مسعود رضي الله عنه قال: لو ان اهل العلم صانوا العلم ووضعوه عند اهله لسادوا به اهل زمانهم؛ ولكنهم بذلوه لاهل الدنيا لينالوا به دنياهم فهانوا عليهم. (سنن ابن ماجة: المقدمة، باب الانتفاع بالعلم والعمل به)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر علماء علم کی حفاظت کرتے اور اس کو اس کے اہل ہی کے سپرد کرتے تو اس کی وجہ سے اہل زمانہ کے سردار ہو جاتے، مگر ان لوگوں نے علم کو اہل دنیا پر صرف کیا تاکہ ان سے مال حاصل کریں جس کی وجہ سے دنیا داروں کے نزدیک ذلیل ورسوا ہو گئے۔ (وصیۃ الآداب: ص/ ۹۴)

(۸) آٹھویں اصل یہ ہے کہ کسی شیخ صالح کی صحبت واقتداء کو لازم سمجھیں، اس لئے کہ جولوگ بھی مراتب عالیہ تک پہونچے ہیں، اس کے سبب پہونچے ہیں۔ جیسا کہ علامہ شاطبیؒ نے موافقات کی تیسری فصل میں ارقام فرمایا ہے:

والثالثة: الاقتداء بمن اخذ عنه والتأدب بادبه۔ کما علمت من اقتداء الصحابة بالنبي صلى الله عليه وسلم و اقتداء التابعين بالصحابة وهكذا في كل قرن.

وبهذا الوصف امتاز مالک عن اضرابه۔ اعنی بشدة الاتصاف به والا فالجميع ممن يهتدى به في الدين كذلك كانوا ولكن مالكا اشتهر بالمبالغة في هذا المعنى فلما ترك هذا الوصف رفعت البدع رؤوسها لان ترك الاقتداء دليل على امر حدث عنه التارک اصله اتباع الهوى.

(الموافقات: ج: ۱، ص: ۹۳)

اور تیسرے جس کی صحبت میں رہ کر اس نے علم حاصل کیا اس کی اقتداء کرنا اور اس کے ادب سے ادب سیکھنا بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ تم نے جانا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء کی اور اسی طرح تابعین نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اقتداء کی اور اسی طرح ہر زمانے میں چھوٹے اپنے بڑوں کی اقتداء کرتے رہے۔ (جس کی وجہ سے فائز المرام ہوئے۔)

اور امام مالکؒ اسی صفت کی وجہ سے اپنے ہم عصروں سے ممتاز ہو گئے، انہوں نے اقتداء میں خاص امتیازی شان حاصل کی، ورنہ اس زمانے کے علماء جن کی اقتداء کی جاتی ہے سب نے ان اوصاف کو اختیار کیا تھا، مگر ان میں امام مالکؒ اسی وجہ سے زیادہ مشہور ہو گئے کہ انہوں نے مبالغہ کے ساتھ ان اوصاف کو اختیار کیا تھا، پس جب ان اوصاف کو ترک کیا جاوے گا تو بدعت سر اٹھائے گی، اس وجہ سے کہ اقتداء کو ترک کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ تارک پر ایسی کوئی بات پیش آئی ہے جس کی وجہ سے اتباع کو اختیار کرلیا ہے۔

(۹) نویں اصل یہ ہے کہ ہمارے معلمین واساتذہ کو طلبہ کی ایسی تعلیم وتربیت کرنی

چاہئے کہ زمانہ طالب علمی ہی میں ان کا قلب اللہ کی محبت و معرفت سے معمور اور خلق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعمت سے سرشار ہو جائے، نیز ان کا ذہن و دماغ ذاتی پستی و سطحیت سے نکل کر علم و معرفت کی بلندی اور لفظ سے ترقی کر کے منزل معنی تک پہونچ جائے۔ اللہ تعالی ہم سب کو ایسی تعلیم وتربیت کی صلاحیت وتوفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔

(۱۰) دسویں اصل خاص طور سے طلبہ کے لئے ہے کہ آپ کے مدرسین واساتذہ کیسے ہی اہل و باصلاحیت اور خون پسینہ ایک کرنے والے ہوں، تاہم اس کے ساتھ آپ کے اندر بھی طلب وعزم اور جدو جہد کا ہونا بھی ناگزیر ہے، اساتذہ کا ادب واحترام لازم ہے تاکہ وہ دل سے آپ کی تعلیمی وتربیتی ترقی کی طرف متوجہ ہوں اور آپ کو اپنے مفید تجربہ اور آداب کی طرف رہنمائی کریں، جس پر چل کر آپ درجۂ کمال تک پہونچیں۔

طلبہ کو ہرگز ہرگز اپنے بڑوں سے کمال حاصل کرنے میں کبر و عار نہ کرنا چاہئے، جیسا کہ مرشدی حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نے فرمایا کہ اتنے دنوں کے بعد اس بڑھاپے میں جب کہ کسی چیز کی تحصیل کا وقت باقی نہیں رہا یہ بات سمجھ میں آئی کہ انسان کو کسی کمال کی تحصیل سے جو چیز مانع ہوتی ہے وہ اس کا کبر و عار ہے، کیونکہ یہی چیز اس کو کسی کامل کے آگے جھکنے سے منع کرتی ہے، ورنہ ہر زمانہ میں اہل کمال رہتے ہیں جن سے کمال حاصل کیا جاسکتا ہے، مگر اسی عار واستکبار کی بنا پر ان کے سامنے جھکتے نہیں اس لئے کچھ حاصل بھی نہیں ہوتا ،کورے کے کورے ہی رہ جاتے ہیں، آدمی جب اپنی خودی وتکبر کو چھوڑتا ہے تب کچھ حاصل ہوتا ہے۔ ع ہر کجا پستی است آب آنجا رود۔

میں حضرات اہل علم کو خصوصاً اس جانب متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ آج علماء اور طلبہ کو کوئی کمال جو حاصل نہیں ہو رہا ہے اس کی وجہ یہی ان کا عار اور تکبر ہے، یہی ان کی راہ مارے رہتا ہے، اس کو اگر سمجھ لیں اور ہمت کر کے اس کو ترک کر دیں تو کمال کے درجہ کو پہنچ سکتے ہیں، چنانچہ جن لوگوں کو کمال حاصل ہوا ہے وہ اپنے کو مٹانے اور کسی کے آگے خود کو گرانے اور اپنے کبر

وعار کو ختم کرنے ہی سے حاصل ہوا ہے۔ و ما توفیقی الا باللہ۔ وصی اللہ عفی عنہ۔

امام غزالیؒ کا قول: سب سے زیادہ عقلمند صوفیائے کرام:

امام غزالیؒ اتنے بڑے جامعہ نظامیہ بغداد کے ناظم تعلیمات اور اس وقت کی اسلامی خلافت میں خلیفہ کے بعد دوسرا درجہ ان کا تھا، اتنے بڑے عہدہ پر پہنچنے کے باوجود آپ نے اپنے اندر ایک خلاء محسوس کیا، اور اس خلاء کو پور کرنے کے لئے امام الحرمین علامہ جوینیؒ تک پہنچے، مراقبے فرمائے اور پھر جب اس کے بعد آپ واپس آئے، آپ نے یہ فرمایا کہ میں نے سب سے زیادہ عقلمند اگر دیکھا تو حضرات صوفیاء کرام کو عقلمند دیکھا، لیکن میں اپنے طالب علم کو محض صوفی بننے کی بات نہیں کہہ رہا ہوں، علوم میں گہرائی کے ساتھ اپنا رابطہ اپنے اللہ سے مضبوط کرنے کو کہہ رہا ہوں، یہ سب مضبوط ہوگا تو چھوٹی چھوٹی خبریں سن کر، پڑھ کر ہمارے دل کے اندر گھبراہٹ پیدا نہیں ہوگی، ہم تو امت کے رہبر ہیں، اگر ہم علماء کرام ان خبروں کو سن کر گھبرا جائیں، مایوسی کا شکار ہوجائیں، تو امت مسلمہ کی کون نگرانی کرنے والا ہے؟ کون ان کو دھارس بندھانے والا ہے؟

مومنوں کی آزمائش ضرور ہوگی:

اللہ پاک نے ارشاد فرمایا ہے: الٓمّٓ ۝۱ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ۝۲ (عنکبوت: ۱، ۲) سب اللہ پاک کی تقدیر سے ہو رہا ہے، ہم اسباب کو اختیار کریں، لیکن تقدیر کے حوالے کریں، اپنے آپ کو اللہ پاک کے حوالے کریں، اسباب ضرور اختیار کریں لیکن مسبب الاسباب کے حوالے اپنے آپ کو کریں، اسباب کے فیل ہونے پر مسبب الاسباب کی طاقت کام کرتی ہے، قرآن کریم نے ہمیں بتلا دیا: سیدنا موسیٰؑ دریا پار کر کے نکل رہے ہیں اور اللہ پاک فرماتے ہیں اے موسیٰؑ! وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَھْوًا ؕ (دخان: ۲۴) سمندر کو آپ ایسے چھوڑ دیجئے، سمندر کا پانی موسیٰؑ کے لئے خشک ہو کر راستہ بنا دیتا ہے، اللہ پاک نے اسی خشکی میں فرعون کو پہنچایا اور اسباب کے درجہ میں اللہ پاک نے فرعون کو اسباب

کے ساتھ پہنچا کر غرق کر دیا، ایک ہی واقعہ میں قرآن کریم ہمارے ایمان کو مضبوط کر رہا ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ دنیا بھر کے دوسرے علوم کے پیچھے ہماری محنتیں ہو رہی ہے اور قرآن کریم کی تفسیر اور قرآن کریم کے علوم اور معانی جو کتاب ہمارے لیے نازل ہوئی اور جس کتاب نے ساری دنیا کی چیزوں کی پول کھول کر رکھ دی، دنیا کے دو بڑے مذاہب نے کیا کیا؟ ان کے علماء نے کیا کیا؟ جب ہم ان آیات کو پڑھتے ہیں تو صرف یہ سمجھتے ہیں کہ بنی اسرائیل ہی کے لئے قرآن نے ذکر کیا، یہ بڑے افسوس کی چیز ہے، جب ہم قرآن پڑھیں تو یہ سمجھیں، میرا خدا مجھ سے مخاطب ہے، اس نے یہ واقعات میرے لیے ذکر فرمائے۔

ملک فتح ہونے پر صحابیؓ رسول کا رونا:

مدائن فتح ہوا، عراق کے بڑے بڑے قلعے فتح ہوئے اور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رو رہے ہیں، لوگوں نے کہا اللہ پاک نے ہمیں آج ایران اور کسریٰ پر فتح نصیب فرمائی اور آپ رو رہے ہیں، فرمایا: ان کے پاس سے اسی لیے گئی ہے کہ انہوں نے اللہ کی نافرمانی کی، اور اگر ہم بھی نافرمانی کریں گے تو ہمارے پاس سے بھی یہ حکومت چھین لی جائے گی۔

حضرت نانوتویؒ کی استقامت:

چھتہ کی مسجد میں انگریز آ رہا ہے اور آپ توریہ سے کام لے کر فرما رہے ہیں لیکن ذرہ برابر ہچکچاہٹ نہیں، ذراہ برابر گھبراہٹ نہیں، یہ کیوں تھا؟ اللہ کے ساتھ ان کا تعلق اتنا مضبوط تھا، آج ہمارا وہ تعلق کمزور ہو چکا ہے، اس کی بنیاد پر ہم ان خبروں پر بھروسہ کرتے ہیں، ایک دوسرے کو پہنچاتے ہیں، خدا کرے کوئی ایسی جماعت تیار ہو جو واٹس ایپ کے ذریعہ اللہ پاک کے ان وعدوں اور ان وعیدوں کو اور ان قوموں کے ساتھ اللہ پاک کے عروج و زوال کی جو داستان ہے، قرآن نے جن کو بالکل کھلی کتاب کی شکل میں پہنچائی ہے ہم اس کو پڑھنے والے اور اس کو لوگوں تک پہنچانے والے بنیں؛ تاکہ اس کی روشنی میں اللہ تعالیٰ ہمارے ایمان کو مضبوط فرمائے۔

قصۂ قارون میں اہل علم کی عوام الناس کو نصیحت:

دوستو اور بزرگو! میں نے آپ کے سامنے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ایک روایت بھی پڑھی تھی ایک آیت بھی پڑھی تھی، شاید بہت سارے حضرات سمجھے ہوں گے کہ قارون کے قصہ کو کیوں ذکر کیا؟؛ لیکن عزیز طلباء جو مضمون میں نے ذکر کیا، اللہ پاک اس کی طرف اس آیت میں اشارہ فرماتے ہیں، قارون اپنے لشکر کے ساتھ اپنے اسباب اور معیشت کی دنیا میں جو کچھ اس کے پاس تھا فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ (قصص:۷۹) وہ لے کر نکل رہا ہے اپنی زینت کے ساتھ، شان وشوکت کے ساتھ، اور اس موقع پر کچھ لوگ تھے بے چارے کمزور ایمان والے، انہوں نے کہا: يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ (قصص:۷۹) کاش ہمیں بھی وہ چیز مل جاتی جسے اللہ نے قارون کو سپرد کیا ہے، مالدار بنایا ہے، ساری نعمتیں اور اسباب اس کے پاس ہے، کاش ہمیں بھی مل جائے، اللہ پاک نے فرمایا: وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ (قصص:۸۰) یہ جملہ مجھے آپ کو سنانا تھا کہ قارون کے جواب میں اس وقت کے انسانوں کے عقیدہ کی کمزوری والا مسئلہ تھا، مادیت اور اسباب کی دنیا پر بھروسہ تھا، ان کے اس بھروسہ کے رخ کو موڑنے کے لئے اللہ پاک نے جس جماعت کا انتخاب کیا وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ (قصص:۸۰) یہ علم والی جماعت ہوتی ہے، جو زمانہ کے فتنوں کا مقابلہ کرتی ہے، چاہے مادیت کے فتنے ہوں، چاہے جن جن لائن کے فتنہ آئے وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا (قصص:۸۰) ایمان اور اعمال صالحہ بھی اپنی تاثیر رکھتے ہیں، جس طرح مادی اسباب اپنی تاثیر رکھتے ہیں، یہ سب سے بڑی چیز ہمیں سمجھنی ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی اپنے لشکر سے نصیحت:

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ اپنے لشکر کو روانہ فرمارہے ہیں اور آپ نے ان سے کہا ’’انتم اقل عدداً وعدۃً‘‘ کہ تم تعداد میں بھی کم ہو اور سامان میں بھی کم ہو اور اگر اسباب کی دنیا میں سامان کا مقابلہ سامان سے اور ہتھیار کا مقابلہ ہتھیار سے ہوگا تو تمہیں شکست ہوگی؛ لیکن جب

ایمان اور کفر کا مقابلہ ہوگا تو اللہ تعالیٰ ایمان کو غالب فرمائیں گے، تمہارا مقابلہ ایمان اور کفر کا ہے، اس لئے ایمانیات پر مضبوطی سے رہو گے تو یقیناً وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ (آل عمران: ۱۳۹) اللہ کی مدد آئے گی، "وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ (فتح ۲۳)" اللہ پاک نے بار بار فرمایا کہ تم اللہ کی سنت کو تبدیلی والا نہیں پاؤ گے، ابراہیمؑ کے لئے آگ اگر باغ بن چکی اور آپ کے جسم کو اس نے چھیڑا نہیں، کوئی اسباب کی دنیا میں ایک مثال پیش کر سکتا ہے کہ کسی کے پاس زیادہ سبب ہو تو آگ اس کو نہ جلائے، ایسا ہرگز نہیں ہوگا، اسباب کی دنیا میں طبعیات کی خاصیت بھی اللہ پاک ہی نے رکھی ہے اس لئے فیزکس (Fhysics) کی دنیا میں آگ جلانے کا کام کرے گی؛ لیکن ابراہیمؑ کا جسم تو کیا؟ آپ کا لباس بھی بچ جاتا ہے، یہ چیزیں ہمارے ذہنوں میں ہونی چاہیے تو ہمارا ایمان مضبوط ہوگا، قرآن کریم نے جس کو فرمایا: وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ (قصص: ۸۰) مادیت سے مربوط ہم نہ ہوں، تب ہی مقابلہ ہوگا، روس میں ۷۰ سالہ کمیونسٹ کا مقابلہ کرنے والوں کو ہم دیکھیں، تو یہ وہی حضرات تھے جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کیا۔

حدیث شریف کی وضاحت:

عزیز طلباء! ایک طرف تو ہم اپنے اللہ تعالیٰ سے رشتہ مضبوط کریں، دوسرا اس کے ساتھ انجمن کا جلسہ ہے، آپ کے سامنے میں نے جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک چھوٹی سی روایت پڑھی **ان من البیان لسحرا**. دو آدمی آئے اور بہت شاندار عربی میں خطبہ دیا، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **إن من البيان لسحرا**. (بخاری: کتابب الطب، باب إن من البيان لسحراً) کہ کچھ بیان جادو ہوتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس جملہ کی محدثین نے مختلف تفسیرات اور مختلف تشریحات فرمائی، تعریف کا بھی پہلو ہے اور اس کے اندر تھوڑا پہلو دوسرا بھی ہے، اس لئے کہ دوسری ایک روایت میں ہے کہ ایک مسئلہ پیش آیا، ایک عورت نے دوسری عورت کو پتھر مارا، اس کے پیٹ میں بچہ تھا جنین وہ گر پڑا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک غرہ اس پر تاوان لگایا، اس کا

شوہر آیا اور اس نے عربی میں کچھ جملے کہے یہ جملے ایسے تھے کہ بالکل قافیہ کے انداز میں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ تو بالکل کاہن کی زبان بول رہا ہے، کہانت والے کی زبان بول رہا ہے، (مسلم : كتاب القسامة، باب دية الجنين و وجوب الدية في قتل الخطأ) تو آپ نے وہاں پر اس کو پسند نہیں فرمایا، میں اپنے عزیز طلباء سے کہوں گا آپ کو ساری تیاریاں کرنی ہے، خطابت پر بہت ساری کتابیں آچکی ہیں، اس کے اصول وآداب وغیرہ سب کچھ آپ لوگ پڑھ رہے ہوں گے، اس کے ساتھ ساتھ اس خطابت کو دین اور شریعت کی اور اللہ کے دین کی نصرت کے لئے ہم استعمال کریں اور یقین رکھیں کہ اللہ پاک ہماری جادو بیانی سے اللہ کے بندوں تک اللہ کا پیغام پہنچانے کی صحیح توفیق نصیب فرمائے، اللہ تعالیٰ ہماری اس مجلس کو قبول فرمائے، حضرت مہتمم صاحب سے میں نے ابھی کہا؛ حجۃ الاسلام کی تین پشتیں اس وقت موجود ہیں اور تینوں اس ادارے سے وابستہ ہوکر دین کی خدمت کررہے ہیں، یہ آپ کے لئے اس شخصیت عظمیٰ کے خاندان کے تین افراد، اس پر حضرت مولانا نے ایک جملہ فرمایا؛ تین شخصیات تشریف لے گئیں، حضرت نانوتویؒ، آپ کے صاحبزادے حضرت مولانا احمد صاحب اور حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ، اوراب یہ تین حضرات باقی ہیں۔

عزیز طلباء! آپ کے اس ادارہ کے ساتھ ہر وقت دعائیں جن کی لگی ہوئی ہے دو شخصیتیں ہیں؛ ایک تو ہمارے پیر ومرشد حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب دامت برکاتہم، بار بار اس کا تذکرہ کرتے ہیں، اس کی ترقی ہو علمی عملی ہر اعتبار سے، آپ اس سے بہت خوش ہوتے ہیں، اور بار بار اس کا تذکرہ کرتے ہیں اور دعائیں کرتے ہیں، اور دوسری ایک شخصیت وہ ہے، جن کو جسمانی طور پر تکلیف ہے؛ لیکن کل نکلنے سے پہلے جب میں نے فون کیا اس سے میری مراد مفکر ملت حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم کی ذات گرامی ہیں، حضرت نے بہت دعائیں دی اور فرمایا: میری ادارے کے ساتھ خصوصی نسبت بھی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس ادارے کو ترقی نصیب فرمائے، چونکہ کچھ کام وہ ہورہے ہیں جو حجۃ الاسلام کے کام

ہے، تدوینی کام، تخلیقی کام، تحقیقی کام جس سے ہمارے علماء جی چھڑا رہے ہیں اور ایسے افراد تیار کرنا اپنے آپ کو بہت زیادہ مشغول رکھنا ہے اور بہت کچھ کرنے کے بعد کبھی کبھار کچھ چیزیں نکلتی ہیں، یہ بہت محنت طلب کام ہے تحقیق اور تلاش کا جو آج کل ہم سے مفقود ہو رہا ہے، اس لئے ادارے میں تحقیقات کا کام ہو رہا ہے، وحدۃ الامۃ ہم لوگ پڑھتے نہیں ہے اور عرب علماء عش عش کر رہے ہیں کہ ہندوستان سے نکلنے والا ایک پرچہ عربی کا جو اتنا شاندار اور اتنا معیاری کہ شاید عالم اسلام میں چند پرچے ہیں جو اس معیار کے ہوں، اس ادارے سے نکلنے والا وہ پرچہ اتنا معیاری ہے، آپ کو ایسے اساتذہ کرام ملے ہیں ایسے مربی ملے ہیں، اللہ تعالیٰ جب کوئی نعمت دیتے ہیں تو اس نعمت کی قدردانی بھی ضروری ہے، اللہ پاک ہمیں توفیق نصیب فرمائے، اللہ تعالیٰ کہی سنی باتوں پر مجھے اور آپ کو عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(۳)

عیدالاضحیٰ ۱۰/ذی الحجہ/۱۴۳۷ھ

(بمقام: جامع مسجد دارالعلوم ماٹلی والا، بھروچ)

الحمدللہ رب العالمین و الصلاۃ و السلام علی نبی المرسلین و علیٰ اٰلہ و أصحابہ أجمعین. قال اللہ تعالیٰ فی کلامہ المجید و الفرقان الحمید

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۭ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ڏ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَي النَّاسِ ښ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۭ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ؀ (حج:۷۸) وقال تعالیٰ: وَالْفَجْرِ ۙ؀ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۙ؀ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۙ؀ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۚ؀ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ۭ؀ (فجر:۱-۵)

صدق اللہ العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علیٰ ذلک لمن الشاھدین و الشاکرین و الحمدللہ رب العالمین.

محترم ومکرم حضرات علماء کرام، طلبۂ عزیز اور ایمان والے بھائیو!

ایمان والے کی عید:

اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر اور احسان ہے کہ اس نے آج ہمیں اس عید سعید کے موقع پر اللہ تبارک وتعالیٰ کے گھر میں حاضری کی توفیق عنایت فرمائی، دنیا کی قومیں اپنی خوشی مناتی ہیں تو

ناچ گان اور رنگ رلیوں سے منافی ہیں ؛لیکن جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ ہر قوم کے لئےعید ہوتی ہے وھذا عیدنا (بخاری: کتاب العیدین، باب سنة العیدین لأھل الإسلام) اور یہ ہماری عید ہے،اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی تکبیر،اس کی بڑائی ،اس کی عظمت کے ساتھ اپنے گھروں سے نکل کرمسجد اور عیدگاہ کی طرف مسلمان پہنچتے ہیں اور زبان پر ایک ہی کلمہ ہوتا ہے''اللہ اکبر،اللہ اکبر'' کائنات میں کوئی بڑا نہیں ہے،آپ ہی کی ذات سب سے بڑی ہے،ساری عزتوں اورذلتوں اور ساری حکومتوں کے نقشے اور کائنات کے ذرہ ذرہ پر جس کی حکومت ہے،وہ آپ ہی کی ذات ہے،بار بار ایمان والا یہ کلمہ اپنی زبان سے کہہ رہا ہے۔

راستہ میں تکبیر تشریق کا ورد:

رمضان کے موقع پر بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہی ارشادفرمایا تھا،وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ (بقرہ:۱۸۵) کہ تم اللہ پاک کی عظمت اوراس کی کبریائی بیان کرو اللہ پاک کے ایمان کی توفیق دینے پر،تو آج بھی اللہ تعالیٰ نے ہماری زبان سے انہیں کلمات کا اپنے گھر سے نکلتے ہوئےحکم فرمایا جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ کہ اپنے گھر سے نکلتے ہوئے اللہ پاک کی عظمت اوراس کی کبریائی اوراس کی بڑائی بیان کرو،اس لئے آج اس موقع پر اللہ پاک کے گھر میں ہماری حاضری اللہ پاک کی کبریائی اوراس کی بڑائی بیان کرنے کے لئے ہے۔

تکبیر تشریق بآواز بلند پڑھنے کی وجہ:

آج سے پانچ ہزار سال پہلے خلیل اللہ حضرت سیدنا ابراہیمؑ نے اپنی زندگی کا آغاز اللہ پاک کی اسی توحید،اسی عظمت اوراسی کبریائی کے ساتھ فرمایا،اسی لئے اللہ پاک کی عظمت اور کبریائی کا سب سے بڑا جومرکز ہے وہ بیت اللہ،اللہ پاک کا مقدس گھر ہے،اللہ پاک نے اپنے اس مقدس گھر کی دوبارہ تعمیر سیدنا ابراہیمؑ کے ذریعہ کروائی اور یہی فرمایا اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾ (حج:۳۵)بتوں کی عبادت سےآپ میری اور میری اولاد کی حفاظت کیجئے،اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ (حج:۳۶) انہوں نے بہت سارے انسانوں کو گمراہ کیا ہے،

ایک اللہ کا در چھوڑ کر اپنے ہاتھ سے بنائی ہوئی چیزوں کی طرف ان کو لگا دیا اور اللہ پاک کی وحدانیت، اس کی طاقت اور قدرت میں دوسروں کو شریک کر دیا، اس لئے آج عید کے اس خاص موقع پر سیدنا ابراہیمؑ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اللہ پاک نے ہمیں" اللہ اکبر اللہ اکبر" کی صدائیں بلند کروائیں اور ابراہیمؑ کی سنت کو ادا کرنے سے پہلے پہلے ہم اپنے نفس کی اصلاح کر لیں، اللہ پاک کی کبریائی اور عظمت کا ہم تصور کریں، اس کی بڑائی کا دل میں خیال پیدا کریں، اس کے لئے بار بار اللہ پاک نے نویں ذی الحجہ سے عرفہ کے دن سے ہی اللہ اکبر اللہ اکبر کی صدائیں نماز کے پانچوں اوقات میں ہماری زبان سے زور سے پڑھوائیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے امت محمدیہ کا نام مسلمان رکھا:

حضرت ابراہیمؑ کی پوری زندگی اللہ پاک کی فرمابرداری میں گذری، چنانچہ اللہ پاک نے قرآن میں فرمایا وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ (بقرہ:۱۲۴) اللہ پاک نے ابراہیمؑ کا امتحان لیا، اور سیدنا ابراہیمؑ اس امتحان میں پورے اترے، اس لیے اللہ پاک نے ایک ایسے بندے کے ساتھ ہمیں منسوب کیا جنہوں نے خود ہمارا نام مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ (حج:۷۸) جنہوں نے اس امت کا نام امت کے پیدا ہونے سے پہلے ہی اللہ پاک کے دربار اور بارگاہ عالی میں مسلمین نام رکھا، بیت اللہ کی تعمیر کے موقع پر ہی اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۖ (بقرہ:۱۲۸) فرمایا کہ آپ ایسی امت کو وجود بخشئے جو امت آپ کی فرمابردار ہو، آپ کی اطاعت شعار ہو، اسی لئے دوستو اور بزرگو! ابراہیمؑ نے ہمیں فرمابردار فرمایا اور آپ کی پوری زندگی فرمابرداری میں گذری، گویا سیدنا ابراہیمؑ اشارے فرما رہے ہیں کہ جس امت کے لئے میں دعا کر رہا ہوں آپ اس امت کو ان کے نبی کی طرح فرمابردار بنائیے اور اسی لئے قربانی کرتے وقت ایمان والا جس دعا کو پڑھتا ہے اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ (انعام:۱۶۲) کہ میرا مرنا اور میرا جینا، میری زندگی کا ہر عمل، میری عبادتیں اور میرے سارے ارکان اللہ کی رضامندی والے ہو، یہ صرف اور صرف

اخلاص کے ساتھ، حسن نیت کے ساتھ اور اللہ پاک کے ساتھ کسی اور کی شرکت کی آمیزش کے بغیر خالص اللہ کے لئے ہو وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ آپ فرماتے ہیں کہ اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ﴿۱۶۳﴾ (انعام: ۱۶۳) اور میں سب سے پہلا فرمابردار ہوں، اس لئے سیدنا ابراہیمؑ نے ہی ہماری تعلیم فرمائی، اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرٰهِیْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ ۙ (حج: ۷۸) انہوں نے تمہارا نام مسلمان رکھا مِنْ قَبْلُ وَفِیْ هٰذَا (حج: ۷۸) پہلے سے ہی رکھ دیا ہے اور بار بار قرآن کریم میں ذکر فرمایا وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ابراہیمؑ کے اس جملہ کو بار بار دوہرایا گیا اور اس کے ذریعہ ہمیں بتلایا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے آگے ایک مسلمان اپنے آپ کو جھکاتا ہے، اس کی زندگی کا مقصد ہی اپنے رب کو راضی کرنا ہوتا ہے، رب کی رضامندی اس میں ہے کہ عیدگاہ میں آؤ اور اذان نہیں دی جائے گی، مسجد میں آؤ، اذان نہیں ہوگی اور اسی کے ساتھ نفل نمازیں نہیں پڑھی جائے گی، آج عید کے دن سب سے پہلی چیز جو ہوگی؛ وہ اللہ کو راضی کرنے کے لئے اللہ کے لئے نماز ہوگی اور راستہ میں اللہ کی کبریائی اور اس کی عظمت کو بیان کرتے رہو، ایک راستہ سے آنا اور دوسرے راستہ سے جانا؛ تاکہ کل قیامت کے دن یہ جگہیں بھی گواہی دیں کہ اللہ کی کبریائی اور عظمت اس بندے نے بیان کی ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کا اپنے والد کو دعوت حق سمجھانا:

دوستو اور بزرگو! ہم سب کو یہاں جمع کیا گیا ہے کہ ایک مسلمان اپنے ایمان کی تجدید کرے، سیدنا ابراہیمؑ کے قربانی کے واقعہ کو ہم لوگ زیادہ یاد رکھتے ہیں، جہاں آپ اپنے بیٹے کی قربانی دینے کے لئے منیٰ کے میدان میں پہنچ گئے؛ لیکن سیدنا ابراہیمؑ کی اس سے پہلی قربانی ہے جس میں آپ نے اپنے والد محترم کو فرمایا یٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ (مریم: ۴۲) اے میرے والد آپ ایسی چیز کی عبادت کیسے کرتے ہیں جو نہ ہماری بات کو سنتی ہے اور نہ دیکھتی ہے یٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ ؕ (مریم: ۴۴) اے میرے والد آپ شیطان کی عبادت مت کیجئے، معلوم ہوا کہ شرک اور کفر اور اللہ کے ساتھ اللہ پاک کی صفات میں دوسروں کو شریک کرنا، اللہ پاک کے

ساتھ اللہ پاک کی عبادت میں دوسروں کو شریک کرنا،اور اللہ پاک کے ساتھ اللہ پاک کے حقوق میں دوسروں کو شریک کرنا، جو حق اللہ تعالیٰ کا ہے اس حق میں کسی اور کو شریک نہیں کیا جائے گا، یہ تمام چیزیں سیدنا ابراہیمؑ نے اپنے والد محترم سے فرمائی، اپنے وقت کے بادشاہ کے سامنے آپ نے فرمائی، اور اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کی ان باتوں کو قرآن کریم میں محفوظ کر کے اس امت کو بتلایا کہ قیامت سے پہلے پہلے تک اس امت کے سامنے مختلف طریقوں سے شرک آئے گا، شرک کی دعوت دی جائے گی، ان کو لالچ دے کر بلایا جائے گا یا ڈرا دھمکا کر بلایا جائے گا، حضرت شعیبؑ، حضرت صالحؑ، قرآن کریم میں ان انبیاء کرامؑ کے واقعات کو ذکر فرمایا، قوم ان کو کس طریقہ سے اپنی طرف للچا کر بلا رہی ہے، اور جب نہیں مان رہے ہیں تو پھر اس کے بعد دھمکا کر منوانے کی کوشش کی جا رہی ہے؛ لیکن انبیاء کرامؑ نہ ان کی لالچ میں آئے اور نہ انبیاء کرامؑ ان کے ڈرانے دھمکانے سے ڈرے، بلکہ سیدنا نوحؑ نے ساڑھے نو سو سال تک اللہ کے دین کی دعوت دی، آپ نے فرمایا اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ (یونس:۷۱) کہ اگر میری اللہ کے دین کی دعوت دینا تمہیں ناپسند آتی ہے فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ﴿۷۱﴾ (یونس:۷۱) تم سب کے سب اپنا مکر اور اپنی تدبیر کرو اور ذرہ برابر مجھے مہلت نہ دو، یہ انبیاء کرامؑ کا تن تنہا پورے معاشرے میں اللہ کی ذات پر بھروسہ تھا، اللہ پاک کی قدرت اور اس کی عظمت کا یہ استحضار تھا کہ جب اللہ تعالیٰ ناراض ہوں گے تو کائنات کی کوئی مخلوق ہمیں راضی نہیں کر سکتی اور اللہ تعالیٰ راضی ہے تو کائنات کی کوئی طاقت ہمیں نقصان نہیں پہنچا سکتی وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ (یونس:۱۰۷) کہ اللہ پاک اگر نقصان پہنچانا چاہے تو کائنات کی کوئی طاقت اس نقصان کو دور نہیں کر سکتی، مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ (فاطر:۲) اور اللہ پاک جس کے لئے رحمت کے دروازے کو کھول دیں، کائنات کی کوئی طاقت اس دروازے کو بند نہیں کر سکتی۔

عیدقرباں کاسبق انبیاء کرامؑ کے واقعات کی روشنی میں:

دوستو اور بزرگو! آج کے دن کا سب سے بڑا جو سبق ہے، وہ یہی ہے کہ ہم ایک اللہ تبارک وتعالیٰ کی طاقت کو ماننے والے بنیں، بار بار اللہ اکبر کا ورد کروا کر ہمارے دل پر اس کی ضرب لگوائی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طاقت کے آگے جھک جاؤ،تو کائنات کی ساری طاقتیں تمہارے آگے جھک جائے گی، صحابۂ کرام کے واقعات، انبیاء کرامؑ کے واقعات ہمارے سامنے ہیں جب ان حضرات نے اپنے آپ کو اللہ کے حوالہ کیا اور اللہ پاک کی طاقت کے آگے کائنات کی کسی طاقت کو بڑا ماننے سے انکار کردیا،تو سیدنا ابراہیمؑ کے لئے آگ گلزار بن گئی ،حضرت موسیٰؑ کے لئے سمندر نے راستہ کردیا،حضرت صالحؑ کی صداقت کے لئے نو (۹) مہینے کی گابھن اونٹنی کو اللہ تعالیٰ نے ایک پتھر سے نکال دیا، سیدنا حضرت ایوبؑ پریشانی کے بعد دعا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کی دعاؤں کو قبول فرماتے ہیں اور آپ کی ساری اولاد کو اللہ پاک زندہ فرماتے ہیں وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا (ص:۴۳) یہ کائنات میں اللہ پاک کی طاقت اور قدرت کے مظاہر ہیں، سیدنا ابراہیمؑ کی پوری زندگی اس پر ہے،آپ وفا کے عادی اور اطاعت کے سارے کام انجام دے رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر آپ کو خلیل فرمایا اور سیدنا ابراہیمؑ نے اپنے والد اور بادشاہ کو چھوڑ کر جب اپنے وطن عزیز کی قربانی دے کر ہجرت فرمائی ،آپ کے والد نے آپ کو دھمکی دی کہ اے ابراہیم! لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ﴿۴۶﴾ (مریم:۴۶) کہ آپ اگر باز نہیں آئے اپنی توحید کی دعوت سے تو میں تمہیں یہاں ہلاک کردوں گا یا تم میرا وطن چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جاؤ، سیدنا ابراہیمؑ مجبور ہوئے اور ہجرت فرما کر آپ اپنے وطن عزیز عراق سے دور ملک شام تشریف لے جارہے ہیں ،اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ (مریم:۴۹) جب سیدنا ابراہیمؑ نے اللہ پاک کی ذات کے لئے اللہ پاک کے دین کے لئے اپنے وطن کی قربانی دی، اپنے رشتہ داروں کو، اپنے مال و جائیداد سب کو چھوڑا، اللہ پاک

فرماتے ہیں وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ (مریم:۴۹) ہم نے آپ کو اسحاق بھی عطا فرمائے اور اسحاق کے بعد یعقوبؑ بھی عطا فرمائے، اور اس کے ذریعہ اللہ پاک نے اشارہ فرمایا کہ آپ اللہ کے دین کے لئے تن تنہا ہجرت کر گئے؛ لیکن ہم آپ کے ذکر خیر کو قیامت تک باقی رکھیں گے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ جب آدمی اللہ کے دین کے لئے قربانی دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ضائع نہیں فرماتے ہیں وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۶۹﴾ (عنکبوت:۶۹) سیدنا یوسفؑ کی بھی پوری زندگی آزمائش میں گذری اور آپ نے اپنے بھائیوں سے ایک ہی جملہ فرمایا اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۰﴾ (یوسف:۹۰) جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کے اجر کو ضائع نہیں فرماتے ہیں، اس لئے دوستو بزرگو! اس کائنات میں اور اس روئے زمین پر امت محمد یہ یہ وہ امت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے توحید کی دولت سے مالامال فرمایا ہے، جس میں شرک کی کسی طریقہ کی ملاوٹ نہیں، دنیا کے سارے مذاہب جو انبیاء کرامؑ کو ماننے والے تھے لیکن ان کے اندر مختلف طریقہ سے شرک آ گیا اور صرف قوموں کے عمل میں شرک نہیں آیا، بلکہ مذہبی کتابوں میں بھی شرک کی ملاوٹ کر دی گئی، اس کے مقابلہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم کو محفوظ فرمایا، جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ جو شرک سے پاک صحیح سالم ہے اور ہمارا تزکیہ فرماتی ہیں، اس کے ذریعہ اس امت کو بتلا دیا گیا کہ ہم نے جو گارنٹی دی تھی اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۹﴾ (حجر:۹) اس دین کی ہم حفاظت کرنے والے ہیں۔

محبوب چیز کی قربانی:

دوستو اور بزرگو! آج کے دن میں قربانی کے جانور پر چھری چلاتے ہوئے مؤمن یہ سمجھے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی سب سے محبوب چیز کی قربانی دی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۷﴾ (صافات:۱۰۷) فرمایا، اللہ پاک نے حضرت ابراہیمؑ کے لئے فدیہ میں ایک جانور آسمان سے اتارا اور ہم اس جانور کی قربانی کر رہے ہیں؛ لیکن حقیقت میں یہ جانور کی

قربانی نہیں، ہماری خواہشات نفسانی کی قربانی ہے، اللہ پاک کے دین کے لیے رمضان میں ہم نے کھانا پینا چھوڑا اور عید کے اس موقع پر ہم اللہ پاک کے لئے اپنی محبوب اور پیاری چیز کو قربان کررہے ہیں، قربانی تو ہمیں اپنی ذات کی دینی ہے۔

عظیم قربانی:

حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں: حضرت ابراہیمؑ کی قربانی لوگ صرف یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت اسماعیلؑ کو ذبح کرنے کے لئے لے گئے اور اللہ پاک نے امتحان میں کامیاب فرمایا، یقیناً یہ بھی بہت بڑی قربانی ہے؛ لیکن اس سے بھی بڑی قربانی سیدنا حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیلؑ کو ایک ریگستانی علاقہ میں جہاں پانی نہیں ہے، گھاس چارہ نہیں ہے، دور دور تک انسانیت نظر نہیں آرہی، ایسی بے آب وگیاہ بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ (ابراہیم:۳۷) ایسی جگہ جہاں کھیتی کے قابل کوئی چیز نہیں، پانی نہیں ہے، وہاں اپنی اولاد کو چھوڑنے کا حکم دیا ہے، ذبح کر کے تو وہ ذبح ہو جائیں گے؛ لیکن یہ تو زندگی بھر وہاں رہنا ہے اسی بے سروسامانی کے عالم میں، لیکن ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ انعامات نازل ہوئے کہ آج تک اس زمزم کے پانی کو ہم استعمال کررہے ہیں، حضرت ابراہیمؑ کی ان دعاؤں سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے مکہ مکرمہ کو ایسا بنایا کہ دنیا بھر کا پھل فروٹ کسی اور جگہ نہ ملتا ہو، لیکن مکہ مکرمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا بھر کے پھل فروٹ کو جمع فرمایا يُجْبَىٰ إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّن لَّدُنَّا (قصص:۵۷) ہر چیز کا خلاصہ، عمدہ سے عمدہ چیز، اللہ کے دین کے لئے جب قربانی دی جاتی ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس بندہ کے لئے بے سروسامانی کے عالم میں سامان پیدا فرماتے ہیں، یہ ساری چیزیں ہندوستان جیسے ملک میں جہاں ہم رہتے ہیں، جہاں کفر اور شرک کی ہر جگہ ملاوٹ ہے، ایسے موقع پر ہمیں تعلیم دی جارہی ہے کہ ایسا نہ ہو کہ دوسری قوموں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے، ان کے طور وطریق کو اپناتے ہوئے ایمان والے ایک طرف تو قربانی کرے اور دوسری طرف شرک میں مبتلا ہو؛ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔

روزی کا مسئلہ نماز کے ساتھ وابستہ ہے:

اس لئے دوستو اور بزرگو! آج کے دن کی سب سے بڑی تعلیم یہی ہے کہ ایک اللہ تعالیٰ کی ذات عالی پر بھروسہ کرنے والے ہو جائیں، ہم عبادتوں کو، نمازوں کو ادا کرنے والے ہو جائیں تو ہمارے روزی روز گار کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا، قرآن کریم نے یہ فرمایا کہ روزی روز گار کا مسئلہ نماز کے ساتھ وابستہ ہے، جہاں قرآن میں نماز کا حکم فرمایا ہے وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۖ لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا ۖ (طہ:۱۳۲) روزی کو وابستہ کیا ہے نماز کے ساتھ، اس لئے نمازوں کی پابندی کریں اور اس ملک میں توحید کے ساتھ ہم زندہ رہیں اور اس کے ساتھ آج عید کے موقع پر ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ پوری امت مسلمہ کے عید کے یہ ایام خوشی اور مسرت کے ساتھ پورے فرمائیں، وہ مسلمان جو بے چارے کمزوری میں، ضعف میں اور تکلیف میں ہیں، فلسطین کے مسلمان ہوں، برما کے مسلمان ہوں جن پر سخت اذیتیں اور سخت ظلم کیا جا رہا ہے، آج اس موقع پر ہم اللہ تعالیٰ کا اپنے لئے شکر ادا کرتے ہیں آپ نے ہمیں اس سے محفوظ فرمایا ہے، خدا کا نظام ہے کہاں کہاں کس وقت کیا ہوسکتا ہے، اس لئے ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں اور اللہ تعالیٰ کے جو بندے پریشانیوں میں ہیں، مختلف ملکوں میں ہیں، ہم اور آپ نہیں جانتے، وہ ارحم الراحمین اور احکم الحاکمین جانتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو چین، سکون اور عافیت کے ساتھ اور ایمان اور سلامتی کے ساتھ اس دنیا میں رکھے، ہماری آنے والی نسلوں کو بھی اللہ تبارک وتعالیٰ ایمان پر محفوظ رکھے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(۴)

تعزیتی بیان: بروفات

(شیخ الحدیث حضرت مولانا یونس صاحب جونپوریؒ)

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین. قال اللہ تبارک وتعالیٰ فی کلامہ المجید والفرقان الحمید.

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿۲۶﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۲۷﴾ (رحمٰن:۲۶)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾ (مریم:۹۶)

وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنہ تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتأویل الجاھلین.

(مشکاۃ المصابیح: کتاب العلم، رقم:۲۴۸)

صدق اللہ العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم ونحن علیٰ ذلک لمن الشاھدین والشاکرین والحمد للہ رب العالمین.

محترم ومکرم علماء کرام اور عزیز طلباء!

دنیا فانی اور آخرت باقی:

میں نے آپ حضرات کے سامنے جو آیت کریمہ تلاوت کی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ کائنات کی ہر چیز کو فنا ہونا ہے سوائے حق سبحانہ وتعالیٰ کی ذات کے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے صاف اعلان فرما دیا ہے مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ (نحل:۹۶) دنیا کی

تمہارے پاس جتنی چیزیں ہیں سب فنا ہونے والی ہے اور اللہ کے پاس جو چیز ہے وہی باقی رہنے والی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰهِ ۚ (فاطر:۱۵) اے انسانو! تم سب کے سب محتاج ہو، وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ بے نیاز، صمدیت کی صفت والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۂ ملک میں ارشاد فرمایا تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ۙ ① (ملک:۱) اور آگے فرمایا لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ کہ موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائیں اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا، کون تم میں سے زیادہ اچھا ہے عمل میں؟ اس لئے یہ موت اور حیات کا چکر اللہ تبارک وتعالیٰ نے رکھا ہے، حضرات انبیاء کرامؑ بھی اس سے گزرے ہیں اور اللہ کے نیک اور صالح بندے اور وقت کے سلاطین اور بڑے بڑے بادشاہ، سب کے لئے موت ہے، قرآن کریم میں صاف اعلان فرمایا، لیکن اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں کہ جو اپنے نقوش علمیہ وعملیہ، تقویٰ و طہارت، پرہیزگاری اور اپنی تصنیفات کے ذریعہ ہمارے لیے مشعل راہ بنتے ہیں۔

علماء کرام کی وفات؛ دنیا سے علم کا اٹھ جانا:

گذشتہ چند مہینوں سے مدارس اسلامیہ کے لئے ایک بڑا المیہ بنا ہوا ہے، پہلے پاکستان کے حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحبؒ دنیا سے کوچ کر کے دارآخرت کی طرف تشریف لے گئے، اس کے بعد دارلعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ صاحب تشریف لے گئے، دو چار دن پہلے حضرت مولانا نسیم احمد غازی صاحبؒ یہ بھی شیخ الحدیث تھے، تشریف لے گئے، اور گذشتہ کل دو بڑی شخصیت حضرت مولانا امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت شیخ یونس جونپوری صاحب جن کو ہم دامت برکاتہم کہتے تھے، آج رحمۃ اللہ علیہ کہنے کے محتاج ہو گئے، اور اسی طرح حضرت مولانا اسماعیل بدات صاحب یہ بھی حضرت شیخ زکریاؒ کے اجل خلفاء میں سے تھے، مدینہ منورہ میں رہتے تھے، اور آپ کا بھی انتقال کل صبح میں ہی ہوا، اس سے پہلے دارالعلوم دیوبند کے ایک اور مایۂ ناز استاذ حضرت مولانا ریاست علی بجنوریؒ بھی تشریف لے جا

چکے ہیں، یہ اکابرین ملت اور خاص کر کے علم حدیث کے یہ اساطین، اس دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں متوجہ فرمارہے ہیں۔

ایک روایت میں جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ علم اس طریقے سے نہیں اٹھے گا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ علم کو اٹھالے، کتابوں کو اٹھالے؛ بلکہ یہ ہوگا کہ ایک بڑا عالم دنیا سے رخصت ہوگا، (بخاری: کتاب العلم، باب کیف یقبض العلم) اس کی جگہ خالی رہ جائے گی اور کوئی پُر کرنے والا اس کو نہ ہوگا، اس لئے علمی دنیا کے اندر اگر چہ یہ امت بانجھ نہیں ہے، قیامت تک اللہ پاک اس دین کو باقی رکھیں گے، اس لیے علماء کرام، محدثین، فقہاء، مجتہدین، یہ سب ہر زمانے میں رہیں گے؛ لیکن کچھ شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں ان کی اپنی مخصوص صفات کی بنیاد پر، ان کے جانے پر ایک خلا محسوس ہوتا ہے۔

حضرت شیخ کی مختصر سوانح حیات:

حضرت شیخ یونس صاحب کے بچپن میں والدہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا، گاؤں کے مکتب میں تھوڑا کچھ پڑھا اور پھر دوسری جگہ تشریف لے گئے پڑھنے کے لئے، پھر حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوریؒ کی خدمت میں پہنچے اور کئی سال تک فنون کے علوم حاصل کئے اور پھر ۱۳۷۷ھ میں آپ نے سہارنپور کی طرف رخ فرمایا، اور ۱۳۸۱ میں آپ وہاں معین مدرس بنے، اوراس کے بعد ۱۳۸۸ھ میں آپ کو بخاری شریف نوجوانی کے عالم میں سپرد کی گئی، یہ ۱۴۳۵ چل رہا ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکمل پچاس سال تک بخاری شریف کے ساتھ مشغول رکھا، آپ نے علم حدیث کے علاوہ سارے مشاغل چھوڑ دئے، اور اپنے آپ کو ہمہ تن علم حدیث کی طرف متوجہ فرمایا، اور ایسا فرمایا جیسے آپ کے شیخ شیخ زکریاؒ کے لیے جو شیخ الحدیث کا لفظ بولا جاتا ہے اور پورے عالم اسلام میں آپ کے لئے شیخ الحدیث کے لفظ سے آپ ہی کی ذات مراد ہوتی ہے، لیکن آج اللہ پاک نے آپ کے بعد آپ کے شاگرد خاص حضرت مولانا یونسؒ کے لیے بھی فرمایا، صرف ہندوستان پاکستان کے علماء ہی آپ سے علم حدیث اور

حدیث کی دقیق مباحث کوسمجھنے کے لئےنہیں آتے تھے؛ بلکہ عالم اسلام کے چوٹی کے علماء، وہاں کے محدثین، وہاں کے فقہاء آپ کی طرف رجوع فرماتے تھے، مدینہ منورہ جب آپ تشریف لے جاتے تھے تو اکثر علماء آپ سے حدیث شریف کی سند کے لئے بلکہ حدیث کے مضامین اور وہ چیزیں جو تعارض کی شکل میں ان کے سامنے ہوتی، ان تعارضات کے رفع کے لئے آپ شیخؒ کے پاس تشریف لے جاتے تھے، اور آپؒ کے پاس سے تشفی بخش جواب مل جاتے تھے۔

پھر تو یہاں پڑا رہ:

لیکن یہ شخصیت کیسے بنی؟ بچپن سے اپنے آپ کو آپ نے قرآن وحدیث اور علوم اسلامیہ کے لئے وقف کر دیا، بچپن سے طبعی کمزوری، نزلہ زکام اور بخار وغیرہ کثرت سے آپ کو رہتا تھا، ان سب کے باوجود آپ نے اپنے علمی مشغلے کو باقی رکھا، جب سہارنپور پڑھنے کے لئے تشریف لے گئے اور چند دنوں کے بعد بیمار ہوئے وہاں کے ناظم حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ نے فرمایا کہ آپ تشریف لے جایئے، بیمار ہو، بیماری میں آپ کیا پڑھ سکتے ہو؟ تو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نہیں؛ میں تو پڑھنے ہی کے لئے آیا ہوں، میں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا، تو حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب نے فرمایا کہ تم بیمار ہو اور بیماری میں کیسے پڑھ سکتے ہو، پھر بھی یہی جواب دیا، حضرت حضرت شیخ زکریاؒ نے ایک جملہ ارشاد فرمایا، ” **پھر تو یہاں پڑا رہ** “، یہ پڑا رہ کا جملہ آپ نے اپنے لیے لے لیا اور پڑھنے کے بعد بھی پچاس سال تک پڑے رہے اور اپنے آپ کو مظاہر العلوم جیسے عالم اسلام کی چوٹی کے ایک ادارہ سے وابستہ رکھا جو علم حدیث میں اپنی ایک خصوصی شان رکھتا ہے، اور وہاں سے ہی آپ کا جنازہ اٹھا۔

دوستو اور بزرگو! اس موقع پر ہم اپنے دارالعلوم ماٹلی والا کے شیخ الحدیث حضرت مولانا ابوالحسن صاحبؒ کو فراموش نہیں کر سکتے، اللہ پاک نے آپ کو بھی ایک لمبی مدت تک دارالعلوم ماٹلی والا میں شیخ الحدیث کے طور پر رکھا اور آپ نے اپنی پوری زندگی وقف کر دی اور آپ اس

دنیا سے اس حال میں گئے کہ اسی دارالحدیث سے آپ کا جنازہ اٹھا، یہ اس قسم کی ہستیاں ہوتی ہیں جو اپنے آپ کو علم کے لئے وقف کر دیتی ہیں۔

شوق کتب اور ذوق مطالعہ:

حضرت شیخ یونسؒ کے پاس جو کچھ روپیہ پیسہ آتا تھا اس سے آپ نے کتابیں ہی خریدیں، حضرت شیخ زکریاؒ کبھی کبھار ہدیہ دیتے تھے اور پھر پوچھتے تھے کہ تم نے کیا کیا؟ کہتے کہ میں نے "زیلعی" خرید لی، امام زیلعیؒ نے جو نصب الرایہ لکھی ہے، آپ نے اس کو خریدا، آپ نے روپیہ پیسہ کچھ بھی استعمال نہیں کیا، پھر کسی موقع پر اور حدیث شریف کی کچھ کتابیں خریدیں، اس وقت حدیث شریف کی کتابوں کے ذخیرہ کے اعتبار سے حضرت شیخ یونس صاحب جونپوریؒ کا جو کتب خانہ ہے، شاید عالم اسلام کے کتب خانوں میں ممتاز ہوگا، کئی کتابیں ایسی ہیں کہ جو دوسری جگہوں پر نہیں ملتی، یہ حدیث شریف کے ساتھ مشغولیت کے ساتھ دنیا اور دنیا کی چیزوں کے ساتھ بے رغبتی کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت شیخؒ کی دنیا سے بے رغبتی:

آپ کے شاگردوں نے ذکر کیا کہ آپ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے، ہدیے آپ کی خدمت میں پیش کیے گئے، مدینہ منورہ سے نکلنے سے پہلے پہلے حضرت نے اپنے خادم کو کہا کہ مدینہ منورہ کے فقراء اور غرباء میں تقسیم کر دیا جاوے، اس کے بعد ایئر پورٹ پہنچ کر اپنے شاگرد سے کہا کہ مجھے ۱۰۰ ریال قرض دو، وہاں جا کر واپس کر دیا جاوے گا، ایسے ہوتے ہیں اللہ والے جو دنیا اور دنیا کی چیزوں سے بے رغبت ہوتے ہیں، **اتته الدنیا وهی راغمة**. (ترمذی: أبواب صفة القیامة والرقائق والورع عن رسول اللہ ﷺ، رقم: ۲۴۶۵) یقیناً دنیا ان کے پاس آئی، لیکن انہوں نے دنیا کو ٹھوکر ماردی، یہ چند خصوصیات ہیں جن کی بنیاد پر آج حضرت شیخ کو یاد کیا جاتا ہے، اسی بنیاد پر حضرت شیخ زکریاؒ جیسے محدث نے چالیس سال سے اوپر علم حدیث پڑھایا اور پھر ایک نوجوان شاگرد کو عالم اسلام کی اتنی بڑی درسگاہ کے لیے، شیخ الحدیث کے طور پر منتخب فرمایا،

وہ صلاحیتیں اور وہ چیزیں آپ نے دیکھی ہوں گی اس نوجوان کے اندر، اور حضرت شیخ یونس جونپوریؒ نے بھی اپنے استاذ کی امانت کو جو آپ کے سپرد کی گئی؛ کما حقہ ادا کیا، یہ ہمارے طلباء کے لئے اور علماء کے لئے ایک بہت بڑی عبرت ہے، اساتذہ نے اعتماد کیا اور ان کے اعتماد پر وہ پورے پورے اترے اور اپنے آپ کو وہاں تک پہنچایا اور اپنی امانت کی ذمہ داری کو پورا کیا اور اپنی پوری زندگی کو علم حدیث کے لئے وقف کر دیا۔

امام شافعیؒ کا ایک مسئلہ کے لیے ۳۲۳ مرتبہ قرآن پاک کا مطالعہ کرنا:

امام شافعیؒ کے متعلق ہم سنتے ہیں کہ آپ سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ اجماع کے ثبوت کے لئے قرآن کریم کی کسی آیت سے آپ استدلال کر کے بتلائیں قرآن کریم کی کس آیت سے اجماع کا ثبوت مل رہا ہے؟ حضرت امام شافعیؒ نے قرآن کریم کا ۳۲۳ مرتبہ از اول تا آخر مطالعہ فرمایا، قریشی عالم ہیں جن کی زبان میں یہ قرآن کریم نازل ہوا، ۳۲۳ مرتبہ کے بعد ایک آیت پر جا کر رک جاتے ہیں جبکہ اس سے پہلے ۳۲۲ مرتبہ یہ آیت آپ کے سامنے سے گزری وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾ (نساء:۱۱۵) امام شافعیؒ نے اس آیت سے استدلال کیا کہ امت کے مؤمنین کی جماعت اور اجماع علماء کا، یہ چھوڑ کر جانے والے پر اللہ پاک نے یہ سزا فرمائی، آپ نے اس آیت کو بطور استدلال کے پیش کیا، لیکن اس کے لئے حضرت امام شافعیؒ کو قرآن کریم کا اتنی مرتبہ مطالعہ کرنا پڑا، یہ تو دوسری اور تیسری صدی کے محدثین و مجتہدین کا حال ہے۔

حضرت شیخؒ کا ایک مسئلہ کی تحقیق کے لیے پوری مسند احمد کا چار مرتبہ مطالعہ کرنا:

حضرت شیخ یونس صاحبؒ کے متعلق کسی بڑے عالم نے لکھا ہے، کل ہی اس عالم کا بیان آیا اور ان کا پورا مضمون آیا، انہوں نے لکھا ہے کہ مسند احمد جو تیس ہزار احادیث کا مجموعہ ہے، اتنی بڑی کتاب میں ایک مسئلہ کو دیکھنے کے لئے آپ نے چار مرتبہ پوری مسند احمد کا مطالعہ

فرمایا، ایک کلمہ کی تخریج کے لئے اتنی محنت فرمائی اور پھر آپ کو وہ کلمہ اتنی محنت کے بعد حاصل ہو، حضرت مولانا تھانویؒ نے اپنی کتاب ''نشر الطیب''میں سب سے پہلے ایک روایت ذکر کی ہے اور وہ روایت موضوع ہے اور اس روایت کے متعلق محدثین نے بہت کچھ لکھا، جب اس روایت کی تحقیق کی اور اس میں حوالہ تھا کہ یہ روایت مُصَنَّف میں ہے، لیکن یہ روایت مصنف عبدالرزاق میں نہیں ملی، بہت تلاش کیا، ایک بڑے عالم کا رسالہ اسی روایت کے سلسلہ میں ہمارے کتب خانہ میں ہے، انہوں نے اس پر کلام کیا ہے، جب حضرت شیخ کی ''الیواقیت'' چھپ کر آ چکی، تو ہمیں اسی روایت کی تلاش تھی کہ آپ نے اس پر کیا کلام فرمایا ہے؟

نشر الطیب کی ایک روایت کی تحقیق:

عزیز طلباء! آپ نے یہ تحقیق فرمائی کہ روایت کو تلاش کیا، نہیں ملی، لیکن ایک جملہ آپ نے اور فرمایا: الفاظ ''حدیث نبوی'' ہونے سے اباء کر رہے ہیں یعنی اس کے جو الفاظ ہیں؛ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلمات اور ارشادات معلوم نہیں ہو رہے ہیں، یہ جیسے فقہ میں فقیہ النفس ہوتا ہے، علم حدیث میں بھی جو شخص رات دن لگا ہوا ہو، اللہ پاک اس کو نور ایمانی اور فراست نبوی عطا فرماتے ہیں کہ جس کی روشنی میں وہ یہ محسوس کر لیتا ہے کہ یہ روایت مرفوع ہے، یہ روایت سند کے ساتھ ہے، یہ روایت موضوع ہے وغیرہ وغیرہ، حضرت شیخ کی پوری زندگی اسی میں گذری، گفتگو یہ ہے کہ پھر اس کے دو سال کے بعد ایک کتاب ہمارے کتب خانہ میں آئی، شیخ محمد ابن عاشور کی، جو مقاصد شریعت کے بڑے امام ہے، انہوں نے اسی روایت پر گفتگو کی اور حضرت شیخ یونس صاحبؒ نے ایک جملہ فرمایا کہ یہ الفاظ اس کے حدیث نبوی ہونے سے انکار کر رہے ہیں، شیخ محمد ابن عاشور نے بھی اس پر تفصیل سے کلام کیا اور اس کے ایک ایک لفظ پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فصاحت و بلاغت اعلیٰ درجہ کی ہے؛ لیکن روایت کے جو کلمات ہیں، یہ حضور کی فصاحت سے میل نہیں کھاتے، یہ جملے جب میں نے پڑھے تو حضرت شیخ یونس صاحبؒ کا ایک چھوٹا سا جملہ یاد آیا جس کو آپ نے اپنی فراست ایمانی کی بنیاد پر فرمایا تھا اور

حضرت ابن عاشور نے اس سے پہلے فرمایا تھا، چوں کہ پہلے گذر چکے ہیں، اور اتنی تفصیل سے حضرت شیخ نے الفاظ سے بحث کی، یہ محسوس ہوا کہ آپ نے علم حدیث میں کس طریقہ سے محنت فرمائی آپ کی کتاب ''نوادر الفقہ'' گذشتہ سال چھپ کر آئی، اسی طریقہ سے کتاب التوحید بخاری شریف کی جو آخری کتاب ہے اس پر آپ کا جو کلام ہے، ہمارے استاذ محترم حضرت مولانا ایوب صاحب قاری بند الہٰی نے اس کو شائع فرمایا، اسی طرح اس سے پہلے ایک دوسرے مولانا نے شائع کروایا اور اسی طرح مفتی زید صاحب نے بھی کافی لمبا چوڑا کام کیا ہے، اگرچہ آپ کی زیادہ تر پوری توجہ علم حدیث پر رہی لیکن جب آپ کی اس نوادر الفقہ کو پڑھتے ہیں تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ اصول حنفی، علم فقہ، اصول فقہ اور قواعد فقہیہ پر بھی آپ کی گہری نظر تھی، آپ نے وہاں لطیف اشارے فرمائے ہیں جبکہ یہ عامیانہ سوال تھا، کوئی استفتاء نہیں تھا کہ تحریری شکل میں جواب دیا جائے، معلومات کے طور پر لوگوں نے پوچھا، اسی طرح ایک پرچہ نکلتا ہے حرا کا پیغام، ہر مہینے اس میں بھی آپؒ کے علم حدیث کے مضامین آتے ہیں، ان سب کو پڑھ کر ہمیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ اللہ کے اس بندے نے علم حدیث کے پیچھے کیسی محنت فرمائی! اپنے آپ کو ہمہ تن علم حدیث میں مشغول کر دیا، اپنے روپے پیسے کو علم حدیث کی کتابیں خریدنے کے لئے وقف کر دیا، اس طرح پوری زندگی نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ میں آپ نے صرف فرمائی۔

مشکلات الحدیث اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ:

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب رحمہ اللہ علیہ کی عمر عزیز درس حدیث میں گذری، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کتابوں کی تدریس پر اکتفا نہیں کیا؛ بلکہ علوم اسلامیہ خصوصاً فن حدیث اور علوم حدیث نیز علم رجال کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا، کتب احادیث ورجال کا پورا پورا ذخیرہ کھنگال ڈالا، غیر معمولی قوت حافظہ اور کتب احادیث ورجال کے مسلسل مطالعہ اور مزاولت کی وجہ سے اللہ تعالی نے حدیث وعلوم حدیث میں خصوصی مناسبت عطا فرمائی؛ بلکہ آپ کو اس میدان میں امامت کے منصب پر فائز فرمایا۔

حضرت مولانا شیخ محمد یونس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سے اہل علم کے دریافت کرنے پر مختلف سوالات کے جوابات تحریر فرمائے، آپ کے شیخ ومربی شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مختلف احادیث وروایات اور مسائل کی تحقیق آپ سے کرائی، اپنے پاس آئے ہوئے مختلف علمی سوالات کا تحریری جواب تیار کرنے کی خدمت آپ کے سپرد فرمائی، بعض دوسرے بزرگوں، معاصرین اور شاگردوں نیز اہل علم کے استفسار پر بھی حضرت نے مختصر اور مفصل جوابات لکھے، اس طرح بڑا گراں قدر علمی ذخیرہ جمع ہوگیا۔

الیواقیت الغالیہ کی جلد اول میں ایک بڑی تعداد ان خطوط کی ہے، جو اصالۃً حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کیے گئے تھے، مگر آپ نے اپنی معذوری و پیرانہ سالی کے سبب سائل کو خود جواب لکھنے سے معذرت کے ساتھ یہ اطلاع دی کہ جواب کے لئے آپ کا سوال نامہ حضرت مولانا محمد یونس صاحب (استاذ مظاہر العلوم) کے پاس بھیج دیا گیا ہے، اور آئندہ اس طرح کے سوالات انہی سے کئے جائیں؛ بلکہ بعض مشکلات ومعضلات میں حضرت شیخ الحدیثؒ نے حضرت مولانا یونسؒ کی طرف رجوع فرمایا ہے۔

ایک اہم بات جو الیواقیت الغالیہ کے مطالعہ کے دوران ذہن میں آئی تھی، حضرت مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی دامت برکاتہم نے بھی اس کو تحریر فرمایا ہے، اس کو حضرت مولانا کے الفاظ میں نقل کرتا ہوں:

یوں تو ماشاءاللہ بڑی بڑی کتابیں، شروحات کتب ستہ، تعلیقات کتب حدیث اور حدیث شریف کے مختلف مباحث پر نہایت بلند مرتبہ اور محدثانہ شان کی تصانیف ورسائل مرتب ہوئے اور شائع ہوئے ہیں، اہل علم کی ایک بڑی تعداد ان سے فائدہ اٹھارہی ہے، لیکن قریب کے دور میں حدیث کے مباحث وعنوانات پر کسی ایک عالم نے ایسا بسیط کام کیا ہو، روایات کے تمام گوشوں اور نقد وتحقیق کے تمام اصول کا احاطہ کرتے ہوئے اس قدر عنوانات پر اس جامعیت اور وسعت نظر کے ساتھ گفتگو فرمائی ہو، بندہ کے علم میں نہیں، یہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے علوم ومطالعہ کی اصل جولان گاہ صحیح بخاری اوراس کے حواشی اور ترقیمات ہیں، اس میں حضرت مولانا نے عموماً انہی پہلوؤں، بحثوں اور تعلیقات پر توجہ فرمائی ہے، جن سے ائمہ محدثین اور بعد کے شراح نیز علمائے حدیث نے عموماً اعتناء نہیں فرمایا، یاان میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی رائے متقدمین ومتأخرین سے الگ ہے، یاان میں کسی بڑے شارح یا محشی سے کوئی فروگذاشت ہوگئی ہے، جس پر بعد کے حضرات نے ناقدانہ نگاہ نہیں ڈالی اوراس سے بلاتوقف اخذ واستدلال ہوتارہا، نیز ان حواشی میں ابواب بخاری پر بھی نئے انداز، نئے اسلوب میں گفتگو فرمائی گئی ہے، اوران میں ائمہ سابقین اور شراح کاملین کی تحقیقات پر گہرے اور مسلسل اضافے کئے گئے ہیں، اور حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اسلوب، مقاصد اور تراجم ابواب کی ترجمانی کے نئے گوشے دریافت کئے گئے ہیں، اوران کے علاوہ بھی ان حواشی میں اور بہت کچھ ہے۔

الغرض آپؒ کی پوری زندی حدیث وعلوم الحدیث اوران کے متعلقات میں گذری ہے، آپؒ کے جو علمی جواہر پارے ہمارے سامنے آچکے ہیں، اور آپ کے درس حدیث کی جو کیفیات ہمارے علم میں آئی ہیں، وہ ایک ہی چیز سے عبارت ہے، عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب نے مختلف سوالات کے جوابات میں احادیث کی تطبیق، وجوہ ترجیحات اور معضلات ومشکلات الحدیث میں محدثین کے اصول کے مطابق طریقہ اپنایا ہے، لیکن کچھ مقامات میں جہاں محدثین بھی خاموش ہیں یا اس عقدہ کو حل کرنے میں شش وپنج میں مبتلا ہیں وہاں حضرت شیخؒ اپنے وسیع مطالعہ کی روشنی میں کوئی نہ کوئی حل تلاش کرکے طالب حدیث کو مطمئن کردیتے ہیں۔

حضرت شیخ یونس صاحبؒ نے بھی محدثین ونقاد حدیث کے اصول کے مطابق احادیث مبارکہ کے تعارض واشکالات کے حل کرنے میں متعدد طریقے اپنائے ہیں، اولا روایت کون سی کتاب میں ہے اوراس کے مصنف نے یہ روایت حدیث شریف کی کوئی کتاب سے نقل کی

ہے،اور حدیث کی کتاب کے مصنف نے خود اپنی سند سے روایت نقل کی ہے یا کسی کے حوالہ سے نقل کی ہے،اگر حوالے سے نقل کی ہے تو اصل مأخذ کی تلاش کرتے ہیں اور کس نے کس سے روایت نقل کی ہے اوران کے درمیان سند یا متن میں کیا کیا اختلافات ہیں؟اختلاف کی اصل کونسا راوی ہے،اگراس کو وہم ہوا ہے تو اس کی صراحت یا کس راوی کو اول وہم ہوا ہے؟اور دوسروں نے اس کی متابعت کی ہے؟ان سب کی صراحت کر کے طالب حدیث کو مکمل اطمینان دلانے کی سعی مشکور فرماتے ہیں۔

الیواقیت الغالیہ کی پہلی اور دوسری جلد اس قسم کی تطبیقات سے بھری پڑی ہیں،میں ایک مثال سے آپ کی تطبیقات کو واضح کرنا چاہتا ہوں۔ص:۴۰۱،ج:۱(۱) سوال مولانا عبداللہ صاحب دہلوی نے ”الترغیب والترہیب“ کے حوالہ سے ایک سوال کیا ہے کہ ترغیب وترہیب میں **أبو اب الجهاد باب الترهيب من أن يموت الإنسان ولم يغز الخ..** کی پہلی حدیث: **عن أبي عمران الخ..** ہے،اس میں ہے: **وعلى مصر عقبة بن عامر وعلى الجماعة فضالة بن عبيد.** اس کا مفہوم یہ ہے کہ اہل مصر کی ٹکڑی کے امیر عقبہ بن عامر اور باقی کے فضالہ بن عبیدؓ تھے۔

یا یہ مطلب ہے کہ پورے لشکر کے امیر تو فضالہؓ تھے اوران میں سے اہل مصر کے امیر عقبہ تھے۔

یعنی سوال یہ ہے کہ عقبہؓ فضالہؓ کی امارت میں تھے یا علیحدہ تھے؟

(جواب) حضرت شیخ یونس صاحبؒ نے جواب میں فرمایا کہ یہ حدیث امام ترندی نے سورۂ بقرہ کی تفسیر میں (ص:۱۲۱)اسی لفظ سے روایت کی ہے اور مطلب یہ ہے کہ مصری لشکر کے امیر عقبہ بن عامرؓ تھے اور سارے لشکر کے سپہ سالار حضرت فضالہؓ تھے۔

البتہ یہاں ایک بات خاص طور پر قابل ذکر ہے، وہ یہ ہے کہ اس روایت کے طرق میں اختلاف ہے کہ حضرت فضالہ مطلقاً امیر لشکر تھے یا لشکر کے کسی خاص حصہ اور مخصوص جماعت کے۔ اسلم ابی عمران کے تلمیذ یزید بن ابی حبیب کے نیچے یہ اختلاف ہوا ہے،عبد بن حمید نے

اپنی تفسیر میں اورانہیں سے امام ترمذی نے ابو عاصم النبیل کی روایت سے حیوۃ بن شریح سے۔ جو یزید بن ابی حبیب کے تلمیذ ہیں۔ اس روایت میں **علی أهل مصر عقبة بن عامر وعلی الجماعة فضالة بن عبد** نقل کیا ہے۔

اور مستدرک حاکم میں (ص: ۲ / ۲۷۵) عبداللہ بن یزید المقر ی کی روایت میں حیوۃ بن شریح سے **علی أهل مصر عقبة بن عامر الجهني وعلی أهل الشام فضالة بن عبيد الأنصاري** کا لفظ ہے، اسی طرح سے عبداللہ بن یزید المقر ی سے امام نسائی نے سنن کبری میں اورابن جریر الطبر ی نے التفسیر میں روایت کیا ہے۔

اس سے **معلوم** ہوتا ہے کہ حضرت فضالہؓ صرف شامی لشکر کے امیر وسالار تھے۔

اورامام ابوداود نے عبداللہ بن وہب کی روایت سے حیوۃ اورابن لہیعہ سے اسی حدیث میں **وعلی الجماعة عبدالرحمن بن خالد بن الوليد** نقل کیا ہے، فضالہؓ یا عقبہ بن عامرؓ کا کوئی ذکرنہیں ہے لیکن اسی سند سے طبری (۲ / ۱۱۵) کی روایت میں **وعلی أهل مصر عقبة بن عامر وعلی الجماعة عبدالرحمن بن خالد بن الوليد** ہے۔

ان سب روایتوں اوراسانید کوسامنے رکھ کرنتیجہ یہ کہتا ہے کہ سپہ سالار اعظم توعبدالرحمن بن خالد بن الولیدؓ تھے اوران کی ماتحتی میں حضرت فضالہؓ لشکر شامی کے اورعقبہ بن عامرؓ لشکر مصری کے سالار تھے۔

اورترمذی کی روایت سے اگرچہ حضرت فضالہؓ کا سارے لشکر کا امیر ہونا معلوم ہوتا ہے؛ مگرابوداود کی روایت کواس کے بالمقابل دووجہ سے ترجیح ہے۔

اول تواس لئے کہ نسائی وطبری وحاتم کی روایت میں فضالہؓ کا صرف لشکر شامی کا امیر ہونا مذکور ہے، لہٰذ **الروايات تفسّر بعضها بعضا** کے قاعدہ کے مطابق ترمذی والی روایت کے اطلاق کودوسری روایت مقیدہ پرمحمول کیا جائے گا۔

اوردوسری وجہ یہ ہے کہ فتوح کے امیر عبدالرحمن بن خالد بن الولیدؓ ہی تھے، حافظ ابن حجر

فرماتے ہیں: **وأخرج ابن عساکر من طرق کثیرة أنه کان یأمر علی غزو الروم أیام معاویة**، کتب رجال اور تاریخ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حدیث میں جس غزوہ کا تذکرہ ہے وہ امیر معاویہؓ کے عہد میں پیش آیا ہے۔

عبدالرحمن بن خالد بن الولید کی وفات ۴۶ھ میں ہوئی ہے اور امیر معاویہ کی وفات ۶۰ھ میں ہوئی ہے۔

یہ روایت جس میں ''الترغیب والترھیب'' کے حوالے سے مصری لشکر کے امیر حضرت فضالہؓ یا حضرت عقبہؓ میں سے کون تھے؟ روایت کے الفاظ میں بظاہر تعارض ہے، تو اس کے جواب میں حضرت شیخ نے اس روایت کے تمام طرق کو ذکر کیا، اور سند پر گفتگو کرتے ہوئے یہ واضح کیا کہ روایت کے راوی حیوۃ بن شریح سے اوپر کوئی اختلاف نہیں، اور فرمایا کہ اسلم ابی عمران کے تلمیذ یزید بن ابی حبیب کے نیچے یہ اختلاف ہوا ہے، اور یہ بھی صاف کردیا کہ امام ترمذی نے سورۂ بقرہ کی تفسیر میں اس کو عبد بن حمید کی تفسیر سے لیا ہے، تمام طرق اور راویوں پر بحث کرنے کے بعد حضرت شیخ یونس صاحبؒ نے ترمذی کی روایت کے مقابلہ میں ابوداود کی روایت کو ترجیح دی اور ساتھ ہی دو وجوہ ترجیح بھی ذکر کی۔ (۱) **الروایات تفسر بعضها بعضا** کے قاعدہ کے مطابق ترمذی والی روایت کے اطلاق کو دوسری روایت مقیدہ پر محمول کیا جاوے۔ (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ کتب رجال و تاریخ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حدیث میں جس غزوہ کا تذکرہ ہے، وہ امیر معاویہؓ کے عہد میں پیش آیا ہے اور لشکر کے امیر تو حضرت عبدالرحمان بن خالد بن ولیدؓ ہی تھے، ان کا انتقال ۴۶ھ میں ہوا ہے، اور حضرت امیر معاویہؓ کا انتقال ۶۰ھ میں ہوا، لہٰذا تاریخی اعتبار سے بھی اس پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا۔

حضرت شیخ زکریا نے مدینہ منورہ سے ایک خط میں لکھا کہ آجکل مفتی اعظم پاکستان مفتی محمود صاحب آئے ہوئے ہیں ان کا اشکال یہ کہ اہل حدیث تنعیم کے عمرے کو بدعت کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ کا عمرہ تو مجبوری کا تھا ورنہ کسی دوسرے سے مکہ سے تنعیم عمرہ کا

احرام باندھنے کیلئے جانا ثابت نہیں حتی کہ حضرت عبدالرحمن تو حضرت عائشہ کے ساتھ تھے احرام نہیں باندھا، یہاں نہ تو کتابیں میں اور نہ کوئی اس کے لئے فارغ، مدرسہ میں بھی آج کل تعطیل ہورہی ہے، طحاوی نے تو جہاں تک یاد ہے مستقل **باب عمرة التنعیم** باندھا ہے اس کو بھی دیکھیں اور بھی کسی جگہ آثار سے اور حدیث مشہور تقریری مل جائے تو کیا ہی پوچھنا۔

رات مولوی اظہار نے بتایا کہ میری حجۃ الوداع مطبوعہ بیروت کے (ص: ۱۸۴) پر بخاری کے حوالہ سے یہ تو موجود ہے، **قال النبی ﷺ: أفرغتما؟ قالت: نعم.** میرے خیال میں تو تصریح ہے مگر مفتی محمود صاحب نے اس کو تصریح نہ مانا، اس لئے کسی روایت میں تنعیم سے عمرہ لانے کی تصریح آثار صحابہ ہی سے چاہے ہو ضرر لکھ کر بھیج دیں۔

شیخ یونس صاحب نے اس کے جواب میں لکھا کہ کافی جدوجہد کے بعد کوئی روایت نہیں ملی نہ تو تقریری اور نہ ہی کسی صحابی کا اثر۔

اس زمانہ کے غیر مقلدین اصل میں ابن القیم کے مقلد ہیں، انہوں نے زاد المعاد (ص: ۱/ ۱۷۸) میں لکھا ہے جس کو حافظ ابن حجر نے ملخص کر کے لکھا ہے کہ: **لم ینقل أنه ﷺ اعتمر مدة إقامته بمكة قبل الهجرة و لا اعتمر بعد الهجرة إلا داخلاً إى مكة، ولم يعتمر قط خارجا من مكة إلى الحل ثم يدخل مكة لعمرة كما يفعل الناس اليوم و لا ثبت عن أحد من الصحابة أنه فعل في حياته إلا عائشة.**

لیکن حافظ ابن حجر فرماتے ہیں (ص: ۴ / ۳۵۵): **و بعد أن فعلته عائشة بأمره دل على مشروعيته.**

حضرات محدثین امام بخاری وامام ترمذی وغیرہ نے مستقل عمرۂ تنعیم کا ترجمہ منعقد فرمایا ہے اور امام دارمی (ص: ۲۳۷) نے **باب الميقات في العمرة** میں حضرت محرش کعبی کی روایت عمرۂ جعرانہ والی اور حضرت عائشہؓ کی روایت عمرۂ تنعیم والی ذکر فرمائی ہے، یہ سب اس بات کی مؤید ہیں کہ عمرۂ تنعیم میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اور یہ خیال کرنا کہ یہ باہر سے آنے والوں کیلئے میقات ہے بے دلیل ہے، اس لئے کہ اگر جعرانہ والی روایت میں صورت واقعہ کو دیکھ کر یہ کہہ دیا جائے تو عمرۂ تعیم والی روایت دیکھ کر اس کا الٹا بھی کہا جاسکتا ہے۔

اگر عمرۂ تنعیم بدعت ہوتا تو ائمہ حدیث اس کا باب کیوں منعقد کرتے ،اور یہ کہنا کہ حضرت عائشہ نے عذر کی بنا پر کیا تھا صحیح ہے، لیکن حضرت عائشہ تو بعد میں بھی جب حج کرتی تھیں تو حج کے بعد مکہ سے باہر جاتی تھیں اور احرام باندھ کر آ کر عمرہ کرتی تھیں۔

چنانچہ موطا میں حضرت عائشہؓ کی باندی مرجانہ سے روایت ہے:

كانت عائشة تعتمر بعد الحج من مكة في ذي الحجة ثم تركت بعد ذلك فكانت تخرج قبل هلال المحرم حتى تأتي الجحفة فتقيم بها حتى ترى الهلال فإذا رأت الهلال أهلت بعمرة. قال الشيخ في الأوجز: ولعل ذلك لتحصيل الفصل بين الحج والعمرة امتثالاً لأمر أمير المومنين كما سيأتي قريباً في باب العمرة افصلوا بين حجكم وعمرتكم فإن ذلك أتم لحج أحدكم ولعمرته أن يعتمر في غير أشهر الحج.

حضرت عائشہؓ کو اگر عذر تھا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جب حج کیا تھا اس وقت تھا ہمیشہ نہیں تھا، بعد میں حضرت عائشہؓ کا مکہ سے نکل کر عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ آ کر عمرہ کرنا جواز کی دلیل ہے، **وكفى بها قدوة.**

اور اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت عائشہؓ بعد میں اس لئے عمرہ کرتی تھیں کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اس طرح عمرہ کیا تھا اور ان حضرات صحابہؓ کا دستور یہ تھا کہ جس حال پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جدا ہوئے یہ چاہتے تھے کہ ساری زندگی اس حال پر گزار دیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ بات صحیح ہے؛ مگر حضرت عائشہؓ نے آپ کے بقول تنعیم سے عمرہ عذر کی وجہ سے کیا تھا گویا بلا عذر جائز نہیں اس لئے کہ بدعت ہے تو اگر بدعت ہوتا تو حضرت عائشہ بعد

میں بلا عذر عمرۂ تنعیم کیوں کرتیں؟ اس کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ملی۔

حضرت مفتی محمود حسن صاحب سے بھی پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے اسے بہت تلاش کیا لیکن کہیں کوئی روایت یا اثر نہیں ملا۔

علم حدیث میں مشغول ہونے کی بنا پر شان صحابیت کا پیدا ہونا:

تقویٰ اور طہارت کا اعلیٰ نمونہ، اس لئے کہ علم حدیث ایک نورانی علم ہے، "**اهل الحديث هم اهل النبى**" اہل حدیث کو کہا گیا کہ اگر چہ انہوں نے حضور کی خدمت میں اپنے نفس کو نہیں پیش کیا، کیوں کہ اس زمانے میں محدثین تھے نہیں، لیکن آگے شاعر جملہ کہتا ہے **أنفاسهم** کہ ان کی سانس نے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت اختیار کی، اس کو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے بستان المحدثین کے شروع ہی میں ذکر فرمایا ہے، اسی طرح عجالۂ نافعہ جو آپ کی کتاب ہے فارسی میں، اس کے شروع میں آپ نے لکھا جو لوگ علم حدیث میں مشغول ہوتے ہیں، حقیقت میں ان میں شان صحابیت پیدا ہوتی ہے، اس لئے کہ صحابہ کرام کی پوری زندگی گزری ہے جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کو سنئے اور اس پر عمل کرنے میں، صحابہ کرام نے اپنے آپ کو حضور کے قول و فعل، ارشادات و تقریرات کے ساتھ وابستہ کیا تھا، جو شخص اپنے آپ کو علم حدیث میں مشغول کرتا ہے تو حضرت شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک اس میں شان صحابیت پیدا فرما دیتے ہیں، تو ایسے حضرات جنہوں نے زندگی کے پچاس سال بخاری شریف کے ساتھ لگا دئے، ہم لوگ حضرت کی تقریر بخاری شریف کی جو تیار ہے، ابھی چھپ کر نہیں آئی، پہلی جلد تیار ہو رہی تھی اور اس کے بعد کی چیزیں بھی اب تک حضرت شیخ نے جس سے روکا تھا، امید ہے کہ اس کے بعد اب شائع کیا جائے گا، اور اس سے ہم فائدہ اٹھائیں گے، کتاب التوحید سے پتہ چلتا ہے کہ کتنی آپ کی گہری بصیرت ہے۔

حضرت شیخؒ کی اسماء الرجال پر باریک بینی:

حضرت شیخ کی باریک نظر تھی رجال کے سلسلہ میں حضرت شیخ زکریاؒ کے زمانے میں آپ سے کوئی پوچھتا تو فرماتے کہ یونس کی طرف رجوع کرو، اور وہاں سے جواب ملتا، حضرت مولانا

انعام الحسن صاحبؒ ، حضرت مولانا محمد عمر صاحبؒ اور حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ نے جب بھی حضرت شیخ کی طرف رجوع کیا، حضرت مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ حضرت شیخ کے اجل خلفاء میں سے ہیں؛ لیکن حدیث شریف میں مراجعت کی بات آتی تو حضرت شیخ آپؒ (حضرت شیخ یونسؒ) کی طرف اشارہ فرماتے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت شیخ یونسؒ اور دیگر علماء، محدثین، فقہاء، مصنفین اساتذۂ کرام کی قبروں کو نور سے منور فرمائے، ان کے علوم سے ہمیں مستفیض ہونے کی توفیق عطا فرمائے، تقویٰ طہارت اور تزکیۂ نفس کے لیے ان حضرات نے جو محنتیں فرمائیں اللہ پاک قبول فرمائے، حضرت شیخ زکریاؒ کے جو خطوط آئے اس میں لکھا تھا کہ ''تکبر مت کرنا'' اور حضرت شیخ یونسؒ اس کو بار بار نقل فرماتے، ایک نوجوان عالم کو اتنی بڑی علم حدیث کی کتاب ملے، عالم اسلام کے اتنے بڑے ادارے میں، نفس اور شیطان اور حاسدین کی طرف سے کچھ چیزیں آسکتی تھیں، حضرت شیخ نے اس کے سدباب کے لیے حضرت شیخ یونسؒ کو بار بار یہ جملہ فرمایا، یہ ہم طلبۂ عزیز کو اور نوجوان علماء کو متوجہ کر رہا ہے کہ کہیں علم کی بنیاد پر تکبر، غرور ہمارے ذہن میں نہ آجائے، آپ کی سیرت سے ہمیں پتہ چلتا ہے، لہٰذا اس کا بھی ہم لحاظ کریں، اللہ تبارک وتعالیٰ کہی سنی باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(۵)

حفاظت دین میں
علماء ربانیین کا کردار

الحمد للہ رب العالمین ، والصلاۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین. امابعد!

قال اللہ تبارک وتعالیٰ فی کلامہ المجید والفرقان الحمید ،

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰانِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۫ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾ (مائدہ: ۵۴)

وقال تعالیٰ: اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۫ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾ (آل عمران: ۱۹)

صدق اللہ العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علیٰ ذلک لمن الشاھدین والشاکرین والحمدللہ رب العالمین۔

دین وشریعت کی بقاء کا پہلا انتظام:

اللہ تعالیٰ نے اس دین اور شریعت کو باقی رکھنے کے لئے کتابی شکل میں قرآن کریم نازل فرمایا اور عملی شکل میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث اور آپ کی زندگی اور آپ کا نمونہ ہمارے سامنے پیش کیا، صحابۂ کرامؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک ایک عمل کو دیکھا تو کچھ اشکالات اور سوالات پیدا ہوئے، یا جو کچھ ان کی سمجھ میں نہیں آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت کیا، چنانچہ دین اور شریعت کی باتیں اور احادیث مبارکہ ایک طرف کتابی شکل میں محفوظ ہوئیں، تو دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عملی زندگی، اسوہ اور آپ کی سیرت مبارکہ صحابہ نے پریکٹکل دیکھ کر ہم تک اس کو پہنچایا، یہ پہلا انتظام ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس دین اور شریعت کو باقی رکھنے کے لیے کتابی شکل میں قرآن کریم نازل فرمایا اور عملی شکل میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث اور آپ کی زندگی اور آپ کا اسوہ ہمارے سامنے پیش کیا۔

دوسرا انتظام:

دوسرا انتظام یہ فرمایا کہ چونکہ یہ دین قیامت تک باقی رہنے والا ہے اور انسانی زندگی اور زمانہ کی الٹ پلٹ اور زمانہ کا ہیر پھیر، زمانہ کی تبدیلیاں، مختلف انداز میں زمانہ تغیر پذیر ہے، یہ بدلتا رہتا ہے، تو زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ قیامت تک اس دین کو باقی رکھنے کے لئے اللہ پاک نے ایسے افراد ہر زمانہ میں اس دین میں پیدا فرمائے، جنہوں نے اسلامی شریعت کو جیسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لائے اور جیسی امانت صحابہ نے امت تک پہنچائی ہے، اس امانت کو زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ جب جب بھی دین اسلام پر خارج سے کوئی پریشانی آئی، کوئی حملہ ہوا یا اندرونی طور پر امت میں کوئی بگاڑ پیدا ہوا، شرک اور بدعات مختلف شکلوں میں امت میں آئیں یا نئے فرقوں نے جنم لیا جو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات سے الگ ہٹ کر رہے، تو اللہ کے ایسے نیک اور صالح بندے، صاحب دعوت وعزیمت ہر زمانہ میں ایسے رہے، جنہوں نے اس کا سد باب فرمایا۔

اسلام کے قلب وجگر پر حملے:

شروع ہی سے اسلام کے قلب وجگر اوراس کے اعصاب پر ایسے حملے ہوئے ہیں کہ دوسرا مذہب ان کی تاب نہیں لاسکتا، دنیا کے دوسرے مذاہب جنھوں نے اپنے اپنے وقت میں دنیا فتح کر لی تھی اس سے کم درجہ حملوں کوسہار نہ سکے، اورانہوں نے اپنی ہستی کوگم کر دیا؛ لیکن اسلام نے اپنے ان سب حریفوں کوشکست دی، اورا پنی اصلی شکل میں قائم رہا، ایک طرف باطنیت اوراس کی شاخیں، اسلامی روح اوراس کے نظام عقائد کے لئے سخت خطرہ تھیں، دوسری طرف مسلمانوں کوزندگی سے بے دخل کرنے کے لئے صلیبیوں کی یورش اور تاتاریوں کا حملہ بالکل کافی تھا، دنیا کا کوئی دوسرا مذہب ہوتا تو وہ اس موقع پر اپنے سارے امتیازات کھودیتا اور ایک تاریخی داستان بن کررہ جاتا، لیکن اسلام ان سب داخلی وخارجی حملوں کوبرداشت کر لے گیا اوراس نے نہ صرف اپنی ہستی قائم رکھی، بلکہ زندگی کے میدان میں نئی نئی فتوحات حاصل کیں، ہر دور میں ایسے افراد پیدا ہوئے، جنہوں نے تحریفات وتاویلات کا پردہ چاک کردیا، اور حقیقت اسلام اور دین خالص کو اجاگر کیا، بدعات اور عجمی اثرات کے خلاف آواز بلند کی، سنت کی پرز ورحمایت کی، عقائد باطلہ کی بے باکانہ تردیداور مشرکانہ اعمال ورسوم کے خلاف اعلانیہ جہاد کیا، مادیت اور نفس پرستی پرکاری ضرب لگائی، تعیّشات اورا پنے زمانہ کے "مترفین" کی سخت مذمت کی، اور جابر سلاطین کے سامنے کلمۂ حق بلند کیا، عقلیت پرستی کا طلسم توڑا اورا سلام میں نئی قوت و حرکت اور مسلمانوں میں نیا ایمان اور نئی زندگی پیدا کردی، یہ افراد دماغی، علمی، اخلاقی اورروحانی اعتبار سے اپنے زمانہ کے ممتاز ترین افراد تھے، اور طاقتور ودلآویز شخصیتوں کے مالک تھے۔

(مفکراسلام حضرت مولانا سیدابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں: **لن يصلح آخر هذه الامة إلا بما صلح به أولها.** (الشفا: ۲/۸۸-۸۷، مجموع الفتاوی: ۱/۳۵۳) کہ اس امت کے آخری طبقہ کی اصلاح اور درستگی اسی طریقہ کے مطابق ہوگی جس طریقہ کے مطابق امت کے پہلے دور میں اورامت کی

پہلی جماعت صحابۂ کرام نے اپنی اصلاح کے لئے جو طریقے اپنائے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کریں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دینی حمیت:

اور اگر خارج سے جب حملہ ہوا تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''اینقص الدین وانا حی''(مرقاۃ: کتاب المناقب، باب مناقب أبی بکر) کہ میرے زندہ ہوتے ہوئے میری آنکھوں کے سامنے جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دین میں کمی واقع ہو، یہ ہو نہیں سکتا، جس دین کو ابوبکر نے پہلے دن سے لے کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فانی دنیا سے کوچ کرنے تک مسلسل اپنی آنکھوں سے دیکھا، مشاہدے کئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قربانیوں کو دیکھا اور خود اپنی جانی مالی قربانی دی، جب آدمی کسی چیز میں اپنی قربانی دیتا ہے؛ آپ دیکھ رہے ہیں کہ کاروبار کرنے کے لئے ایک آدمی اپنی دکان لگاتا ہے، شروع میں کاروبار کے لئے کتنی محنت کرنی پڑتی ہے، پھر اس کے بعد وہ دکان جمتی ہے انسان مختلف لائن میں جاتا ہیں اپنی کریڈٹ بنانے کے لئے، ملازمتوں میں پہلے آدمی کو کتنی محنت کرنی پڑتی ہے، اوقات کی پابندی کے ساتھ وفاداریاں بتلانی پڑتی ہیں، تب جا کر کسی تنظیم کسی جماعت اور سرکاری محکموں میں ان کو قابل اعتبار سمجھا جاتا ہے، اور آدمی اپنی ان چیزوں کی قدر کرتا ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آئے ہوئے اس دین کے ایک ایک حکم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، اس کے پیچھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی قربانیوں کو دیکھا تھا، اس لئے جب امت کے ایک چھوٹے سے طبقہ نے یہ کہہ دیا کہ قرآن کریم میں یہ فرمایا ہے: خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ط (توبہ:۱۰۳) کہ اس آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا ہے کہ آپ امت کے مالداروں کے پاس سے ان کی زکوٰۃ وصول کیجئے، یہ ان کے حق میں بہتری ہوگی، ان کا دل پاکیزہ کرے گی، اور آیت میں گویا حضور کو حکم فرمایا، اس لیے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے رخصت ہوئے تو اس آیت پر عمل کیسے ہوسکتا

ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رہے نہیں اس دنیا میں، تو ان لوگوں نے زکوٰۃ کا انکار کر دیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں جو شخص زکوٰۃ میں اونٹ کی رسی دیتا تھا اگر وہ اس سے بھی انکار کرے گا تو میں اس کے مقابلہ میں جہاد کروں گا، ایسا نرم دل آدمی جو ہر موقع پر نرمی کرتا تھا، لیکن جب جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دنیا سے رخصتی کے بعد یہ دیکھا کہ زکوٰۃ کا نظام سامنے آیا، کتنی محنتوں کے بعد یہ نظام شروع ہوا ہے، اس کے پیچھے جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کی قربانیاں ہیں، اور ایک جماعت یہ کہے کہ اب سے ہم اسلام کے فریضے کو ادا نہیں کریں گے، زکوٰۃ ادا کرنا ضروری نہیں، اس لئے کہ یہ تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم ہوا ہے اور جب آپ نہیں ہے تو اب زکوٰۃ کی فرضیت منسوخ ہو چکی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر فرمایا: **اینقص الدین و انا حی**۔ (مرقاۃ: کتاب المناقب، باب مناقب أبی بکر) میرے زندہ ہوتے ہوئے اور میری خلافت کے دور میں اس ایک فریضہ کو ادا کرنے میں اگر کوئی انکار کرے گا تو یہ دین میں کمی ہوگی، میرے ہوتے ہوئے میں اس دین کی کمی کو برداشت نہیں کرسکتا، کل نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں حاضری ہوگی اور آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیں گے کہ ابوبکر تمہیں معلوم نہیں ہے کہ اسلام کے فریضے میں زکوٰۃ بھی ایک بڑا فرض ہے۔

وفد عبدالقیس آیا اور انہوں نے پوچھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم بڑے دور سے آرہے ہیں، اور راستہ میں قبیلۂ مضر ہے جو شرک والا ہے، حج کے مہینوں میں تو ہمیں آپ کے پاس آنے کی اجازت ہے، باقی دنوں میں ہم آنہیں سکتے، اس لئے آپ سے دین اسلام کی چند بنیادی اور اہم باتیں سننا چاہتے ہیں تا کہ ہم اس پر عمل کریں اور وہاں والوں کو اس کی تبلیغ کریں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں پانچوں نمازوں کا ذکر فرمایا، زکوٰۃ، روزہ، حج کا ذکر فرمایا، (بخاری: کتاب العلم، باب تحریض النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفد عبدالقیس علی أن یحفظوا الإیمان) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا گویا اشارہ تھا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے پوچھ لیں کہ ابوبکر جس دین کو میں مکمل چھوڑ کر آیا، جس

دین کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ (مائدہ:۳) کہ آج ہم نے تمہارے دین اسلام کوتم پر مکمل کر دیا، ہم نے نعمت اسلام کوتم پر مکمل کر کے ہم نے تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کرلیا، اس دین کے ایک فریضہ کی ادائیگی سے لوگ انکار کرے تو میں حضور کو کیا جواب دوں گا؟ گویا ان کے دل میں تھا کہ اگر آج میں نے پہلی مرتبہ میں زکوٰۃ کے انکار کرنے والوں کی بات کو مان لیا، تو کل نماز کے انکار کرنے والے کھڑے ہوں گے، کل کو حج کے انکار کرنے والے کھڑے ہوں گے، اور یہ دین کسی شکل میں باقی نہیں رہے گا، یہ سب سے پہلے امت کے مجدد ہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ، جنہوں نے اس معاملہ کے اندر نرمی نہیں فرمائی۔

مجھے آپ کو یہ بتلانا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر زمانے میں قیامت تک علمائے ربانیین کی ایک جماعت ایسی رکھیں گے، جو زمانہ کے تغیر کو زمانہ کی رفتار کے بدلنے سے زمانہ کا عرف اور رسم و رواج بدل گئے ہیں، یا زمانے کے تقاضے بدل گیے ہیں، ضرورتیں بدل گئیں ہیں، تو دو قسم کی جماعتیں تیار ہوئیں۔

پہلی جماعت:

ایک جماعت تو علمائے کرام، فقہائے عظام اور مفتیان کرام کی ہوئی، جنہوں نے اسلامی فقہ کے اندر حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ سے ہی جو مسائل نئے تھے، قرآن اور حدیث میں ان کے بعضے احکام موجود نہیں تھے، ان حضرات نے مجلس شوریٰ منعقد کی اور اہل رائے اور حضرات علمائے کرام سے مسائل کا مشورہ کیا، حضرت عمر ابن خطابؓ کے زمانے میں کئی نئے مسائل وجود میں آئے اور آپ نے ان مسائل کے ذریعہ اس امت کو دین بتلایا، زمانہ کی تبدیلی سے نئے مسئلے آتے رہے، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد اور امام شافعیؒ اور بعد کے دور میں ہر زمانہ میں ایسے علماء آئے، آج بھی اس وقت ایسی اسلامی فقہ اکیڈمیاں دنیا میں قائم ہیں، جن کی روشنی میں نئے مسائل کے سلسلہ میں دنیا بھر میں علماء کرام کی الگ الگ

جماعتیں ہیں، کمیٹیاں ہیں، ہر ملک کی الگ ہے اور پوری دنیا کے علماء کی کمیٹیاں الگ ہیں، ہر ملک کے مسائل الگ ہوتے ہیں، وہ پہونچائے جاتے ہیں انٹرنیشنل فقہ اکیڈمیوں تک اور پھر وہاں سے پوری امت مسلمہ کے لئے جو نئے سے نیا مسئلہ پیش آیا ہو؛ اس کو حل کیا جاتا ہے، بتلانا یہ ہے کہ ایک طرف دین کے مسائل کی حفاظت کے لئے اللہ پاک نے یہ انتظام فرمایا۔

دوسری جماعت:

دوسری طرف امت میں جو عملی شکل میں نئی نئی چیزیں پیدا ہو جائے یا امت نئے آنے والے مسائل کی وجہ سے اپنے دین کو چھوڑ دیں، دنیا کی لالچ اور محبت میں یا کبھی مجبوری اور ضرورتوں کی بنیاد پر، یا کبھی نئے نئے عقائد امت میں آجائے تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرات صوفیائے کرام کی جماعت اور حضرات دعوت وعزیمت کی ایک جماعت ہر زمانہ میں ایسی رکھی جس نے اللہ کے اس دین کی حفاظت فرمائی، لوگوں کے مسائل آئے، ان کو حل کئے، لوگوں کی پریشانیوں کو حل کرنے کے لئے محنتیں کیں۔

امام محمدؒ اور مطالعہ کا شوق:

امام محمدؒ دیر رات تک مطالعہ کر رہے تھے، ان کی والدہ نے کہا: بیٹے محمد اب سو جاؤ، طبیعت پر اس کا اثر پڑے گا، حضرت امام محمدؒ نے فرمایا: والدہ محترمہ پوری امت سو گئی ہے اس لئے کہ وہ سمجھ رہی ہے کہ جب مسئلہ پیش آئے گا تو محمد کے پاس جائیں گے، اور کتاب وسنت کی روشنی میں مسئلہ حل ہوگا، اگر میں بھی سو گیا تو کل صبح میں امت کو کوئی مسئلہ پیش آئے گا تو میں کیا جواب دوں گا؟ امام محمدؒ کی طرح ایک پوری کھیپ اس امت کو اپنے اپنے علم اور اپنی اپنی محنتوں کے اعتبار سے ملتی رہی ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک ملتی رہے گی، یہ دین اپنی تمام قربانیوں کے ساتھ جس طرح جناب نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لے کر آئے بعینہ اسی طرح محفوظ ہے، اللہ پاک نے ہر زمانہ میں اپنے نیک اور صالح بندے ایسے پیدا فرمائے جن حضرات نے اس دین متین کی حفاظت کے لئے اپنی قربانیاں دیں۔

مفکر ملت حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ کا سانحۂ ارتحال:

دوستو اور عزیزو! انہیں بزرگوں میں سے ایک بزرگ صرف ہمارے گجرات ہی کے نہیں صرف ہمارے بھروچ ضلع کے ہی نہیں؛ بل کہ پوری دنیا کے ایک بہت بڑے عالم ربانی، ایک بہت بڑے صاحب دعوت وعزیمت بزرگ حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ دو دن پہلے اس دنیائے فانی سے کوچ کر کے دار آخرت کی طرف تشریف لے گئے، ان کے بارے میں پہلے ہی سے تصور تھا کہ یہ پورے عالم کے علماء کے محبوب ہیں لیکن جب آپ کی وفات ہوئی اور آپ کی وفات کے بعد عرب علماء، افریقہ، سعودی عربیہ، مصر وغیرہ کے بڑے بڑے علماء کی طرف سے حضرت کی تعزیت کے لئے کئی خطوط اور پیغامات آئے، کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ہم کسی ایک بزرگ کو اتنا نہیں جانتے ہیں جتنا دوسرے لوگ جانتے ہیں، حالاں کہ وہ ہمارے قریب کے ہوتے ہیں۔

شیخ احمد کھٹوؒ کی اصول فقہ میں گہری بصیرت:

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ نے فرمایا کہ شیخ احمد کھٹوؒ جن کا مزار سرخیج میں ہے، محمود بیگڑا کا بھی انہیں کے بازو میں مزار ہے، سرخیج میں یہ بزرگ مدفون ہیں، ہندوستان والے ان کو نہیں جانتے تھے، وہ سمرقند و بخارا کے علاقہ میں پہونچے اور وہاں اسلامک مسائل میں اصول فقہ؛ جن قاعدوں کی روشنی میں مسائل نکالے جاتے ہیں، ان اصول فقہ کے کسی مسئلہ میں وہاں کے بڑے بڑے علماء کے درمیان اختلاف چلا، یہ سیدھے سادے لباس میں وہاں پہنچے تھے، علماء اس مسئلہ کو حل نہیں کر سکے، شیخ احمد کھٹو نے کہا: اگر آپ اجازت دو تو میں بھی اس مسئلہ میں کچھ گفتگو کروں، ان لوگوں نے کہا: بڑے بڑے علماء اور بڑے بڑے اصولیین جو اس مسئلہ کو حل کرنے سے عاجز رہے اور آپ جیسا ایک عامی آدمی اس کو کیا حل کرے گا؟ کہا کہ میں نے بھی کچھ پڑھا ہے اگر میری بات آپ کی سمجھ میں آجائے تو قبول کرنا ورنہ رد کر دینا، اس کے بعد اس مسئلہ پر انتہائی عالمانہ اصولی انداز میں گفتگو کی اور اس مسئلہ کو حل کر دیا، وہاں کے علماء

نے کہا کہ اتنا بڑا گوہر نایاب ہم جانتے نہیں تھے کہ اس سادہ لباس میں ملبوس ہے اور پھر ان کی قدر کی، حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ گجرات کے لوگوں کو پتا نہیں ہے کہ گجرات میں سلطنت اسلامیہ کا بانی سلطان احمد شاہ اور دوسرے حضرات جن کے یہ شیخ ہیں اور احمد آباد شہر جو چار احمد کی نسبت سے آباد ہوا ہے، لاکھ نام بدلنے کی کوشش کی گئی، لیکن ہمارا اپنا یہ پچیس تیس سالہ تجربہ ہے، جب جب بھی اگلی حکومتوں نے احمد آباد شہر کا نام بدلنا چاہا، اللہ پاک نے حکومت میں ایسے حالات پیدا کئے کہ خود بخود یہ مسئلہ ٹلتا رہا، اس لئے کہ ایسے حضرات جن کی عصر کی سنتیں نہیں گئیں ہوں، ایسے لوگوں نے اس شہر کو آباد کیا ہے، یہ ان کی دعائیں ہیں۔

مفکر ملت کا امت کے تئیں درد اور کڑھن:

دوستو بزرگو! یہ بتلانا ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک اللہ والا ہمارے قریب میں ہوتا ہے؛ لیکن ہماری محرومی یہ ہوتی ہے کہ ہم وہاں تک پہونچ نہیں پاتے، شیخ احمد کے متعلق جیسے مولانا علی میاں ندویؒ نے فرمایا یہی حال حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی جن کو ہم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، اللہ پاک کے اس بندے نے پوری زندگی امت کی فکر میں لگادی، اسی لئے آپ کا نام مفکر ملت رکھا گیا، پوری امت کی فکر کرنے والے، چھوٹے چھوٹے مسئلے اگر کہیں ہوئے تو آپ بے چین ہوجاتے تھے، علماء کو جمع کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ اس مسئلہ کا حل کس طریقے سے نکالا جائے، یہ آپ کی بے چینی اور کڑھن تھی، اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ ہم تک اس پیغام کو پہونچایا، آپ نے اپنی کتابوں کے ذریعہ اپنے وعظ کے ذریعہ اپنے بیانات کے ذریعہ اپنی مجلسوں کے ذریعہ یہ بتلایا علماء کے لئے کہ آئندہ امت کی رہنمائی کرنی ہے، تو کس طریقے سے کی جائے، آپ نے اپنے بیانات کے ذریعہ اپنی کتابوں کے ذریعہ علماء کرام کے لئے ایک بڑا ذخیرہ چھوڑا ہے کہ آنے والے حالات میں اگر پریشانی آئے امت پر، تو ان کو کس طریقے سے حل کرکے امت کے لئے اس مسئلہ کو آسان کردیا جائے۔

دوستو اور بزرگو! اللہ پاک کی طرف سے قیامت تک کے لئے اس دین کو باقی رکھا ہے؛

لیکن کچھ حضرات ایسے ہوتے ہیں جو ہمہ گیر ہوتے ہیں، جن کو اللہ پاک امت کے کسی ایک مسئلہ کے لئے نہیں، اور امت کے کسی ایک طبقہ کے لئے نہیں؛ بلکہ اللہ پاک سارے طبقوں کے لئے اور سارے مسائل کے لئے منتخب کرتے ہیں۔

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے ایک کتاب لکھی ہے ''تاریخ دعوت وعزیمت''، اس امت میں دعوت دینے والے اور امت پر حالت آئے تو عزیمت کے ساتھ اپنے آپ کو پختہ رکھ کر کسی طریقہ سے مسئلہ حل کیا جائے۔

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ اور احیائے شریعت:

اسی ہندوستان میں شیخ احمد سرہندیؒ، جن کو ہم مجدد الف ثانی کہتے ہیں، سرہند میں جن کا مزار ہے، اکبر کے سامنے مسئلہ آیا سجدہ کرنے کا، اکبر پورا دین اسلام بدلنا چاہ رہا تھا، کچھ ایسے لوگ اس کے دربار میں آگئے تھے جنہوں نے اسلام کے متعلق یہ کہا کہ ہر مذہب کی ایک مدت ہوتی ہے، اسلام کو ایک ہزار سال گذر گئے اس لیے یہ آؤٹ آف ڈیٹ ہو چکا ہے، ڈیٹ پوری ہو چکی ہے اس کی، اب نیا دین لانا ہے، اس بنیاد پر اکبر نے دین الٰہی کی بنیاد رکھی، اور جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت میں تبدیلی کر کے نئی نئی چیزیں اسلام میں داخل کی گئیں، ایسے موقع پر حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، اکبر کا ایک مدت کے بعد انتقال ہو گیا، جہانگیر کے زمانے میں پھر آپ کو قید میں ڈالا گیا، اس لئے کہ آپ نے ان باتوں کے ماننے سے انکار کر دیا، کسی نے آپ کو کہا کہ تصوف کے اعتبار سے یہ کر لو، وہ کر لو، اور کسی طرح تاویل کر کے سجدے کو جائز قرار دو، اس موقع پر آپ نے ایک جملہ فرمایا، کسی نے فتوحات مکیہ کا حوالہ دیا، یہ علامہ ابن العربی کی کتاب ہے، فصوص الحکم، یہ بھی تصوف کی کتاب ہے، ان کے حوالے بھی دئے، تو آپ نے جواب میں فرمایا: ہمیں نصوص چاہئے، فصوص کی ضرورت نہیں، کتاب اللہ اور احادیث نبویہ سے دلیل لاؤ اور سجدۂ تعظیمی کو کسی طرح جائز قرار دو، جب نہیں ہے! قرآن نے صاف فرمادیا، وہ سجدہ کی آیت ۱۷ پارہ میں ہے، اللہ پاک صاف فرماتے

ہیں کہ کسی کے لئے کسی طرح کا سجدہ جائز نہیں، آپ کے سامنے فتوحات مکیہ کے حوالے سے کچھ باتیں کہی گئیں، آپ نے فرمایا: فتوحات مدنیہ نے ہمیں فتوحات مکیہ سے بے نیاز کر دیا ہے، یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت نے اور آپ کی احادیث نے ہمارے لیے ابن العربی کی کتاب فتوحات مکیہ کی ضرورت باقی نہیں رکھی۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ جیل میں گئے وہاں سے خط لکھ رہے ہیں، ان کے صاحبزادے کہہ رہے ہیں کہ آپ کی یاد بہت ستا رہی ہے اور ہم چاہ رہے ہیں، ہم سفارش کر کے کسی طریقہ سے آپ کو گوالیر کی جیل سے رہائی دلوائیں، آپ نے فرمایا ہرگز نہیں، اور فرمایا ملاقات مقدر ہے تو اس زمین پر ہوگی ورنہ پھر اللہ تعالیٰ کے وہاں ملاقات ہوگی، میں اس جیل سے اپنے جنازہ کو نکالنے کے لئے تیار ہوں؛ لیکن جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دین میں جو تبدیلی کی جارہی ہے، ہندو واد جو یہاں لایا جارہا ہے اور الگ الگ مذاہب کا ایک نیا شوشہ چھوڑ کر دین الٰہی کی شکل میں اسلام کو مٹانے کی کوشش کی جارہی ہے، ہرگز میں اس کو برداشت نہیں کروں گا، علامہ اقبالؒ نے ایسے ہی شیخ احمد سرہندیؒ کے متعلق نہیں فرمایا "وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں" ہندوستان میں اسلام کے سرمایہ کی حفاظت اس اللہ کے بندے نے گوالیر کی جیل میں جا کر فرمائی۔

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

یہ توفیق دی اللہ پاک نے اور آپ کو اس فتنۂ عظیمہ کے لئے چوکنا کر دیا، اور آپ نے اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ علامہ اقبال کہہ رہے ہیں

گردن نہ جھکی جس کی جہاں گیر کے آگے جس کے نَفَس گرم سے ہے گرمیٔ احرار

آج بھی ہندوستان میں جو اسلام باقی ہے، یہ انہیں کی گرم سانسوں کی بنیاد پر انہیں کی آہ و زاری اور انہیں کی تکلیف برداشت کرنے کی وجہ سے ہے، تو اللہ پاک نے اس دین متین کی حفاظت کے لئے ہر زمانہ میں اہل اللہ کی ایک جماعت رکھی ہے، اہل عزیمت کی ایک جماعت رکھی ہے جو حق بات کو کہنے میں وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ۚ (مائدہ: ۵۴) کسی کا خوف محسوس نہیں کرتے۔

موت اور زندگی کا نظام قدرت:

دوستو اور بزرگو! ایک چیز ہمارے سامنے ہے، اللہ پاک نے قرآن کریم میں فرمایا وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۗ اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۗ (آل عمران: ۱۴۴) اس روئے زمین پر اللہ پاک نے ہر ایک کے لیے موت کا ایک وقت مقرر فرمایا، اسی لئے اللہ پاک نے جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک آیت میں فرمایا: وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۭ اَفَاۡىِٕنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴿۳۴﴾ (انبیاء: ۳۴) ہم نے کسی کے لئے اس دنیوی زندگی میں ہمیشگی نہیں رکھی، مکہ والے یہ سمجھ رہے ہیں کہ اس زندگی کے بعد کوئی زندگی نہیں ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر طعنے لگا رہے ہیں، اللہ پاک نے فرمایا کہ اگر آپ اس دنیا سے جائیں گے، موت کا مزہ آپ چکھیں گے فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴿۳۴﴾ مکہ والے ہمیشہ باقی رہیں گے؟ كُلُّ نَفْسٍ ذَاۗىِٕقَةُ الْمَوْتِ ۭ (آل عمران: ۱۸۵) ہم میں سے ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا ہے، اگر زندگی ہمیشہ کے لئے ہوتی تو جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی کے لئے ہوتی؛ لیکن جب آپ کے لئے قرآن کریم نے فرمادیا، اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿۳۰﴾ (زمر: ۳۰) آپ بھی اس فانی دنیا کو چھوڑ کر ہمارے پاس تشریف لے آئیں گے تو کیا یہ باقی رہیں گے؟ یعنی یہ بھی انتقال کر جائیں گے، یہ اللہ پاک نے ایک نظام بنایا ہے، اس لئے بزرگوں کی موت یا کسی بھی انسان کی موت ہر مؤمن کے لئے ایک چوکنا رہنے کی چیز ہے، آج ان کا جنازہ گیا کل میرا بھی جانے والا ہے، حضرت شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں ''تا بانگ برآید کہ فلاں نہ ماند'' روزانہ ہم لاؤڈاسپیکر سے سنتے ہیں، فلاں کا انتقال ہوا جنازہ کا یہ وقت ہے، ہمارے کان سنتے ہیں اور ہماری آنکھیں دیکھتی ہیں جنازہ کو، لیکن کوئی عبرت نہیں، حضرت عمرؓ کا قول ہے: **حاسبوا انفسکم قبل ان تحاسبوا.** (ترمذی: أبواب صفة القيامة، رقم: ۲۴۵۹) اپنا حساب خود لے لو، اس سے پہلے کہ فرشتہ تمہارا حساب لے، اور مقولہ مشہور ہے: **موتوا قبل ان تموتوا.** اس سے پہلے اپنی موت کا تصور کرو جب کہ یہ موت اپنی آنکھوں کے سامنے ہو، وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا

یَسۡتَقۡدِمُوۡنَ﴿۳۴﴾ (اعراف: ۳۴) نہ ایک گھڑی آگے بڑھے گی اور نہ ایک گھڑی پیچھے ہو سکے گی۔

قرآن کریم نے فرمایا لَّا بَيۡعٌ فِيۡهِ وَلَا خُلَّةٌ (بقرہ: ۲۵۴) اس دن نہ کوئی کاروبار کام آئے گا اور نہ کوئی دوستی کام آئے گی اور حدیث شریف میں فرمایا اس سے پہلے پہلے یہ درہم اور دینار چلنے نہ پائے کسی کا قرض ہے کسی کا حق ہے تو اس سے پہلے پہلے ادا کر دو کہ جس دن یہ روپیہ اور پیسہ کام نہیں دے گا۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ زلزال میں یہ فرمایا وَاَخۡرَجَتِ الۡاَرۡضُ اَثۡقَالَهَا﴿۲﴾ (زلزال: ۲) حضرات مفسرین فرماتے ہیں قیامت سے پہلے پہلے زمین اپنے سارے خزانے اگل دے گی، سونا، چاندی اور نامعلوم کیا کیا معدنیات اور گھاس جو زمین کے اندر ہے، یہ سب اوپر آجائے گی۔ حضرت حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اس وقت مال کی بنیاد پر کسی نے کسی کو قتل کیا ہوگا، وہ کہے گا کہ ہائے افسوس کہ میں نے اس کے لئے اپنے بھائی کو اپنے رشتہ دار کو، اپنے کسی دوست کو، اپنے ساتھ کسی معاملہ کرنے والے کو قتل کر دیا اور آج یہ مال پڑا ہوا ہے؛ لیکن کوئی اس کو لینے والا نہیں، زمین سارے خزانے اگل دے گی، اس دن سے پہلے پہلے انسان اپنی موت کی فکر کرے، قرآن کریم کی جو آیت میں نے آپ کے سامنے پڑھی، اللہ پاک فرماتے ہیں كُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ ؕ (آل عمران: ۱۸۵) ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا ہے ''ان خیرا فخیر و ان شر افشر'' اور تمہیں پورا پورا بدلہ دیا جائے گا قیامت کے دن، اچھا کیا ہوگا تو اچھا بدلہ ملے گا اور برا کیا ہوگا تو برے کا نتیجہ وَاِنَّمَا تُوَفَّوۡنَ اُجُوۡرَكُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ آگے اللہ پاک فرماتے ہیں فَمَنۡ زُحۡزِحَ عَنِ النَّارِ جو شخص جہنم کی آگ سے بچا لیا گیا، وَاُدۡخِلَ الۡجَـنَّةَ فَقَدۡ فَازَ ؕ (آل عمران: ۱۸۵) اور اس کو جنت کا پروانہ مل گیا فَقَدۡ فَازَ وہ کامیاب ہو گیا۔

اصحاب یمین اور اصحاب شمال:

دوستو اور بزرگو! اس مختصر سے جملوں سے اللہ پاک نے ہمیں پوری زندگی بتلائی، دوسری آیتوں میں فرمادیا اصحاب جنت، اصحاب مقربین، اصحاب یمین ان کا کیا حال ہوگا، فَاَمَّاۤ اِنۡ كَانَ مِنَ

الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۸۸﴾ (واقعہ:۸۸) اور پھر اللہ پاک نے مکذبین کے بارے میں فرمایا فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۹۳﴾ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿۹۴﴾ (واقعہ:۹۳،۹۴) جہنم کا کھولتا ہوا گرم پانی پینا ہوگا اور پھر وہ اگلتے بھی نہیں بنے گا اور نگلنے سے بھی نہیں بنے گا، اور حدیث شریف میں اس کی تشریح فرمائی کہ جب وہ پانی پیئے گا اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾ (دخان:۴۳) تھوہر کا درخت گلے میں اٹک جائے گا، اس کے لئے پانی مانگے گا تو وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ (ابراہیم:۱۶) گرم کھولتا ہوا کبھی تو خون دیا جائے گا، کبھی پیپ دیا جائے گا، کبھی جہنمیوں کا دھوون دیا جائے گا وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ﴿۳۶﴾ (حاقہ:۳۶) یہ ساری چیزیں قرآن میں ذکر فرمائی، سارے مناظر قرآن نے ذکر کئے فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ اللہ پاک سے ہم دعا کریں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں کامیابی والی زندگی نصیب فرمائے، آگے اللہ پاک نے ایک اور مختصر جملہ فرمایا، یہ دنیا کی زندگی دھوکہ کا سامان ہے، متاع الغرور ہے، اس نے کبھی کسی کے ساتھ یاری اور دوستی نہیں کی ہے، اچھے اچھوں کو بھی زمین نگل گئی۔

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

شاعر یہ کہہ رہا ہے کتنے بڑے بڑے آسمانوں کو یعنی بادشاہوں کو، کتنے بڑے بڑے لوگوں کو! عبد الملک بن مروان مرتے وقت کہہ رہا ہے کہ اب دنیا سمجھ میں آئی ہے، سکندر نے دونوں ہاتھ خالی چھوڑے، دنیا والوں کو بتلایا کہ کچھ لے کر نہیں جا رہا ہوں، حدیث شریف میں فرمایا اپنی قبروں سے نکلو گے تو ننگے جسم ہوں گے، ننگے بدن ہوں گے، ننگے پیر ہوں گے، یہ ایک منظر ہوگا، یہ بتلایا کہ جا رہے ہو سب کچھ چھوڑ رہے ہو اور نکلو گے تب بھی یہ حال۔

اللہ پاک ہمیں آخرت کا استحضار نصیب فرمائے، بیماریوں کو دیکھ کر، لوگوں کی موت کو دیکھ کر ہمیں عبرت لینے کی توفیق عطا فرمائے، یہ جو دل سخت ہو چکے ہیں اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو نرم فرمائے اور آخرت کی طرف ہمارا دل لگے اور ہم موت کی تیاری اس سے پہلے پہلے کریں، اللہ پاک اس کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(۶)

تاریخ سائنس

(گارڈن مسجد، بھروچ)

الحمد لله رب العالمین ، و الصلاۃ و السلام علی سید الانبیاء و المرسلین وعلی آله واصحابه اجمعین. اما بعد! قال الله تبارك وتعالیٰ فی کلامه المجیدو الفرقان الحمید.

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
وَكَذٰلِكَ نُرِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْهِ الَّیْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ﴿۷۶﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَىِٕنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ﴿۷۸﴾

(انعام: ۷۵-۷۸)

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴿۳﴾ (حدید: ۳)

صدق الله العظیم و صدق رسوله النبی الکریم و نحن علیٰ ذلک لمن الشاهدین و الشاکرین و الحمد لله رب العالمین.

محترم ومکرم حضرات علماء کرام اور ایمان والے بھائیو! قرآن پاک کی جن آیات کی آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی ہے اس میں انسانی زندگی میں شرک اور کفر اور الحاد کس طریقہ

سے آتا ہے اور اس کو کس طرح دور کیا جاسکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو ذکر فرمایا ہے، یہ موضوع میں نے آپ حضرات کے سامنے اس لئے منتخب کیا کہ اس وقت دنیا کی جتنی پریشانیاں ہیں، سائنس اور ٹکنالوجی کی تمام راحتوں اور سہولتوں کے باوجود دنیا جس پریشانی میں مبتلا ہے، شاید اس سے پہلے انسان اتنی تکلیف اور پریشانی میں مبتلا نہ ہوا ہو، راحت اور آرام کے یہ نقشے ہونے کے باوجود آج کا انسان پچھلے انسان سے زیادہ پریشان ہے۔

کفر اور شرک کی تباہ کاریاں:

دنیا کے اندر دو چیزیں ہیں، جنہوں نے انسان کو تباہ کیا، پہلی چیز ہے شرک، اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں مخلوق کو شریک کرنا، روزی دینے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، دوسرے کو روزی دینے کا مالک سمجھنے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، عزت اور ذلت کے سارے نقشے اللہ پاک کے اختیار میں ہے، مخلوق سبب تو بن سکتی ہے؛ لیکن جب تک اللہ پاک نہ چاہے وہاں تک کوئی نہ کسی کو عزت دے سکتا ہے اور نہ ذلت دے سکتا ہے، حاصل یہ ہے کہ اللہ پاک کی جتنی صفات ہیں ان صفات میں مخلوق کو شریک کرنا یہ کائنات میں سب سے زیادہ خسارہ اور نقصان ہے انسان کے لئے، اور اسی کے نتیجہ میں انسانوں نے انسانوں کو اپنا غلام بنایا، کسی نے خدائیت کا دعوی کیا اور کسی نے اپنے آپ کو بڑا سمجھا اور دوسروں کو چھوٹا سمجھا، یہ ساری پریشانیاں آئیں شرک کی بنیاد پر، میں نے آپ حضرات کے سامنے سیدنا ابراہیمؑ کا واقعہ نقل کیا، آپ نے اپنی قوم کے سامنے جو دلیلیں پیش کیں، یہ دلیلیں اس زمانہ کے انسانوں کے شرک کی بنیاد کی طرف اشارہ کرتی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ۝۷۵

حضرت ابراہیمؑ کے تین واقعات:

آسمانوں اور زمین کی ساری چیزوں کی نشانیاں سیدنا ابراہیمؑ کو اللہ تعالیٰ نے بتلائی؛ تاکہ آپ دنیا کو ڈرانے والے بنیں، اسی میں آپ کے تین واقعات کو قرآن کریم نے ذکر فرمایا، سب

سے پہلے فرمایافَلَمَّا جَنَّ عَلَيۡهِ الَّيۡلُ رَاٰ كَوۡكَبًا جب رات کا اندھیرا چھا گیا، حضرت ابراہیمؑ نے ستارے کی طرف دیکھا، روشنی کی بظاہر وہی ایک شکل تھی اور سارا اندھیرا تھا، اس زمانہ میں ہماری طرح لائٹ اور بجلی کا انتظام نہیں تھا، ہلکے سے دیئے اور فانوس وغیرہ کا انتظام تھا، جب اندھیرا چھا گیا، اس میں ستارے کی روشنی نمودار ہوئی، سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: قَالَ هٰذَا رَبِّىۡ‌ۚ یہ میرا رب ہوسکتا ہے، جب یہ غروب ہوگیا، پھر اس کے بعد چاند نظر آیا، ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا یہ میرا رب ہوسکتا ہے، لیکن یہ بھی جب غروب ہوگیا، غائب ہوگیا، ابراہیمؑ نے فرمایا غروب ہونے والا، ڈوبنے والا میرا رب اور میرا نفع نقصان کا مالک نہیں ہوسکتا، پھر اس کے بعد آپ نے سورج کو دیکھا جو سب سے زیادہ روشن تھا، کہا یہ میرا رب ہے، یہی بڑا رب ہے، اس سے پہلے دو کمزور تھے، اور یہ زیادہ روشنی دینے والا ہے؛ لیکن جب سورج بھی غروب ہوگیا تو ابراہیمؑ نے فرمایا، قَالَ يٰقَوۡمِ اِنِّىۡ بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تُشۡرِكُوۡنَ ۞ (انعام:۷۸) اے میری قوم! جن جن چیزوں کو تم اللہ کی خدائی میں شریک قرار دیتے ہو، میں ان سب سے بیزار ہوں۔ یہ تینوں چیزیں آپ نے اپنی قوم کو سمجھانے کے لئے فرمایا؛ لیکن ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت کا انسان جو چیزیں انسان کو چمکدار نظر آتی، جو فائدہ پہنچانے والی نظر آتی، انسان اس کی پرستش اور اس کی عبادت کرتا اور جو چیزیں اس کو راحت دینے والی ہوتی ان کی عبادت کرتا تو نفع اور نقصان دینے والی چیزوں کو اس زمانہ کے انسانوں نے پسند کیا۔

کفر اور شرک نے ہر زمانہ میں انسان کو پریشان کیا:

مجھے آپ کے سامنے بات کو مختصر کر کے پیش کرنا ہے کیونکہ اصل بات جو ہے وہ دوسری ہے، شرک اور کفر اس نے ہر زمانہ میں انسان کو پریشان کیا، انسان کو خدائیت کا درجہ دیا، پھر بادشاہوں نے اپنے آپ کو یہ سمجھا کہ ہم بھی نعوذ باللہ خدا کا ظل اور خدا کا سایہ ہیں اور انہوں نے اپنے آپ کو خدائیت کا درجہ دیا، انبیاء کرام تشریف لائے تو سب سے زیادہ رکاوٹ جنہوں نے سمجھی، قوم کے چودھریوں اور بڑوں نے اور راجا مہاراجاؤں نے یہ سمجھا کہ ہماری جو خدائیت

چل رہی ہے، جب اللہ کو خدا مانا جائے گا تو ہمیں انسانوں جیسا سمجھا جائے گا جو اصل حقیقت ہے اور ہماری بادشاہت چلی جائے گی، ہم بھی عام انسانوں جیسے ہو جائیں گے؛ اس لئے انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں سب سے زیادہ یہی بڑے لوگ آئے، قرآن کریم میں فرمایا وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ (انعام: ۱۲۳) قوم کے جو بڑے لوگ ہیں یہ مجرم اور سردار، ان لوگوں نے نبیوں کی مخالفت کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے، آپ نے اس شرک کو آخری درجہ میں حکومت کے اعتبار سے ختم فرمایا، نظریہ کے اعتبار سے شرک کو آپ نے مغلوب کر دیا، کمزور کر دیا، اس لئے کہ آپ کی تعلیم کے ذریعہ پوری انسانیت کو معلوم ہو گیا کہ تم سب کا رب بھی ایک ہے اور تم سب کا باپ حضرت آدمؑ بھی ایک ہے، کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور اس کے ساتھ خدا کی خدائیت جب مانی گئی تو اس کے احکام اور اس کے قانون ہی کو اصل درجہ دیا گیا، انسانی قانون اور انسانی احکامات کو خدا کے احکام کے تابع ہو کر مانا گیا، یہ تو ہے شرک، جو پہلے زمانہ سے چلا آرہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آکر اس کی کمر توڑ دی، اور پھر اس کے بعد مسلمانوں نے اس شرک کو ختم کرتے ہوئے سائنس کی دنیا کو وجود بخشا، جو انسان سورج کو دیوتا سمجھتا ہو، چاند کو دیوتا سمجھتا ہو، دریا اور سمندر کو معبود سمجھتا ہو، وہ ان چیزوں میں ریسرچ اور تحقیق نہیں کر سکتا، اس کو تو اس نے خدائیت کا درجہ دیا ہے۔

سائنس اور ٹکنالوجی کے موجد؛ مسلمان:

جب تک اسلام نہیں آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم دنیا میں نہیں پھیلی وہاں تک دنیا سائنس اور ٹکنالوجی سے محروم رہی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور آپ کے بعد خلفاء راشدین اور پھر بنوامیہ اور بنوعباس کی حکومت آئی اور انہوں نے سائنس اور ٹکنالوجی کی دنیا میں ابتداء کی، ہارون رشید، مامون رشید، منصور، ان سب نے سائنسی دنیا کو آگے بڑھایا اور پوری دنیا پر سائنس مسلمانوں کی برکت سے عام ہوگئی، دنیا نے اچھی اچھی چیزوں اور ضروریات سے فائدہ اٹھایا، اس لئے کہ مسلمانوں نے یہ سمجھا هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا

(بقرہ:۲۹) اسی خدا نے تمہارے لئے زمین اور آسمان کو پیدا کیا، وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ؕ (جاثیہ:۱۳) آسمان اور زمین کی تمام چیزیں نفع اٹھانے کے لئے، برتنے کے لئے ہے، ریسرچ اور (સંશોધન) کے لئے ہے، یہ خدائیت کے درجہ کے لئے نہیں ہے، جب انسان کا یہ عقیدہ ہو گیا تو پھر دنیا نے سائنسی دنیا میں ترقی کی۔

ترکوں کی سائنس سے دوری:

لیکن مجھے آپ کے سامنے ایک دوسری چیز عرض کرنی ہے یہ تو شرک کا دور تھا، مسلمانوں نے سائنس میں چھ سو سال تک مکمل ترقی کی، اس کے بعد بنو امیہ اور بنو عباس کی حکومت ختم ہوئی، اور ترکی سلاطین عثمانی بادشاہ آئے اور چونکہ یہ بہادر قوم تھی، لیکن علم سے ان کا کوئی واسطہ نہ تھا اس لئے علم کا دھارا کم ہوتا گیا سائنس اور ٹکنالوجی کا، لہٰذا عیسائیوں نے مسلمانوں سے سیکھ کر اسپین (Spain) اور یورپ کے رومن علاقوں میں سائنس اور ٹکنالوجی کو آگے بڑھایا، مسلمان اس میں پیچھے ہو گئے اس لئے کہ یہ جو سائنس اور ٹکنالوجی ہوتی ہے، یہ کسی بادشاہ اور کسی بڑے مالدار کی ماتحتی میں چلتی ہے، اس کے لئے کروڑوں اربوں روپیہ چاہیے ریسرچ کے لئے، خلافت بنو عباسیہ وہ روپیہ خرچ کرتی تھی، اور اس طرح سائنس آگے بڑھی، اسپین میں اسلامی حکومت تھی بنو امیہ کی، اسلامی نظام کے ساتھ سائنس آگے بڑھی، اتفاق سے یہ دونوں حکومتیں ختم ہو گئی، ترک قوم کی حکومت آئی اور ترک قوم نے بہادری اور شجاعت سے چار سو سال تک اسلامی جھنڈے کو پورے یورپ میں لہرایا؛ لیکن ایک کمزوری یہ تھی کہ وہ علم کے ساتھ نہیں تھی، سائنس اور ٹکنالوجی کے ساتھ ان کی وہ لگن نہیں تھی، آج چونکہ دنیا دوسری ہے، آج عرب پیچھے ہے اور الحمد للہ ترکی آگے ہے سائنس اور ٹکنالوجی میں، اس لئے آج یہ چیز آپ کو سمجھ میں نہیں آئے گی، لیکن آج سے پانچ سو چھ سو سال پہلے ایک طرف مسلمان سائنس میں پیچھے ہوئے، دوسری طرف یورپ مسلمانوں ہی سے سیکھ کر آگے بڑھے، اب یہاں سے اس وقت کی ساری خرابی اور پریشانی کی جو بنیاد ہے، وہ مجھے آپ کو بتلانا ہے۔

مسلمانوں کے پاس جب تک سائنس تھی اورقرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے جوسائنس کے مسائل کوذکرکیا؛ مسلمانوں نے قرآن اور حدیث کے تابع ہوکران چیزوں میں ریسرچ کیا؛ جب تک اسلام کے ساتھ یورپ نہیں آیا تھا؛ سائنس کی دنیا مسلمانوں کے ساتھ تھی، ہر سائنس داں خداکو ماننے والا اور ہرسائنٹسٹ قرآن اور حدیث کی روشنی میں دنیامیں ریسرچ کرتا تھا،اس لئے دنیامیں کوئی تکلیف اور پریشانی نہیں تھی۔

مذہب میں ملاوٹ:

لیکن جب یورپ کے بعض سائنٹسٹ آئے، اس وقت ایک تیسری چیز کھڑی ہوئی، یورپ کا چرچ اور پادری، یورپ میں عیسائی مذہب جو پہنچا وہ قسطنطین بادشاہ کے ذریعہ،آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لانے سے ساڑھے تین سوسال پہلے اس نے عیسائی مذہب قبول کیا،اور پورے یورپ میں اس نے عیسائی مذہب پھیلایا، اسلام ابھی نہیں آیا تھا، اس نے پورے یورپ میں عیسائی مذہب کو پہنچایا،لیکن عیسائیوں نے جوغلطی کی اس کے نتیجہ میں آج پوری دنیا پریشانی برداشت کررہی ہے، سیدنا عیسیٰ علیہ السلام جس دین کو لے کر آئے تھے، وہ توحید والا دین تھا، تمام انبیاء کا دین ایک ہوتا ہے، شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ (شوری: ۱۳) اس لئےعیسیٰ علیہ السلام کی سبھی تعلیم توحید والی ہے؛ لیکن عیسائیوں نے یہ سمجھا کہ یورپ میں جب عیسائی مذہب کو پھیلانا ہے، وہاں کےلوگوں کے جوغلط عقیدے تھے ان کا انھوں نے مطالعہ کیا،تو پتہ چلا کہ رومن لوگ اور یورپ کےلوگ اپولونام کےایک دیوتا کو خدا کا بیٹا سمجھتے تھے،عیسائیوں نے یہ سمجھا کہ وقتی طور پر ہم بھی عقیدہ میں کچھ گڑبڑ کردیتے ہیں ان لوگوں کواپنی طرف لانے کے لیےاور ہم بھی اپنے عقیدہ میں کچھ چینجز (Changes) کریں، کچھ تبدیلی کریں اوراس طرح سے یہ لوگ عیسائی مذہب میں داخل ہوجائیں گے،تو اس وقت عیسائیوں نے سیدنا عیسیٰ ؑ کے متعلق یہ غلط عقیدہ تجویز کیا،نعوذ باللہ عیسیٰ ؑ اللہ کے بیٹے

ہیں، اب یورپ والوں کو یہ پتہ چلا کہ ہم اپولو کو دیوتا مانتے ہیں اور اللہ کا بیٹا مانتے ہیں اور یہ نئی حکومت آئی ہے قسطنطین کی اسی کے نام پر قسطنطنیہ شہر آباد ہوا ہے، یہ لوگ بھی یہ کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔

جس طرح اپولو کی عبادت کرتے تھے، عیسیٰ کی عبادت کروگے تو کوئی فرق نہیں، اس طرح عیسائی لوگوں نے اپنے مذہب کو پھیلانے کے لئے سیدنا عیسیٰ ؑ کی اصلی تعلیم کو بھلا دیا اور اس کے بجائے انہوں نے یورپ کا جو شرک تھا وہ عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں ملا دیا، جب تک مسلمان سائنس کے ساتھ رہے وہاں تک تو کوئی گڑبڑ نہیں آئی لیکن جب عیسائی دنیا سائنس میں داخل ہوئی، بیچ میں بہت ساری باتوں کو میں چھوڑ رہا ہوں جو تاریخ کی ہے، سائنس کی بعض معلومات ہے، جب یورپ کے ان لوگوں نے مسلمانوں سے سیکھ کر سائنس اور ٹکنالوجی میں بعض نئے نئے نظریات پیش کئے، تو عیسائی مذہب وہ اصلی مذہب نہیں رہا، وہ فلسفہ اور یونانیوں کی باتوں کی ملاوٹ کے ساتھ عیسائی مذہب بن گیا۔

چرچ کے پادری اور سائنس دانوں کے مابین نظریاتی ٹکراؤ:

اب جب سائنس کی دنیا آئی تو یہ عیسائی مذہب جو تبدیلی والا تھا، یہ مقابلہ نہیں کرسکتا تھا سائنس کا، اس کی وجہ تھی کہ اس میں جو نظریات تھے وہ انہوں نے یونان سے لیے تھے، یورپ والوں سے لیے تھے اور وہ حضرت عیسی علیہ السلام کی تعلیمات نہیں تھی، اس کے نتیجہ میں یہ ہوا کہ جب سائنس دانوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ یہ زمین بھی گردش کرتی ہے تو چرچ اور پادریوں نے یہ کہا کہ نہیں! زمین ہرگز گردش نہیں کرسکتی، کیوں کہ زمین تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی جگہ ہے، یہ کس طریقہ سے چکر لگا سکتی ہے، چکر لگانے والی چیز تو تابع ہوتی ہے، ہم کعبۃ اللہ کا طواف کرتے ہیں ہم اپنے آپ کو تابع سمجھتے ہیں، جو آدمی چکر لگاتا ہے، પ્રદક્ષિણા کرتا ہے یہ کسی کے تابع اپنے کو سمجھتا ہے، تو پادریوں نے یہ کہا کہ، ہرگز نہیں، زمین گردش نہیں کرسکتی، جب ایسے سائنسی نظریات آئے اور آپس میں ٹکراؤ ہوا، اس وقت

چرچ اور پادریوں کا غلبہ تھا، بادشاہوں سے ان کو مدد مل رہی تھی، اس لئے کہ بادشاہ بھی یہ سمجھ رہے تھے کہ چرچ والے بھی ہم کو بڑا بنا رہے ہیں، اب اگر یہ سائنس آئی تو بادشاہت بھی ختم ہو جائے گی اور مذہب بھی ختم ہو جائے گا، اس لئے کہ اس مذہب میں طاقت تھی نہیں، خیر؛ اس کے نتیجہ میں یہ ہوا کہ چرچ اور سائنس دانوں کی لڑائیاں ہوئیں، ہزاروں سائنس دانوں کو جیل میں ڈال دیا گیا، زندہ جلایا گیا اور بہت سوں کو بہت سی سزائیں دی گئیں؛ لیکن آہستہ آہستہ سائنس ترقی کرتا گیا۔

چرچ کے پادری اور سائنس دانوں میں سمجھوتا:

اب چرچ نے دیکھا کہ ہماری طاقتیں کمزور ہو گئیں ہیں، عیسائی مذہب کے پادریوں اور سائنس دانوں نے مل کر ایک سمجھوتا کیا، دوستو! وہی سب سے بڑا بگاڑ ہے، اس سمجھوتے میں یہ طے ہوا کہ جن کو چرچ میں جانا ہو وہ چرچ میں جائے؛ لیکن زندگی کے دوسرے مسائل میں پادریوں کی کچھ نہیں چلے گی، چرچ کی کچھ نہیں چلے گی، تجارت کیسی کرنی ہے، یہ ہم اپنی عقل اور اپنی سمجھ سے کریں گے، ہمیں کھیتی باڑی کیسے کرنی ہے، سائنس اور ٹکنالوجی کی دنیا میں کیسے رہنا ہے، یہ مذہب طے نہیں کرے گا، یہ ہم اپنے اعتبار سے طے کریں گے، نتیجہ یہ ہوا کہ مذہب زندگیوں سے نکل گیا اور صرف انسانی عقل اور انسانی سمجھ ہی سے دنیا کی چیزوں کی شروعات ہوئی۔

دنیوی نظام کو بگاڑنے والے چار بڑے فلسفی:

اس میں چار بڑے فلسفی آئے جنہوں نے اس دنیوی نظام کو بگاڑنے میں سب سے بڑا رول ادا کیا۔

سب سے پہلا آئزک نیوٹن (Isaac Newton) جس نے یہ کہا کہ سیب زمین پر اوپر سے نیچے گرا، معلوم ہوا کہ ہر چیز میں کشش ہے (ગુરૂત્વાકર્ષણ બળ) چنانچہ اس نے یہ نظریہ ایجاد کیا اور پھیلایا، شروع میں یہ نظریہ سادہ تھا، لیکن سائنس دانوں نے کہا کہ جب ہر چیز

میں کشش ہے تو یہ پوری کائنات خود بخود بنی ہے، نیچر سے بنی ہے، نعوذ باللہ کسی پیدا کرنے والے کی ضرورت نہیں، ہمیں سمجھ میں نہیں آرہا تھا اس لئے خدا کو مانا تھا، اب جب سائنس نے ہر چیز کی علت اور ہر چیز کی وضاحت بتلائی، تو اب خدا کی کیا ضرورت ہے؟

آئزک نیوٹن کے بعد چارلس ڈارون (Charles Darwin) آیا، اس نے انسانوں کے متعلق کہا کہ انسان بندر سے بنا ہوا ہے (Theory of Evolution) اور یہ انسان اور یہ جانور سب چیزیں خود بخود پیدا ہوئیں، خود بخود ارتقاء اور ترقی کرتی گئی، ان دونوں نے خدا کے وجود کے انکار میں سب سے زیادہ حصہ لیا۔

تیسرے نمبر پر سگمنڈ فرائڈ (Sigmund Freud) آیا، جس نے یہ کہا کہ انسان جانوروں جیسا ہے، دوسرے جانور جس طریقہ سے ہے اس طرح انسان بھی ایک جانور ہے સામાજિક પ્રાણી ہے، اس لئے نکاح اور طلاق، حلال اور حرام چیزیں، جانوروں کے لئے کوئی چیز حلال اور حرام نہیں ہوتی ہے، انسانوں کے لئے بھی اسی طرح مذہب کی بندش اور حلال اور حرام کی کوئی پابندی کرنے کی ضرورت نہیں، جو چیز پسند آئے اس کو کھاؤ، اور جو چیز پسند نہ آئے اس کو نہ کھاؤ، اپنی پسند کے مطابق زندگی گزارو، کھانے میں پینے میں، رہنے میں ہر چیز کے اندر جس طرح جانور آزاد ہے، ایسے انسان بھی آزاد ہونا چاہیئے، مذہب کا جو آخری بندھن تھا وہ اس نے آکر توڑ دیا۔

چوتھا اس کے بعد کارل مارکس (Karl Marx) جس نے کمیونزم (સામ્યવાદ) کی بنیاد ڈالی، اور خدا کا انکار اس نے بھی کیا، یہ چند آدمی بڑے ہیں اور ان کے علاوہ بھی بہت سارے ہیں۔

دوستو بزرگو! اس وقت سائنس خدا کو بھول کر اور اللہ پاک کی طاقت کو اللہ پاک کے احکام کو بھول کر اپنی جگہ سے جب ہٹ گئی تو یقینی بات ہے، قرآن کریم میں چودہ سو سال پہلے اعلان فرمایا، اِنۡ يَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنۡ هُمۡ اِلَّا يَخۡرُصُوۡنَ۝۶۶ (یونس:٦٦) یہ اٹکل سے

باتیں کرتے ہیں، یہ آئزک نیوٹن نے، کارل مارکس نے جو باتیں کیں اور رَسَل وغیرہ بہت سے سائنٹسٹ آئے، یہ جتنے بھی مفکرین آئے، اپنی عقل اور اپنے دماغ سے انہوں نے جو باتیں کیں، آج اسکول اور کالج میں پڑھنے والے کو یہ ساری چیزیں پڑھائی جارہی ہے، پوری دنیا کا ایک ہی نصاب ہے، آپ عرب ملکوں میں جاؤ گے وہاں بھی نیوٹن پڑھایا جائے گا، وہاں بھی آئزک نیوٹن کے نظریات کی تعلیم دی جائے گی۔ یہی بات ہندوستان میں بھی پڑھائی جائے گی، ایشیاء کے دور کے ممالک اندونیشیا، ملیشیا میں جاؤ گے، اسٹرلیا میں جاؤ گے، ہر جگہ انگریزوں اور یورپ نے مل کر خدا کو بھولا کر جو ایک نیا نصاب تعلیم (અભ્યાસ ક્રમ) اور انسانی زندگی بنائی ہے اس کو پڑھایا جاتا ہے۔

خدا بیزاری ہی موجودہ تمام پریشانیوں کی جڑ:

انسان نے جب خدا کو بھلا دیا، یہ روزی روٹی کمارہا ہے، حرام وحلال کی اس کو کوئی فکر نہیں، یہ محبت اور تعلق کو جانتا ہی نہیں، میرے مال میں سے کسی اور کو دیا جائے یہ سمجھ میں نہیں آتا، جو انسان دوسرے کے مال کو لوٹ اور کھسوٹ کر لے رہا ہو، اس سے کیسے امید کی جائے گی کہ یہ اپنی زکوٰۃ کی رقم کسی غریب کو دے، کسی مسکین کو دے؛ جبکہ قرآن نے اعلان فرمایا لِلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۲۵﴾ (معارج: ۲۵) تمہارے مال میں مانگنے والے کا بھی حق ہے اور کچھ ایسے ہیں جو مانگتے نہیں ہے؛ لیکن ان کے چہروں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ غریب اور محتاج ہے، ایسوں کا بھی حق ہے، حلال اور حرام کی پابندیاں لگائی؛ تاکہ انسان انسان سے واقف ہوجائے، جانوروں جیسا انسان نہ ہوجائے، اس لئے اس وقت کا انسان جس نے انہیں چیزوں کو پڑھا ہے، ڈاکٹر بننے کے بعد بھی وہ کمرشیل ڈاکٹر ہے، خدمت گذار نہیں بنے گا، انجنیئر بنے گا تب بھی خدا کا خوف نہ ہوگا، خدا کے دین کی انہیں کوئی فکر نہیں ہوگی؛ بلکہ خدا کا تصور پورے نصاب تعلیم میں آتا ہی نہیں، یہ تو ہندوستان ہے اس لئے یہاں ہندو بھی مذہبی ہے اور مسلمان بھی مذہبی ہے اس لئے کچھ چیزیں اپنے مذہب کی اور اسکول کی نصاب میں کچھ ہندو مذہب کی باتیں پڑھائی جاتی

ہے؛لیکن یورپ کا جونصاب تعلیم ہے اور وہاں کا جو پورا کا پورا نصاب ہے جس میں کہیں خدا کا تصورنہیں ہے، مادہ، مادی چیزیں،ٹکنالوجی اور سائنس کی چیزیں اور غور وفکر کی عجیب وغریب قسم کی چیزیں ہیں،آج بھی گیارہویں بارہویں کی (અર્થ શાસ્ત્ર) کی بک (Book) لے کر آپ پڑھیں، اور بی کوم (B.com) اور ایم کوم (M.com) کی بکوں کو پڑھیں، پوری کتاب میں کہیں بھی کسی غریب اور مسکین کو دینے کا تصورنہیں ، ہاں! چیزیں کیسے لی جائے اور مال کیسے بڑھایا جائے ،اس کا پورا تصور بچوں کو پڑھایا جارہا ہے، کہیں بھی اس کو یہ نہیں بتلایا جاتا کہ غریب اور مسکین کا کیا!

اس کے مقابلہ میں جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک پورا نظام بتلایا ہے مالیات کا، مال کیسے کمایا جائے، کس طرح کمایا جائے، کس کو دیا جائے اور کس کس کا حق ہے تمہارے مال میں اور مال کمانے کے کیا کیا ذرائع ہیں؟ یہ ساری چیزیں جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلائی، ایک ڈاکٹر کو اپنا کیا فریضہ انجام دینا ہے، ڈاکٹروں کی کیا ذمہ داریاں ہیں اس کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذکر فرمایا، ایک کاشت کار ہے اس کی کیا ذمہ داری بنتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو بھی ذکر فرمایا،سب سے پہلے تو تمام انسانوں کو یہ بتلایا کہ تم سب کا خالق ایک ہے اور اس کے یہاں حساب اور کتاب ہونا ہے۔

مذہب اسلام کی خصوصیت:

دوستو اور بزرگو! سب سے بنیادی چیز جو اسلام اور دوسرے مذہبوں میں فرق ہے، اسلام اور دوسری تھیوریوں (Theory) میں جو فرق ہے؛ وہ یہی ہے کہ یہاں یہ تصور دیا جارہا ہے کہ تو اگر ڈاکٹر ہے،تو اگر انجنیئر ہے،تو سماج کے لوگوں کی خدمت کی نسبت سے ملازمت کے جس اسٹیج پر بیٹھا ہوا ہے، جس کرسی پر بیٹھا ہوا ہے، یہ ذمہ داری کی کرسی ہے، اس لئے تیرے ذمہ کچھ حقوق لگتے ہیں، اور کل قیامت کے دن تجھ سے اس کا حساب وکتاب لیا جائے گا۔

سیدنا یوسف علیہ السلام کے قصہ کو قرآن نے کیوں ذکر فرمایا؟ اور آپ نے خود پیش کش

فرمائی، اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ﴿۵۵﴾ (یوسف:۵۵) میں آپ کے خزانہ کو اچھی طرح سنبھالوں گا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت شعیب علیہ السلام اپنے یہاں ملازم رکھتے ہیں اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ ﴿۲۶﴾ (قصص:۲۶) قوت والا ہو، امانت داری والا ہو، چنانچہ جب خدا کو بھلا دیا گیا، رسالت کو بھلا دیا گیا، مرنے کے بعد کی زندگی کے تصور کو بھلا دیا گیا تو پھر انسان اس کالج اور یونیورسٹی سے پڑھ کر نکلے گا تو اس کے سامنے نعوذ باللہ خدا کا کوئی تصور ہی نہیں۔

پہلی وحی کی تعلیم:

دوستو اور بزرگو! اس وقت کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ قرآن نے پہلی آیت نازل فرمائی اور اس میں فرمایا اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ﴿۱﴾ (علق:۱) پڑھئے اپنے رب کے نام سے، امریکہ کے ایک بہت بڑے مصنف ہے مسٹر ڈریپر (Mr. Draper) اور انہوں نے ضخیم کتاب لکھی ہے، یورپ میں چرچ اور سائنس دانوں کے درمیان لڑائی کیسے ہوئی؟ اور کیوں ہوئی؟ اور نتیجہ کیا نکلا؟ اور اس پوری کتاب کے اندر انہوں نے یہی بتلایا کہ جب سے انسان نے اپنے علم اور اپنی ٹکنالوجی میں خدا کو بھلا دیا اور اپنی عقل اور اپنی سمجھ کو سب کچھ سمجھ لیا؛ بلکہ نعوذ باللہ خدا کا انکار کیا، جب سے یہ چیزیں آئیں؛ تب سے انسان کی تباہی آئی، اس لئے کہ قرآن نے پہلی ہی وحی میں فرما دیا، یہ تمہارا پڑھنا، یہ تمہاری تعلیم جب اللہ پاک کی ذات عالی سے ملی ہوئی ہوگی بِاسْمِ رَبِّکَ، تمہارے پروردگار کی ذات سے تمہارا تعلق ہو تو تمہارا علم نفع دے گا؛ ورنہ یہی تمہارا علم وبال جان بن جائے گا؛ چنانچہ پہلی جنگ عظیم، پہلا (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) دوسری جنگ عظیم اور ان دونوں کے بعد سے لے کر اب تک کتنی جنگیں ہوگئیں اور کتنا بڑا انسانیت کا نقصان ہوا اور گذشتہ چار سو سال سے برٹانیہ، فرانس، امریکہ اور روس ان چار ملکوں نے دنیا میں جو فساد مچایا، یہ ہتھیار کہاں سے آئے؟ اور کس نے بنائے؟ اسی سائنس اور ٹکنالوجی نے ہتھیار بنائے، اسی سائنس اور ٹکنالوجی نے انسان پر حملہ کرنے کی مختلف تجویزیں پیش کیں،

یونو (UNO) کے نام سے صرف ایک تنظیم (સંસ્થા) بنادی،؛ لیکن اس طرح دوسرے غریبوں اورمسکینوں اورسماج کے نچلے طبقہ کا استحصال کیا گیا۔

دنیا بھر میں ہم دیکھتے ہیں کہ کس طرح دنیا کے بڑے بڑے ملک دوسرے چھوٹے ملک کوہضم کر لیتے ہیں، تجارت کی ایسی شرطیں اور ایسے قوانین بنائے جاتے ہیں کہ ہندوستان کے اندر ایک چیز بن رہی ہے، پک رہی ہے؛ لیکن ہندوستان کو خریدنی پڑے گی امریکہ کے پاس سے، اس لئے تجارت بھی وہاں اسی قسم کی ہوتی ہے، آپ کو مہنگے دام سے بھی ہماری چیز خریدنی پڑے گی، یہ اصول اور ضابطے ہیں، یہ سب کیوں بنائے؟ انسان نے یہ سمجھا جس کو فارسی کے شاعر نے کہا کہ

بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

تو زندگی میں جتنا آسکے لے لے، اس لئے کہ اسی زندگی میں راحت حاصل کرنی ہے، اس کے بعد اور کوئی زندگی آنے والی نہیں، جب انسان کا یہ تصور ہوگا اسی زندگی کو سب کچھ سمجھنا، تو زیادہ سے زیادہ بٹورنا، حلال سے آئے یا حرام سے آئے، کسی طریقہ سے بھی آئے، کسی کا خون چوس کر آئے، ذرہ برابر ان لوگوں کو احساس نہیں، دنیا میں غریبی کے ماتحت رہنے والے افریقہ کی ایک بہت بڑی آبادی ہے، دوسروں کی طرف ہم کیوں جائے؟ اسی ملک کے سربراہوں سے یہ کہا جائے کہ آپ کے جلسے اور طائفوں میں کروڑوں روپئے خرچ ہو رہے ہیں اور اس ملک کی ۳۳ فیصد آبادی غریبی کی نچلی ریکھا Below Poverty line کے ماتحت جی رہی ہے، اسی ہندوستان میں کتنے غریب اور مسکین ہے اور مفلوک ہیں؛ لیکن چونکہ خدا کا خوف نہیں ہے۔

حضرت عمرؓ اور خوف خدا:

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ رات کو گشت کے لئے نکلے، تو دیکھا کہ ایک عورت کچھ پکا رہی ہے اور دوتین بچے رو رہے ہیں۔ پاس جا کر حقیقت حال دریافت کی۔ اس نے کہا کہ کئی وقتوں سے بچوں کو کھانا نہیں ملا ہے۔ ان کے بہلانے کے لئے خالی ہانڈی میں پانی ڈال

کر چڑھادی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ اس وقت اٹھے۔ مدینہ میں آکر بیت المال سے آٹا، گوشت، گھی اور کھجوریں لیں۔ اور اسلم (حضرت عمرؓ کا غلام) سے کہا کہ میری پیٹھ پر رکھ دو، اسلم نے کہا کہ میں لئے چلتا ہوں فرمایاہاں! لیکن قیامت کے روز میرا بار تم نہیں اٹھاؤ گے غرض سب چیزیں خود اٹھا کر لائے اور عورت کے آگے رکھ دیں، اس نے آٹا گوندھا، ہانڈی چڑھائی حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ خود چولہا پھونکتے جاتے تھے۔ کھانا تیار ہوا تو بچوں نے خوب سیر ہو کر کھایا اور اچھلنے کودنے لگے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو دیکھتے تھے اور خوش ہوتے تھے۔ عورت نے کہا خدا تم کو جزائے خیر دے سچ یہ ہے کہ امیر المومنین ہونے کے قابل تم ہو نہ کہ عمر رضی اللہ تعالی عنہ۔ (کنزالعمال: ۱۲/ ۶۴۸)

اور ایک واقعہ بھی کتابوں میں ملتا ہے کہ حضرت عمرؓ ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے کہ ایک بدو اپنے خیمہ سے باہر زمین پر بیٹھا ہوا تھا۔ پاس جا کر بیٹھے۔ اور ادھر ادھر کی باتیں شروع کیں۔ دفعتہً خیمہ سے رونے کی آواز آئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے پوچھا کہ کون روتا ہے؟ اس نے کہا کہ میری بیوی دردزہ میں مبتلا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ گھر پر آئے اور ام کلثوم (حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی زوجہ تھیں) کو ساتھ لیا۔ بدو سے اجازت لے کر ام کلثوم کو خیمہ میں بھیجا۔ تھوڑی دیر بعد بچہ پیدا ہوا۔ ام کلثوم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو پکارا کہ امیر المومنین اپنے دوست کو مبارک باد دیجئے۔ امیر المومنین کا لفظ سن کر بدو چونک پڑا۔ اور ادب سے بیٹھ گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ نہیں کچھ خیال نہ کرو۔ کل میرے پاس آنا میں اس بچہ کا وظیفہ مقرر کر دوں گا۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۱۰/ ۱۸۶)

دیکھو! کہیں مسلمانوں کے امیر المؤمنین کی بیوی دایا کا کام کر رہی ہے، تو کہیں امیر المؤمنین خود چولہا جلا رہے ہیں، اور آگ میں پھونکوں سے اور دھوؤں سے داڑھی میں سب کچھ چلا گیا ہے، یہ اللہ کا خوف ہوتا ہے، تو اس طرح خلافت ہوتی ہے، آپ نے یہ فرمایا کہ دریائے دجلہ کے کنارے کوئی ایک بکری کا بچہ بھی بھوکا مر جائے گا یا کوئی ایک عورت بھوکی مر جائے گی،

کل قیامت کے دن عمر سے پوچھا جائے گا کہ تیری حکومت میں وہ بھوکا کیوں مرا؟ اس لئے حضرت عمرؓ ایک ایک چیز کا خیال رکھتے تھے، یہ کب ہوتا ہے؟ جب اللہ پاک کا خوف ہوتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ایک بڑھیا کی خدمت کرنا:

حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر ایک بڑھیا عورت کے گھر رات کو پانی بھرنے کے لئے جاتے ہیں، اس کے گھر میں جھاڑو دے رہے ہیں، حضرت عمر ایک دو دن گئے دیکھا کہ ان سے پہلے کوئی صاف کر رہا ہے، انتظار میں رہے، دیکھا تو مسلمانوں کے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اس عورت کے یہاں پانی بھرنے گیے، (کنز العمال: ۱۲/ ۸۹ ۴) تبھی تو گاندھی جی نے ۱۹۳۹ میں جب گانگریس اور لیگ کی حکومتیں بن رہی تھی، اس وقت کہا تھا گاندھی جی نے، کسی اور کا نام نہیں لیا تھا، ابوبکر اور عمرؓ کا نام لیا، ہندو مذہب میں بہت سارے بادشاہ اور پیشوا گذرے ہیں، لیکن گاندھی جی نے کہا رام راجیہ کی (રામરાજ્ય) اگر کرنی ہے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کی سیرت پڑھی جائے اور اس کی روشنی میں سمجھا جائے۔

بزرگو اور دوستو! ساری خرابی کی وجہ یہی ہے کہ انسان نے اپنے خدا کو بھلا دیا، ہمارے نوجوانوں کو اسکولوں میں یہی تعلیم دی جارہی ہے، کوشش کرنی ہوگی کہ دین کی تعلیم ہماری مضبوط اور پختہ ہو، تاکہ ہمارا نوجوان بھی اس سوچ کا بنے اور ہمارا ڈاکٹر اور ہمارا انجنیر اور ہمارا بڑے سے بڑا پڑھا لکھا حکومت کے جس شعبہ میں جائے؛ وہ اللہ کا خوف لے کر کام کرے، دوستو اور بزرگو! وہ دن دور نہیں ہے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کو تلاش کر کے بٹھایا گیا، ہندوستان کے مسلمان ملازمین کو بھی یہاں کی پبلک (Public) کہے گی کہ تم ہمارے شعبہ کو سنبھالو، اس لئے کہ تم ہی اللہ کا خوف رکھتے ہو، لیکن افسوس ایسی چیزیں نہیں ہو رہی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو کہی سنی باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(۷)

تکمیل حفظ

(بمقام: دارالعلوم کنتھاریہ)

الحمد لله رب العالمین ، والصلاة والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی آله واصحابه اجمعین.

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ (بقرہ:۱۲۱) **وقال تعالیٰ:** وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾ (حجر:۸۷) **وقال تعالیٰ:** وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ (طہ:۱۳۱) **وقال تعالیٰ:** وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾ (فرقان:۳۰)

وقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: خیر کم من تعلم القرآن وعلمه. (بخاری: کتاب فضائل القرآن، باب خیر کم من تعلم القرآن وعلمه) **وقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: إن لله أهلین من الناس قالوا: یا رسول الله من هم؟ قال هم أهل القرآن ، أهل الله وخاصته.** (ابن ماجہ: المقدمة، باب فضل من تعلم القرآن وعلمه)

صدق الله العظیم و صدق رسوله النبی الکریم ونحن علیٰ ذٰلک لمن الشاهدین والشاکرین والحمدلله رب العالمین.

بابرکت مجلس:

محترم ومکرم ذی وقار حضرات علماء کرام اور عزیز طلباء!

اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر واحسان ہے کہ آج اس نے ہمیں روئے زمین پر ہونے والی ان مجالس میں سے ایک ایسی مجلس میں شرکت کی توفیق عنایت فرمائی، جو اللہ پاک کے نزدیک اس روئے زمین پر سب سے افضل ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے آج ہمیں ختم قرآن کریم کی نسبت سے جمع ہونے کی توفیق نصیب فرمائی، روئے زمین پر جتنی بھی چیزیں ہیں، یہ سب کی سب مخلوق ہیں؛ بلکہ پوری کائنات میں آسمان سے لے کر زمین تک، حضرات انبیاء کرام ہوں بلکہ ملائکہ ہوں، فرشتے ہوں، یہ سب کے سب مخلوق ہیں، صرف قرآن کریم ہے'' کلام اللہ غیر مخلوق'' یہ اللہ پاک کا کلام ہے، یہ مخلوق نہیں، اتنی عظیم الشان نعمت کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں مدارس اسلامیہ سے وابستہ کیا۔

عزیز طلباء! آپ نے سنا کہ آج تک ہمارے اس دارالعلوم سے ۷۰۰۰ (سات ہزار) سے زیادہ طلباء نے قرآن کریم حفظ کیا، یقیناً اس کے بانیین، اس کے منتظمین؛ بلکہ ان سب سے پہلے اس سرزمین کے لیے حرمین شریفین میں دعائیں کرنے والے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی یہ برکتیں، عنایتیں اور توجہات ہے کہ اس ادارے میں اتنے ہزار طلباء عزیز حفظ قرآن کی دولت سے مالامال ہوئے۔

تلاوت قرآن؛ قرب الٰہی کا ذریعہ:

عزیز طلباء! میں نے چند آیات پڑھی، اس مجمع میں خطاب مجھے آپ طلباء عزیز ہی سے کرنا ہے، ایک آیت میں نے صرف حضرات اساتذہ کرام کی نسبت سے پڑھی ہے اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ (بقرہ:۱۲۱) یہ آیت کریمہ اللہ پاک نے ایمان والوں کی فضیلت میں ذکر فرمائی کہ جن لوگوں کو ہم نے کتاب عنایت فرمائی، وہ اس کتاب کا حق ادا کرتے ہیں، آپ کے اساتذۂ

کرام جنھوں نے آپ کے پیچھے ناظرہ سے لے کر حفظ تک سخت محنت کی، انہوں نے رات میں، دن میں، صبح میں جلدی اٹھ کر، رات کو دیر تک آپ کے لئے اس قرآن کریم کی نسبت پر محنتیں فرمائی، یقیناً یہ حضرات آیت کریمہ کے مصداق ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے براہ راست قرآن کریم کی نسبت سے ان کو وابستہ فرمایا، اللہ کے نیک اور صالح بندوں نے یہ ذکر فرمایا کہ اللہ پاک سے قرب اور نزدیکی کا اگر کوئی سب سے بڑا ذریعہ ہے تو یہ قرآن کریم ہے، جو اللہ پاک کا کلام ہے، جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روایتوں میں فضیلتیں بیان فرمائی کہ اللہ کے کلام کو باقی کلام پر ایسی ہی فضیلت ہے جیسا کہ اللہ پاک کو اپنی مخلوق پر فضیلت ہے، (سنن دارمی: کتاب فضائل القرآن باب فضل کلام اللہ علی سائر الکلام) اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کتاب مبین کو خیر کم من تعلم القرآن فرمایا اور جیسا کہ ابھی آپ نے قاری صاحب کی زبان سے سنا۔

حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمی کا قرآن کریم سے شغف:

حضرت امام بخاریؒ نے کتاب فضائل القرآن میں حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمی کے واقعہ کو نقل فرمایا، حضرات محدثین فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ سے لے کر حجاج بن یوسف کے زمانہ تک قرآن کریم کی خدمت سے وابسطہ رہے، آپ اس قرآن کی نسبت سے بہت بڑے قاری بہت بڑے محدث اور مفسر ہونے کے باوجود محض قرآن کریم کی محبت اور نسبت سے فرماتے ہیں: **اَقْعَدَنِی مقعدی ھٰذا۔** (بخاری: کتاب فضائل القرآن، باب خیر کم من تعلم القرآن وعلمہ) کے اسی روایت **خیر کم من تعلم القرآن** نے مجھے اس منصب پر بٹھایا، حضرات محدثین فرماتے ہیں کہ اگر حضرت عثمانؓ کے اول زمانہ سے لے کر حجاج کے آخری زمانہ تک کو شمار کیا جائے تو ۷۰ سال کے قریب زندگی آپ کی ہوئی اور اگر حضرت عثمانؓ کی زندگی کے آخری سال اور حجاج کے ابتدائی سال سمجھے جائیں تب بھی کم سے کم ۴۰ سال کی مدت ہے، جس میں آپ نے اپنے آپ کو اس قرآن کریم سے وابستہ کیا، تو یہ قرآن کریم کی آیت جو میں نے آپ کے سامنے پڑھی اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ

أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۗ وَمَن يَكْفُرْ بِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿١٢١﴾ (بقرہ:۱۲۱) صبح سے لے کرشام تک ان اساتذہ کرام نے قرآن کریم کو اپنا اوڑھنا اور بچھونا بنایا، اس کائنات میں اللہ کی یہی ایک کتاب ہے جس کا چھونا عبادت، جس کا پڑھنا عبادت، جس کا سننا عبادت، جس کا پڑھانا عبادت اور جس کا سنانا عبادت، ایسی کوئی کتاب روئے زمین پر نہیں ہے کہ اللہ پاک نے جس کے لئے یہ فضیلت بیان فرمائی ہو۔

عنداللہ مقبولیت کا آخری درجہ:

حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ فرماتے ہیں کہ جب اللہ کا بندہ اللہ کے ذکر اور ریاضات کے ذریعہ قرب اور نزدیکی حاصل کرتا ہے، اللہ پاک کا انتہائی مقرب بنتا ہے تو اس کی آخری علامت یہ ہوتی ہے کہ اللہ پاک اس کو دوسرے ذکر واذکار سے کم اور کتاب اللہ کی تلاوت کے ساتھ زیادہ وابستہ فرمائیں گے، گویا قرآن کریم کی تلاوت کا کثرت سے ہونا یہ عنداللہ مقبولیت کے انتہائی آخری درجہ تک پہنچنا ہے، یہ اتنی بڑی فضیلت اللہ پاک نے اپنی اس کتاب کے لئے فرمائی۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی استقامت:

امام احمد بن حنبلؒ اتنے بڑے محدث ہونے کے باوجود جب آپ کے سامنے یہ مسئلہ کھڑا ہوا کہ قرآن کریم اللہ پاک کی مخلوق ہے یا نہیں؟ اور آپ نے یہی ارشاد فرمایا ''**کلام اللہ غیر مخلوق**'' اور اس پر آپ کو سخت سزائیں بھی دی گئیں، ہاتھی بھی جس کی تاب نہ لا سکے ایسے کوڑے آپ پر برسائے گئے؛ لیکن آپ نے اپنے آپ کو اس عقیدہ سے وابستہ رکھا۔ حضرات محدثین ومفسرین فرماتے ہیں کہ یہ اتنی بڑی قوت اور طاقت آپ میں کیسے پیدا ہوئی؟ فرماتے ہیں یہ اللہ کے کلام کا معجزہ تھا کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے جب اپنے آپ کو فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ (ھود:۱۱۲) اپنے آپ کو جمایا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو اس کے برداشت کرنے کی استطاعت عطا فرمائی۔

قرآن کریم کا تقدس اور احترام:

ابھی چند دن پہلے حضرت مولانا کلیم صدیقی صاحب کے پرچے میں ایک چھوٹا سا قصہ قرآن کریم کے سلسلہ میں میں نے پڑھا، ایک صاحب تھے جو RSSاور BJP سے منسلک تھے، مسلمان تھے؛ لیکن اس پارٹی سے وابستہ تھے، انہوں نے ایک غیر مسلم عورت سے شادی کی، ان کے بچے بھی سب کے سب غیر اسلامی طریقہ پر، لیکن اتفاق یہ ہوا کہ زندگی کے آخری دنوں میں ان کو ایک بیماری لگی اور یہ بیمار ہوئے، سیاسی پارٹی میں ان کا بڑا مقام تھا تو بہت سے لوگ ان کی عیادت کے لئے آئے، اتفاق سے ایک قاری صاحب بھی ان کی عیادت کے لئے آئے، قاری صاحب نے دیکھنے کے بعد سوچا، میں قرآن کریم کی کچھ آیات ان کے سامنے تلاوت کروں، جس کی برکت سے اللہ پاک ان کو شفادے، اتفاق یہ ہوا کہ ان کے سامنے قاری صاحب نے قرآن پڑھا، تو اس شخص نے کہا: آپ کے پڑھنے سے مجھے بہت تشفی ہوئی، آپ روزانہ آیا کریں، اس کے بعد ان کو یہ خیال آیا کہ روزانہ میں ان کو کیسے وقت دے سکتا ہوں؟ تو انہوں نے حرمین شریفین کے قراء کی کیسٹ اور ٹیپ رکارڈر کا انتظام کر دیا، اب یہ روزانہ سن رہے ہیں، اتفاق یہ ہوا کہ موت سے پہلے کچھ لوگ ان کی ملاقات کے لئے آئے اور ان سے دنیوی سلسلہ میں تبصرہ کرنے لگے، انہوں نے کہا: اس وقت میری آخری گھڑی ہے، اس وقت میں دنیا سے اللہ کا کلام سنتے ہوئے جانا چاہتا ہوں، دنیا اور دنیا کی گندی باتوں میں مشغول ہونا نہیں چاہتا، چنانچہ قرآن کریم سنتے سنتے ان کا انتقال ہوگیا، مولانا کلیم صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے تعجب ہوا اس شخص کے اس طریقہ پر انتقال ہونے پر، پوری زندگی جو شخص مسلمانوں کا دشمن رہا، مسلمانوں کی دشمن جماعت سے وابستہ رہا، غیروں سے ملکر جس نے سازش کی، کوئی ظاہری ایسی چیز نہیں تھی، جو اللہ پاک نے اس کو ایسی مقبولیت دی، میں ان کے رشتہ داروں کے پاس گیا، ان کے چچا سے میں نے پوچھا، اس شخص کی پوری زندگی اس طرح سے گذری ہے اور دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے اللہ پاک کا کلام سنتے ہوئے جانا یہ سمجھ میں نہیں آتا، انہوں نے گھر میں

تحقیق کی تو اس شخص کی والدہ نے یہ سنایا کہ جب میری ایک بچی کی شادی تھی، اس کے جہیز کا سامان لینے بازار گئے اور سب چیزیں خرید لیں، آخر میں میں نے کہا بیٹے! اپنی بہن کے قرآن کریم کے لیے جزدان کا کپڑا ابھی خریدنا ہے، دکان والے کے پاس روزانہ دوسرے لوگ آتے تھے اور جہیز میں قرآن کریم کے جزدان کے لئے کپڑا خریدتے تھے، وہی کپڑا اس نے دیا اور کہا کہ یہ ۲۰ روپئے میٹر کپڑا ہے، انہوں نے جیسے سنا کہ یہ ۲۰ روپئے میٹر ہے، تو غصے میں آکر کہا یہ نہیں چاہیئے، میری بہن کے لئے تو ۱۰۰ روپئے میٹر دیا! اور اللہ کے کلام کے لئے ۲۰ روپئے میٹر! تیری دکان میں سب سے مہنگا جو کپڑا ہو وہ مجھے دے؛ چنانچہ اس کے بعد ۵۰۰ روپئے میٹر کا شاندار کپڑا انہوں نے اپنی بہن کے قرآن کریم کے جزدان کے لیے خریدا، جب یہ قصہ سنا مولانا نے، تو فرمایا یہ بات ہے، اللہ کے کلام کی عظمت اس شخص کے دل میں تھی تو اللہ پاک نے موت سے پہلے پہلے اپنے دین کی طرف اس کو بلا لیا اور زندگی کے آخری لمحات میں قرآن کریم سنتے سنتے اس کو بلایا، قرآن کریم کا سننا ایسی عبادت ہے کہ خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم ہو رہا ہے فلاں صحابی سے آپ فلانی سورت سنئے، آپ سن رہے ہیں، صحابی فرماتے ہیں **اَللہُ سَمَّانِی**؟ (بخاری: کتاب التفسیر، سورۃ لم یکن) کیا اللہ پاک نے میرا نام لیا؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں جی ہاں! تمہارا نام لیا، ایسی عظمت والی کتاب سے اللہ پاک نے ہمیں وابستہ فرمایا۔

قرآن کریم ایک عظیم نعمت خداوندی:

دوسری ایک آیت میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: **وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ** ﴿۸۷﴾ (حجر:۸۷) ہم نے آپ کو سورہ فاتحہ عطا فرمائی، اور قرآن کریم عطا فرمایا، دوسری ایک جگہ پر اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: **وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** (طٰہٰ:۱۳۱) قرآن کریم کی یہ آیت ہم طلباء عزیز کو یہ کہہ رہی ہے کہ اللہ پاک کا یہ کلام، قرآن کریم کی یہ نعمت اللہ پاک نے تمہارے سینے میں امانت کے طور پر رکھی ہے، اس کو ہرگز حقیر اور کمتر مت سمجھنا، اور اس نعمت

کو حقیر اور کمتر سمجھنا شئ عظیم کی توہین ہے، یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ کائنات کی کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی، اتنی عظیم نعمت سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو سرفراز فرمایا اور اسی لئے جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کسی شخص کو قرآن کریم کی نعمت سے اللہ پاک نے نوازا اور اس نے دنیوی کسی اور نعمت کو بڑا سمجھا اور اپنے پاس والی اس نعمت کو حقیر سمجھا تو اس نے حقیر چیز کو بڑا سمجھا اور بڑی چیز کو حقیر سمجھا، (تخريج أحاديث احياء علوم الدين: ۲/ ۶۸۱) یہ اللہ پاک کے یہاں پسندیدہ نہیں ہے، اتنی عظیم نعمت اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو عطا فرمائی۔

حافظ قرآن خود اپنی قدر پہچانے:

سلطان عالم گیر اورنگزیبؒ کی خدمت میں ایک حافظ قرآن لائے گئے، کہا کہ کیا بات ہے؟ کہا یہ حافظ قرآن ہونے کے باوجود لوگوں کے پاس بھیک مانگتے ہیں، اورنگزیبؒ نے ان کو بلایا اور بلاکر کہا ان کو سخت سزا دی جائے، اس کے بعد ایک کمرہ میں حافظ صاحب کو بند کردیا گیا اور اورنگزیبؒ نے ان سے کہا جب تک اس کمرہ کو تمہارے قلب کے نور سے منور نہیں کروگے وہاں تک اس کمرہ سے تمہیں باہر نہیں نکالا جائے گا، کھانا پینا سب جارہا تھا؛ لیکن کمرہ میں ان کو مقید کیا تھا، ایک دن ہوا، دو دن ہوئے، حافظ صاحب نے یہ سمجھا کہ شاید چھوڑ دیں گے؛ پریشانی کے عالم میں اللہ پاک کی طرف متوجہ ہوئے اَمَّنۡ يُّجِيۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكۡشِفُ السُّوۡٓءَ وَيَجۡعَلُكُمۡ خُلَفَآءَ الۡاَرۡضِ‌ؕ ءَاِلٰـهٌ مَّعَ اللّٰهِ‌ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَذَكَّرُوۡنَؕ‏ ﴿۶۲﴾ (نمل: ۶۲) اللہ پاک نے فرمایا جب بندہ بے چینی بے قراری کے عالم میں اللہ پاک کی بارگاہ میں جھکتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی بات کو سن لیتے ہیں، حافظ صاحب نے اس پریشانی میں اللہ پاک سے دعا فرمائی کہ باری تعالیٰ! یہ وقت کے بادشاہ ہے، یہ مجھے چھوڑنے والے نہیں ہے اور شرط ایسی رکھی ہے جو مجھ سے پوری نہیں ہوسکتی، آپ کی ذات عالی کی طرف متوجہ ہو رہا ہوں۔ آپ میرے قلب میں روشنی پیدا کردیجئے، اورنگزیبؒ نے کمرہ کے باہر ایک شخص کو متعین کردیا تھا کہ جیسے ہی اس اندھیرے کمرہ سے روشنی ظاہر ہو فوراً دروازہ کھول دینا اور مجھے وہاں بلا لینا،

اللہ پاک کا کرنا تھا پریشانی کے عالم میں حافظ صاحب نے دعا مانگی، اللہ پاک نے ان کے قلب سے ایک نورا اور روشنی نکالی جس نے پورے کمرہ کو منور کر دیا، اورنگزیبؒ عالمگیر کو بلایا گیا اور آپ نے کہا تم حافظ قرآن ہو، مجھے معلوم تھا تمہاری میرے دل میں قدر تھی؛ لیکن تم نے قرآن کریم کو حقیر سمجھا تھا، اور تم نے ایک ایسی شکل اپنائی تھی جو حافظ قرآن کے لئے مناسب نہیں، اس لئے میں نے تمہاری قدر بتلانے کے لئے قید کیا تھا، اور میں یہ بتلانا چاہتا تھا کہ اللہ پاک نے تمہارے قلب کو، تمہارے سینے کو اپنے کلام کے لئے منتخب کر لیا، یہ اتنی بڑی چیز ہے، عزیز طلباء! اللہ کے کلام کے لئے اللہ تعالیٰ ہمارے سینے کو قبول کر لے، اس سے بڑی کائنات میں کوئی نعمت نہیں ہے، اسی کو ظاہر کرنے کے لئے اللہ پاک اس آیت میں اشارہ فرماتے ہیں **وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ** کہ دنیا کی رونقیں، دنیا کی جاہ وجلالی اے حافظ قرآن! تجھے ان چیزوں کی طرف نہ للچائیں اور تو اس نعمت کو حقیر نہ سمجھے، فارسی شاعر کہتا ہے:

بر خود نظر بکشا ز تہی دامنی مرنج
کہ در سینۂ تو ماہ تمامی نہادہ اند

اپنی اس ظاہری کپڑے اور معمولی لباس اور کھانا پینا اور اللہ کی نعمتوں میں سے کم سے کم نعمت ہمارے پاس ہونا، اپنی تہی دامنی اور غربت پر افسوس مت کر کہ اللہ پاک نے تیرے سینے میں چودہویں کا چاند رکھا ہوا ہے، اس کی روشنی اور اس کے نور سے اللہ پاک تجھے ضائع نہیں فرمائیں گے، اسی لئے امام احمد بن حنبلؒ کو فرمایا: **فھم او بغیر فھم.** قرآن کریم کو پڑھا جائے سمجھ کر پڑھے یا سمجھے بغیر، یعنی نہ سمجھنے والا بھی پڑھے، پھر بھی اس کے اوپر برکتیں، عنایتیں اور ثواب اللہ پاک کی طرف سے مرتب ہوگا۔

عزیز طلباء! سب سے پہلے ہم قرآن کریم کی قدر کرنے والے بن جائیں، اللہ کے رسول ﷺ نے اس قرآن کی جو عظمت اور قدر بتلائی اور صحابۂ کرام نے اس کی جو عظمت اور قدر سمجھی اور ساری شعر وشاعری کو چھوڑ دیا اور قرآن کریم کی طرف متوجہ ہوئے اور ایسے متوجہ

ہوئے کہ بڑے بڑے شعراء نے کہا: سورۂ بقرہ کے بعد ہماری شاعری کی کوئی ضرورت نہیں، انہوں نے اپنے آپ کو قرآن سے وابستہ کر دیا، آج بھی دنیا میں آپ دیکھ لیجئے، جو لوگ ایمان قبول کرتے ہیں آج بھی ہماری دعوت وتبلیغ کے مقابلہ میں خود قرآن کریم کی آیتیں، قرآن کریم کے مضامین آج بھی لوگوں کو قرآن کریم کی طرف متوجہ کر رہے ہیں، جو واقعات ہم سنتے ہیں لوگوں کے ایمان لانے کے، وہ یہی بتلاتے ہیں اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ (اسراء:۹) یہ قرآن کریم ہی ہے جو لوگوں کو سیدھے راستے کی طرف بلاتا ہے، وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ (انعام: ۱۵۳) اللہ کے رسول ﷺ کو اللہ پاک نے فرمایا علی بصيرة انا و من اتبعني. (یوسف:۱۰۸) آپ فرما دیجئے! جو راستہ مجھے قرآن کا ملا ہے میں انتہائی مطمئن ہوں اپنے قلب سے، اپنے دماغ سے مطمئن ہوں، علی بصيرة انا و من اتبعني. میں اور میری پیروی کرنے والے، اس سے اشارہ ملتا ہے جو تابعین نبی ہوں گے وہ بھی یہ کہیں گے ہم بھی قرآن کریم کی نعمت پر مطمئن ہیں، ہم اللہ پاک کی بارگاہ عالی میں اس کا شکریہ ادا کریں کہ اللہ پاک نے ہمیں قرآن جیسی عظیم نعمت سے وابستہ کیا۔

حافظ ہونے کے بعد قرآن کو یاد رکھنا ضروری ہے:

اس کے بعد تیسری آیت میں نے آپ کے سامنے پڑھی تھی، اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں: وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾ (فرقان:۳۰) کل قیامت کے دن جناب نبئ اکرم ﷺ اپنے زمانہ کے ان بڑے مشرکین سرداروں کو جن کو آپ نے دعوت دی، اور انہوں نے آپ کی دعوت کو ٹھکرایا، ابوجہل، ابولہب، عتبہ، شیبہ یہ جتنے بھی تھے، کل قیامت کے دن آپ ﷺ فرمائیں گے يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾ اے میرے پروردگار! میری اس قوم نے میرے اس قرآن کو چھوڑ دیا، میں نے ان کو دعوت دی، انہوں نے اس کو نہیں اپنایا، حضرات مفسرین فرماتے ہیں کہ جن لوگوں تک اسلام کی دعوت پہنچی ہے، جن لوگوں کو قرآن کی دعوت پہنچی ہے اور قبول نہ کی وہ اس آیت کریمہ

کا مصداق ضرور ہے؛ لیکن اس کے ساتھ جس کو اللہ نے قرآن کی نعمت سے نوازا اور پھر اس نے قرآن کریم چھوڑ دیا، آپ سن چکے ہیں اساتذہ کی زبانی، قرآن کریم کا حافظ ہونا یہ ضروری نہیں، حافظ ہونے کے بعد اس کو یاد رکھنا، تراویح سنانا، اس کا بار بار دور کرنا؛ یہ ضروری ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول:

عزیز طلباء آپ سنئے! **فضائل القرآن** میں امام بخاریؒ فرماتے ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت جبرئیلؑ کے ساتھ دور فرما رہے ہیں، (بخاری: کتاب فضائل القرآن، باب کان جبرئیل یعرض القرآن علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ بھی قرآن کریم اور احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿١٦﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿١٧﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿١٨﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿١٩﴾ (قیامہ:۱۶-۱۹) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن کریم یاد کروانے کی اللہ پاک کی طرف سے یہ نعمت عظمیٰ سنائی جا رہی ہے، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان میں دور فرما رہے ہیں اور جس سال آپ اس دنیا سے رخصت ہوئے اس سال آپ نے حضرت جبرئیلؑ کے ساتھ دو مرتبہ دور فرمایا، کچھ حضرات محدثین یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ جو ہماری قرأت سبعہ عشرہ متواترہ ہے، ایک دور اس کا فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساری قراءات کو جمع فرمایا، خیر بتلانا یہ ہے کہ قرآن کریم کی دولت سے اللہ پاک نے ہمیں مالا مال کیا تو اب ہمارے لئے ضروری ہے کہ اس قرآن کریم کی حفاظت کو اپنے ذمہ لازمی سمجھے۔

نوافل میں تلاوت قرآن کا اہتمام کیجیے:

اس کا سب سے بہتر طریقہ حضرات صوفیائے کرام نے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کچھ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کا سب سے بڑا محل رات کی تہجد کی نماز ہے، قرآن کریم نے خود فرمایا، اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿٧٨﴾ (اسراء۷۸) اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِىَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ﴿٦﴾ (مزمل:۶) اس لئے حافظ قرآن چند سال اہتمام کرلے، دو رکعات میں پاؤ پاؤ پارہ کر کے یا

آدھا آدھا پارہ کر کے پڑھ لے، عالم کلاس میں مشغول ہونے کی وجہ سے یا دوسرے علوم میں مشغول ہونے کی وجہ سے موقع نہ ملے تو کم سے کم مغرب بعد دو رکعت میں آدھا پارہ پڑھنے کا ابھی سے اہتمام کرے، اگر ابھی نہیں کیا تو آنے والے سالوں میں آپ نہیں سناؤ گے، ایک سال حافظ ہونے کے بعد اہتمام نہیں کیا تو دوسرے سال تراویح پڑھانے سے آدمی جی چراتا ہے، بہانے کرتا ہے، جماعت میں جانا ہے، یہ کام ہے، وہ کام ہے، یہ اس لئے ہوتا ہے کہ حافظ ہونے کے بعد قرآن کریم پڑھنے کا اور اس کے سنانے کا اہتمام نہیں کیا، اس لئے میں گزارش کروں گا کہ یہ جو ہمارے حفاظ کرام ۱۶۴ کے قریب یہاں موجود ہیں "هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا" کا مصداق نہ بنیں۔

یہود و نصاریٰ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی ہوئی کتاب کو دیباج وریشم کے جزدانوں اور سونے سے مزین کیا مگر اس کے حلال و حرام کو نہ سمجھا اور عمل سے منھ موڑ لیا جس کے نتیجہ میں کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری میں کوتاہی کے مرتکب ہوئے۔

کلام کی تاثیر:

ایک بزرگ کو ابوعلی سینا نے ایک مریض کے پاس قرآن پڑھتے سنا تو بزرگ سے اس نے کہا کہ فاسد مادہ کے اخراج کے بغیر فائدہ نہ ہوگا، تو اس بزرگ نے کچھ کلمات کہے جس سے بوعلی سینا کا رنگ غصہ سے سرخ ہو گیا، بزرگ نے فرمایا: انسانی کلام کی یہ تاثیر ہے تو کلام اللہ کی تاثیر کا کیا حال ہوگا؟

امام غزالیؒ نے فرمایا کہ تلاوت سے پہلے قلب میں متکلم کی عظمت کا خوب استحضار کرے، اور پاکی کا خیال رکھے، جب انسان کے ظاہری ناپاک جسم کو قرآن کے ظاہر کو مس کرنے سے روکا گیا، اسی طرح اس کے باطن کو قلب کے باطن سے بغیر طہارت کے دور رکھا گیا۔

تلاوت قرآن کی اہمیت کے پیش نظر کہیں فرمایا گیا کہ قرآن سے بڑھ کر کوئی شفیع نہیں، (مسلم : کتاب المساجد، باب فضل قراءت) یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے لہٰذا قرآن کی شفاعت

درحقیقت ارحم الراحمین کی شفاعت ہے۔تو کہیں اس طرح فرمایا کہ میری امت کی افضل عبادت تلاوت کلام اللہ ہے، (شعب الایمان: ۳/ ۳۹۵) تو کہیں یہ ارشاد فرمایا کہ جس دل میں قرآن میں سے کچھ نہ ہو وہ ویران گھر کے مانند ہے،(ترمذی: أبواب فضائل القرآن، رقم: ۲۹۱۳) تو کہیں فرمایا: ابواُمامہؓ فرماتے ہیں: **اقرؤ القرآن ولا تغرنکم هذه المصاحف المعلقة، فان الله تعالیٰ لا يعذب قلبا وعی القرآن۔** (مصنف ابن أبی شیبة: ۱۵/ ۴۹۰، رقم: ۳۰۷۰۶) اسی طرح جب فرشتوں نے مخلوق کے پیدا کرنے سے ہزار سال پہلے سورۂ طٰہ اور یٰسین سنی تو فرمایا: حدیث ضعیف ہے کہ **طوبى لامة ينزل هذا عليها، وطوبى لاجواف تحمل هذا، وطوبىٰ لألسنة تتكلم بهذا۔** (سنن دارمی: ۲/ ۵۴۸، رقم: ۳۴۱۴)

حافظ قرآن کی مثال:

عَن ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّمَا مَثَلُ صَاحِبِ الْقُرْآنِ كَمَثَلِ صَاحِبِ الإِبِلِ الْمُعَقَّلَةِ، إِنْ عَاهَدَ عَلَيْهَا أَمْسَكَهَا وَإِنْ أَطْلَقَهَا ذَهَبَتْ. (بخاری: کتاب فضائل القرآن، باب استذكار القرآن وتعاهده)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حافظ قرآن کی مثال رسی سے بندھے ہوئے اونٹ جیسی ہے، اگر اس نے ان کی نگہداشت کی، تو وہ انہیں قابو میں رکھے گا اور اگر انہیں چھوڑ دے گا تو وہ چلے جائیں گے۔

صاحب قرآن کی مثال یعنی قرآن مجید کو یاد کرتے ہوئے دل ودماغ میں راسخ کرنے والے کی مثال "رسی سے بندھے ہوئے اونٹ کے مالک جیسی ہے" اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تشبیہ کی وجہ شبہ واضح فرمائی کہ "اگر وہ اس کو اپنی نگہداشت میں رکھے گا" یعنی ہمیشہ اس کو باندھ کر رکھے گا، اس کو باربار دیکھتا رہے گا اور اس کے حال سے باخبر و چوکنا رہے گا" تو اسے اپنی ملکیت وقبضہ میں رکھ سکے گا" اور اگر اس کو بے مہار چھوڑ دے گا، تو وہ بھاگ جائے گا، یہی حال حافظ قرآن کا ہے کہ اگر وہ مداومت کے ساتھ روزانہ اس کی تلاوت کرے اور اس کو باربار دہراتا رہے، تو یہ اس کے

دل و دماغ میں راسخ و جاگزیں ہوجائے گا اور اگر اس کو طاق نسیان کی نذر کردے، تو دل و دماغ سے رخصت ہوجائے گا اور بھلا دیا جائے گا اور بعدازاں اس کو دوبارہ حفظ کرنے کے لیے کافی مشقت اور تکان جھیلنی پڑے گی، چنانچہ جس قدر قرآن مجید کی حفاظت کا خیال رکھا جائے، اسی لحاظ سے وہ باقی رہے گا، جیسے اونٹ کو جب تک پابہ زنجیر رکھا جائے، محفوظ ہے، یہاں اونٹ کو خاص طور پر ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ گھریلو جانوروں میں سب سے زیادہ تیزی سے بدکنے والا جانور ہے اور اس کے بھاگ جانے کے بعد اس کو پانا بہت ہی مشکل امر ہے۔

حضرت عکرمہ جب قرآن کریم پڑھنا شروع کرتے تھے اس کو ہاتھ میں لیتے تھے، اور محبت اور شوق میں فرماتے ''کلام ربی، کتاب ربی'' (مستدرک حاکم: کتاب معرفة الصحابہ، رقم: ۵۱۱۰) یہ میرے پروردگار کا کلام ہے۔

عزیز طلباء! دنیا میں جن لوگوں نے قرآن کریم کو پڑھا، انگلش میں، فرانس میں، دنیا بھر کی زبانوں میں، اللہ پاک نے ان کو ایمان کی دولت سے مالا مال فرمایا۔

حقانیت قرآن:

ڈاکٹر موریس بوکائی نے کتاب لکھی '' The Bible The Quran and Science '' اور اتنی عظمت کے ساتھ قرآن کریم کا ذکر فرمایا، اور ایسی ایسی سائنسی باتیں قرآن کریم سے نکالی بلکہ قرآن کریم کی حقانیت پر بائبل کے مقابلہ میں ایسی ایسی باتیں ذکر کی، آپ نے فرمایا کہ قرآن کریم میں فرعون کا ذکر ہے، اور حضرت یوسفؑ کے زمانہ کے بادشاہ کا بھی ذکر ہے؛ لیکن بائبل میں دونوں جگہ پر حضرت موسیٰؑ کے قصہ میں بھی فرعون کا لفظ ہے اور حضرت یوسف کے زمانہ کے بادشاہ کے لئے بھی بائبل میں فرعون کا لفظ ہے جب کہ قرآن کریم میں حضرت موسیٰؑ کے زمانہ کے بادشاہ کے لئے تو فرعون؛ لیکن سیدنا حضرت یوسفؑ کے زمانہ کے بادشاہ کے لئے مَلِک کا لفظ ہے، ان کا یہ کہنا ہے کہ موسیٰؑ کے زمانہ کا جو بادشاہ اور را جاتھا؛ فرعون جو اس کا لقب تھا، یہ لوگ تو وہاں کے قبطی مصر کے اصلی باشندے تھے؛

لیکن سیدنا یوسفؑ کے زمانہ میں مصر کا جو بادشاہ تھا وہ قبطی اور مصر کا نہیں تھا؛ بلکہ یہ شام کے چرواہا خاندان سے تعلق رکھتا تھا، اس لئے شام یہ عرب ملک ہے، وہاں کے لوگ اپنے بادشاہ کو فرعون نہیں بولتے؛ بلکہ مَلِک کا لفظ بولتے ہیں، قرآن کریم نے یہ فرق بتلایا کہ تاریخی اعتبار سے موسیٰؑ کے زمانہ کے بادشاہ کو تو فرعون کہہ سکتے ہیں اس لئے کہ وہ اسی قبطی خاندان کا ہے؛ لیکن حضرت یوسفؑ کے زمانہ کے بادشاہ کو فرعون نہیں کہہ سکتے۔

دوستو اور بزرگو! عجیب وغریب قسم کی تحقیقات انہوں نے کی، ایسے ایسے جوابات انہوں نے دیئے ہیں، یہ بتلایا کہ دنیا کی تمام زبانیں ان کی عمر ۵۰۰ سال ہوتی ہے، ۵۰۰ سال کے بعد ہر زبان کے الفاظ بدل کر پوری زبان ایک نئی ہوجاتی ہے، لیکن قرآن کریم ہے جس نے ۱۴۰۰ سال سے عربی زبان کو پکڑے رکھا ہے، اور جو عربی زبان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں بولی جاتی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ اور قرآن کریم جس گرامر کو فصاحت و بلاغت کے ساتھ ذکر کرتا ہے، آج کی عرب حکومتوں کی سرکاری زبان اور وہاں کے علماء کی جو فصاحت والی زبان ہے؛ وہ یہی زبان ہے جو ہم اور آپ مدارس میں پڑھ رہے ہیں، اخبارات کی دنیا الگ ہے، لیکن وہاں کی جو قومی زبان اور وہاں کے جو بڑے بڑے سندات اور کاغذات سرکاری تیار ہوتے ہیں، آج بھی آپ دیکھ لیجئے، وہی قرآن اور حدیث والی زبان ہے، تو ۱۴۰۰ سال ہونے کے باوجود عربی زبان محفوظ ہے اس کا کیا مطلب ہوا؟ دنیا کے بہت سارے مذاہب ایسے ہیں، بہت سی قومیں ایسی ہیں، ان کی جو کتاب ان کے پاس ہے، ۵۰۰ سال کے بعد وہ OUT OF DATE ہوجاتی ہے، یہ کلاسکل لائبریری میں رکھی جاتی ہے دیکھنے کے لئے، پڑھنے کے لئے نہیں؛ جب کہ قرآن کریم اور قرآن کریم کی نسبت سے اسلامی لائبریری میں کوئی کتاب ایسی نہیں جو کلاسکل ہو اور جس کو صرف دیکھنے کے لئے رکھا جائے؛ بلکہ ہر کتاب عربی زبان میں قرآن و حدیث کی زبان میں اگر ہے، تو ہر زمانہ کا عالم اس کو پڑھے گا، سمجھے گا اور اس سے فائدہ اٹھائے گا، یہ برکت ہے اللہ کے اس کلام کی۔

یہود و نصاریٰ کو قرآن کریم نے فرمایا بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ (مائدہ:۴۴) ان کو اللہ کی کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری دی تھی اور اللہ پاک نے اس امت کے لئے فرمایا اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (حجر:۹) دنیا کی دوسری قوموں نے مذہبی کتابوں کو اپنی اجارہ داری سمجھ لیا، ان کی قوم کے علاوہ کوئی پڑھ نہیں سکتا، مذہبی رسومات وہ ہی ادا کرسکتا ہے، بیچ میں وسیلہ بنیں اللہ اور بندوں کے درمیان، تقسیم کرنے والے بیچ میں وسیلہ بنیں کہ ہمارے بغیر اللہ تک نہیں پہنچ سکتے، قرآن کریم میں ۱۴۰۰ سال پہلے اللہ پاک نے فرمایا، ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ (غافر:۶۰) اور صاف فرمادیا جب بھی میرے بندے مجھے پکارتے ہیں میں ان کی پکار کو سنتا ہوں، اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ (بقرہ:۱۸۶) قرآن کریم کی اس برکت نے دنیا میں انسانوں کو براہ راست خدا سے جوڑا اور مخلوق سے خدائیت کے تعلق کو توڑا، جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اسی لئے آئے، اس لئے میں ہمارے حفاظ قرآن سے کہوں گا جب کوئی پریشانی ہو، براہ راست جس کا قرآن آپ کے سینے میں ہے اسی ذات سے وابستہ ہوں۔

ابن تیمیہؒ کے متعلق لکھا ہے: مسائل حل نہیں ہوتے تھے، جنگل میں جاتے تھے، اور کہتے تھے باری تعالیٰ علم کا سرچشمہ آپ ہیں آپ مجھے علم نصیب فرمائیں، عطا فرمائیں، اسی طرح علمی مسائل بھی آپ حل کرتے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہاں جمع فرمایا اور اتنی عظیم نعمت سے ہمیں نوازا، ہم اس نعمت کی سب سے پہلے قدر کرنے والے بنیں۔

سب سے بڑا قطب:

عام طور پر ہمارے یہاں حفظ کے اساتذہ کو لوگ بہت زیادہ بڑا نہیں سمجھتے، لیکن غور کیا جائے تو حفظ کے اساتذہ وہ ہے جو صبح سے لے کر شام تک برابر قرآن کریم سے وابستہ ہے، نحو پڑھانے والے، صرف پڑھانے والے؛ بلکہ تفسیر اور حدیث پڑھانے والے کتابوں کے واسطہ سے قرآن کریم تک پہنچ رہے ہیں اور حفظ کے اساتذۂ کرام کو اللہ پاک نے اس نعمت سے نوازا کہ براہ راست آپ صبح سے لے کر شام تک اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ رہتے ہیں، اسی لئے پاکستان

کے ایک بہت بڑے بزرگ ہیں، وہ بچوں کو مکتب پڑھاتے تھے، حفظ پڑھاتے تھے، اس وقت کے ایک بہت بڑے قطب وابدال نے فرمایا کہ انہوں نے بچوں میں اپنے آپ کو گھیر کر اپنے آپ کو چھپائے رکھا ہے، یہ اس وقت کا سب سے بڑا قطب ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو ۲۴ گھنٹے قرآن سے وابستہ زندگی عطا فرمائی، یہ اتنی بڑی نعمت ہے۔

میں اساتذۂ کرام سے کہوں گا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر یہ ادا کریں کہ اللہ پاک نے براہ راست آپ کو قرآن کریم سے وابستہ رکھا، بیچ میں کوئی واسطہ اور وسیلہ نہیں رکھا، آپ سیدھے اللہ پاک سے وابستہ ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہی سنی باتوں پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے، جن اساتذۂ کرام نے آپ پر محنت فرمائی، آپ کے والدین جنہوں نے بھیجا اور انتظامیہ نے آپ کے لئے ساری سہولتیں میسر فرمائی، اللہ تبارک وتعالیٰ ان تمام کو بہترین بدلہ نصیب فرمائے، جس دارالقرآن میں آپ پڑھ رہے ہیں، اللہ پاک کے بندے جنہوں نے اس دارالقرآن کی تعمیر کا انتظام فرمایا، وہ ہمارے سامنے یہاں ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کی قیمتی کمائی کو قرآن کریم سے وابستہ کیا، یہی نہیں؛ بلکہ بہت سارے اداروں کے اندر آپ نے دارالقرآن قائم فرمائے، ان کو بھی مبارک باد دیتا ہوں، اللہ پاک نے آپ کے مال کو قرآن کریم سے وابستہ فرمایا، آپ بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ اللہ پاک نے آپ کو یہ توفیق عنایت فرمائی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو کہی سنی باتوں پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(۸)

مسلم پرسنل لا

(بمقام: ٹنکاریہ)

الحمد لله رب العالمین ، والصلاۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین. قال اللہ تبارک وتعالیٰ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴿۶۵﴾ (نساء:۶۵) **وقال تعالیٰ:** اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۚ (مائدہ:۳)

وقال النبی ﷺ: لایؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ.

(کتاب شرح الأربعین النوویة: ۴/۳۴، فتح الباری، ۱۳/۲۸۹)

وقال النبی ﷺ اکمل المؤمنین ایماناً احسنھم خلقا. (أبو داود: کتاب السنة، باب الدلیل علی زیادۃ الإیمان ونقصانہ)

صدق اللہ العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علیٰ ذلک لمن الشاھدین والشاکرین والحمد للہ رب العالمین.

محترم ومکرم حضرت صدر صاحب، حضرات علماء کرام اور دور دراز سے آنے والے ایمان والے بھائیو اور ٹنکاریہ کے باشندو، دوستو اور بزرگو!

گذشتہ کئی روز سے یہ مسئلہ چلا آرہا ہے اور ہم میں سے ہر ایک روزانہ اخبارات اور میڈیا

کے ذریعہ اس خبر کو سنتے اور پڑھتے ہیں، بار بار یہ لفظ آرہا ہے ''مسلم پرسنل لا'' (Muslim Personal Law)، ہمارے نوجوانوں کی ایک بہت بڑی جماعت اور مسلمان بھائیوں میں سے بہت سارے حضرات ایسے ہیں جو بیچارے یہ نہیں سمجھ پارہے ہیں کہ یہ مسلم پرسنل لا کیا ہے؟

قرآن حکیم اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

دوستو اور بزرگو! ہمارے صدر محترم صاحب نے مجھے اسی پرسنل لا کے موضوع پر گفتگو کرنے کا حکم فرمایا ہے، سب سے پہلے تو یہ سمجھا جائے کہ اس دنیا میں ایک ہے مسلمان، جس کو اللہ پاک نے جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ ایک شریعت عطا فرمائی، دنیا میں ایک بہت بڑی آبادی وہ ہے جو بیچارے شریعت کو نہیں جانتے، جو کسی آسمانی مذہب کو نہیں مانتے اور دو مذہب ایسے ہیں جو آسمانی مذہب کو مانتے ہیں؛ لیکن ان کی شریعت منسوخ ہوچکی ہے اور اب انہوں نے اپنی مذہبی کتاب پر عمل کرنا بھی چھوڑ دیا ہے، اس لئے اس وقت پوری دنیا میں ایک طرف مسلمان ہیں جو اپنی زندگی کے پورے دستور العمل، پیدائش سے لے کر موت تک کی پوری زندگی کا ہر حکم قرآن کریم اور جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی کو سمجھ رہے ہیں اور قرآن کریم کی بہت ساری آیات جس میں سے ایک آیت میں نے آپ کے سامنے پڑھی، اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں فَلَا وَرَبِّكَ آپ کے رب کی قسم لَا يُؤْمِنُوْنَ مسلمان پکے مومن ہو نہیں سکتے ہیں حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ (نساء:۶۵) یہاں تک کہ وہ اپنے آپس کے جھگڑے اور آپس کے اختلافات میں آپ کو یعنی جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی کو فیصل اور جج اور آپ کے حکم کو آخری حکم تسلیم نہ کرلے، لَا يُؤْمِنُوْنَ وہاں تک وہ کامل مومن نہیں ہوسکتے اور آگے فرمایا ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ اپنے دل میں نبی کے کئے ہوئے فیصلے پر ذرہ برابر کوئی تنگی اور پریشانی محسوس نہ کرے، وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۝۶۵ (نساء:۶۵) اور جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کو آپ کے احکام کو مکمل طور پر قبول کرلے وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر اپنی طرف سے ذرہ برابر چوں و چرا نہ کرے،

کیوں؟اس لئے کہ اللہ پاک نے آپ کو جو دین لے کر بھیجا ہے اور جس شریعت عظمیٰ کو لے کر مبعوث فرمایا ہے، ان کے لئے فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴿۱۰۷﴾ (انبیاء:۱۰۷) کہ اے ہمارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم نے آپ کو ساری کائنات کے لئے رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ بنا کر بھیجا ہے، صرف انسانوں کے لئے نہیں، صرف جانوروں کے لئے نہیں، جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرنا پوری روئے زمین کے انسانوں کو ہی نہیں، کائنات کی ہر مخلوق کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت سے فائدہ پہنچے اس کے لئے اللہ پاک نے یہ دین اور یہ شریعت لے کر جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجا ہے، اس لئے ایک اور آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا: وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ (احزاب:۳۶) کسی مسلمان مرد اور مسلمان عورت کے لئے اس بات کی گنجائش نہیں ہے، یہ جائز نہیں ہے کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی چیز کا فیصلہ فرما دے، اللہ اور اس کا رسول جب کوئی فیصلہ کرے اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ان کو اپنی ذات سے اپنی خواہش کے مطابق کسی چیز کا اختیار ملے ایسا نہیں ہوگا؛ بلکہ اسے اپنی ذات، اللہ اور اس کے رسول کے حوالے کرنی ہوگی، یہ تو ہم اور آپ سب مسلمان جانتے ہیں۔

اسلامی قانون کی خصوصیت:

دوستو اور بزرگو! سب سے بڑا بنیادی فرق یہ ہوتا ہے کہ دنیا کی قوموں کے پاس اپنی زندگی گزارنے کے لئے کوئی خدائی قانون اور پیغام نہیں ہے، یہی ایک امت تن تنہا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغام عطا فرمایا، اس لئے جب یہ اللہ کے پیغام کو دنیا کے سامنے پیش کرتی ہے تو یہ بیچارے خود شریعت نہیں رکھتے، ان کے پاس اپنا لا اور اپنا قانون جو ہے وہ صرف اور صرف انسانوں کا تجربہ، اپنے رسم، اپنے رواجات، اپنی عادتیں اور اپنی (પરંપરાઓ) ہیں، ان کے پاس کوئی آسمانی صحیفہ موجود نہیں ہے، اور کوئی اللہ کے رسول کا تصور نہیں ہے، اس لئے انہوں نے اپنے قانون کے متعلق یہی سمجھا ہے کہ ہمارا قانون انسانوں کا بنایا ہوا ہے،

ہمارے قانون میں انسانوں کی سوچ سے فرق پڑے گا، ہمارے قانون میں زمانہ کی تبدیلی سے، زمانہ کے ہیر پھیر سے ہمارے قانون میں ہم کچھ پھیر پھار کر سکتے ہیں، دنیا بھر کی پارلیمنٹ اور دنیا بھر کے لاکمیشن چند سالوں میں چند دنوں میں مختلف قسم کے قانون بدلتے رہتے ہیں، انہوں نے یہ سمجھا کہ جیسا ہمارا سماجی زندگی کا ایک نظام ہے، جو صرف اور صرف رسم و رواج اور قوموں کی (પરંપરાગત) کے مطابق ہے، مسلمانوں کا قانون اور مسلمانوں کے پاس جو شریعت ہے یہ بھی زمانہ کے تغیر سے، زمانہ کے بدلاؤ سے بدل سکتی ہے، اس لئے یہ بیچارے شریعت نہیں سمجھ رہے ہیں، آپ روزانہ جو ڈبیٹ سن رہے ہیں اور اس کے اندر جو باتیں آرہی ہیں اور اس قسم کے سوالات طلاق کے متعلق، حلالہ کے متعلق، ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنے کے بارے میں، اور اس طرح کی مختلف قسم کی باتیں ہو رہی ہیں۔

ایک لطیفہ:

میں آپ کو ایک لطیفہ سناؤں، ۱۹۸۶ میں جب شاہ بانو کا مسئلہ کھڑا ہوا، طلاق کے بعد عدت کے دنوں کا خرچ اور اس کے علاوہ جب تک عورت دوسری شادی نہ کرے وہاں تک کا خرچ شوہر کے ذمہ لازم کیا گیا تھا، ۱۹۷۳ میں اندرا گاندھی جس وقت ملک کی وزیر اعظم تھی، اس وقت سے اس مسئلہ کو چھیڑا گیا اور ۱۹۸۶ میں شاہ بانو کے شوہر نے ان کو طلاق دی اور یہ مسئلہ سپریم کورٹ میں پہنچا اور اس موقع پر سپریم کورٹ کی طرف سے یہی ججمینٹ آیا، اس کے مقابلہ میں مسلم پرسنل لا کے اس وقت کے صدر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا منت اللہ رحمانی، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلامؒ یہ سب حضرات اس وقت کے وزیر اعظم راجیو گاندھی سے ملنے پہنچے، مسلم پرسنل لا بورڈ یہ مسلمانوں کی ایک اکیلی ایسی تنظیم ہے جس میں سنی بھی ہے، شیعہ بھی ہے، دیوبندی بھی ہے، بریلوی بھی ہے، اہل حدیث بھی ہے، جماعت اسلامی بھی ہے، مسلمانوں کے جتنے بھی فرقے ہیں، جتنی بھی تنظیمیں ہیں ان سب کا یہ ایک مشترکہ پلیٹ فارم ہے، اپنے اپنے نظریات الگ ہونے کے باوجود جب امت مسلمہ کا مسئلہ

آتا ہے تو مسلم پرسنل لا کے عنوان سے سارے مسلمانوں کو آواز دی جاتی ہے، اور اس لئے آج کی اس مجلس میں بھی جو آپ حضرات مختلف سوچ کے باوجود یہاں جمع ہوئے ہیں، اقبال نے شعر کہا تھا ۔

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک ایک ہی سب کا نبی، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک کچھ بڑی بات تھی، ہوتے جو مسلمان بھی ایک

چنانچہ اس موقع پر مسلمانوں کی مشترکہ جماعت راجیو گاندھی سے ملنے گئی، اتفاق سے رمضان کے مبارک دن چل رہے تھے، یہ سب حضرات جب ملک کے وزیر اعظم راجیو گاندھی کے یہاں پہنچے یہ حضرات بیٹھے، تو ان کو پانی پیش کیا گیا، سب نے منع کیا کہ ہم روزہ سے ہیں، ہم پانی نہیں پی سکتے اور آپ کو معلوم ہونا چاہئے اپریل اور مئی کی گرمی کے دنوں کے رمضان کے دن کے روزے تھے ۱۹۸۶ میں، ایسی شدید گرمی کے موقع پر جب ان حضرات نے پانی واپس کیا، راجیو گاندھی نے دیکھا کہ کسی نے پانی نہیں پیا تو اس نے حضرت مولانا علی میاں ندویؒ سے عرض کیا کہ آپ حضرات ایسا نہیں کر سکتے کہ رمضان کو بارش کے دنوں میں یا سردی کے دنوں میں لے جاؤ، اور ابھی رمضان کے روزے نہ رکھو اور ان کو بعد کے دنوں میں تبدیل کر دو، حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے فرمایا: آپ کو ہم یہی سمجھانے کے لئے آئے ہیں کہ ہم اپنے دین میں اپنی طرف سے تبدیلی نہیں کر سکتے، یہ اللہ پاک کا نازل کردہ دین ہے، وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴿۴۵﴾.....وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴿۴۷﴾ (مائدہ) جو اللہ کے اس دین میں اپنی طرف سے تبدیلی کرے گا یہ فاسق ہوگا، یہ ظالم ہوگا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد ہو رہا ہے۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴿۱۸﴾ (جاثیہ:۱۸) اے ہمارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کو ہم نے ایک شریعت عطا فرمائی ہے، اس شریعت پر آپ کو چلنا ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے راستہ پر چل کر ان کی

پیروی نہیں کر سکتے، مراد یہ ہے کہ آپ تو ہرگز پیروی کرنے والے نہیں ہے؛ لیکن وہ لوگ جو اپنے دین کی طرف آپ کو بلا رہے ہیں لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲﴾ کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا گیا تمہارا دین اور تمہاری شریعت الگ ہے، ہمارا دین اور ہماری شریعت الگ ہے، لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ﴿۶﴾ (کافرون)

تکمیل دین اور اتمام نعمت:

مجھے آپ کو یہ بتلانا ہے کہ ہندوستان کے باشندوں میں سے اور ہمارے پڑھے لکھے میڈیا کے بہت سارے رپورٹر جو دین اور شریعت اور شریعت کے علاوہ انسانی خواہشات سے بننے والی جو قانون کی چیز ہے ان دونوں کا فرق نہیں جانتے، اس لئے یہ جب مسلمانوں سے گفتگو کرتے ہیں تو اس طرح کی بات کرتے ہیں، ایسے موقع پر سب سے بنیادی چیز اور سب سے ضروری چیز یہ ہے کہ ہم ان کو یہ بتلائیں کہ یہ دین اور یہ شریعت ہماری اپنی طرف سے گڑھی ہوئی نہیں ہے، بلکہ یہ اللہ پاک کا آخری پیغام ہے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (مائدہ: ۳) اللہ پاک نے حجۃ الوداع کے موقع پر جمعہ کا دن ہے، عرفات کا میدان ہے، عرفہ کا دن ہے اور جمعہ کے دن عصر بعد کی برکت والی گھڑی ہے، اس موقع پر جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپ کے واسطے سے پوری دنیائے انسانیت کے لئے ایک رحمت والا، ایک امن والا پیغام دیا اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ اے ایمان والو! تمہارے لئے ہم نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا، اب اس میں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ میری نعمتوں میں سے سب سے بڑی نعمت جو میں نے مکمل کی ہے وہ یہ ہے کہ اب اس دین کو اللہ تعالیٰ نے آخری دین بنایا قیامت تک کے لئے فلا رسول بعدي ولا نبي. (ترمذی: أبواب الرؤیا، باب ذهبت النبوة وبقيت المبشرات) جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اب کوئی نبی اور کوئی رسول آنے والے نہیں ہے، اس لئے اس شریعت کے بارے میں اللہ پاک نے اعلان فرمایا: وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ (آل عمران: ۸۵) کہ جو شخص اسلام کے علاوہ اور

نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سکہ کے علاوہ اور کوئی سکہ لے کر آئے گا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ (آل عمران) لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (احزاب:۲۱) جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی سب سے بہتر آئڈیل اور سب سے بہترین نمونہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی کی زندگی نمونہ نہیں ہے، چاہے پاکستان کی پارلیمنٹ کا قانون ہو، چاہے مصر کا قانون ہو، چاہے انڈونیشیا اور ملیشیا کا قانون ہو، ہم ہندوستانی مسلمان کسی کی بات سے مرعوب ہونے والے نہیں ہے اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (آل عمران:۱۹) جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس تعلیم کو لے کر آئے ہیں، آپ ہی کی ذات نمونہ ہے، یہ اس دین کا سب سے بنیادی پوئنٹ ہے، یہاں آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی کی ذات کو سو فیصد نمونہ نہیں بنا سکتے ہیں، آپ ہی کی ذات کو اللہ پاک نے ایسا بنایا ہے کہ آپ کا سونا، آپ کا جاگنا، آپ کا بیٹھنا، آپ کا اٹھنا ہر ہر چیز جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نمونہ ہے، اس لئے اس دین اور شریعت کو جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ مکمل کیا، یہ انسانیت پر احسان فرمایا رحمۃ للعالمین کو بھیج کر۔

اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق کا تحفظ:

اس کے بعد دوسری چیز جو مجھے آپ حضرات کے سامنے عرض کرنی ہے، یہ جو دین اور شریعت لے کر تمام انبیاء علیہم السلام آئے، اللہ پاک نے ایک آیت میں فرمایا: شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ وَمَا وَصَّیْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰى وَعِیْسٰٓى اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ (شوریٰ:۱۳) یہ حضرت آدمؑ سے جو ایک دین چلا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس قصر نبوت کی آخری اینٹ کو مکمل کر لیا ہے اور اس دین کو امت محمدیہ نے قبول کیا اور روئے زمین پر خلافت راشدہ قائم ہوئی، حضرت ابوبکر صدیقؓ سے لے کر تمام اسلامی ممالک میں مسلمان بادشاہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی پیروی کرتے ہوئے اپنے ملک کی غیر مسلم رعیت کے ساتھ روا داری کا سلوک کیا، ان کا مذہبی لا (Law) اور ان کے اپنے رسم ورواجات جو بھی تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سب سے پہلے نصاریٰ کے

لئے ایک لمبا خط لکھا اور اپنے آدمیوں کو اپنے سپہ سالاروں کو بھیجا یہ خط لے کر، جس میں یہ لکھا گیا کہ ان کے پادری کو ستایا نہیں جائے گا، ان کی عورتوں کو ان کے بچوں کو ستایا نہیں جائے گا، جو عبادت گاہوں میں رہے ہوں گے ان کو چھیڑا نہیں جائے گا، ان کی کھیتی کو اجاڑا نہیں جائے گا، اپنی غیر مسلم رعیت کے ساتھ یہ سلوک کرنے کے ساتھ آپ نے یہ پیغام دیا کہ ان کی مذہبی رسومات میں ہماری طرف سے کسی طرح کی دخل اندازی نہیں کی جائے گی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے لے کر جہاں جہاں بھی مسلمان بادشاہ تھے سب نے اس کا خیال رکھا۔

محمد بن قاسم: سندھی رعایا سے برتاؤ:

اس ملک میں سب سے پہلے محمد بن قاسم سندھ میں تشریف لائے، اور آپؒ نے سب سے پہلے سندھ کے مسلمانوں کی طرف سے اور سندھ کے اسلامی لشکر کی طرف سے جو برہمن آباد سندھ کا کیپٹل تھا، اور وہاں کے راجا داہر کی حکومت تھی، آپ نے ایک پیغام دیا، اس میں یہی لکھا کہ آپ لوگوں کو اپنے مذہب کی چیزوں پر عمل کرنے کی مکمل آزادی ہے، یہ محمد بن قاسم سے لے کر بہادر شاہ ظفر تک ۱۸۵۷ء تک اس ملک کی پوری تاریخ میں حتیٰ کہ سلطان محمود غزنوی بھی یہاں جتنی مرتبہ آئے انہوں نے اپنی رعایا کے ساتھ رواداری ہی کا سلوک کیا، ہندوؤں کی آبادی غزنی شہر میں تھی، ان کے سکہ پر ایک طرف لا الہ الا اللہ تھا تو دوسری طرف سنسکرت میں لکھا ہوا تھا اور اس طریقہ کی رواداری سے مسلمان رہے۔

جب مسلمان اس ملک میں آئے اور خاص کر کے گجرات میں آئے تو یہاں کے راجاؤں نے یہاں کی مسلمان آبادی کے ساتھ وہی سلوک کیا اور انہوں نے مسلمانوں کی جو آبادی رہتی ہوگی ان کے لئے علماء کو مقرر کیا گیا اور ان کے مذہبی معاملات میں ہندوستان کے گجرات کے بلہرا راجا نے علما (ہنرمند) مقرر کیے۔

مسعودی ایک بہت بڑے مؤرخ ہے، جو گجرات میں آئے تھے چوتھی صدی ہجری میں، اور انہوں نے اپنی تاریخ مسعودی میں لکھا ہے کہ دس ہزار کے قریب مسلمانوں کی آبادی دریا کے کنارہ

پر آباد تھی، یہاں کے راجا بلہرا نے مسلمانوں کے لئے ایک عالم مقرر کیا جس کا نام ہنرمند تھا، اور یہاں کے راجا نے مسلمانوں کے مذہبی معاملات میں دخل اندازی نہیں کی، یہ اس ملک کی رواداری کا انجام ہے، یہاں کے مسلم بادشاہوں نے بھی یہاں کی غیر مسلم رعیت کے مذہب کا، ان کے عقائد کا، ان کے نظریات کا، ان کی سوچ کا، ان کے [illegible] اوران کے جذبات کا لحاظ کیا اور یہاں کے ہندو راجاؤں نے مسلسل مسلمانوں کے ساتھ اسی طریقے کا برتاؤ کیا۔

مسلم پرسنل لا (شریعت) اپلیکیشن ایکٹ ۱۹۳۷:

جب انگریز اس ملک میں آئے، ان کے آنے سے پہلے اس ملک میں مسلمانوں کی حکومت قائم تھی، اور مسلمانوں نے اسی طریقے سے اپنی غیر مسلم رعیت کے ساتھ یہ نظام باقی رکھا تھا، انگریز نے آکر مسلمانوں کے فوجداری نظام کو توختم کیا، اسلامی سزائیں وغیرہ؛ لیکن جو ہماری دیوانی باتیں ہیں، دیوانی کورٹ میں آنے والے مسائل ہیں، جن کو سماجی SOCIAL مسائل کہا جاتا ہے، جس میں نکاح آگیا، طلاق، مہر نفقہ، بچہ کی پرورش، وقف کے مسائل، بخشش کے مسائل، وراثت کے مسائل، یہ سارے مسائل انہوں نے باقی رکھے اور ۱۹۳۷ میں شریعت ایکٹ لاگو ہوا اوراس شریعت اپلیکیشن ایکٹ ۱۹۳۷ کے اندر مسلمانوں کو حقوق دیئے اور اس ملک کے مسلمانوں کے لئے انہوں نے پرسنل لا قبول کر لیا اور یہ کہا کہ ان معاملات میں حکومت دخل نہیں دے گی، یہ معاملات مسلمان آپس میں حل کریں گے، یہ تو ۱۹۳۷ کی بات کررہا ہوں، اس کے بعد ملک آزاد ہوا، ملک کی آزادی کے بعد ۱۹۵۰ میں جب ملک کا سب سے پہلا دستور، آئن اور બંધારણ تیار ہوا، تو ابھی جیسے مولانا ناصر صاحب نے کہا اس کی دفعہ نمبر (કલમ નંબર) ۲۵ سے لے کر دفعہ نمبر (કલમ નંબર) ۲۹ تک میں (Mainority) اقلیت کے لئے یہ حقوق تسلیم کر لئے گئے کہ اس ملک کے اقلیت میں رہنے والے لوگ اپنے کلچر کی حفاظت کر سکتے ہیں، اپنی تعلیم کے لئے انتظام کر سکتے ہیں، اپنی تبلیغ کا انتظام کر سکتے ہیں، ہندوستان میں اسلام کی تبلیغ کرنے کا حق ہمیں ملک کے دستور کی دفعہ ۲۵

سے لے کر ۲۹ تک کی دفعات نے دیا۔

آئین ہند:

اس کے ساتھ اس ملک کے اور دوسرے دستوری قوانین ہیں، اس ملک کا جو બંધારણ ہے، اس کے دو حصے ہیں، ایک کو کہا جاتا ہے فنڈامنٹل (بنیادی حقوق) فنڈامنٹل رائٹس اور ایک ہے رہنما اصول (માર્ગદર્શક કાનૂન) یہ دوا لگ الگ ہے، ملک کے ۳۹ ویں آرٹیکل میں یہ لکھا ہوا ہے کہ بنیادی حق، فنڈامنٹل رائٹس کو پہلا حق ہے اور اس کے مقابلہ میں رہنما اصول کو بعد کا درجہ ملے گا، یہ قانون نہیں ہے، اب جب ملک کے آئین نے ۲۵ ویں دفعہ میں یہ لکھا ہے کہ مسلمان اپنے مذہب پر آزادی سے عمل کرسکتے ہیں اور ۴۴ ویں دفعہ میں رہنما اصول ہے۔

خدائی قانون اور انسانی قانون میں فرق:

خدائی قانون کے سلسلے میں اللہ پاک نے اعلان فرمایا، چیلنج فرمایا أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ﴿٨٢﴾ (نساء: ۸۲) یہ پوری انسانیت کو کہا جا رہا ہے، یہ قرآن کریم میں غور وفکر کیوں نہیں کرتے؟ اگر یہ قرآن میں غور وفکر کریں گے تو یہ بات پائیں گے کہ اللہ کے کلام میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا، انسانوں کے کلام میں વિરોધાભાસ ہوتا ہے، اس کی دلیل میں آپ کو بتلا رہا ہوں کہ بنیادی حقوق کی دفعہ ۲۵ میں تو سب کو آزادی کے ساتھ اور اپنے اپنے مذہب اور اپنے کلچر پر عمل کرنے کی اجازت دی گئی؛ لیکن ۴۴ ویں دفعہ میں یہ لکھا کہ آہستہ آہستہ اس ملک کو (Common Code) سمان سول کوڈ کی طرف لایا جائے اور کسی نہ کسی طریقے سے سب کا ایک کوڈ ہو جائے، یہ اس وقت سے لکھا گیا؛ لیکن બંધારણ لکھنے والوں مین مسٹر آنبیڈکر موجود تھے، ان کی یہ عبارت لکھی ہوئی ہے، انہوں نے صاف لکھا ہے کہ کسی بھی قوم پر زبردستی کرکے ان کے کلچر کو ہٹا کر دوسرا کلچر نافذ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں، اسی طرح شریعت اپلیکیشن ایکٹ کی مختلف دفعات ہیں دفعہ نمبر دو (۲) ہے، جس میں صاف لکھا ہوا ہے کہ مسلمانوں کو اپنی شریعت پر عمل کرنا ہے تو ان پر

عمل کرنے کے لئے ان کو مجبور نہیں کیا جائے گا، یہ ساری بنیادی دفعات ہیں۔

اس کے علاوہ انٹرنیشنل جو لا (Law) ہے، اس میں جو ہیومن رائٹس (انسانی حقوق) بتلائے گئے ہیں اوراس میں بھی سب کو مذہبی آزادی کا حق دیا گیا ہے، یہ ساری باتیں مسلمان بھی جانتے ہیں، ہمارے غیر مسلمین بھی جانتے ہیں، اس لئے سب سے بنیادی بات یہ ہے کہ اس ملک کا آئین، اس ملک کا دستور ہمیں اجازت دے رہا ہے؛ لیکن دو قسم کے لوگ اس ملک میں رہتے ہیں، ایک تو وہ ہے جن کو مسلمانوں سے، اسلامی کلچر سے، اسلامی تہذیب سے دشمنی ہے، جو اس ملک میں RSS کا نظام نافذ کرنا چاہتے ہیں، ۲۰۱۴ سے یہ جو حکومت آئی ہے اور اس کے بعد سے مسلسل جو کوششیں مختلف راستوں سے کی جارہی ہیں، کبھی الفاظ کے ذریعہ دھمکایا جارہا ہے، کہیں ہمارے مذہبی تیوہار کے موقع پر مذہبی رسومات کی ادائیگی میں دخل اندازی کر کے مسلمانوں کو چھیڑا جارہا ہے۔

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کا انقلابی کارنامہ:

دوستو اور بزرگو! اس امت کے لئے یہ پہلا امتحان نہیں ہے، یہ امت بار بار اس قسم کے امتحانوں سے گذری ہے، اسی ملک میں اکبر کے دور میں دین الٰہی کی بنیاد رکھی گئی اور قرآن اور شریعت کو بدلنے کی باتیں ہوئی اور کون کر رہا تھا؟ ملک کا بادشاہ جس کو سمراٹ کہا گیا، اتنا بڑا جس کو مغل اعظم کہا گیا، اتنا بڑا بادشاہ اپنی حکومت کے نشہ میں شریعت کو بدلنا چاہ رہا تھا؛ لیکن دوستو اور بزرگو! ابھی ہمارے قاری صاحب نے جو فاروقی جملہ ذکر فرمایا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسی فاروقی حمیت اور حضرت عمر ابن خطابؓ کے خاندان کے ایک فرد حضرت مجدد الف ثانیؒ احمد سرہندیؒ کو کھڑا کیا اور آپ نے ہمیں بتلایا کہ کس طریقے سے اس ملک میں ہمارے خلاف ہونے والی تحریکوں کا جواب دیا جائے، اس وقت بھی بادشاہ تھا اوراس وقت بھی حکومت ہے، لاکمیشن تو ان کا ایجنٹ بنا ہوا ہے، اوراس حکومت کے اوپر ایک اور بڑی تھیوری ہے جو اس ملک میں اپنا نظام نافذ کروانا چاہتی ہے، RSS کی یہ پوری کی پوری تحریک دین اور شریعت

کے خلاف مسلمانوں کو دھمکا کر اپنی طرف متوجہ کر کے، لالچیں دے کر، مختلف تدبیروں سے مسلمانوں کا امتحان لے رہے ہیں، حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اس موقع پر یہ کام کیا کہ اکبر کے جتنے وزراء تھے اور اکبر کے جتنے بڑے بڑے گورنر تھے، مسلمان کمانداز تھے، ان کے نام آپ نے خطوط لکھے، ابھی بھی وہ مکتوبات امام سرہندی اردو زبان میں موجود ہیں، حضرت مجددؒ نے فارسی میں لکھے تھے اس کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے، اس کو ہمارے علمائے کرام پڑھیں کہ اس ملک میں جب اس طریقے کے حالات آئے تو مجدد الف ثانیؒ نے کیا کیا؟ ایک طرف حمیت ایمانی، غیرت ایمانی سے آپ نے اس کا مقابلہ کیا، لیکن کیسی تدبیر اور حکمت سے کیا! علامہ اقبال مرحوم نے آپ کو جو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ ؎

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں　　اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے　　جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار

اقبال فرما رہے ہیں کہ ہند میں وہ سرمایۂ ملت کا نگہباں، ملت کی پونجی اور ملت کے پاس سب سے بڑی جو چیز ہے قرآن اور حدیث، اس قرآن اور حدیث کا نگہبان بن کے اس ملک میں وہ کھڑا ہوا، ہند میں وہ سرمایۂ ملت کا نگہباں، اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار، اللہ پاک نے آپ کو ایک ایسے موقع پر کھڑا کیا، جو صحیح وقت تھا، اس کے بعد فرماتے ہیں، گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے، بادشاہ وقت اکبر تو تھوڑی مدت کے بعد انتقال کر گیا اور آپ کا مقابلہ جہانگیر سے ہوا، جہانگیر نے آپ کو گوالیر کی جیل میں قید کر دیا؛ لیکن آپؒ جس بات پر پہلے دن تھے، آپ نے ذرہ برابر اس میں شک نہیں کیا، حتی کہ حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب دامت برکاتہم اپنی کتاب ''اقوال سلف'' میں فرماتے ہیں کہ آپ کی بیوی نے اور آپ کے بچوں نے یہ خط لکھا کہ والد محترم آپ جیل میں ہیں، آپ کے جیل میں ہونے سے ہمیں تکلیف اور پریشانی ہوتی ہے، حضرت نے خط میں لکھا کہ آپ حضرات کو معلوم ہوگا کہ اللہ کے دین کے لئے میں وہاں پہنچا ہوں، اگر اس دین کے لئے اس جیل میں میرا انتقال ہو جائے تو جنت میں ہم

آپس میں ملاقات کریں گے؛ لیکن اس کے لیے میں اپنی گردن نہیں جھکاؤں گا، اللہ کے دین کو سربلند رکھوں گا اور جس مہم میں چلا ہوں اس مہم کو میں کامیابی تک پہنچانے کی کوشش کروں گا۔

دوستو اور بزرگو! اللہ پاک نے آپ کی دعاؤں کو، آپ کی محنت اور آپ کی کاوش کو قبول فرمایا اور اسی ملک میں جہاں ایک طرف اکبر تھا اور اکبر کے بعد جہانگیر کا دور آیا، جہانگیر کے بعد شاہ جہاں آئے اور شاہ جہاں کے لڑکوں میں جب مسئلہ چلا تو یہاں کے غیر مسلموں کا ایک بہت بڑا طبقہ یہ چاہ رہا تھا کہ اس ملک کی حکومت دارا شکوہ کو ملے؛ اس لئے کہ اس کے نظریات دینی اور پکے ایمانی نہیں تھے، وہ برہمنوں کے پاس بیٹھتا تھا، ایمانی قوت نہیں تھی، عجیب و غریب قسم کی وہ باتیں کرتا تھا، اللہ پاک نے حضرت مجددؒ اور آپ کے صاحبزادے کی محنتوں سے اور آپ کی دعاؤں سے ہندوستان کے تخت پر ایک ایسے شخص کو براجمان فرمایا جس نے افغانستان سے لے کر برما تک اور شمال میں کشمیر سے بھی اوپر سے لے کر جنوب تک اس ملک کو ایک منظم نظام کے ساتھ ۵۰ سال تک چلایا اور اللہ تعالیٰ کی شریعت کو اس ملک میں نافذ کرنے کی کوشش فرمائی؛ لیکن اسی بادشاہ نے سب سے زیادہ ہندوؤں کو جاگیریں عطا کی، مندروں کے لئے جگہیں عطا فرمائی، مندروں کے لئے جاگیروں کے آج بھی دستاویز موجود ہے، اورنگزیبؒ کے زمانہ میں ہی اس ملک میں فرانس کا ایک سیاح آیا تھا، وہ اپنے سفرنامہ میں لکھ رہا ہے، سورت آیا تھا، اس نے کہا کہ میں نے ہندوستان میں ہر جگہ پر دیکھا کہ بادشاہ پکا مسلمان ہونے کے باوجود اس ملک کے ہندوؤں کو اپنی مذہبی رسومات پر عمل کرنے سے ذرہ برابر کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ہے، یہ ہندوستان کا کلچر رہا ہے، یہ ہندوستان کی تہذیب رہی ہے، رنگا رنگ تہذیب اور ثقافت کے ساتھ یہ ملک آباد تھا۔

سمان سول کوڈ (Common Civil Code) کیا ہے؟

اب اس ملک میں یہ کوشش ہو رہی ہے کہ مسلمانوں کے قانون کو بدلا جائے، اس کو جو لفظ کہا جاتا ہے ''مسلم پرسنل لا''، دوستو اور بزرگو! اس کو سمجھنا ہے، یہ انگلش لفظ ہے اور یہ آیا ہے

انگلش قوم کے پاس سے، ان کے کلچر، ان کی تہذیب اوران کی اپنی ذاتی جو باتیں ہیں اس کی بنیاد پر آیا ہے، اللہ کے اس دین کو حضرت عیسیٰ جو لے کر آئے تھے: انہوں نے حضرت عیسیٰ ؑ کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد عیسائی مذہب کو بدل دیا اوراس میں شرک کی ملاوٹ کر دی، اس کے بعد رفتہ رفتہ عیسائیوں میں یہ ہوا کہ صرف چرچ میں جانا ہے عبادت کے لئے، وہاں تک آپ عیسائی ہے، اس کے بعد آپ کو اپنی زندگی کے دوسرے تمام معاملات میں مذہب سے کسی قسم کا کوئی માર્ગદર્શન اور کسی قسم کی کوئی رہنمائی نہیں لینی ہے، صاف لفظ ہے بائبل (تبدیل شدہ) کا "جو خدا کا ہے وہ خدا کو دو، اور جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دو" یعنی خدا کے لئے صرف چرچ میں جاؤ، اس کے بعد تم کاروبار میں، اپنی سماجی زندگی میں، اپنے اخلاق کے اندر، اپنی પરંપરાઓ میں، اپنے رسم ورواج میں، اپنی عادتوں اورعرف کے اندر، تم دین اور شریعت کے بالکل محتاج نہیں، اس بنیاد پر یہ لفظ آیا ہے "پرسنل" یعنی انسان کی زندگی دو طرح کی ہے۔ایک مذہبی زندگی جو مسجد تک، عبادت تک، اور زندگی کے باقی معاملات میں خدا کو چھوڑ دو اورا پنی چاہت کے مطابق زندگی گزارو، آج اس ملک میں یہی کوشش ہو رہی ہے کہ مسلمان صرف مسجد میں نماز کے لئے جائے، باقی اس کے بعد دین وشریعت کے احکام پر بالکل عمل نہ کرے، یہ ہندوستان کے کلچر اور یہاں کی سنسکروتی میں رنگ جائے اوراس کو کہا جاتا ہے سمان سول کوڈ۔

بہت افسوس کی بات ہے کہ اس وقت یہ آواز لگ رہی ہے، ۵۰ سال سے سمان سول کوڈ کا لفظ بولا جا رہا ہے؛ لیکن ملک کے کسی بھی قانون داں سے آپ یہ پوچھو: ہندوستان کا لا کمیشن جو اس وقت محنت کر رہا ہے، اس سے یہ پوچھا جائے کہ آپ کے پاس سمان سول کوڈ کا مسودہ ہے؟ اس ملک میں سمان سول کوڈ کا کیا مطلب؟ کوئی نہیں بتلا سکتا، اس لئے کہ ایسی کوئی چیز اس ملک میں ہو ہی نہیں سکتی، ہمارے ۸۰ فیصد ہندو بھائی غیر مسلم ہیں ان میں اتنی قومیں ہیں، اتنا کلچر الگ الگ ہے، دو دن پہلے آپ نے سنا کہ راون دہن جو ابھی ہوا، دسہرہ کے دن، سری لنکا

کے لوگوں نے اس کی مخالفت کی ؛اس لئے کہ وہاں اس کو بڑا سمجھا جا رہا ہے، کچھ لوگ اس کو بھگوان کا درجہ دیتے ہیں، تو یہاں یہ راون ہے اور وہاں وہ بھگوان ہے۔

اس ملک میں ناگالینڈ نام کا ایک صوبہ ہے، اور اس طرح کے شمال مشرقی جتنے بھی صوبے ہیں، اروناچل ہے، میزورم ہے، سکیم ہے، یہ تمام صوبے وہ ہیں جن کا کلچر ہندوستان کی عام قوموں سے الگ ہے، ان کے چہرے بھی الگ ہے، ان کی زبانیں بھی الگ ہے، ان کے رسم ورواج بھی الگ ہے، اس لئے جب ناگاؤں نے اس ملک میں علیٰحدگی کی مہم چلائی، ہندوستان میں نہیں رہنا ہے، ان سے بار بار حکومت کی گفتگو ہوئی، ان کو راضی کیا گیا کہ کسی بھی طریقے سے تم اس ملک میں رہو، انہوں نے ایک بات پیش کی کہ ہندوستان کے جو قانون ہے سماجی زندگی کے اور دوسرے جتنے بھی حکومت ہند کا ધારાધોરણ ہے، جو سماجی زندگی کے مسائل سے وابستہ ہے؛ ان میں سے کسی مسئلہ پر ہم عمل نہیں کریں گے، ہماری اپنی رسم ورواج اور ہماری اپنی પરંપરાઓ ہوگی، اسی پر ہم عمل کریں گے، ہندوستانی حکومت مجبور ہوئی اور حکومت نے ان کو اس پر راضی کرلیا اور حکومت نے دستخط کئے، تو کس کو سمان سول کوڈ کہا جاتا ہے؟ جس سمان سول کوڈ کی باتیں ہو رہی ہے! یہ صرف اور صرف مسلمانوں کو اپنے رسم ورواج چھوڑنے کے لئے بات کہی جارہی ہے، ہم آج ان سے پوچھیں کہ آپ جس کو یکساں سول کوڈ کہتے ہیں تو اس ملک کے دستور میں جب آپ اس کو یکساں اور سمان کہہ رہے ہیں تو مسلمانوں کی آبادی ۲۰ فیصد ہے، اور آپ کی آبادی ۸۰ فیصد ہے، تو ملک میں جو قانون بنے گا ۲۰ فیصد قانون تو ایسے ہونے چاہیئے جو اسلامی شریعت کے مطابق ہو، کون تیار ہے اس کے لئے!

شرعی سزائیں؛ جرائم کا سدباب:

مجبور ہوتے ہیں تو تیار ہوتے ہیں، گجرات ہی کی پٹن (પાટણ) شہر کی P.T.C. کالج میں پڑھنے والی ایک لڑکی کے ساتھ زنا بالجبر کیا گیا اور اس کو ایک جگہ پہاڑی پر سے گرا کر اس کی نعش کو ادھر ادھر کر دیا گیا، جب اس لڑکی کی ماں کو اس کے قاتل کا پتہ چلا تو اس کی ماں نے یہ

کہا کہ اس کو میرے حوالہ کر دو، میں اس کا کچومر کر دوں گی، میری لڑکی کے ساتھ اس نے اس طریقے سے ریپ کیا ہے، [illegible] کیا، کسی اور غیر مسلم نے آواز لگائی کہ اس ملک میں سعودی والا نظام نافذ ہونا چاہئے، اسلامی سزائیں اس ملک میں نافذ ہو تو ہی یہ لوگ اس طریقے کی حرکتوں سے باز آئیں گے، یہ اندر سے نکلنے والی آوازان کو مجبور کر رہی ہے کہ قرآن اور شریعت پر عمل ہونا چاہئے۔

یکساں سول کوڈ علاؤالدین کا جادوئی چراغ یا علی بابا کا ''سم سم دروازہ کھل جا'' والا کوئی جادوئی منتر ہے، جس کے نافذ کرتے ہی ہندوستان میں دودھ کی نہریں بہنے لگے گی، اور ملک کے بنیادی مسائل بجلی، پانی، ہسپتال اور سڑکوں وغیرہ کی تکلیف دور ہو جائے گی، اور اس کے ساتھ ہی رشوت کی عمومی بلا، بدامنی، بے کاری، اقتصادی بدحالی، جہیز کی بنیاد پر سینکڑوں نئی نویلی دلہنوں کو جلانا، بینکوں اور حوالوں کے روز بروز اربوں روپی کے گپلے وغیرہ سب مسائل فوراً حل ہو جائیں گے، تو وہ بے چارے شیخ چلی کی خوابی دنیا میں جی رہے ہیں، سول کوڈ اگر مسائل کا حل ہوتا تو یورپ کو دو بڑی جنگیں نہ لڑنی پڑتیں، جن میں مرنے والوں کی مجموعی تعداد انسائکلو پیڈیا آف برٹانیکا کے مقالہ نگار کے مطابق چھ کروڑ تھی، جن ملکوں کے درمیان یہ جنگیں ہوئیں انکا کوڈ ایک ہی تھا، بلکہ دونوں کا نذہب بھی عیسائی اور فرقہ بھی ایک ہی پروٹسٹنٹ تھا۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ بھارت کے دستور نے ہر صوبے واسٹیٹ کو اپنے جغرافی اور کلچری ماحول کو سامنے رکھکر الگ قانون بنانے کا اختیار دیا ہے جس کی وجہ سے ایک ہی ملک کے تمام صوبوں کے قانون آپس میں اتنے مختلف ہیں، جتنے کہ دو ملکوں کے قانون ہوتے ہیں، پھر بھی بھارت کی ایکتا اور اکھنڈتا میں کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔

اہم بات یہ ہے کہ کومن سول کوڈ بھارت دیش میں بسنے والے مختلف طبقات اور قبائل سے تشخص کی بقاء کے لئے بھی بے حد خطرناک ثابت ہوسکتا ہے، کیونکہ کھاسی قبائل اور کیرالا کے بعض فرقے باپ کے بجائے ماں کو خاندان کا سربراہ تسلیم کرتے ہیں، شمال مشرق کے قبائل

کے رسم ورواج تو ملک کے دوسرے علاقے کے لوگوں سے بہت ہی مختلف ہیں، خود ہندوؤں میں ملک کے ایک حصہ میں اگر ایک گوتر کے افراد میں شادی بیاہ کی ممانعت ہے، تو دوسرے حصہ میں ماموں کا اپنی بھانجی کے ساتھ شادی کرنا افضل سمجھا جاتا ہے، جہاں تک عورتوں کے ساتھ انصاف کی بات ہے تو خود ہندوکوڈ اور سیکولر قانون میں بھی ان کے ساتھ حق تلفی ہی ہورہی ہے، زمینداری ایکٹ میں لڑکے کی موجودگی میں ماں، بیوہ عورت اور لڑکی کا حق سلب کرلیا گیا ہے، اسی طرح ہندو وراثت ایکٹ میں بہن کو حصہ ملنے کے شرائط بہت سخت ہیں، اسی طرح میاں بیوی میں علیحدگی کے قانون بھی اتنے پیچیدہ ہیں، جن کی وجہ سے ہندوعورت اپنے سماج میں کثرت سے ظلم وزیادتی کا شکار ہوتی ہے، اس کی وجہ سے ہی نیناتنور ہتیا کانڈ جیسے کیسیس بھی کثرت سے ہوتے رہے ہیں، اسی وجہ سے ماہرین قانون کا کہنا ہے کہ ہندوکوڈ بل کے قانون وراثت میں عورتوں کی حق تلفی کی گئی ہے۔

پرسنل اور مسلم پرسنل لا:

دوستو اور بزرگو! یہ شریعت مطہرہ ہے، تو ایک تو لفظ ہے ''پرسنل'' ہم اس کو پسند نہیں کرتے، پرسنل نہیں ہے، یہاں تو وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ﴿۱۰۷﴾ (انبیاء:۱۰۷) پوری انسانیت کے لئے قرآن کا پیغام ہے، کسی ایک انسان کی پرائیویٹ لائف کے لئے نہیں ہے، پرسنل زندگی کے لئے نہیں ہے، ہماری پرسنل زندگی بھی اسلام کے مطابق ہوگی اور ہمارا ظاہری लाइफ بھی اس کے مطابق ہوگا، ہمارے شادی بیاہ بھی اسلام کے مطابق ہوں گے، ہمارا کاروبار بھی اسلام کے مطابق ہوگا، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بازار میں گشت لگارہے ہیں اور ایک صاحب نے گیہوں میں پانی ڈالا ہوا ہے گیہوں کا وزن زیادہ کرنے کے لئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں ہاتھ ڈالا اور اندر سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گیہوں گیلے معلوم ہوئے، تو آپ نے فرمایا: **من غش فليس منا.** (أبواب البيوع، باب ماجاء في كراهية الغش في البيوع، رقم: ۱۳۱۵) جو دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں، ایک مسلمان کا کاروبار بھی اسلام کے مطابق ہو، ایک مسلمان

کی سماجی زندگی بھی اسلام کے مطابق ہو۔

دوستو اور بزرگو! تو یہ ایک لفظ ہے پرسنل اور دوسرا لفظ ہے ''مسلم پرسنل''۔ یہاں مسلم کا لفظ اگر فرمانبردار مانا جائے تو ساری انسانیت مسلم ہے، اس لئے کہ سب اللہ کے تابع ہیں، سب اللہ کے بندے ہیں، لیکن یہ مراد نہیں لیا جا رہا ہے، مسلم سے صرف مسلمانوں کو مراد لیا جا رہا ہے، اسلام پر عمل کرنے والوں کو مراد لیا جاتا ہے، اس لئے یہ جو لفظ ہے اس کی حقیقت یہ ہوئی کہ جب ملک ۱۹۴۷ میں آزاد ہوا اور دنیا میں یورپ کی قوموں نے اپنے یہاں Social life کے لئے الگ الگ قانون بنائے اور مذہب کے لئے پوپ (Pope) کو اور VaticanCity کو باقی رکھا، اور چند چیزوں پر عمل کیا، ہندوستان کے ہمارے غیر مسلم بھائی بھی مذہبی اعتبار سے اپنے پنڈت سے ملتے ہیں، اس کے بعد کاروباری زندگی میں اس مذہبمیں کسی قسم کی کوئی رہنمائی اور [illegible] نہیں ہے۔

دوستو اور بزرگو! وہ چیز جو جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لے کر آئے ہیں، اللہ پاک نے فرمایا أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿۱۴﴾ (ملک: ۱۴) جس ذات نے یہ قانون دیا ہے، اس نے انسان کو پیدا کیا ہے، انسان کے جذبات کو وہ جانتا ہے، اندر کے چور دروازوں کو جانتا ہے، اسی لئے اسلامی قانون جہاں قرآن نے ذکر فرمائے؛ ہمارے اندر کے چور دروازوں کو بھی قرآن نے پکڑا ہے، نکاح کے مسائل میں مرد اور عورت کے آپسی تعلقات کے اندر قرآن کریم نے مختلف آیتوں میں مردوں کو جو جھنجھوڑا ہے اس میں اسی چیز کی طرف اشارہ فرمایا، تو بات یہ ہے کہ ملک کی آزادی کے موقع پر جب یہ تقسیم ہوا اس وقت چوں کہ یہ یورپ ہی کی حکومت انگریز حکومت یہاں تھی، اس لئے نام ہو گیا ''پرسنل لا'' ہندو پرسنل لا، کرسچن پرسنل لا، مسلم پرسنل لا۔ اس طریقے سے نام پڑ گیا ''مسلم پرسنل لا''، اس کے بعد یہ ہوا کہ جیسے اس وقت آواز اٹھائی گئی، چاہے یوپی کے الیکشن کو بنیاد بنایا گیا ہو یا چاہے ایک پارٹی کا اپنا جو مینی فیسٹو (Manifesto) ہے، اس کا جو دستور اور منشور ہے، جس کے اندر اس نے کہا تھا، بابری

مسجد کے مسئلہ کو کھڑا کیا تھا، ۳۷۰ کی دفعہ کو کشمیر کے لئے ذکر کیا تھا اور سمان سول کوڈ اس ملک میں لائیں گے، آپ سن چکے ہیں، الیکشن کے موقع پر یہ اعلان ہو چکا تھا، اس کے لئے ساری چیزیں بچھائی جا رہی ہے، زمین ہموار کروائی جا رہی ہے، ورنہ ہم پوچھتے ہیں کہ اگر دو چار مسلمان عورتوں نے سپریم کورٹ میں یہ کیس داخل کیا تو سپریم کورٹ کا جج ہم ان کا احترام کرتے ہیں؛ لیکن ان سے پوچھتے ہیں آپ کا فرض تھا کہ ہندوستان میں جب ایک تنظیم ہے ''مسلم پرسنل لا بورڈ''، آپ یہ کہتے ان عورتوں سے کہ ہم مسلم پرسنل لا بورڈ سے گفتگو کریں گے، ان سے اس مسئلہ کا حل تلاش کریں گے، پوچھیں گے یہ مسئلہ کیا ہیں؟

دوستو اور بزرگو! ایک سال پہلے ہمارے گجرات کی ہائی کورٹ میں ایک جج صاحب نے ایک مسئلہ کے ضمن میں ایک سے زیادہ شادی کے مسئلہ کو اٹھایا، اس وقت وہ بہت جلد بازی میں ججمینٹ دینا چاہ رہے تھے؛ لیکن وکیل متر (मित्र) یہ اصطلاح ہے کہ جج بھی اپنے پاس وکیلوں کی ایک ٹیم رکھتے ہیں اور ان سے بھی مشورہ لیتے ہیں کہ اس قانون میں اور اس قاعدہ میں کیا ہے؟ ان کے وکیل دوست تھے، انہوں نے جج کو یہ کہا کہ صاحب! آپ کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ہندو مذہب میں بھی ایک سے زیادہ شادیاں ہوئی ہیں، دنیا کے تمام مذاہب میں ایک سے زیادہ شادیوں کا رواج تھا، اس لئے اس قانون پر آپ گفتگو کرتے ہوئے ذرا سوچ کر بولیں۔

دوستو اور بزرگو! اس موقع پر اتنی بڑی ہمت اور جرأت انہوں نے کی تھی ایسا کرنے کی، ہمارے اس گاؤں کے سوپتر (સુપુત્ર) گجرات ٹوڈے کے ایڈیٹر جناب عزیز ٹنکاروی صاحب نے اس موقع پر لکھا تھا کہ مسلمانو یاد رکھو! تمہارے اس قانون کے سلسلے میں ہائی کورٹ میں اس طریقے کی گفتگو ہو رہی ہے اور تم کچھ بول نہیں سکتے! اس موقع پر جاٹ قوم کا ایک مسئلہ کھڑا ہوا تھا اور گجر قوم نے شمالی ہندوستان میں لمبی چوڑی ریلی نکالی تھی اور کتنا فساد ہوا تھا، انہوں نے یہ نہیں کہا کہ فساد مچاؤ؛ اپنی آواز نکالو، اپنی آواز کو بلند کرو، جمہوری، سیکولر ملک ہے، لوک شاہی ہے، اس کے اصول اور ضابطوں میں ہے کہ آپ ملک کے قانون کے متعلق اپنی بات کو پیش کر

سکتے ہو، اس لئے مجھے آپ سے عرض کرنا ہے کہ ایک جماعت تو وہ ہے جن کی نیت اچھی نہیں، اگر اچھی نیت ہوتی تو راج ناتھ سینھ کے لیے ضروری تھا کہ وہ مسلم پرسنل لا بورڈ کے ذمہ داروں سے ملتے، اس میں بڑے علمائے کرام کی جماعت ہے، بڑے بڑے مسلم وکلاء اس کے ساتھ شامل ہیں، ان سے گفتگو کرتے، نیتیں اچھی ہوتی تو ان سے پوچھا جاتا؛ لیکن نیتوں میں فتور تھا اس لئے انہوں نے یہ چیز نہیں کی۔

اس کے ساتھ جو کچھ باتیں اخبارات اور میڈیا میں آرہی ہے؛ ہمارے غیر مسلم بھائیوں کا ایک طبقہ وہ ہے جو ان چیزوں کو سمجھتا نہیں ہے، اس لئے وہ بیچارے اعتراض کررہے ہیں، اسی طرح کا اعتراض ۱۹۷۲ سے پہلے بھی ہوا اور مسلمانوں کے ''لا'' کو بدلنے کی باتیں ہوئیں، کافی پریشان کن باتیں ہوئیں، تو ہمارے علمائے کرام جمع ہوئے اور ۱۹۷۲ میں سارے مسلک کے علماء نے ملکر ایک کمیٹی بنائی اور اس کا نام ''مسلم پرسنل لا بورڈ'' رکھا، اس طریقے سے یہ ایک کمیٹی بنی اور اسی کمیٹی نے آج بھی آواز اٹھائی ہے، جب جب اس طرح کے مسائل آئے، مسلمانوں کے سارے فرقے متحد ہوگئے اور سب نے ملکر یہ تنظیم قائم کی ہے، اور جب جب بھی اس طرح کے مسائل پیش آتے ہیں، یہ حضرات اپنی طرف سے مسلمانوں کو بیدار کرتے ہیں، ان حضرات کا کہنا ہے کہ تین طلاق کا مسئلہ یا حلالہ کا مسئلہ ہے؛ یہ تو ایک بنیاد ہے، اصل اس کے پیچھے پورے اسلامی نظام اور اسلامی قانون پر اعتراض کرکے مسلمانوں کو اپنے دین سے دور کرنا ہے۔

اسلام میں خواتین کے حقوق کا تحفظ اور ان سے حسن سلوک کی تعلیم:

دوستو اور بزرگو! اس موقع پر میں اب اپنی گفتگو ہمارے ایمان والے بھائیوں کی طرف متوجہ ہونا چاہتا ہوں، قرآن کریم میں نکاح اور طلاق کے مسائل کو بہت تفصیل سے ذکر کیا ہے، جتنا نماز کے مسائل کو قرآن میں ذکر نہیں کیا، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے مسائل کو ذکر نہیں کیا؛ اس سے زیادہ قرآن کریم میں سورۂ بقرہ میں، سورۂ طلاق میں، سورۂ نور میں اور بھی مختلف سورتوں

کے کچھ الگ الگ اجزاء میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے میاں بیوی کے مسائل کو ذکر فرمایا، مرد اور عورت کے تعلقات کس طرح ہو؟ اس کو قرآن کریم میں ذکر فرمایا، شادی کو جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی سنت قرار دیا **فمن رغب عن سنتی فلیس منی.** (بخاری: کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح) عورت کو فرمایا، **الدنیا کلها متاع وخیر متاع الدنیا المرأة الصالحة.** (سنن نسائی: کتاب النکاح، باب المرأة الصالحة) دنیا ایک برتنے کی چیز ہے اور سب سے بہتر برتنے کی چیز نیک اور صالح عورت ہے، اس مذہب نے یہ کہا کہ ماں کے پیر کے نیچے جنت ہے، (مسند الشهاب للقضاعی: ۱۰۲/۱، رقم: ۱۱۹) اس مذہب نے یہ کہا اپنی بیوی کے منھ میں تم لقمہ دوگے یہ بھی تمہارے لئے صدقہ ہے، (بخاری: کتاب الإیمان، باب ما جاء أن الأعمال بالنیة) اس نبی نے یہ فرمایا کہ جس کے گھر میں ایک، دو یا تین بچیاں ہوں اور وہ ان کی کفالت اور پرورش کرکے ان کی شادی کرے، **فادبهن** ان کو ادب وا سلامی سلیقہ سکھلائے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: وہ جنت میں داخل ہوں گے۔ (أبو داود: کتاب الأدب، باب فی فضل من عال یتیماً)، اور روایت میں کیا فرمایا؟ من ابتلیَ جو شخص ان لڑکیوں میں آزمایا گیا، پھر وہ ان کی اچھی تربیت کرے تو قیامت کے دن یہ بیٹیاں اس کے لیے جہنم سے آڑ بن جائے گی۔ (بخاری: کتاب الزکاة، باب اتقوا النار ولو بشق تمرة)

عجیب جملہ ہے! ہمارے ایک دوست ہیں، بڑے مالدار ہیں، ان کی لڑکی دوسرے ملک میں رہتی ہے، فرماتے ہیں جب بھی لڑکی کا فون آتا ہے، یہ خیر خیریت کے لئے مجھ سے بات کرتی ہے؛ لیکن دل میں سب سے پہلے یہ دھڑکن محسوس ہوتی ہے کہ شاید لڑکی کسی تکلیف میں نہ ہو، اس کا شوہر ان کو ستانہ رہا ہو، اس کے گھر والے اس کو ستانہ رہے ہو، اس کو طلاق نہ ہوئی ہو، خیر جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجۃ الوداع کے موقع پر دنیائے انسانیت کو آخری خطبہ دے رہے ہیں اور آپ فرماتے ہیں **ایها الناس!** (بخاری: کتاب الحج، باب الخطبة في أیام منی) اے لوگو! میری بات سنو! اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ عورتیں تمہارے پاس اللہ پاک کی امانت

ہے، **مااستحللتم به الفروج**.(بخاری: کتاب النکاح ، باب الشروط فی النکاح) ، **و استحللتم فروجهن بکلمة الله**. (مسلم : کتاب الحج، باب حجۃ النبی ﷺ) تم نے ان کی شرمگاہوں کو حلال کلمہ کے ذریعہ حاصل کیا ہے،تم نے شرعی نکاح کے ذریعہ ان عورتوں سے شادی کی ہے، اور یہ عورتیں تمہارے گھر میں آئیں،**فاستوصوا بالنساء خیراً**. (بخاری: کتاب النکاح ، باب الوصاۃ بالنساء) مجھ سے عورتوں کے سلسلہ میں بھلائیوں کو چاہو، جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایک عورت اپنی بچیوں کے لئے محنت کرتی ہے، مزدوری کرتی ہے، خوب صورت نوجوان ہے، لیکن بچیوں کی خدمت میں دوسروں کے گھروں میں کام کاج کرنے سے اس کے ہاتھ میں چھالے پڑ گئے، مسلسل کام کاج کرنے سے اس کی خوبصورتی کی رونق اتر چکی ہے، اس کا چہرا کھردرا ہو چکا ہے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: یہ عورت کل قیامت کے دن جنت میں ہوگی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھ اس عورت کو فرمارہے ہیں اور آپ اس کی فضیلت کو ذکر کررہے ہیں، دوستو اور بزرگو! جب یہ لڑکی ایک کلمہ بول کر ہمارے گھر میں آتی ہے اور اس کے بعد ہم ان پر ظلم کریں، ہم ان پر تشدد کریں، ہم تین طلاق کے جملوں سے اس کو اپنے گھر سے علیٰحدہ کردیں، اور فوراً دو منٹ کے بعد مفتی صاحب سے مسئلہ پوچھنے جائیں، تو اس سے پہلے تجھے سمجھ میں نہیں آیا! شریعت مطہرہ نے ہمیں بتلایا ہے کہ مردوں کو عورتوں کے ساتھ کیسے رہنا ہے؟ اور عورت کو مرد کے ساتھ کیسے رہنا ہے؟ **وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ** (بقرہ:۲۲۸) عورتوں کے لئے وہی حق ہے جو تم مردوں کے ان پر ہے، جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عورتوں کے حقوق کو دنیا سے جاتے ہوئے ذکر فرما کر بتلاتے ہیں کہ عورتوں کے سلسلہ میں مجھ سے وصیت کو حاصل کرو۔

دوستو اور بزرگو! آج ہم نے کیا کیا؟ آج ہم نے عورتوں پر کس کس قسم کا ظلم کیا ہے؟ سب سے پہلے ماں باپ پر فرض عائد ہوتا ہے اپنے لڑکوں کو صحیح دینی تعلیم دیں، اپنی لڑکیوں کو صحیح دینی تعلیم دیں، اسلام کا قاعدہ ہے: نماز فرض ہے، تو نماز کے مسائل جاننا بھی فرض ہے،

ایک آدمی کاروبار کرتا ہے تو اس کو کاروبار کے مسائل جاننا ضروری ہے، ایک آدمی تجارت کر رہا ہے، کاشت کاری کر رہا ہے، تو اس کے مسائل جاننا ضروری ہے، آج ہمارا نوجوان شادی کرتا ہے، دنیا بھر کی بکواس اور گندی چیزیں تو دیکھتا ہے؛ لیکن یہ نہیں سوچتا کہ نکاح کے سلسلہ میں میرے پیارے آقا جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے کیا پیغام دیا، شوہر ہونے کے اعتبار سے میری کیا ذمہ داریاں ہیں، میرے کیا فرائض ہیں؟ ایک نوجوان لڑکی یہ سوچے کہ جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شادی بیاہ کے موقع پر ایک بیوی ہونے کے اعتبار سے مجھے کون سی اخلاقی تعلیم دی۔ دوستو اور بزرگو! آج اس کو نہیں جانتا اور پھر اس کے بعد دین اور شریعت کے کسی مسئلہ کو جاننا بھی نہیں اور عمل بھی نہیں کرنا ہے۔

طلاق سے قبل قرآن مجید کے تجویز کردہ اقدامات:

قرآن کریم میں فرمایا کہ اگر تمہارا عورتوں کے ساتھ کوئی جھگڑا ہو جائے **فَعِظُوْهُنَّ** اچھے طریقے سے ان کو سمجھاؤ، اور جب سمجھاؤ گے تو ضرور مان جائے گی، **وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ** اس سے بھی نہیں سمجھ رہی ہے تو بستر الگ کرو، اس سے بھی نہیں سمجھ رہی ہے **وَاضْرِبُوْهُنَّ** (نساء:۳۴) ہلکی سی مار جس کو جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ضرباً غیر مبرح. (مسلم: کتاب الحج، باب حجة النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہلکی سی مار، جو کوئی نشان پیدا نہ کرے، مسواک سے مارا جائے، ہلکی مار، یہ حکم واجب نہیں ہے، یہ ایک ترتیب قرآن کریم نے ذکر فرمائی۔ اگر مسئلہ حل ہو گیا تو اللہ پاک فرماتے ہیں پھر عورتوں پر زیادتی نہ کرو۔ اور اگر مسئلہ حل نہیں ہو رہا ہے تو اللہ پاک فرماتے ہیں:

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا (نساء:۳۵) لڑکے کی طرف سے اس کا کوئی بڑا سمجھدار آدمی اور لڑکی کے خاندان کا سمجھدار آدمی یہ دو ملے اور ملکر ان دونوں کو سمجھانے کی کوشش کرے **إِنْ يُّرِيْدَا إِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا** (نساء:۳۵) اگر ان دونوں کی نیت اچھی ہے تو اللہ پاک لڑکی اور لڑکے میں جوڑ پیدا کر دیں گے۔

دوستو اور بزرگو! حدیث شریف میں سب سے زیادہ فضیلت اگر کسی چیز کی آئی ہے تو وہ صلح

کرانے کی آئی ہے، دو آدمیوں کے جھگڑے کو ختم کرنے کی آئی ہے، شیطان کی سب سے بڑی خوشی کی چیز جس کو قرآن میں ذکر فرمایا: وہ یہی ہے؛ میاں بیوی کے درمیان وہ فساد پیدا کرتا ہے، ہاروت اور ماروت کے قصہ میں قرآن کریم نے پہلے پارہ میں فرمایا کہ اس کے ذریعہ نیت یہی ہوتی ہے کہ مرد اور عورت کی جدائی ہو جائے، شیطان کا سب سے بڑا یہ کام ہے، مومن کا سب سے بڑا کام یہ ہو کہ لڑکے اور لڑکی میں جدائی ہو رہی ہے ان میں صلح کرائے حدیث شریف میں جھوٹ بولنے تک کی اجازت ایسے موقع پر دی گئی، (أبو داود: کتاب الأدب، باب في اصلاح ذات البین) اس کی وجہ یہی ہے کہ اللہ پاک کو صلح پسندیدہ ہے وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۚ (نساء:۱۲۸) یہ چیزیں شریعت مطہرہ نے ہمیں بتلائی ہیں؛ لیکن آج کا مسلمان ان چیزوں کو نہیں جانتا ہے۔

قرآن وحدیث نے مرد وعورت کے جذبات اور احساسات کا ایسا لطیف و باریک انداز سے خیال رکھا ہے، جو دنیا کے کسی بھی مذہب اور قانون میں نہیں پایا جاتا، اگر ایک طرف عورت کی کمزوری کو ٹیڑھی پسلی سے تخلیق کا سبب بنا کر اس کی نفسیات کو حسی طور پر سمجھایا تو شوہر کے حقوق بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ اگر کسی کو سجدہ کرنے کی اجازت ہوتی تو میں عورت کو اپنے شوہر کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم فرماتا۔ ان حقوق کا اگر مرد وعورت لحاظ رکھے تو کبھی دونوں میں سے کسی کو ایک دوسرے سے شکایت ہی نہ ہونے پائے، بالکل نازک حالات اور انتہائی درجہ کی مجبوری اور شدید ضرورت کے وقت ہی آخری علاج کے طور پر طلاق کا استعمال جائز قرار دیا ہے اور بلاوجہ طلاق دینے کی ممانعت فرمائی گئی، اس میں بھی فرمایا کہ اولا عورت کو زبانی سمجھایا جائے، اگر اس سے باز نہ آئے تو ہم بستری مچھوڑ دو، اس سے بھی نہ ہو تو ہلکی سی مار لگاؤ، جو نہ چہرے پر ہو اور نہ سخت چوٹ لگائے، ارشاد ربانی ہے: **واللا تی تخافون نشوزهن فعظوهن واهجروهن في المضاجع واضربوهن فان اطعنكم فلاتبغوا عليهن سبيلا**۔ اس طریقہ سے بھی سدھار نہ ہو تو پھر شوہر و بیوی کے ہدر رشتہ داروں کے ذریعہ صلح کرانے کی ہر امکانی کوشش کرنے کا حکم دیا گیا۔ **وان خفتم شقاق بينهما فابعثوا**

حکما من اھلہ و حکما من اھلھا - ان یریدا اصلاحا یوفق اللہ بینھما. کیا کسی بھی مذہب وقانون میں طلاق کوروکنے کی اتنی تدریجی اور نفسیاتی تدبیریں موجود ہیں؟

جب یہ ساری تدبیر میں بیکار ثابت ہوں، پھر بھی دونوں کو اتنی تلخی اور ناخوشگواری کے ساتھ باہم زندگی گزارنے پر مجبور کرنا کیا یا انصاف کی بات ہوگی؟ پھر یا تو دونوں کسی اور سے آشنائی اور جنسی تعلقات قائم کرلیں گے، شوہر عورت کے حقوق ادا نہیں کرے گا، یا پھر اس کو تنور میں جلا کر نینا کانڈ کی یاد تازہ ہوگی، اسلام نے اس وقت بھی مستقبل میں ساتھ رہنے کے تمام امکانات کو بالکل ختم نہیں فرمایا، بلکہ طلاق احسن وسنت کے ذریعہ رجوع کرنے یا دوبارہ نکاح کرنے کی راہ کھلی رکھی، اور نکاح ثانی کی ترغیب دی گئی جبکہ دوسرے مذاہب میں اس کا تصور ہی نہیں ہے۔

اسلام کا نکاح، طلاق اور اس کی اقسام:

اور پھر طلاق دینے کا طریقہ قرآن نے بتلایا، ایک دی جائے، اور چھوڑ دیا جائے، پاکی کے دن میں دی جائے اور ان دنوں کے اندر صحبت نہ کی جائے، تین پیریڈ کے بعد اس کی عدت پوری ہوجائے گی، یا تین مہینے پورے ہونے کے بعد اگر اس کو حیض (Hl[Ris) نہیں آتا ہے، تو خود بخود اس کے بعد یہ عورت اس کے نکاح میں سے نکل جائے گی؛ لیکن اس مرد اور عورت کے لئے ابھی سوچنے کا موقع ہے، عدت کے ان تین پیریڈ کے درمیان مرد کو افسوس ہوگا، عورت کو افسوس ہوگا، تو اس کا حل موجود ہے کہ اسی عدت کے دنوں میں شوہر نے ایک بوسہ دے دیا، اس کی بیوی واپس آگئی، ایک طلاق گنی جائے گی: لیکن کوئی نکاح کی ضرورت نہیں، کوئی حلالہ کی ضرورت نہیں، اسی طریقے سے ایک اور بھی دوسری ہے، اس کے بعد بھی ابھی نکاح میں باقی ہے؛ لیکن جب تیسری دے گا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ط (بقرہ:۲۳۰) اب قرآن کریم یہ فرمارہا ہے، دوستو اور بزرگو! پوری ترتیب قرآن کریم کی طلاق دینے کی اللہ پاک نے ذکر فرمائی اور دوسرے احکام اللہ پاک نے ذکر فرمائے، ہم عمل نہیں کررہے ہیں۔

اس وقت جو مسئلہ کھڑا ہوا ہے تین طلاق والا، جناب نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو ناپسند

فرمایا، قرآن کریم نے اس کو ناپسند فرمایا؛ لیکن جب مرد تین طلاق دے گا تو یہ تین طلاق واقع ہو جائے گی، حضرت امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں قرآن کریم کی انہی آیتوں کو پیش کر کے ثابت کیا کہ تین طلاق سے تین طلاق واقع ہوگی، اب جو ہمارے پرسنل لا میں تبدیلی کرنے والے لوگ اس بات کی آوازا ٹھاتے ہیں کہ تین طلاق کو روک دیا جائے، اگر کسی کو اپنی بیوی سے علٰیحد گی ہی اختیار کرنی ہے تو وہ ایک دے گا، دو دے گا، اور تین دے کر بھی علٰیحد گی اختیار کر لے گا، ہم یہ نہیں کہتے ہیں کہ شریعت پر عمل نہ کرو، ہم مردوں سے یہی کہیں گے کہ کتاب وسنت کی روشنی میں حتی الامکان کوشش کرو، اس لئے کہ جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا **ابغض الحلال** جائز چیزوں میں سب سے زیادہ اگر ناپسندیدہ ہے اللہ پاک کو؛ تو یہ طلاق ہے، (أبو داود: کتاب الطلاق، باب في کراھیة الطلاق) اس لئے یہ وجود میں ہی نہ آئے، بچے ہیں ان کا مستقبل کیا ہوگا؟ کون ان کی پرورش کرے گا؟ ان کے ساتھ اجنبی ماں آئے گی، سوتیلی ماں آئے گی، کیسا سلوک کرے گی؟ یہ عورت کسی اور جگہ جائے گی، کیسے شادی کرے گی؟ کیسے اس کا نکاح ہوگا؟ یہ مختلف قسم کی چیزیں ہیں، اس لئے سب سے بنیادی چیز یہ ہے کہ مسلمان مرد اور مسلمان عورت اپنے بچوں کو اپنی بچیوں کو صحیح تعلیم دے، آج کل معلمات ملتی ہیں ؛ان سے مسائل پوچھنے کے لئے جائیں، جس قسم کے مسائل آئیں؛ وہ پوچھنے جائے، مرد علمائے کرام سے پوچھے، نوجوان لڑکے شرم محسوس نہ کرے، اس دین کے اندر شرم نہیں ہے، حضرت ام سلمہؓ جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک مرتبہ پوچھ رہی ہے کہ کیا عورتوں کو بھی احتلام آسکتا ہے؟ વિર્ય نکل سکتا ہے؟ جس کو સ્વપ્ન દોષ کہا جاتا ہے، جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انہوں نے پوچھنے سے پہلے کہا کہ اللہ کے نبی !اللہ پاک کے اس دین میں مسائل پوچھنے سے شرم نہیں کرنی چاہئے (بخاری: کتاب العلم الحیاء فی العلم) اور میں یہ مسئلہ پوچھ رہی ہوں، یہ ہمیں سبق ہے کہ کس طریقے سے اپنے سماجی زندگی کے مسائل علمائے کرام سے پوچھے جائے۔ دوستو اور بزرگو! یہ باتیں تو وہ ہے جو ہمیں آپس میں سمجھنا ہے۔

حلالہ کوئی واجب اور سنت عمل نہیں ہے؛ بلکہ صرف جائز عمل ہے، جو اضطراری شکل میں بطور ضرورت اور مجبوری کے مشروع ہے، اسی لئے حدیث شریف میں حلالہ کی ممانعت وقباحت بھی کثرت سے بیان کی گئی ہے، مرد کو طلاق دینے سے پہلے بتادیا کہ اگر عورت کو تین طلاق دے کر علیحدہ کردیا تو یاد رکھ کہ یہ ہماری مقدس نعمت جب تک دوسرے کا بچھونا نہیں بنے گی، تیرے حرم کی زینت نہیں بن سکتی، یہ ایک غیرت مند مرد کے لئے سب سے بڑی سزا ہے، کیونکہ محبت سب کچھ گوارہ کرسکتی ہے لیکن شرکت کو گوارہ نہیں کرسکتی۔

تین طلاق کے بعد مستقبل میں اگر وہ دونوں اپنے فعل قبیح پر افسوس کرتے ہوئے دوبارہ رشتۂ ازدواجی میں شامل ہونا چاہتے ہیں، تو اگر آپ ان کو نکاح کی اجازت نہیں دیں گے تو دونوں غیر شرعی اور ناجائز طریقہ سے ملاقات کرکے اپنی خواہشات پوری کریں گے، جو اسلام جیسے غیور اور پاکیزہ مذہب میں ہرگز قابل برداشت نہیں ہوسکتا ہے، دوسری طرف اسلام نے چونکہ نکاح کے رشتہ کو اس کی غیر معمولی اہمیت کے پیش نظر کئی شرائط و پابندیوں سے وابستہ رکھا ہے، جب وہ پابندیاں ختم ہوجائے تو یہ نازک رشتہ بھی ٹوٹ جائے گا۔ اب اگر حلالہ کی شرط نہ لگائی جائے تو نکاح کے مقدس رشتہ کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہتی، مرد جب چاہے عورت کو تین طلاق دیکر پھر نکاح کرے، پھر طلاق پھر نکاح کرے اس طرح عورت کو کھلونا اور نکاح وطلاق کے نظام کو لغویات مہملات سمجھ لے گا، بہرصورت حلالہ کی شرط مرد کے لئے سوچنے اور چوکنا رہنے کا ایک قیمتی موقع ہے، رہا یہ سوال کہ آخر عورت کو ہی دوسرے کے پاس جانا ہوتا ہے، تو اولا حلالہ واجب یا سنت نہیں ہے، نیز حلالہ کرنے میں صرف مرد کو ہی اختیار نہیں دیا بلکہ اگر عورت راضی ہو تو ہی، اور وہ بھی دوسرے کے طلاق دینے کے بعد ہے، وہ دوسرے مرد سے شرعی طور پر اپنی مکمل رضامندی سے نکاح کرسکتی ہے، اور جب تک شوہر ثانی کا انتقال نہ ہو یا وہ طلاق نہ دے؛ یہ عورت اس کے نکاح سے نہیں نکلے گی، اس کو شریعت نے حلالہ پر مجبور نہیں کیا، اسی وجہ سے شرطیہ نکاح کرنا کہ مرد صحبت کے بعد طلاق دے، یہ سخت مکروہ اور لعنت کا سبب ہے۔

اور قابل توجہ بات سنئے ؛ یہ اعتراض ان قوموں کی طرف سے ہے جن کی نظر میں عورت محض ایک کھلونا ہے، جنہوں نے عورت کو گھر کے محفوظ قلعے سے نکال کر چورا ہے پر کھڑا کر کے اسے زینت محفل بنایا، دنیا کی کسی بھی چیز کا اشتہار عورت کی ننگی تصویر کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا، قدرت کی اس نازک صنف کے ایک ایک عضو کی ننگی نمائش کر کے خریداروں کو مال خریدنے کی دعوت دی جارہی ہے، ٹی۔وی کی وہی چینل یا سی ڈی جاذب نظر اور اخبارات کے وہی صفحات قابل مطالعہ ہوتے ہیں ؛ جو جذبات کو بھڑکانے والی ننگی تصویریں پیش کریں، اس سماج کی ذلت و پستی کا یہ حال ہے کہ ان کے یہاں باقاعدہ ایک دوسرے کی بیوی کے تبادلہ کے کلب (Club) قائم کر کے دیوسی کو ایک فن قرار دیا گیا ہے، جہاں کی پارلیمنٹ میں ملک کے ذہین ترین اور چیدہ افراد زنا بالرضا اور امرد پرستی کے جواز کا بل تالیوں کی گونج کے ساتھ منظور کریں، ایسی دیوس اور بے حیا قوم کو اسلام کے ایک اضطراری اور استثنائی مسئلہ پر اور نظام طلاق پر اعتراض کرنے کا کیا حق ہے؟

نظر آتے نہیں بے پردہ حقائق ان کو -- آنکھ جن کی ہوئی محکومی و تقلید سے کور
زندہ کر سکتی ہے ایران و عرب کو کیوں کر -- یہ فرنگی مدنیت کہ جو ہے خود لب گور

حلالہ کی شرعی حیثیت:

حلالہ اسلام میں فرض اور واجب نہیں ہے، اگر لڑکی اور لڑکا دوبارہ اپنی زندگی پھر سے ملانا چاہتے ہیں اور تین طلاق دے چکے ہیں، شریعت یہ نہیں کہتی ہے کہ زبردستی اب اس عورت سے اس مرد کی شادی کروائی جائے، قرآن کریم یہ فرماتا ہے کہ اگر یہ دونوں مستقبل میں اگر ایک دوسرے کے ساتھ ملنا چاہتے ہیں تو بغیر دوسری شادی کے ان کے لیے گنجائش نہیں، یہ قرآن نے کوئی واجب حکم ذکر نہیں کیا ؛ بلکہ સંકટ સમય کہ اگر یہی عورت اور یہی مرد دوبارہ ملنا چاہتے ہیں تو شریعت نے ان کے لئے یہ ایک راستہ رکھا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ عامۃً یہ ہوتا ہے کہ غصے میں تو تین طلاق دے دی، اب وہ عورت حلالے پر راضی نہیں ہے، مرد حلالے کے

لئے راضی نہیں ، اب کیا ہوتا ہے؛ ایک مدت کے بعد یہ مرد دوسری کسی عورت سے شادی کرلیتا ہے، یہ عورت بھی دوسری جگہ چلی جائے؛ لیکن عورت کے دل میں اس شوہر کے پاس کوئی چیز ایسی ہو جس کی بنیاد پر اسے کوئی تکلیف ہو جو پہلے شوہر کے یہاں نہیں تھی ، اور مرد کو اس پہلی عورت سے جو راحت تھی؛ کسی طریقے سے دوسری عورت سے وہ راحت نہیں ہے،تو آہستہ آہستہ یہ مرد اور یہ عورت چپکے چپکے ملنے کی کوشش کریں گے، ہمارے سماج میں ایسے کئی مسائل ہمارے پاس آئے ہیں،توقرآن یہ کہتا ہے کہ ایسی چیزتو جائز نہیں: بلکہ ایسے موقع پر صحیح طریقے سے نکاح کا ایک طریقہ قرآن نے بتلایا، یہ بھی ایمرجنسی (સંકટ સમય)،قرآن اس کی دعوت نہیں دے رہا ہے، اس لئے جولوگ آج کل حلالہ کے لفظ پر اشکال کررہے ہیں، جولوگ تین طلاق پر اشکال کرر ہے ہیں، چونکہ ان کو صرف تین طلاق معلوم ہے، اسلام کا پورا نکاح کا نظام، مرد اور عورت کے آپسی تعلقات اور طلاق کا نظام کیا ہے؛ یہ معلوم نہیں ہے۔اس بنیاد پر یہ لوگ اس طرح کا اشکال کرتے ہیں، اس میں ہماری اپنی ناواقفیت کی وجہ سے دین اور شریعت کو کھلونا بنایا جارہا ہے۔

تین طلاق کے وقوع کی دلیل حدیث شریف کی روشنی میں:

جناب نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایک صاحب نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی کتاب سے تم کھلواڑ کررہے ہو، اتنے ناراض ہوئے؛ لیکن تین طلاق واقع فرمائی، (أبو داود: کتاب الطلاق، باب نسخ المراجعة بعد ثلاث تطليقات) حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ نے ان کی بیوی کو تین طلاق دی؛ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو واقع فرمایا، (بخاری: كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث) تو اگر جن ملکوں کا حوالہ دیا جاتا ہے ان ملکوں نے تین طلاق کو ایک نہیں کہا؛ ان ملکوں نے یہ کہا ہے کہ وہاں جو اسلامی جج اور اسلامی قاضی ہے ان سے تحریری طور (લેખિત) پر اجازت لی جائے کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہوں، انہوں نے کوئی مسئلہ نہیں بدلہ ہے، اس لئے اگر کسی ملک کی ہمیں دوہائی دی جاتی

ہے؛ فلاں ملک نے ایسا کیا، فلاں ملک نے ایسا کیا تو میں ابھی آپ کو کہہ چکا ہوں، لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰہِ اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃٌ (احزاب:۲۱) آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی کا طریقہ کوئی بڑے سے بڑا عالم ہو، اگر اس کی بات شریعت محمدیہ کے خلاف ہوگی تو امت اس کو قبول نہیں کرنے والی، تو چہ جائے کہ کوئی مسلم جج اور کوئی مسلم وکیل اس طرح کی بات کرے، کوئی مسلم قانون بنانے والا اس طرح کی بات کرے!

دوستو اور بزرگو! اس کے ساتھ جب یہ باتیں پیش آئی ہیں؛ یہ اللہ پاک نے اپنے دین اور شریعت کو لوگوں کی طرف پہنچانے کا ایک ذریعہ بنا دیا کہ مسلمان اپنی شریعت اور اپنا دین لوگوں تک پہنچائے، اس لئے یہ اللہ پاک نے ہمیں موقع دیا؛ لیکن پہلے ہم عمل کریں، اور پھر دوسروں کو اللہ کا دین اور شریعت بتلائیں۔

پرسنل لا کے جن اجزاء کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے اس میں چند بیبیاں رکھنے کے جواز کا مسئلہ بھی ہے، عملا ہر زمانے میں مسلمانوں کے علاوہ دوسرے مذاہب و قانون والوں نے بھی اس کو اپنایا ہے بلکہ اس کو ضروری اور فطری سمجھا ہے۔ ارن شوری کو اس کے لئے انسائکلو پیڈیا آف برٹانیکا کا Pollgamy یعنی تعداز واج کا مضمون پڑھ لینا چاہئے، ماہر جنسیات ڈاکٹر Mercier مرشر لکھتے ہیں کہ عورت طبعی طور پر ایک ہی شوہر چاہنے والی ہے، جبکہ مرد اپنی طبیعت میں تعداز واج چاہتا ہے۔ اور چونکانے والی بات سنئے؛ ایک سے زیادہ شادی کا رواج مسلمانوں سے زیادہ دوسری قوموں میں ہے، ۱۹۶۱ اور ۱۹۸۱ کی مردم شماری کے جائزہ کے مطابق ایک سے زیادہ بیوی رکھنے کی شرح مسلمانوں میں سب سے کم یعنی کم ۵½ فی صد ہے۔

جبکہ بودھوں، جینوں اور ہندوؤں میں مسلمانوں سے زیادہ بالترتیب ۸، ۷ اور ۶ فیصد ہے۔ اور اسلام نے تو بہت سی شرطوں کے ساتھ اسکی اجازت دی ہے، **فان خفتم ان لاتعدلوا فواحدة** یعنی اگر نفقہ، باری اور حقوق زوجیت میں انصاف نہیں کر سکتے تو پھر ایک

پرہی اکتفاء کرو۔ حدیث شریف اور فقہی کتابوں میں اسکی مزید تشریح وتوضیح فرمائی گئی ہے، اس لئے مسلمانوں میں عملا اسکا رواج کم ہے، اسلام سے قبل اور بعد میں بلکہ اس زمانہ میں بھی لوگ کئی کئی بیویاں رکھتے ہیں، اسلام نے تو شرائط وقواعد کے ساتھ اس کی حد بندی کر کے عورتوں پر بڑا احسان فرمایا ہے۔

مسلم پرسنل لا بورڈ کا فیصلہ:

اس کے ساتھ جو چیز سب سے بنیادی ہے؛ مسلم پرسنل لا بورڈ نے جو ججمینٹ لیا ہے کہ سپریم کورٹ کو جیسے میں پہلے کہہ چکا ہوں ملک کے آئین کی ۲۵ ویں دفعہ سے لے کر ۳۰ ویں دفعہ تک شریعت اپپلکیشن ایکٹ کے مطابق اور ہیومن رائٹس کے مطابق اس مسئلہ کا تعلق سپریم کورٹ سے ہے ہی نہیں! یہ مسئلہ ملک کے બંધારણ (Constitution) نے ہمیں بتلا دیا ہے کہ آپ اپنے مذہبی قانون پر عمل کر سکتے ہیں، اس لئے سپریم کورٹ کو ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ کو اس مسئلہ میں دخل دینا ملک کی سپریم کورٹ ہو کر ملک کے قانون کی اتنی دفعات کی آپ خلاف ورزی کر رہے ہیں، اس لئے آپ کو یہ سوچنا ہوگا کہ ملک کے બંધારણ کو جس دن آپ جج بن کر بیٹھے تھے، آپ نے حلف لیا تھا، اس ملک کے બંધારણ کو ہاتھ میں لے کر قسم کھائی تھی، آج آپ اسی ملک کے બંધારણ کے خلاف اپنی زبان سے بات کرتے ہو، ہم اس ملک میں لوک شاہی کے رکھوالے ہیں، اس لئے ایک مسلمان ہونے کے ناطے اس ملک کے باشندے ہونے کے ناطے ہم آپ سے وہی کہیں گے جو ہندوستان کے سب سے پہلے وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد نے فرمایا تھا کہ میں ہندوستانی باشندہ ہوں اور مجھے اپنے ہندوستانی ہونے پر فخر ہے؛ لیکن اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی اور یہ احساس بھی میرے دل میں ہے کہ میں ایک مسلمان ہوں، میں اسلامی شریعت پر عمل کرنے والا ہوں، میری شریعت کے کسی ایک جزو پر بھی عمل کرنے سے مجھے کوئی روکے گا تو میں اس کی سننے والا نہیں ہوں، آج ہم بھی اس ملک میں ڈنکے کی چوٹ پر کہیں؛ جن کو پاکستان لینا تھا انہوں نے لیا، ہم اس ملک

کے اصلی باشندے ہیں، اس ملک کو ۸۰۰ سال تک ہم نے سنوارا ہے، یہ ملک ٹکڑوں میں بٹا ہوا تھا، مسلمان حکمرانوں نے اس ملک کو اتنا بڑا اکھنڈ بھارت کا درجہ دیا۔

تقسیم ہند تاریخی غلطی:

حضرت مولانا ابوالکلام آزاد فرماتے تھے کہ جناح کی ایک چھوٹی سی غلطی نے اتنا بڑا ملک ہندوؤں کے حوالہ کردیا، ہندوؤں کی ۵۰۰۰ سالہ تاریخ میں ان کے پاس اتنا بڑا ملک کبھی نہیں تھا، چھوٹے چھوٹے رجواڑے الگ الگ تھے، ایک اتنا بڑا اکھنڈ (અખંડ) بھارت جس کو کہا جاتا ہے، یہ جناح صاحب کی غلطی نے ان کے ہاتھ میں دے دیا، ایک چھوٹا سا ٹکڑا مشرق میں دیا، ایک چھوٹا سا ٹکڑا مغرب میں دیا اور وہ بھی الگ الگ ہوگیا، اور جو ہے اس میں بھی کتنے فساد ہے، یہ کیوں ہوا؟ اس وقت جمعیت علماء نے جو آواز لگائی تھی کہ ہم اس ملک میں رہنے والے ہیں، اس ملک سے جانے والے نہیں ہیں، ملک کی تقسیم کو ہم قبول نہیں کرتے؛ لیکن اس وقت کی کانگریس گورنمنٹ نے اس کو نہیں سنا، جواہر لال نہرو کو اور سردار کو بہت جلد بازی تھی، یہ جملہ میں نہیں کہہ رہا ہوں، لکھنے والوں نے لکھا ہے کہ ان لوگوں کی جلد بازی نے ملک کو بہت جلد تقسیم کیا، مولانا ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں: مجھے افسوس تھا کہ گاندھی جی نے بھی بعد میں اس پر دستخط کردیئے، اس لئے اس ملک میں ایک مسلمان کو بھی اتنا ہی جینے کا حق ہے جتنا ملک کے وزیر اعظم کو ہے، ہم ان کو کہتے ہیں، آپ اپنی Social life کو دیکھ لیجئے، ایک عورت کے ساتھ آپ کی زندگی کا نباہ نہیں ہوسکا، آپ نے گجرات کی مسلمان عورتوں پر کیسا ظلم اور تشدد کیا، کیسا ننگا ناچ ہوا، ساری دنیا اس کو جانتی ہے، لمبی لمبی کتابیں اس پر لکھی گئیں ہیں اور آج مگرمچھ کے آنسو مسلمان عورتوں کے لئے آپ بہا رہے ہیں۔

ہندو عورتوں کی پریشانی:

ہندوستان کے قانون میں کئی ایسے قانون ہے جن میں عورتوں کے ساتھ نرمی اور عورتوں کے کچھ مالیات اور کچھ خاندانی حقوق ہیں، ان حقوق پر عمل نہیں ہو رہا ہے، پہلے اس پر عمل کیجئے، ہم

اس ملک کے ان قانون بنانے والوں سے اور جو اس وقت مسلم پرسنل لا پر اعتراض کر رہے ہیں ان سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ پہلے اپنے گھر کی خبر لیجئے، آج ہندو عورتیں کتنی پریشان ہے؟ آپ کے یہاں ” પતિ એજ પરમેશ્વર “ اور اس کے بعد چھوٹے چھیڑے (طلاق) کے لئے ۱۹۵۴ میں اور ۱۹۵۶ میں جو ہندو کوڈ بل بنایا گیا، اس میں اتنی غلطیاں ہیں اور اس میں کتنی پریشانیاں ہیں، یہ ساری باتیں آپ کے سماج کے لوگ جانتے ہیں، آپ اپنے سماج کی فکر کیجئے اور سپریم کورٹ اور دوسری بھی جتنی کورٹیں ہیں؛ ان کے جج سے بھی مؤدبانہ گزارش کریں گے کہ اگر آپ کو اس ملک کے تمام باشندوں کی فکر ہے تو آپ اپنی غیر مسلم بہنوں کا بھی خیال رکھیں، ان کو آپ کے یہاں (સંયુક્ત કુટુંબ) مشترک خاندان میں کس طریقے سے ستایا جا رہا ہے، وراثتی حقوق میں ان کو کیسے محروم کیا جا رہا ہے، یہ پوری ہندو کوڈ بل کی تاریخ بھری پڑی ہے۔

خواتین کا حق وراثت:

دوستو بزرگو! میں اپنے مسلمان بھائیوں سے بھی کہوں گا کہ ہم اپنی بہنوں کے حقوق ادا نہیں کرتے، وراثت کا حصہ ان کو دیتے نہیں، یہ سارے مسائل چوتھائی اور اسی طریقے سے موساڑا یہ جو الفاظ بولے جاتے ہیں، یہ اسلامی کلچر کے الفاظ نہیں ہے، یہ ان قوموں کے ہیں جس کے یہاں شریعت نہیں، یہاں تو تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۚ (بقرہ:۲۲۹) اللہ کے حدود ہیں اور اللہ پاک نے حق ذکر فرمایا يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۚ (نساء:۱۱) اللہ پاک تمہیں حکم دیتے ہیں تمہاری اولاد کے باب میں، لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر، یہ اللہ پاک کا حکم ہے؛ اس پر ہم عمل کریں، یہ بھی پرسنل لا کا ایک حصہ ہے۔

شادی بیاہ کے موقع پر اسراف اور فضول خرچی سے بچیں:

دوستو اور بزرگو! سب سے پہلے ہم اپنی ذات کو ٹٹولیں، اور عمل کریں اسلامی شریعت پر، پھر اس کے بعد ہمیں کون روک رہا ہے! جہیز کے لمبے لمبے خرچے کرتے ہیں، شادی بیاہ کے لمبے خرچے کرتے ہیں اور نہ معلوم کون کون سی خرافات اور برائیاں ہمارے سماج کے اندر آچکی

ہے، اتنے خرچے ہوتے ہیں کہ اسی ایک خرچ میں کتنی غریب اور یتیم بچیوں کی شادی ہوجائے، یہ فضول اور اسراف ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ مدینہ منورہ میں ہیں اور آپ کے چہیتے صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ شادی کر رہے ہیں، لیکن اللہ کے رسول کو بھی بلایا نہیں گیا، صبح میں حضرت عبدالرحمٰن کے کپڑے پر کچھ آپ ﷺ زردی کے اثرات دیکھتے ہیں، آپ نے پوچھا کہ کیا عبدالرحمٰن تم نے شادی کرلی؟ فرمایا جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: **اولم ولو بشاة**۔ (بخاری: کتاب البیوع، باب ماجاء فی قول اللہ فإذا قضیت الصلوۃ) ولیمہ کیجئے؛ چاہے ایک بکری سے ہو، یہ جناب نبئ اکرم ﷺ کے صحابہ ہیں، کتنی سادگی کے ساتھ ان کی شادیاں ہو رہی ہیں، اور آج امت اسراف کے اندر لگی ہوئی ہے، کتنے نوجوان ہیں جن کو کالج کی فیس ادا کرنی ہے، جن کے پاس کالج کی بکس (Books) نہیں ہے، وہ بیچارے اس لئے پریشان ہیں کہ ان کے ماں باپ غریب ہے، آپ کے اس مال کے ذریعہ کتنے گھروں کی روزی روٹی کا مسئلہ حل ہوگا، اس لئے ہم اپنے سماج کی بھی فکر کریں۔

پرسنل لا بورڈ کی گذارش:

آخر میں یہی گزارش ہے کہ مسلم پرسنل لا بورڈ نے ہمیں جو ایک فارم دیا ہے، ہم اپنی مسلمان بہنوں سے ان کے دستخط کروائے اور اس کے بعد کل سے ایک خبر اور آرہی ہے کہ گورنمنٹ نے بھی، لاکمیشن نے بھی اپنے کچھ مسائل جاری کئے ہیں، یہ لاکمیشن جس کو قاعدہ پنچ کہا جاتا ہے، اس لاکمیشن نے اسکول کی ملازمہ عورتوں کو اس بات کا پابند بنایا ہے کہ مسلمان عورتوں کے آدھار کارڈ کے نمبر معلوم کرلیں، اور اس کو دستخط کے ذریعہ حکومت تک پہنچائیں، تاکہ یہ پتہ چلے کہ مسلمان عورتوں کی ایک بہت بڑی تعداد ایسی ہے جو اسلامی شریعت پر عمل کرنا نہیں چاہتی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی دینی حمیت:

دوستو اور بزرگو! یہ پیغام محمدی ﷺ کے خلاف بغاوت ہے، جو لوگ اس عمل کے مرتکب ہیں، آپ یہ نہ سمجھئے کہ یہ پہلی مرتبہ ہو رہا ہے؛ بلکہ یہی بات حضرت ابوبکر صدیقؓ کے

سامنے آئی تھی؛ لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا، حضرت عمر جیسا بہادر آدمی کہہ رہا ہے کہ اسلام پر حالات ایسے نازک ہیں، ایسے موقع پر تھوڑا صبر سے کام لیجئے، حضرت ابوبکر صدیق نے ایک جملہ فرمایا: اینقص الدین و انا حی. (مرقاۃ: کتاب المناقب، باب مناقب أبی بکر) میرے ہوتے ہوئے اس دین اسلام میں کچھ کمی ہو؛ ایسا ہرگز برداشت نہیں کروں گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اگر کوئی اونٹ کی رسی زکوٰۃ میں دیتا تھا تو اس کو بھی وصول کرنے کے لئے ابوبکر کھڑا ہوگا، چاہے وہ اس کو وصول کرے، چاہے جانور اس کو پھاڑ کھائے، یہ جملے ابوبکر صدیقؓ نے فرمائے تھے، آج ہم مسلمانوں سے چیلنج ہے ہماری شریعت پر، جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات پر حملہ کرنے کے لئے ایک منظم کوشش ہورہی ہے، ایسے موقع پر ہمارا فریضہ بنتا ہے کہ ہم اس چیز کو سوچیں! سمجھداری سے کام لیں، جذبات سے کام نہ لیں، سید احمد شہیدؒ نے اس ملک میں کیسے کام کرنا ہے؛ ہمیں بتلایا، ہم سمجھدار ہندوؤں سے بات چیت کریں، کالج میں ہمارے ساتھ پڑھنے والے ہندو بچوں کو اسلامی تعلیم بتلائیں، ہندو بچیوں کو ہماری مسلمان لڑکیاں اسلامی تعلیمات بتلائے، ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ، تجارت پیشہ طبقہ، ملازمت پیشہ طبقہ جو بھی ان کے ساتھ غیر مسلم ملے یہ آگے پیش کش کر کے ان سے بات کریں کہ یہ مسئلہ ایسا ہے، آپ ان کو دین اور شریعت بتلائیں۔

اسلام نے عورت کو مریم مقدس کی طرح پاکیزہ بنادیا:

حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب نے ایک لمبا چوڑا خط [جو ایک غیر مسلم عورت نے لکھا تھا؛ حضرت نے اس کو] نقل کیا ہے، ایک عیسائی عورت کہہ رہی ہے کہ پہلے ہمیں یہ بتلایا گیا کہ مسلمانوں میں عورتوں پر ظلم ہورہا ہے، لیکن جب ہم نے اسلامی تعلیم پڑھی تو ہمیں یہ پتہ چلا کہ اسلام نے مسلمان عورت کو روزی روٹی کا ذمہ دار نہیں بنایا، ساری ذمہ داری اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ (نساء: ۳۴) اور آگے اللہ پاک نے فرمایا وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ خرچ کرنا مردوں کے ذمہ ہے، عورتوں کے ذمہ نہیں، ان عورتوں نے جب اسلامی تعلیم پڑھی؛ اس

کے بعد وہ ایمان لے آئیں ،لنڈن ٹائمس اور اسی طرح امریکہ سے نکلنے والا (Los Angeles times) لاس انجلس ٹائمس اس طرح کے کئی اخبارات کی سرخیاں مولا نا نے اپنی کتاب میں نقل کی اور یہ بتلایا کہ ان عورتوں نے کہا کہ ہم کو دھوکہ میں رکھا گیا اور یہ کہا گیا کہ مسلمان عورت کو پردہ اس لئے کروایا جارہا ہے کہ اس بیچاری کو باہر کی دنیا نظر نہ آئے،اس کو گھر کے کونے میں رکھا ہے،لیکن جب ہم نے قرآن اورا سلام کو پڑھا تو پتہ چلا کہ اسلام نے مسلمان عورت کو مریم مقدس کی طرح پاکیزہ بنا دیا، یہ جملہ ایک عیسائی عورت کا ہے کہ مریم مقدس نے جس طریقے سے اپنے آپ کو نقاب میں رکھا ہے مسلمان عورت اس طریقے سے اپنی عزت اورآبرو کی حفاظت کرے، یورپ کے مردوں نے ہمیں دھوکے میں ڈالا،آزادی کے نام سے گھروں سے باہر نکالا اور جو کام مردوں کا تھا روزی روٹی کا؛وہ ہم عورتوں کے اوپر لاڈ دیا اورا سلام کو بدنام کیا،اس طرح کی کتنی باتیں اسلامی قانون کے سلسلہ کی انہوں نے ذکر کی۔

مسلم پرسنل لا بورڈ: حفاظت دین کے لیے امت کا ایک مشترک پلیٹ فارم:

دوستو اور بزرگو! جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ دین ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی وہ امانت ہے، اس امانت کو اللہ کے بندوں تک پہنچانا ہے اور جو قانون کے خلاف ہمارے مقابلہ میں آئے ہیں، ہم ہندوستان کے دستور میں رہتے ہوئے ہندوستان کے دستوری قانون کی رہنمائی میں اس دستور کو بچانے کے اعتبار سے ،اس ملک میں ان کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے اور ہمارے علمائے کرام اور پرسنل لا بورڈ کے ذمہ داران جس وقت ہماری جو رہنمائی کریں؛ ہم میں سے ہر ایک کا فرض بنتا ہے کہ ان کا ساتھ دیں، یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نائبین کی جماعت ہے،آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی حفاظت کے لئے امت کا ایک مشترک پلیٹ فارم ہے،اس کے ساتھ ملکر ہم ان کی رہنمائی میں اس لڑائی کو لڑیں گے،۱۹۸۶ میں شاہ بانو کیس کے موقع پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ کی رہنمائی میں یہ کیس لڑا گیا اور مسلمانوں کو اللہ پاک نے کامیاب فرمایا، پارلیمنٹ سے راجیو گاندھی کو وہیپ جاری کرنا پڑا،

اور مسلم وومن بل کو پاس کروانا پڑا،اس لئے قرآن نے فرمایا: ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾ (جاثیۃ:۱۸) آگے فرمایا اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۔ (جاثیۃ:۱۹) اللہ کے مقابلہ میں یہ تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتے،اس لئے ان کے پاس بھیک مانگیں؟ جو بیچارے اپنے قانون کی بھیک مانگ رہے ہیں اور ہمیں اللہ پاک نے اپنا قانون دیا ہے،اس کو چھوڑ کر غیروں کے قانون کی طرف ہم جائیں،ہمارے جو کیسس مسلمان لڑکیوں اور لڑکوں کے کورٹ میں لڑے جا رہے ہیں، میں آپ حضرات سے گزارش کروں کہ ہمارے یہاں شرعی پنچایتیں ہیں،آپ ان علماء کے پاس جائیں،لڑکی بھی جا سکتی ہے،لڑکا بھی جا سکتا ہے،اپنی باتیں کھل کر پیش کریں،ایک فریق جائے گا، دوسرے کو بلایا جائے گا،اور دونوں کے درمیان صلح کی کوشش کی جائے گی۔

صلح کرانا ایک اہم اسلامی فریضہ:

دوستو اور بزرگو! Social کام کرنے والے مسلمان نوجوانوں سے کہوں گا کہ اگر آپ نے یہ اپنے ذمہ لے لیا کہ جس گھر میں اس طرح کی لڑائی ہوئی یا فتنہ کھڑا ہوا ہے، وہاں جا کر دونوں فریق کو آپ سمجھانے کی کوشش کریں، کنتھاریہ گاؤں میں ہمارے کچھ علمائے کرام اور کچھ دوسرے حضرات ہیں، جنہوں نے اس طرح کی کوشش شروع کی ہے،مولانا عرفان وغیرہ، یہ بہت قابل مبارک باد ہے،جن لوگوں نے سماج میں جا کر اس طرح کی کوشش کی، میں آپ کو چھوٹی سی مثال دے کر اپنی بات ختم کرتا ہوں، ہم لوگ چھوٹے بچے تھے،ٹنکاریہ کے قبرستان میں ایک قبر کھودی جا رہی تھی، ہمارے ہی محلہ کے ایک صاحب کا انتقال ہوا تھا،ان کے پڑوس میں کسی صاحب کی قبر تھی، کئی سال پہلے وہ انتقال کر چکے تھے،لیکن جب ان کی قبر کے ساتھ والی قبر کھودی جا رہی تھی اور ان کی قبر کا کچھ حصہ کھل گیا تھا،ان کا جسم پورا صحیح سالم تھا، ہم تو بچے تھے،ہمیں سمجھ میں نہیں آیا؛لیکن اس کے بعد جب اس کی تحقیق کی گئی تو ہمارے والد صاحب نے ہمیں یہ بتلایا کہ یہ جس صاحب کی قبر تھی؛ یہ ٹنکاریہ میں ایک غریب آدمی تھے؛لیکن ان کی

عادت تھی کہ جب کبھی دو آدمیوں میں جھگڑا ہوتا تھا، یہ غریب بیچارا بیل چلانے والا تھا، لیکن وہاں جاتا، منت سماجت کرتا، اور ان کو سمادھان اور صلح پر راضی کرنے کی کوشش کرتا، اللہ پاک نے ان کو قبر میں اتنے سال کے بعد بھی محفوظ رکھا، اس لئے اس وقت ضرورت ہے اس بات کی کہ اگر کسی کے گھر میں آگ لگی ہو، ہم خوش نہ ہوں کہ چلو اس کے گھر میں آگ لگی ہے، اب ان کے گھر میں بھی جھگڑے شروع ہوں گے؛ بلکہ ہم صلح مصالحت کریں۔

دوستو اور بزرگو! ایک مومن کسی مسلمان کی پریشانی دیکھ کر خوش نہیں ہوتا، دشمن تو خوش ہوتا ہے! اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام ٹوٹ رہے ہیں، لڑکا توڑے گا، لڑکی توڑے گی، آپ کس پر خوش ہو رہے ہیں؟ آپ اللہ تعالیٰ کی شریعت ٹوٹنے پر خوش ہو رہے ہیں، شیطان خوش ہوتا ہے دو جوڑوں کے ٹوٹنے پر، اور ہم بھی خوش ہو رہے ہیں، تو کون سی چیز ہوئی؟ اس لئے اس سماجی زندگی کے مسائل جو ہمیں حل کرنا ہے؛ ہم اس کو حل کریں گے، اور پرسنل لا بورڈ جو اس کیس کو آگے پہنچا رہا ہے اور جس نے چیلنج کیا ہے حکومت کو؛ اس موقع پر دستور کے مطابق جو جو باتیں ہم سے کہی جائے؛ ہوش میں رہتے ہوئے، جوش میں نہ آتے ہوئے، ہمارے اکابر کی رہنمائی میں ہم اس مسئلہ کو حل کریں گے، اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہی سنی باتوں پر ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(۹)

سیرت پاک اورآزادئ اظہاررائے کے سلسلے میں یورپ کادوہرہ رویہ

(مسجد نور: بھروچ)

الحمد لله رب العالمین، والصلاة والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی آله واصحابه اجمعین، امابعد!

قال اللّٰہ تبارك وتعالیٰ فی الکلام المجید والفرقان الحمید...

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ (اعراف: ۱۵۷) وقال تعالیٰ: اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۸﴾ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ۭ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۹﴾ (فتح: ۸،۹)

وقال النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم: لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیه من والده وولده والناس أجمعین. (بخاری: کتاب الإیمان، باب حب الرسول من الإیمان)

صدق اللّٰہ العظیم وصدق رسوله النبی الکریم ونحن علیٰ ذلک لمن الشاهدین والشاکرین والحمد للّٰہ رب العالمین.

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق وآداب آیت قرآنیہ کی روشنی میں:

محترم ومکرم حضرات علماء کرام اور ایمان والے بھائیو! آپ کے سامنے کلام پاک کی جن آیات کی تلاوت کی اور جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایت پیش کی، ان میں اللہ تعالیٰ جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق، آپ کے آداب، آپ کی محبت، آپ کے دین کی نصرت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرادی کا ذکر ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ ان دونوں آیات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان حقوق کو ذکر فرما رہے ہیں، پہلی آیت میں ارشاد فرمایا، آیت کا مضمون اوپر سے چلا آرہا ہے، اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ رسول اور نبیٔ امی کی پیروی کرنے والے، فَسَاَ كْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ (اعراف:۱۵۶) پہلی آیت میں موسیٰ ؑ نے دعا فرمائی کہ باری تعالیٰ آپ کی رحمت جب وسیع ہے، تو ہماری امت کے لئے بھی ہو، اللہ پاک نے فرمایا: نہیں! میرے کچھ اصول اور آداب ہیں، جو اس کا لحاظ اور اس کی رعایت کرے گا، اس کے لیے رحمت ہوگی، اور وہ کون کرنے والے ہیں؟ آگے اللہ پاک نے اس کو ذکر فرمایا اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرنے والے ہیں، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات ذکر فرمائی اور اس میں آگے یہ ارشاد فرمایا فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے وَعَزَّرُوْهُ اور جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی نصرت کی اور دوسری ایک آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا جو میں نے آپ کے سامنے پڑھی، اس میں بھی وَتُعَزِّرُوْهُ لفظ ذکر کیا، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب ؒ فرماتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وقار، آپ کا احترام اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت؛ یہ ایک ایمان والے کے ایمان کا جز ہے، اس آیت میں اللہ پاک نے فرمایا فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے، ایمان دو اعتبار سے ہے، ایک تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ کے نبی اور رسول ہونے کے اعتبار سے ایمان لانا اور دوسرا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری نبی سمجھنا، قرآن کریم میں بائیسویں پارہ میں اللہ پاک نے وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ فرمایا مَا

كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (احزاب:۴۰) تو صرف رسول ماننا نہیں؛ بلکہ خاتم النبیین ماننا ضروری ہے، اس کے ساتھ آگے آیت میں فرمایا فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ اورآپ کی نصرت اور مدد کی، سورہ محمد میں بھی فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (محمد:۷) اے ایمان والو! تم اللہ کے دین کی مدد کرو، اللہ تمہاری مدد فرمائیں گے، اس جگہ پر بھی فرمایا فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اور اس نور کی پیروی کی جو اللہ پاک نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نازل فرمایا، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو قرآن کریم نازل فرمایا، اس آیت میں اللہ پاک نے فرمایا وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرنا، یہ بھی ہمارے لئے ضروری ہے، اس آیت میں فرمایا اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ہم نے آپ کو گواہ بنا کر بھیجا، وَّمُبَشِّرًا اور بشارت دینے والا بنا کر بھیجا، تو اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا اور اللہ کے بندوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا، یہ جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات کو ذکر فرمایا، آگے کیا فرمایا؟ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ تاکہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور وَتُعَزِّرُوْهُ اور وَتُوَقِّرُوْهُ یہاں پر وقار کا لفظ ذکر فرمایا، اللہ اور رسول دونوں پر ایمان لانا ہے، تو رسول کی تو یہ صفات ذکر کی اور اللہ پاک کے لئے فرمایا وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا صبح اور شام کے اوقات میں اللہ کی تسبیح، اس کی بڑائی اور اس کی پاکیزگی اور اس کی عظمت کو بیان کرو، یہ جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں آداب اور اصول ذکر فرمائے۔

گستاخ رسول کی سزا اور اس کا انجام:

دوستو اور بزرگو! یہ ہر مومن کے لئے جو جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لاتا ہے؛ یہ آداب اور اصول ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت، آپ کی اطاعت، آپ کا وقار، آپ کا احترام اور اس کے ساتھ آپ کا دفاع کرنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو چیزیں ذکر فرمائیں اور اس کے اوپر

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی پر، آپ کی بعثت کے بعد سے پہلے ہی وعظ میں پہلی ہی نصیحت جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ پاک نے نازل فرمائی وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ (شعراء: ۲۱۴) کہ آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ سے ڈرایئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صفا پہاڑی پر کھڑے ہو کر اپنے خاندان والوں کو جمع کیا اور سب سے پہلے ابولہب سے یہ جملہ نکلا "تبا لك" تمہارے لئے ہلاکت ہو، صرف ایک کلمہ کے لئے، صرف ایک اللہ کی عبادت کے لئے آپ ہمیں بلا رہے ہو، وہ پسند نہیں کرتے تھے ایک خدا کو، اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ﴿۵﴾ (ص: ۵) یہ ایک ہی خدا کو ماننا عجیب چیز ہے، یہ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس نے جب یہ کہا تو اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ﴿۱﴾ (لہب: ۱) (بخاری: کتاب التفسیر، سورۃ تبت یدا أبی لھب و تب) دو مرتبہ اللہ تعالیٰ نے "تَبَّ" فرمایا، پہلے تو اللہ پاک نے خود بددعا فرمائی آپ کے لیے ہلاکت کا جملہ کہنے والے کے لئے پہلے بددعا فرمائی اور آگے اللہ پاک خود فرماتے ہیں کہ ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہو، اور وہ ہم نے خود اپنی طرف سے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دشمنی کرنے والے کے لئے جو بددعا کی ہے: "وَتَبَّ" یہ ہم خود پوری کرنے والے ہیں، تو بددعا بھی فرمائی اور اس کے قبول ہونے پر اپنی طرف سے اللہ پاک نے آگے فرمایا یعنی یہ ہوکر رہے گا، یہ ہے جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اکرام، ادب اور احترام، قرآن کریم میں اللہ پاک نے فرمایا:

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احترام قرآن وحدیث کے آئینے میں:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ (حجرات: ۲) نبی کی آواز سے تمہاری آواز بھی بلند نہ ہو، صحابۂ کرام کو یہ فرمایا، اس کے بعد کیا حال ہوا؟ حضرت عمرؓ جیسے صحابی جن کی آواز بلند تھی اور حضرت ثابت بن قیسؓ جن کی آواز بھی طبعی طور پر بلند تھی، یہ اتنا آہستہ بولنے لگے کہ آپ کو پوچھنا پڑا کہ عمر تم کیا کہہ رہے ہو؟ اور دوسرے صحابی تو اپنے گھر میں ہی بیٹھ گئے اور یہ آیت سن کر وہ بہت ڈرے اور روئے اور اپنی آواز کو گھٹایا، اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ

أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ط (حجرات: ۳) اللہ پاک نے ان کا امتحان لیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ادب قرآن نے بتلایا، دوسری آیت میں فرمایا: لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ط (نور: ۶۳) تم آپس میں ایک دوسرے کو جیسے پکارتے ہو تو اللہ کے نبی کو اس طرح نہیں پکارا جائے گا، نماز میں ہو اور اگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بلائے، تو نماز توڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا ضروری ہے، قرآن کریم کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہمارے نبی جب تمہیں بلائے لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ (انفال: ۲۴) جس میں تمہاری زندگی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ایک صحابی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو آواز لگائی، وہ نماز میں تھے، انہوں نے نماز کے بعد حاضری دی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تمہیں معلوم نہیں؟ میں نے تمہیں بلایا، کہا کہ اللہ کے رسول! میں نماز میں تھا، فرمایا اللہ کا حکم ہے کہ نماز توڑ کر میرے سامنے حاضر ہو جایا کرو؛ (بخاری: کتاب فضائل القرآن، باب فضل فاتحة الكتاب، ترمذی: أبواب فضائل القرآن، باب ما جاء في فضل فاتحة الكتاب) مطلب یہ ہے کہ اب میں جس چیز کے لئے بلاتا ہوں تو یقیناً وہ تمہارے لئے افضل اور بڑی چیز ہے، یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ادب اور احترام اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سلسلہ میں قرآن کریم کی آیات میں ہمیں فرمایا گیا۔

اللہ پاک نے اپنے انبیاء کرام کو فرمایا وَإِذْ أَخَذَ اللهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ (آل عمران: ۸۱) آگے فرمایا لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ یہ نبیوں کو فرمایا جا رہا ہے کہ ہمارے نبی جب تشریف لائیں گے لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ، تمہاری موجودگی میں، تمہاری حیات میں اگر وہ نبی آجائے تو لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ تمہیں ان پر ایمان لانا ہے، اور ان کی تصدیق کرنی ہے، اور ان کے سلسلہ میں لوگوں کو بتلانا ہے، چنانچہ تمام انبیاء کرامؑ نے اپنی اپنی امتوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سلسلہ میں آگاہ فرمایا، قرآن کریم نے حضرت عیسیٰؑ کے مضمون کو ذکر فرمایا کہ آپ نے فرمایا وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّأْتِيْ مِنْ بَعْدِي

اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ (صف:٦) میرے بعد وہ رسول تشریف لائیں گے اور جن کا نام احمد ہوگا، انبیاء کرام جیسی مقدس ہستیوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلسلہ میں یہ احکام اللہ پاک کی طرف سے نازل ہوئے، صحابۂ کرام نے ان چیزوں کو سمجھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب واحترام اور ساری چیزوں کو صحابۂ کرام نے ملحوظ رکھا۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کریمانہ اور حلم وبردباری:

دوستو اور بزرگو! کئی مرتبہ لوگوں کی طرف سے شرارتیں ہوئیں، یا کسی کی طرف سے کوئی بات ایسی نکلی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان کے خلاف ہو، جب صحابہ کرام کو پتہ چلا، حضرت عمرؓ، حضرت خالد بن ولیدؓ، کئی قصے ان بزرگوں کے مشہور ہیں کہ فوراً عرض کیا کہ اللہ کے رسول! آپ فرمائیں تو ہم ان کے ساتھ یہ سلوک کریں، آپ نے منع فرمایا، اللہ پاک نے فرمایا اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۞ (قلم:۴) آپ اخلاق کے بالکل اوپر کے معیار پر ہیں، آپ کے برابر اخلاق کسی کے نہیں ہو سکتے، اور اسی لئے آپ نے فرمایا"**إنما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق**" (مجمع الزوائد: ۱۸/۹، باب ماجاء فی حسن خلقه) میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق کے جو اعلیٰ کردار اور اعلیٰ کریکٹر ہیں ان کو میں مکمل کروں، دوسرے انبیاء کرام بھی اخلاق کو ذکر فرمارہے ہیں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ اخلاق کی تکمیل فرمائی۔

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ اخلاق تھے کہ آپ کے پاس آکر یہودیوں نے شرارت کی، **السام علیك** کہا، سام کا معنی ہلاکت اور بربادی، سلام کے بجائے سام کہا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ہی جملہ فرمادیا: وعلیکم، حضرت عائشہؓ نے کہا: اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ آپ کے لئے برے جملے استعمال کررہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عائشہ میں نے بھی تو ایک جملہ کہہ دیا ہے، (بخاری: کتاب الأدب، باب الرفق فی الأمر کله) تم نے مجھے ہلاکت کی دعا دی، میں نے وعلیکم کہا، سلام کرتے تو تمہیں سلام ملتی، علیکم کا معنی تم پر، تو تمہارے اوپر وہی چیز ہو جو تم نے مجھے کہی، اتنے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبر کیا۔

مال غنیمت تقسیم کر رہے ہیں، ایک صاحب آکر زبردستی یہ کہہ رہے ہیں کہ مجھے مال غنیمت میں سے حصہ دو جو اللہ نے آپ کو دیا، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشغول تھے بانٹنے میں، چادر سے کھینچا، پھر بھی ہنستے ہنستے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو دے دیا، (بخاری: کتاب فرض الخمس، باب ما کان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یعطی المؤلفة قلوبهم وغیرهم من الخمس) یہ اعلیٰ اخلاق اور اعلیٰ کیریکٹر سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کے بندوں کے ساتھ معاملہ فرمایا، اپنی ذات پر آنے والی کوئی بھی چیز تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو برداشت کرلیا؛ لیکن صحابہ کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع فرمایا، قرآن کریم کی آیتوں پر صحابہ کرام نے عمل فرمایا۔

نبئ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آزادئ اظہار رائے:

دوستو اور بزرگو! اس وقت جن حالات سے ہم گزر رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کی جو توہین اور جو گستاخی ہو رہی ہے اور اس کو نام دیا جاتا ہے Freedum of speach آزادئ اظہار رائے، گجراتی میں بولتے ہیں વાણી સ્વતંત્રતા، بولنے کی آزادی، یہ دنیا کو کس نے دی؟ سب سے پہلے جناب نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کے ذریعہ ہی دنیا کو اپنی بات کے اظہار کرنے کا موقع ملا، حضرت عائشہ صدیقہؓ نے جن کو آزاد کروایا تھا اور وہ باندی تھی جن کا نام بریرہ تھا، ان کو آزادی ملی تو آزادی ملنے پر ان کے شوہر کے ساتھ ان کے نکاح ہوئے تھے، ان کو اب اختیار ملا کہ تم اپنے شوہر کے نکاح میں رہ سکتی ہو یا کسی اور سے نکاح کر سکتی ہو، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے یہ اجازت ملی ''**ملکت بضعك فاختاری**'' حضرت بریرہؓ کو اپنے شوہر کے ساتھ نہیں رہنا تھا، ان کے شوہر حضرت مغیثؓ تھے، وہ ان کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے، اور کہہ رہے تھے بریرہ مان لو اور میرے نکاح میں رہو، وہ کہہ رہی ہے کہ نہیں: مجھے آزادی ملی ہے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتہ چلا، آپ نے حضرت بریرہ کو بلایا اور بلا کر یہ کہا کہ تمہارا شوہر اتنی محبت کر رہا ہے تو تم اس کے ساتھ رہو، حضرت بریرہ عرض کرتی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ آپ کا حکم ہے یا مشورہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حکم تو نہیں ہے، اللہ کا جو

حکم تھا وہ تو میں نے سنا دیا کہ تمہیں آزادی ملی ہے، لیکن میں تمہیں مشورہ دے رہا ہوں، وہ عورت جو کل تک باندی تھی اور جزیرۃ العرب میں باندی اور غلاموں کے ساتھ جو سلوک ہوتا تھا، جانوروں سے بھی برا سلوک ہوتا تھا، ان کی خرید وفروخت ہوتی تھی اور پھر اس کے بعد ان پر ظلم کرے؛ کوئی روکنے والا نہیں، اس طرح کی ایک باندی جو آزاد ہو رہی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمانے سے حضرت عائشہؓ اس کی کتابت کی رقم ادا کردیتی ہے، اس کی رقم ادا کرکے ان کے آقا سے ان کو آزاد کروایا جارہا ہے، آزاد کرنے والی حضرت عائشہؓ ام المومنین، اور یہ آپ کے مشورہ سے ہوا، بریرہ نے یہ کہا کہ اللہ کے رسول! جب یہ مشورہ ہے تو مجھے منظور نہیں ہے، (بخاری: کتاب الطلاق باب شفاعة النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی زوج بریرۃ، طبقات ابن سعد: ۲۰۴/۸) اللہ کے نبی ہے، کائنات کے سردار ہے؛ لیکن ذرہ برابر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برا نہیں مانا، ایک باندی کو یہ اجازت دی کہ وہ جو بات کہنا چاہے کہہ سکے، تو دنیا میں انسانیت کو سب سے پہلے اگر Freedum of Speach کا کسی نے موقع دیا ہے تو وہ حضرت جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے، آپ کے فرمانے سے دنیا میں انسانوں کو بولنے کی آزادی ملی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک صحابیہ تشریف لائیں، شادی شدہ تھیں، انہوں نے کہا کہ میرے والد نے فلاں آدمی سے میرا نکاح کروایا اور مجھے وہ منظور نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر تمہیں منظور نہیں ہے تو ہم تمہیں دوسرے آدمی سے نکاح کی اجازت دیتے ہیں، (بخاری: کتاب النکاح، باب إذا زوج ابنته وھی کارھة فنکاحھا مردود) یعنی اس پہلے شوہر سے طلاق کا جو عمل ہے وہ پورا ہوگا اور اس کے بعد دوسرے آدمی سے تمہاری شادی ہوگی، ان صحابیہ نے کہا، ماں باپ کا کرایا ہوا نکاح میں رد نہیں کرنا چاہتی؛ لیکن میں عورتوں کو بتانا چاہتی ہوں کہ اسلام نے تمہیں کتنی اجازت دی؟ ایک عورت ہوکر اللہ کے نبی کے سامنے یہ باتیں کہہ سکتی ہے، یہ کس بات کی دلیل ہے؟ آپ نے خود فرمایا: میں آمنہ کا بیٹا ہوں، جس کو راستہ میں جو ضرورت پیش آئے، میرے ساتھ بات کرسکتا ہے، میں ان کی ضرورت کو پوری کروں گا، اللہ کے نبی

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی طرف سے جو دنیا کو آزادی دی جاسکتی ہے وہ عطا فرمائی۔

خلیفۃ المسلمین حضرت عمرؓ اور اظہار رائے کی آزادی:

حضرت عمر بن خطابؓ خلیفۃ المسلمین ہے، دس لاکھ مربع کیلو میٹر کا لمبا چوڑا Areal حضرت عمر کی حکومت کے ماتحت ہے، دنیا کی دو سپر پاور طاقتیں ''ایران اور روم'' اور ایک کلچر اور تہذیب والی ایک اپنی ثقافت پر فخر کرنے والی حکومت مصر (Egypt) یہ بھی آپ کے قبضہ میں آگئی، آپ جمعہ کا خطبہ دے رہے ہیں، اس وقت لوگوں میں عورت کو مہر دینے کی مقدار کافی زیادہ بڑھ گئی تھی، حضرت عمرؓ نے فرمایا ''الا لا تغالوا في المهر'' کہ مہر کی رقم میں زیادتی مت کرو، نکاح کو مہنگا مت کرو، یہ حضرت عمرؓ نے فرمایا، آپ کے خطبہ کے بعد ایک عورت نے آپ سے کہا، اے عمر! اللہ پاک تو فرماتے ہیں وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ط (نساء:۲۰) جب تم اپنی بیوی کو قنطار دو، '' قنطار'' ۱۰ ہزار درہم کو کہا جاتا ہے، اتنی رقم ادا کرنے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر میاں بیوی میں جدائی ہو فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا تم کون آئے مہر میں کمی کرنے والے؟ حضرت عمرؓ نے یہ آیت جیسے ہی سنی، آپ نے فرمایا کہ یہ عورت صحیح کہہ رہی ہے اور عمر غلط کہہ رہا ہے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۶/۱۸۰، رقم: ۱۰۴۲۰)

آزادیٔ رائے کی حدود وقیود:

یہ اسلام نے Speach کی آزادی دی؛ لیکن آزادی کی بھی ایک حد ہوتی ہے، آپ اپنی آزادی اپنی ستعمال کے لئے کوئی ایسا کام کریں جس میں آپ کو آزادی مل رہی ہے، آپ کی آزادی سے دوسرے کو تکلیف نہیں ہو رہی ہو، تو ایسی آزادی اور ایسی آواز تو جائز ہے؛ لیکن آپ اپنی آزادی سے دوسروں کو نقصان پہنچائیں، دوسروں کے قلب کو اذیت اور تکلیف پہنچاؤ، تو یہ آزادی دنیا کے کسی بھی قانون میں نہیں ہے، اور UNO کا چارٹر حقوق انسانی کا اس کے اندر بھی یہ ساری باتیں لکھی ہوئی ہے کہ آپ کسی کو تکلیف نہ دیں، جنہوں نے مدد کی، وہ خود بھی اس کے مرتکب ہوئے۔

یورپ کا دوہرہ رویہ:

فرانس کے صدر نے ایک آدمی کی تائید کی اور اس کو ملک کے ایک بہت بڑے اعجاز سے نوازا، جس نے ڈیڑھ عرب سے زیادہ امت مسلمہ کے قلوب کو اذیت پہنچائی، اس کو قتل کرنے پر اس کو تو قتل کر دیا گیا، شہید ہو گیا وہ نوجوان، لیکن کہنا یہ ہے کہ اس کے اس عمل پر اگر کسی ملک کا صدر (جناب طیب اردگان صاحب) یہ بولتا ہے کہ آپ کو اپنے دماغ کے علاج کرانے کی ضرورت ہے، آپ کسی کا ساتھ دے رہے ہیں تو Freedum Speach کی بنیاد پر دوسرے کو بھی حق ہے، وہ بھی ایک ملک کا صدر (جناب طیب اردگان صاحب) ہے، وہ بھی ایک پکا مسلمان ہے، وہ اگر یہ جملہ کہہ رہا ہے کہ تمہیں اپنے دماغ کو ٹھیک کرنے کی ضرورت ہے، تو آپ اس کی Freedum Speach پر کیوں الزام لگا رہے ہو؟ اس کو بھی تو حق ہے جیسے آپ کہہ رہے ہیں، اس لئے یہ دوہرہ رویہ ہے۔

ہٹلر نے جو ظلم کیا تھا یہودیوں پر، وہ کم کیا تھا؛ لیکن اس کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا تا کہ فلسطین میں ان کو جگہ مل جائے، یہ آزادی سے پہلے انگریز کی جب حکومت تھی اس وقت کی بات ہے، اور پھر اس کے نتیجہ میں اپنی مظلومت کا پروپیگنڈا کر کے فلسطین میں ان کو جگہ ملی، اس کو کہا جاتا ہے "ہولوکاست" یہ اس وقت یہودیوں کے ساتھ جو ہولوکاست پیش آیا، اس کو تو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں؛ لیکن اس کے مقابلہ میں جو صحیح ہسٹری ہے وہ یہ ہے کہ ان پر اتنا ظلم نہیں ہوا تھا، یہ صحیح ہسٹری جو لوگ لکھتے ہیں ان پر آج بھی پابندی ہے۔

انگلینڈ کے ایک بہت بڑے لکھنے والے ابھی گذشتہ چند سالوں کی بات ہے، انہوں نے ایک کتاب لکھی اور اس کے اندر یہ لکھا کہ ہٹلر کا جو معاملہ ہولوکاست کا ہے؛ اس کی صحیح حقیقت دوسری ہے، اور جو فلمیں بنائی جا رہی ہے وہ غلط ہے، یہودیوں پر اتنا ظلم ہٹلر کی طرف سے نہیں ہوا تو "آسٹریا" یورپ کا ایک ملک ہے، آسٹریلیا جو ایک بڑا ملک ہے اور یہ آسٹریا یہ چھوٹا سا ملک ہے یورپ کے اندر، وہاں اس کی گرفتاری کر لی گئی اور اس کو جیل میں بھیج دیا گیا یہودیوں

کے خلاف بولنے کی وجہ سے،تو آپ کی آزادیٔ رائے اور آپ کا FreedumSpeach اسلام پر ہی آکر ختم ہو جاتا ہے،ساری آزادی آپ کو اسلام کے خلاف بولنے اور لکھنے کے موقعپر ہی آجاتی ہے،اس کے علاوہ کسی موقع پر آپ کوسمجھ میں نہیں آتا!

انگلینڈ کا اصول ہے کہ رانی کے خلاف کوئی نہیں بول سکتا،کوئی بھی بولے گا تو فوراً جو دفعہ (۲۹۵) لگی ہے؛اس کے مطابق اس کو سزا ہوگی،کسی زمانہ میں ترکی میں بھی تھا،مصطفیٰ کمال اتاترک کے خلاف کوئی بول نہیں سکتا تھا،بعد میں یہ تبدیلی ہوئی تھوڑی کچھ،ابھی بھی وہاں بولا نہیں جارہا ہے،بتلانا یہ ہے کہ آپ کسی انسان کو بڑا سمجھ لو،اس کے خلاف تو بولنا انٹرنیشنل گناہ ہوگا،اوروہ ذات اوروہ ہستی جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اتنی آیتیں نازل فرمائیں جن کی عظمت اور جن کے تقدس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں بار بار اظہار فرمایا،ان کے خلاف بولنے کی کیسے گنجائش ہوگی؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ:

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں بیت اللہ کے قریب آیا،وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے،حضرت عمر کے دل میں خیال آیا،(ابھی یہ اسلام نہیں لائے تھے)،کہ یہ جو قرآن پڑھا جارہا ہے یہ کسی جادوگر کا کلام ہوگا،یہ کسی شاعر کا کلام ہوگا،کسی ساحر کا کلام ہوگا،آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھنے لگے،وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ (حاقہ:۴۱،۴۲) حضرت عمر کہہ رہے ہیں جو اشکال میرے دل میں ہو رہے ہیں،اللہ پاک اپنے نبی اوراپنے کلام کے متعلق اس کو صاف اورواضح کررہے ہیں،بعد میں یہ ہی چند چیزیں حضرت عمر کے اسلام لانے کا ذریعہ بنی۔

دعوت دین سے پہلے مکہ کے مشرکین کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صادق وامین کہنا:

مکہ کے مشرکین نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کی نبوت سے پہلے صادق اورامین کا خطاب عطا کیا،۳۵ سال کی عمر تھی،بیت اللہ کے اندر پانی آچکا تھا،دوبارہ اس کی تعمیر کی اوراب حجراسود کو

اس کی جگہ پر رکھنا ہے، ان لوگوں میں جتنے خاندان تھے، آپس میں جھگڑا ہونے لگا، ہر خاندان یہ کہنے لگا ہم اپنے ہاتھ سے رکھیں گے، پھر آپس میں مشورہ ہوا کہ لڑنا نہیں ہے، کسی طرح آپس میں کوئی فیصلہ ہو، تو آپس میں یہ فیصلہ ہوا کہ آئندہ کل صبح جو سب سے پہلے آئے گا اس کے ہاتھوں رکھا جائے گا، اللہ پاک نے اتفاق سے آپ ﷺ کو سب سے پہلے پہنچایا، تو ہر طرف سے آواز لگائی گئی، ''**هذا الأمين قد رضينا**'' (دلائل النبوة: ۲/۶۲) یہ امین ہے ان کی ہم تصدیق کرتے ہیں اور ان کی رائے پر ہم عمل کریں گے، آپ ﷺ نے مشورہ دیا اور ایک چادر میں رکھ کر اس کی جگہ رکھا گیا اور سب قبیلے والوں کو خوش کر دیا، ایسے صادق اور امین؛ لیکن جب آپ ﷺ نے دین اسلام کی دعوت دی، تو آپ ﷺ کی مخالفت شروع ہوئی، اللہ پاک ایک آیت میں فرماتے ہیں، کہ لوگ آپ کی تکذیب نہیں کرتے وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ۝۳۳ (انعام: ۳۳) آپ کو تو صادق اور امین کہا گیا لیکن آپ نے جب ایک اللہ کی توحید اور وحدانیت بیان کی، اب آپ سے مخالفت اور دشمنی شروع ہوئی۔

بارہویں اور تیرہویں صدی کے دوران میں مغربی اقوام مسلمانوں کی زمین پر صلیبی جنگ لڑتی رہیں۔ان صلیبی لڑائیوں کی یاد آئندہ نسلوں میں باقی رہی۔

زرتشت، بدھ ازم اور دوسرے کم ترقی یافتہ مذاہب کی کبھی اس طرح سے نفرت اور تحقیر نہیں کی گئی، جیسا کہ اسلام کے ساتھ پیش آیا۔وہ قرون وسطیٰ کے مغرب کے لئے کوئی خطرہ نہیں تھے۔اور نہ انہوں نے مقابل میں آنے کی کبھی کوشش کی۔اس لئے یہ بنیادی طور پر خوف، دشمنی اور تعصب تھا جس نے اسلام کے بارہ میں مغرب کے نقطۂ نظر کو متأثر کیا۔اسلام کا عقیدہ ایک دشمن عقیدہ تھا۔اس لئے وہ غلط نہ ہو جب بھی شبہ کی نظر سے دیکھا جانا لازمی تھا۔

پھر زبان کا روک بھی تھا، مسیحیت اور دنیائے اسلام کے درمیان سیاسی اور فوجی تصادم کے چھ سو سال تک یورپ قرآن کی زبان کے باقاعدہ مطالعہ کی سہولت سے محروم رہا۔اس پوری مدت میں لاطینی زبان کا کوئی عالم یورپ میں ایسا نہیں ملتا جو عربی زبان پر بھی عبور رکھتا

ہو۔قرآن کی زبان سے اس کامل بے خبری نے قرآن کے بارے میں غلط تعارف کو پھیلنے کا موقع دے دیا۔

قرون وسطی اور اس کے بعد کی مسیحیت نے جس تحریری یا زبانی ذرائع سے اسلام کے بارہ میں اپنا تصور قائم کیا، وہ وہی تھا جو صلیبی جنگوں کے دوران میں وجود میں آئے یا ان ممالک کی معرفت ملے جن سے اسلام کی لڑائی پیش آچکی تھی، مسیحی علماء اور پادریوں نے اسی کے ذریعہ سے اسلام کی تصویر بنائی۔اسلام کی اس یورپی تصویر اور اس کی حقیقی اسلامی تصویر میں کوئی مشابہت محض اتفاقی ہے۔

عیسائیت اور اسلام میں زبان کا روک پہلی بار اس وقت ٹوٹا جب فرانس میں قرآن کا ترجمہ لاطینی زبان میں کیا گیا۔یہ بیرونی زبان میں قرآن کا پہلا ترجمہ ہے۔یہ ترجمہ تخمیناً ۱۱۴۱ء میں کیا گیا اور اس کے کرنے والے تین عیسائی اور ایک عرب باشندہ تھا۔

لفظ Mahomet خود محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔آکسفرڈ انگلش ڈکشنری میں اس کی اٹھارہ شکلیں بتائی گئی ہیں۔اسی طرح Mahound کی سترہ شکلیں Mohammad کی پانچ Muhammad کو لے کر ایک ہی نام کی ۴۱ مختلف شکلیں، مصنف نے یہاں Maumet کو شمار نہیں کیا جس کی سب سے زیادہ شکلیں آکسفرڈ ڈکشنری میں بتائی گئی ہیں اور ان کو شامل کرنے کے بعد ناموں کی یہ فہرست ستر سے بھی زیادہ تک پہنچ جاتی ہے۔

مارٹن لوتھر نے پہلے یہ خیال کیا کہ ترکوں کو مسیحیت کے گناہوں کی پاداش میں خدا کا بھیجا ہوا عذاب سمجھ کر گوارا کرنا چاہئے۔مگر ۱۵۲۹ میں جب ترک وائنا کے دروازوں تک پہنچ گئے تو اس نے اپنے ذہن کو بدل دیا اور یہ تبلیغ کی کہ ان کافروں کے خلاف جنگ کرنے کی ضرورت ہے۔

قرآن کا پہلا انگریزی ترجمہ براہ راست عربی زبان سے ۱۷۳۴ میں کیا گیا، اور اس کا مترجم جارج سیل (George Sale) تھا، سیل عیسائی علوم کی ترقی انجمن کا ایک رکن تھا اور اس نے شامی علماء کی مدد سے عربی زبان سیکھی تھی، سیل کا ترجمہ انگریزی دنیا میں ڈیڑھ صدی

تک چھایا رہا۔

اڈورڈ گبن (Edward Gibbon) جو جدید انگریزی تاریخ کا بانی ہے، اس نے اپنی مشہور کتاب ''سلطنت روما کا زوال'' کی پانچویں جلد کے پچاسویں باب کو اس موضوع کے لئے مخصوص کیا ہے۔ اپنے اعتراف کے مطابق وہ مشرقی زبانوں سے مکمل طور پر ناواقف تھا۔ اس لئے قدرتی طور پر اس کا ماخذ وہی کتابیں تھیں جو اس سے پہلے یورپ میں لکھی گئی تھیں اور اس بنا پر اس کی ترجمانی بھی واقعہ کے مطابق نہ ہوسکی۔ تاہم اس نے بہت سی روایات کو غلط قرار دیا، مثلاً اس نے کہا کہ مکار نبی کا لقب ایک خطرناک اور نا قابل اعتبار (Perilous and Slippery) چیز ہے۔

فرانس میں والٹیر پیدا ہوا جو بحیثیت مورخ زیادہ محتاط تھا مگر بحیثیت المیہ نگار (Tragedian) محتاط نہیں تھا۔ اپنی تاریخی کتاب ۱۷۵۶ میں وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذکر رواداری کے ساتھ کرتا ہے۔ وہ محمد کا مقابلہ کرامویل (Cromwell) سے کرتا ہے۔ وہ ان کے کارناموں کو انگلینڈ کے نجات دہندہ کرامویل سے بہت زیادہ عظیم قرار دیتا ہے مگر اپنے المیہ ناٹک (Tragedy) ۱۷۴۲ میں وہ محمد کو قرون وسطی کے لباس میں مکار، ظالم اور عیاش بنا کر پیش کرتا ہے۔ اگر چہ یہ بھی حقیقت ہے کہ والٹیر کا اسلام پر حملہ، عمومی طور پر اس کے مخالف مذہب ہونے کا نتیجہ تھا۔ والٹیر کا انحصار انگریزی ماخذ پر تھا۔ خاص طور پر سیل کا ترجمہ قرآن کیوں کہ وہ انگلینڈ میں رہا تھا اور انگریزی زبان سیکھی تھی۔

اسلامی کلچر کے بارے میں مغربی علماء کا بدلا ہوا نقطۂ نظر جس کا آغاز انگریزی اور فرانسیسی پروفیسروں نے کیا تھا اور جرمن اور دوسرے ادیبوں اور شاعروں نے جس کو تقویت دی تھی، وہ انیسویں صدی کے وسط تک بالکل واضح ہو گیا۔ کارلائل کا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پیغمبرانہ ہیرو کے کردار کے لئے منتخب کرنا، بیک وقت نئے رجحان کی طرف اشارہ تھا۔ اور اس میں اضافہ کرنے والا بھی تھا۔ کارلائل کی کتاب میں مشکل سے کوئی ناخوشگوار فقرہ ہوگا۔ درحقیقت یہ کتاب اس لئے

قابل تنقید ہوسکتی ہے کہ وہ غیر تنقیدی ہے،" محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سازشی مکار ہیں، وہ جھوٹ کا مجسمہ ہیں۔ان کا مذہب محض عطائی نسخوں کا مجموعہ ہے" اس قسم کی باتیں کارلائل کو گوارا نہیں تھیں۔ اس کا ہیرو (محمد) واقعی ایک انسان تھا، سچا انسان۔

او پر یورپ کے مسیحی لٹریچر کی جو مثالیں، نقل کفر کفر نباشد کے اصول کے تحت درج کی گئی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی وہ ہی سب کچھ بدترین شکل میں کیا گیا جو دوسرے پیغمبروں کے ساتھ کیا گیا تھا۔آپ کے مخالفین نے آپ کی سیرت اورآپ کے پیغام کو بگاڑنے کے لئے وہ سب کچھ کیا جو وہ کر سکتے تھے۔

مگر یہاں دونوں کے درمیان ایک زبردست فرق ہے۔دوسرے پیغمبروں کی سیرت اوران کے پیغام کو بگاڑنے والے بظاہر اپنے اعتبار سے کامیاب ہوگئے۔یعنی انہوں نے بگاڑنا چاہا اور عملاً بگاڑ دیا۔چنانچہ ان سابق پیغمبروں کے بارہ میں آج قرآن کے باہر کہیں صحیح تاریخی ریکارڈ نہیں ملتا حتیٰ کہ ان کی اپنی کتابوں میں بھی نہیں؛ لیکن پیغمبر اسلام کے معاملہ میں صورت حال بالکل مختلف رہی۔یہاں مخالفین کی ساری کارروائیاں بالکل ناکام ہوکر رہ گئیں۔ لوگوں کی بدترین مخالفانہ کوششوں کے باوجود، آج آپ کی تاریخ اورآپ کی لائی ہوئی تعلیمات کا متن اس طرح کامل صورت میں محفوظ ہے کہ اس سے زیادہ محفوظ اور مستند صورت موجودہ دنیا میں ممکن نہیں۔

یہ کوئی سادہ سی بات نہیں۔یہ فرق دراصل پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الرسل ہونے کا عظیم الشان ثبوت ہے۔پچھلے زمانوں میں جو پیغمبر آئے، وہ علم الٰہی کے مطابق سلسلہ نبوت کے خاتم نہ تھے۔ان کے بعد بھی نبیوں کی آمد کا سلسلہ جاری رہنے والا تھا۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کیا کہ ان کے مخالفین کی معاندانہ کارروائیوں کو غیر موثر بنا دے؛ تاکہ وہ ان کی تاریخ اوران کی تعلیمات کو بگاڑنے سے عاجز رہ جائیں۔

مگر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ یہ تھا کہ علم الٰہی کے مطابق وہ آخری رسول اور

خاتم النبیین تھے۔آپ کے بعد پھر کوئی نبی یا رسول آنے والا نہ تھا، اس لئے ضروری تھا کہ آپ کی سیرت اور آپ کی تعلیم کامل طور پر محفوظ رہے۔ کیوں کہ آپ کی سیرت اور آپ کی تعلیم کے غیر محفوظ ہوجانے کی صورت میں دوسرے نبی کا آنا ضروری ہوجاتا۔

خاتم النبیین صرف سلسلۂ نبوت کو ختم کرنے والے نہ تھے، اسی کے ساتھ آپ مخالفین حق کے لئے اس موقع کو بھی ختم کر دینے والے تھے کہ وہ پیغمبر کی سیرت اور اس کی تعلیمات کو بگاڑنے یا مٹانے میں کامیاب ہوسکیں، ختم نبوت لازمی طور پر حفاظت نبوت کی مقتضی ہے، اور اس کا اہتمام اللہ تعالی کی طرف سے پوری طرح کر دیا گیا ہے۔

اب پیغمبر کی آمد کا سلسلہ بلاشبہ ختم ہو چکا ہے۔ گر خود ختم نبوت ہی کے طفیل میں مومنان نبوت کو ایک عظیم الشان خدائی مدد ابدی طور پر حاصل ہے، وہ یہ کہ اگر وہ پیغمبر خدا کی سچی اور بے آمیز دعوت کو لے کر اٹھیں تو ان کے مخالفین کی بڑی سے بڑی کوششیں ہباءاً منثورا ہو کر رہ جائیں گی۔ دعوتِ رسالت کو بدنام کرنے یا اس کو ناکام بنانے کی ہر کوشش کا وہی انجام ہوگا جو خود ذات رسالت کے معاملہ میں ہوا۔ یہ خداوند عالم کا فیصلہ ہے، اور خداوند عالم کے فیصلہ کو کوئی بدلنے والا نہیں۔

ختم نبوت کا لازمی تقاضا حفاظت نبوت ہے، اور حفاظت نبوت کا لازمی تقاضا حفاظت امت، یہ تینوں آپس میں لازم وملزوم ہیں۔ختم نبوت اس کے بغیر مکمل نہیں کہ نبوت کا ریکارڈ پوری طرح محفوظ حالت میں موجود رہے۔اور اس عالم اسباب میں نبوت کا ریکارڈ اسی وقت محفوظ رہ سکتا ہے جب کہ ایک امت مسلسل اس کی پشت پر کھڑی ہوئی ہو۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غیر مسلم مصنفین کی نظر میں:

دوستو اور بزرگو! اس وقت بھی یورپ کا یہ حال ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگیں لڑی، بہت سخت اسلام اور مسلمانوں کے خلاف رویہ اپنایا اور اپنے لوگوں کو دین اسلام کی تعلیم سے دور رکھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد سے لے کر لمبے زمانہ تک یہ

چلتا رہا، بڑے بڑے لکھنے والے آئے، اور آپ کے خلاف بہت کچھ بکواس لکھتے گئے، کوئی چیز چھوڑی نہیں، لیکن پھر ۱۸ ویں صدی کے بعد مسٹر کارلائل آئے اور انہوں نے سب سے پہلے کتاب لکھی ''پیغمبروں میں سب سے بڑے ہیروٗ''، سب سے بڑا مقام کس کا ہے؟ یہ انہوں نے Book لکھی۔ اس کے بعد ایک اور عیسائی مصنف آئے مائکل ہارٹ، انہوں نے The top hundered کتاب لکھی، دنیا میں سب سے بڑے جو ۱۰۰ آدمی گزرے ہیں اب تک، ان کی لسٹ تیار کی اور اس میں سب سے پہلے جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ فرمایا اور یہ لکھا کہ مذہبی اعتبار سے میں عیسائی ہوں اور اپنے پیشے کے اعتبار سے میں ایک سائنٹسٹ ہوں، لیکن نہ میں یہاں نیوٹن کو پہلا نمبر دیتا ہوں اور نہ میں حضرت عیسیٰ ؑ کو پہلا نمبر دیتا ہوں، مذہبی اعتبار سے عیسائی اور پیشہ کے اعتبار سے ایک سائنٹسٹ ہوں، اگر چہ یہ دونوں میرے نزدیک بڑے ہیں، لیکن میں جو نمبر دے رہا ہوں؛ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دے رہا ہوں اور پھر اس کی وجہ بتلائی کہ ان سب کو تو مواقع ملے ہیں؛ لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی بنجر زمین میں کام کیا کہ اس سے پہلے بھی اس قوم میں کوئی نبی نہیں آئے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان میں آپ کو بھیجا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو دعوت دی اور اس دعوت کی بنیاد پر لوگ ایمان میں داخل ہوئے، تو اس سائنٹسٹ نے یہ کہا کہ میں اس لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلا نمبر دے رہا ہوں۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایمان والوں کی محبت:

اب لوگ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں، لوگ اسلام کو پڑھ رہے ہیں، جب سلمان رشدی کا مسئلہ پیش آیا تھا، مسلمان بمبئی کی سڑکوں پر محمد علی روڈ پر نکل گئے اور پولیس کی طرف سے گولیاں چلی تھیں، آکسفورڈ اور کیمبریز (Cambridge) یونیورسیٹی کے دس ہزار پروفیسر اور اسٹوڈنٹ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تو کہا کہ وہ کونسی ہستی ہے جس کے لئے مسلمان اپنی جان قربان کرنے کو تیار ہیں، آخر اس کو دیکھا جائے، پڑھا جائے، اللہ پاک نے ان سب کو ایمان کی توفیق سے نوازا، تو اس وقت جو چیز ہو رہی ہے وہ سمجھنے کی ہے، یہ لوگ سائنس اور ٹیکنولوجی کی

ساری نعمتوں کے ملنے کے باوجود اپنے دل میں بے چین اور بے قرار ہیں، دل کی بے چینی اور بے قراری لا الہ الا اللہ کے سوا کہیں دور نہیں ہوسکتی ، دل کا چین اور دل کا سکون اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾ (رعد:۲۸) قلب کو پیدا کرنے والی ذات سے حاصل ہوگا۔

دوستو بزرگو! ان حالات میں ہمیں ایک سیکولر ملک میں جمہوری حقوق کے اعتبار سے اپنی مخالفت کا حق حاصل ہے، ہم جو جو سیکولر ملک میں کر سکتے ہیں؛ کریں ؛ لیکن دوسری چیز جس طرف ہماری توجہ کم ہے اس کو میں دو چار منٹ میں پورا کر دیتا ہوں ۔سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ ہم نے جناب نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پڑھنا چھوڑ دی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی پر عمل کرنا چھوڑ دیا، آج ہم بھی سیرت نہیں جانتے اور ہماری نئی نسلوں کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا پتہ نہیں، انتہائی افسوس کی بات ہے۔

شان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں گستاخی اور ہماری ذمہ داری:

حضرت شیخ یونس صاحبؒ مظاہر علوم کے شیخ اور پوری زندگی جن کی حدیث شریف میں گذری، جب یہ چند سال پہلے واقعہ پیش آیا تھا کارٹون والا ۲۰۱۷، ۲۰۱۸ میں، حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ اس کی ہمت کیوں ہوئی ؟ ایسی جرأت اور ایسی اس بے وقوفی اور کمینگی کیوں ہوئی ؟ اور حضرتؒ فرماتے ہیں کہ میرے ذہن میں آتا ہے کہ بس جب سے ہم نے اللہ کے رسول کو چھوڑ دیا، آپ کی اطاعت چھوڑ دی تو غیروں کے ذریعہ اللہ نے ہم کو للکارا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین ہماری آنکھوں کے سامنے ہوئی، اس لئے دوستو اور بزرگو! ضروری ہے اس کے ساتھ جن جن کو جو سیرت یاد ہے آپ اپنے غیر مسلم دوستوں تک اس کو پہنچایئے، کئی غیر مسلم ایسے بھی ہیں جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں اشعار کہے، جنہوں نے کتابیں لکھی، پنڈت سندر لال نے "محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" ایک ضخیم کتاب لکھی اور اس طرح کے کئی غیر مسلم لکھنے والے ہیں ۔

دوستو اور بزرگو! اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے ، ہمارے بھائیوں کو اللہ پاک دین وایمان کی توفیق عطا

فرمائے، کوئی ایسا کام ہماری طرف سے نہ ہو جس کو یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان ہنگامہ کرے اور ان کو دہشت گرد قرار دیا جائے، یورپ میں مسلمان اتنی بڑی تعداد میں بستے ہیں، ان کے خلاف کوئی ایسا کام کیا جائے تا کہ ان کو وہاں سے نکالے یا ان کو ستائے، یہ ایک منظم پلاننگ ہے، اس لئے کہ ادھر لوگ کثرت سے اسلام میں داخل ہو رہے ہیں، ان کو خطرہ ہے کہ اگر اس ترتیب سے یورپ میں لوگ اسلام میں داخل ہوں گے تو شاید آئندہ وہاں کا صدر یا وہاں کا وزیر اعظم مسلمان ہوگا، یورپ کو یہ خطرہ ہے اس لئے یہ ساری کارروائی ہو رہی ہے، سنجیدگی سے، متانت سے ہم مسئلہ کو سمجھیں، اور اپنے بھائیوں کو سمجھائیں، یقیناً ہمیں اپنی مخالفت کا حق ہے لیکن کوئی ایسی حرکت کہ قانونی طور پر جس سے ہم گرفت میں آ جائیں اس سے بچا جائے، خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم بھی ایسی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو کہی سنی باتوں پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(۱۰)

سیرت کی روشنی میں کرنے کے تین کام

اتحاد، دعوت اور خدمت

(گارڈن مسجد، بھروچ)

الحمد لله رب العالمین، والصلاة والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی آله واصحابه اجمعین. امابعد!

قال الله تبارك وتعالیٰ فی الکلام المجید والفرقان الحمید

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۪ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ (آل عمران: ۱۰۳)

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ (مائدہ: ۶۷)

وقال النبی ﷺ: مَنْ لَزِمَ الِاسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللهُ لَهُ مِنْ كُلِّ ضِيقٍ مَخْرَجًا وَمِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لاَ يَحْتَسِبُ. (ابوداود: کتاب الصلاة، باب فی الاستغفار)

صدق الله العظیم و صدق رسوله النبی الکریم و نحن علیٰ ذلک لمن الشاهدین والشاکرین والحمد لله رب العالمین.

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انسانیت کے لیے اسوہ اور نمونہ:

محترم ومکرم حضرات علمائے کرام اور ایمان والے بھائیو!

جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پوری انسانیت کے لئے اسوہ اور نمونہ بنا کر اللہ پاک کی طرف سے بھیجے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ہمیں انفرادی طور پر اور پرائیویٹ طور پر کیسی گذارنی ہے، اس کی رہنمائی کرتی ہے، اور اجتماعی طور پر کسی قوم کو اور کسی سوسائٹی کو نظام چلانا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم میں ہماری رہنمائی موجود ہے، ایک غریب آدمی ہو یا مالدار آدمی ہو، بادشاہ ہو یا فقیر ہو، تاجر ہو یا خریدار ہو، سب کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی بہترین نمونہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا ایک حال مکہ مکرمہ کا ہے، اور ایک حال اس وقت کا ہے جب مدینہ منورہ کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت فرمائی اور اللہ پاک نے اسلام کو غلبہ عطا فرمایا، یہ دونوں احوال مغلوب ومفتوح ہونے کے، اور غالب اور فاتح ہونے کے، دونوں احوال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عملی زندگی میں ہمیں ملتے ہیں۔

موجودہ حالات کو مکی زندگی سے مشابہت:

اس وقت ہندوستان کے مسلمان جن حالات سے گذر رہے ہیں، مکی زندگی سے اس کو بہت ساری مشابہت حاصل ہے، اگر چہ مکہ کے مسلمانوں کی تعداد کم تھی اور ہماری تعداد بہت بڑی ہے، ان کے پاس ظاہری اسباب بھی کم تھے اور ہمارے پاس اس سے زیادہ اسباب ہیں، لیکن ملک کے حالات جب کروٹیں بدل رہے ہیں، اس کے پیش نظر جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکی زندگی کے حالات میں کس طریقے سے امت کی رہنمائی فرمائی، یہ ہمیں جاننا ضروری ہے۔

پہلا کام؛ مسلمانوں کا آپسی اتحاد قرآن وحدیث کی روشنی میں:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکی زندگی کے حالات دیکھنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مکی زندگی میں تین کاموں کو بہت اہتمام سے اور بہت ضروری سمجھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انجام دیا، اس میں سب سے پہلے آپ کے سامنے میں نے کلام پاک کی جس آیت کی تلاوت کی، اس میں اللہ تعالیٰ نے

جو حکم فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عملی طور پر اس کو صحابۂ کرام کے درمیان رائج فرمایا، اللہ پاک فرماتے ہیں: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا ۔ (آل عمران: ۱۰۳) اے ایمان والو! تم سب کے سب ملکر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو، اسلامی شریعت کو، قرآن کریم کو، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کو مضبوطی سے پکڑ لو، ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **کتاب اللہ حبل ممدود من السماء الی الارض**۔ (ترمذی: أبواب المناقب، باب مناقب أهل بيت النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہ یہ قرآن اللہ پاک کی رسی ہے، جو آسمان سے زمین کی طرف لٹکائی گئی ہے، تا کہ اللہ کے بندوں کو زمین سے جنت الفردوس تک پہنچایا جائے؛ اس لئے آیت کریمہ میں حبل اللہ یعنی اللہ کی رسی سے مراد قرآن کریم اور اسلامی شریعت ہے، سب سے پہلے تو مسلمان کہا ہی اس کو جائے گا جو اللہ کو ایک ماننے والا ہو، اور جناب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کو اپنی زندگی کے لئے بہترین نمونہ سمجھے، اور آخرت کی زندگی پر، بدلے کے دن اور حساب کے دن پر مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۳﴾ (فاتحہ) پر یقین رکھے، اس لئے اس آیت میں سب سے پہلے ہمیں اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم دیا ہے، اس کے ساتھ فوراً فرمایا وَلَا تَفَرَّقُوْا اور آپس میں اختلاف اور انتشار پیدا نہ کرو۔

مسلمانو! سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جاؤ:

قرآن کریم میں اللہ پاک نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ﴿۴﴾ (صف: ۴) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کے راستے میں اس طرح صف بنا کر لڑتے ہیں جیسے وہ سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہوں۔ پہلے زمانہ میں بڑی مضبوط دیواریں بنائی جاتی تھی لوہے وغیرہ سے، اور پھر اوپر سے سیسہ پگھلا یا جاتا تھا کہ اندر کوئی بھی چیز باقی نہ رہے، اللہ پاک فرماتے ہیں: وہ جس طریقے سے ایک مضبوط رسی اور جس طریقے سے ایک مضبوط دیوار بن کر بیچ میں کوئی خلا نہیں ہوتا ہے، اللہ پاک چاہتے ہیں کہ ایمان والوں کی صفوں میں بھی اس طریقے سے کوئی انتشار، کوئی خاندان، کوئی قبیلہ،

کوئی ملک، کوئی علاقہ، کوئی مسلکی اعتبار سے فرق نہ ہو، یہ ساری چیزوں کو بھول کر وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا. ہوجائے۔ معلوم یہ ہوا کہ اللہ کی رسی کو جب بنیاد بنائیں گے تو خود بخود آپس میں جو اختلافات ہے وہ ختم ہوجائیں گے، اس لئے کہ اللہ پاک نے پہلے رسی کو پکڑنے کا حکم دیا اور اس کے بعد فوراً یہ فرمایا: کہ آپس میں اختلاف اور انتشار نہ کرو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکی زندگی میں بھی اور مدنی زندگی میں بھی اس کا لحاظ فرمایا، کہ آپ نے مسلمانوں کو باوجود مکی زندگی میں پریشانی پیش آئی، حالات آئے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کا لحاظ کیا کہ مسلمانوں میں آپس میں کسی طریقے سے انتشار اور افتراق نہ ہو، آپس میں بھید بھاؤ نہ ہو، اور ایک دوسرے سے علیٰحدہ ہوکر کوئی نیا ایشو (issue) اور کوئی نیا مسئلہ کھڑا کردے، اور امت کے درمیان آپس میں اختلاف ہو، یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکی زندگی سے سب سے بڑی چیز ہمیں ملتی ہے، مسلمانوں کا آپس میں اتحاد اور اتفاق اور پھر اس کے بعد مدنی زندگی میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا لحاظ فرمایا۔

اللہ پاک کی نعمت:

میں نے آپ کے سامنے جو آیت تلاوت کی، اللہ تعالیٰ نے اس میں آگے صاف ارشاد فرمایا: وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ. تم یاد کرو اللہ پاک کی اس نعمت کو جب کہ تم آپس میں دشمن تھے۔ مدینہ منورہ میں رہنے والے دو بڑے قبیلے ''اوس اور خزرج'' ان کے درمیان آپس میں برسوں جنگیں ہوئیں، ۱۰۰-۱۰۰ سال تک ان دو قبیلوں کے درمیان جنگیں ہوتی رہیں، اللہ پاک نے مدینہ منورہ کے مہاجرین اور انصار کو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جب کہ تم آپس میں ایک دوسرے سے مختلف تھے، فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ. اللہ پاک نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا (ملا دیا)۔

ایک یہودی کی شرارت:

دوستو اور بزرگو! مدینہ منورہ میں ایک یہودی رہتا تھا، مہاجرین اور انصار کے درمیان اختلاف پیدا کرتا تھا، مکہ سے ہجرت کرکے آنے والے صحابہ اور مدینہ منورہ کے رہنے والے

انصار کے درمیان میں بھی آپس میں اختلاف اورانتشار ہو؛اس کی یہ کوشش کرتا تھا،اور اس کے ساتھ اس کی کوشش یہ بھی ہوتی تھی کہ مدینہ کے ان دوقبائل کے درمیان پرانی جولڑائیاں ہوئیں اور ہرایک قبیلہ نے فخر کے طور پر کچھ اشعار اپنے قبیلے کی تعریف میں ذکر کیے، یہ شخص جب انصار کے ان دو قبیلوں کی مجلس جہاں لگی ہوئی ہوتی، یہ وہاں جا کر اوس کے فخر والے اشعار کہتا،کبھی خزرج کے فخر والے اشعار کہتا،اوران اشعار کے ذریعہ آپس میں ایک دوسرے کی مذمت (برائی) ہوتی۔

مسلمانوں کا آپسی اتحاد فضل خداوندی:

اسی طرح کا ایک واقعہ پیش آیا،آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدنی زندگی میں، چنانچہ انصار کے دو قبیلوں کے درمیان ایک دو باتیں اس نے ایسی چھیڑ دی کہ مدینہ میں اوس اور خزرج آپس میں لڑنے کے لیے تیار ہوگئے،آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتہ چلا،آپ فوراً گئے،سب کو بلایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ میں تمہارے درمیان ہوں اور یہ جاہلیت کی پکار، یہ جاہل قوموں کا طریقہ ہوتا ہے جو قبائل اور خاندان کی بنیاد پر لڑتے ہیں، اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ (حجرات:۱۳)،اللہ پاک نے وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ آپس کے قبیلہ اور آپس کی جماعتیں،آپس کے خاندان، یہ کیوں ہے؟ لِتَعَارَفُوْا پہچان کے لیے ہیں،فخر اور غرور کے لیے نہیں ہے،اس لیے کہ یہ انسان کی چاہت سے نہیں ہوتا ہے، اللہ پاک انسان کو کسی خاندان اور کسی قبیلہ میں پیدا کرے، کسی علاقہ میں پیدا کرے،اس کی رنگت کا فرق اللہ پاک کی چاہت سے ہے،وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ؕ (روم: ۲۲)تمہاری زبانوں کا مختلف ہونا اور تمہاری رنگت کا مختلف ہونا یہ اللہ پاک کی طرف سے ہے،اس لیے ان آیات کے ذریعہ انصار کو یہ بتلایا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ تم آپس میں دشمن تھے،اللہ پاک نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا،معلوم یہ ہوا اس آیت سے کہ مسلمانوں کے دلوں کا آپس میں جڑے رہنا (ملا رہنا) یہ اللہ کا فضل اور اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے،

اس لیے اس نعمت کو باقی رکھنا ہمارے لیے ضروری ہے، اللہ پاک تاکید سے فرماتے ہیں وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ آدمی کو اپنے اوپر اللہ پاک کے جو انعامات اور احسانات ہیں اس کو بار بار یاد کرنا چاہیے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دنیا کے معاملے میں اپنے سے نیچے والے کو دیکھو اور آخرت کے معاملے میں اپنے سے زیادہ اعمال والے کو دیکھو، دنیوی اعتبار سے اگر کسی کو اللہ پاک نے کسی نعمت سے نوازا ہے، یہ فخر کی چیز نہیں ہے، یہ اللہ پاک کی یاد کی چیز ہے، اور قرآن کریم کی دوسری ایک آیت میں اللہ پاک نے فرمایا وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ط (انفال:۴۶) آپس میں اختلاف اور انتشار نہ کرو، تم پھسل جاؤ گے وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

آپسی اختلاف سے بچیں:

دوستو اور بزرگو! یہ سب سے پہلی نصیحت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی اور اس پر محنت کی، ہم اپنے حالات پر غور کریں، اس وقت ملک کے حالات ہمارے حق میں کتنے ناخوش گوار ہیں لیکن امت مسلمہ میں آپس کے خاندانی، قبائلی، مسلکی، علاقائی اعتبار سے، ملازمتوں کے اعتبار سے، کھیتی باڑی کے اعتبار سے آپس میں کتنے اختلاف اور جھگڑے ہیں، جہاں تک ہمارے اس ملک میں اپنی بقا کا سوال ہے، اصلیت کا سوال ہے، ملک میں ہمارے لیے ایک موقع ایسا آتا ہے الیکشن کا کہ جس وقت ہمیں اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنا ہے، ہمیں ملک میں اچھے شہری اور اچھے حکمران لانے کے لیے اللہ پاک کی طرف سے الیکشن کے موقع پر ایک موقع عنایت ہوتا ہے، ایسے موقع پر ہم کیا کریں؟ ہمارا آپس کا انتشار، ایک ہی سیٹ ہے، پانچ مسلمان کھڑے ہو جاتے ہیں، ووٹوں کی تقسیم ہو جاتی ہے اور ملک کے اچھے منتخب نمائندے جو آنے چاہیے وہ نہیں آتے، یہ ایک شہادت اور گواہی ہے، ہماری گواہی ایسی ہو جس سے ملک کی ترقی ہو، ملک کو عروج نصیب ہو، سماج اور قوموں کے لیے اچھے اور صحت مند افراد آئے جو اس ملک کی بقا کا ذریعہ بنیں، اس ملک کی ترقی کا ذریعہ بنیں، عدل وانصاف، مساوات اور بھائی چارگی کے جو

علمبر دار ہوں، ایسے لوگوں کا انتخاب کرنے کے لیے اللہ پاک نے ہمیں یہ موقع عنایت فرمایا ہے، لیکن ایسے موقع پر چھوٹی چھوٹی باتوں پر خاندانی اور قبائلی جھگڑے یا آپس کی معمولی سی ناچاقی کے مسئلے، اس وقت ہم یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ بڑے دشمن کے مقابلے چھوٹے دشمن کو چھوڑ دیا جائے، حدیث شریف میں ہمیں اصول اور ضابطے بتلائے اھون البلیتین۔ دو مصیبتیں آئے، جو کم درجہ کی مصیبت ہو، اسے برداشت کر کے مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کرے، یہ قرآن کریم کی آیات اور جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کے عمل سے معلوم ہوتا ہے۔

حضرت معاویہؓ کا دشمن اسلام کو کھلا چیلنج:

حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان کچھ مسائل میں اختلاف ہوا اور اس بنیاد پر جنگ کی نوبت آئی، ایسے موقع پر دشمن نے آپسی اختلاف کو دیکھا، چنانچہ اس نے حضرت معاویہؓ کے نام خط لکھا اور لکھا کہ تمہارے اور حضرت علیؓ کے درمیان اختلاف اور جھگڑا ہے، ہم تمہاری مدد کرنے کے لیے تیار ہیں، مقابلہ کے لیے جو کچھ تمہیں ہتھیار چاہیے ہم دینے کے لیے تیار ہیں، جب یہ خط حضرت معاویہؓ کے پاس پہنچا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت پائے ہوئے تھے، وحیٔ الٰہی کے کاتبین میں سے تھے، حضرت معاویہؓ نے اس کو جوابی ایک خط لکھا اور جو الفاظ استعمال کیے دنیا کی سپر پاور طاقت کو مخاطب کر کے کہا کہ اے رومی سن لے! تو یہ سمجھ رہا ہے کہ حضرت علی اور میرا جو اختلاف ہے، اس کی بنیاد پر تو دین اسلام اور مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنا چاہتا ہے تو یاد رکھ، تیرے مقابلہ کے لیے حضرت علی کا جو لشکر روانہ ہوگا اس کا ایک ادنیٰ سپاہی بن کر معاویہ کھڑا ہوگا، میں حضرت علی کے ساتھ رہوں گا اس موقع پر، تو یہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ نے ہمیں بتلایا کہ اختلاف کی ایک حد ہوتی ہے کہ کہاں تک اختلاف کیا جائے، جہاں پر آپ دونوں کا مشترک نقصان ہو رہا ہو وہاں اختلاف چھوڑا جائے، اس لیے جو ہندوستان کے اس وقت کے حالات ہیں اس میں اختلاف اور انتشار سے دور ہونا یہ ہمارے لیے انتہائی ضروری ہے۔

دوسرا کام، دعوت دین:

دوسرے نمبر پر جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکی زندگی کے اسوہ اور نمونے سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان ناخوش گوار حالات میں بھی اللہ پاک کے دین کی دعوت دینے سے رُکے نہیں، اللہ تعالیٰ کے بندوں تک اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت پہونچانے کا جو بھی موقع میسر آیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دین کی دعوت اللہ تعالیٰ کے بندوں تک پہنچائی۔

ملک کے بگڑے حالات میں دعوت اسلام کی ضرورت:

دوستو اور بزرگو! ہندوستان میں دعوت ایک دوسرے پہلو سے بھی بہت ضروری ہے، اس وقت اسلامی تعلیمات کو اور جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات اور احکامات کو میڈیا کے ذریعہ اس طریقے سے پیش کیا جاتا ہے جو اسلام کی صحیح تعلیم نہیں بلکہ اپنی طرف سے بڑھا چڑھا کر غلط غلط قسم کی چیزیں شامل کر کے اسلام کو اور مسلمانوں کو بدنام کیا جا رہا ہے، ایسے موقع پر دین اسلام کیا ہے؟ قرآنی تعلیمات کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کیا ہے؟ اسلام دنیا میں کیوں آیا؟ اور اسلام آنے سے دنیا میں کیا انقلاب آیا؟ یہ ساری چیزیں اللہ کے بندوں تک پہونچانی ہمارے لیے ضروری ہے یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ (مائدہ:٦٧) اللہ پاک نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہیں کہ اے نبی بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ آپ کی طرف اللہ پاک کی جانب سے جو کچھ نازل ہوتا ہے آپ ان کو پہنچایئے وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ (مائدہ:٦٧) اگر آپ نے اس رسالت کے پیغام کو نہیں پہنچایا تو آپ نے ہماری طرف سے جو ذمہ داری آپ کو دی گئی ہے اس ذمہ داری کو پورا نہیں کیا، یہ حکم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہو رہا ہے، آپ نے پوری زندگی اس پر عمل کیا، چنانچہ صفا کی پہاڑی پر سب سے پہلے جو وعظ فرمایا وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ (شعراء:۲۱۴) اپنے خاندان کے سارے لوگوں کو جمع کر کے دعوت دی، وہاں سے لے کر حجۃ الوداع کے موقع پر جب آخری حج کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، عرفات کے میدان میں پوری دعوت کا خلاصہ مختلف خطبوں کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ان سب کوفرمانے کے بعد بخاری شریف کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابۂ کرام سے فرمایا **الا ھل بلغتُ؟** سن لو! کیا اللہ پاک کے دین کی دعوت کا جو فریضہ میرے ذمہ تھا؛ میں نے پہنچایا؟ صحابۂ کرام نے فرمایا، ہاں! آپ نے مکمل کیا، دومرتبہ آپ نے یہ فرمایا: **الا ھل بلغت؟** اور پھر آپ نے فرمایا: **اللھم اشھد**. (بخاری: کتاب الحج، باب الخطبة أيام منى) اے میرے پروردگار! آپ میرے گواہ رہیے، میں آپ کا پیغام آپ کے بندوں تک پہنچا چکا، یہ جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابۂ کرام کی مکی زندگی تھی، سب سے بڑی ان کی جو صفت تھی وہ اللہ کے بندوں تک اللہ کے دین کو پہنچانا، ایک تو خود آپس میں مسلمانوں کو دین پہنچایا جائے، جیسا کہ ہمارے دعوت و تبلیغ کے احباب کررہے ہیں، یہ بھی اسی حکم میں شامل ہیں، اسی سورت میں آگے اللہ پاک فرماتے ہیں: **وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ يَّدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ﴿۱۰۴﴾** (آل عمران:۱۰۴) چنانچہ دوسرے نمبر پر جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ کے دین کا پیغام پہونچایا۔

طریقۂ دعوت:

سیدنا نوح؈ کا ذکر قرآن میں فرمایا کہ کس کس طریقے سے حضرت نوح؈ نے دعوت دی! چپکے سے، زور سے، مجلس میں، تنہائی میں، الگ الگ موقعوں پر کوئی موقع نہیں چھوڑا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بازاروں میں تجارت کے موقع پر، کھیتی باڑی کے موقع پر، جہاں جہاں جن سے ملاقات ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت دی، حضرت ابوبکر صدیق؄ نے کمزوروں اور غریبوں کو اسلام میں لانے کی کوشش کی، یہ بھی ہمارے لیے ایک بڑا نمونہ ہے، سماج کا وہ طبقہ جو غلام تھا جن پر ظلم ہورہا تھا، اور وہ لوگ جو شریف طبیعت کے انسان تھے، حضرت عثمان؄، حضرت زبیر؄، ان کو دعوت دی حضرت ابوبکر صدیق؄ نے، اور اسلام میں شامل کرنے کی کوشش کی اور اللہ پاک نے ان کی کوشش کو کامیاب کیا، ہمارے لیے اس ملک میں ایک بہت بڑا طبقہ ایسا ہے جن کو مذہبی کتابوں نے انسانیت کے دائرے سے نکال کر جانوروں کے درجہ میں رکھا ہے، یہ

بیچارے اپنی سماجی زندگی میں بہت بچھڑے ہوئے ہیں، ان کے لیے مختلف حالات ہیں، وہ فلاں کام نہیں کر سکتے، فلاں چیز نہیں کر سکتے، رات دن ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں سن رہے ہیں، ایک بڑا طبقہ سماج کا پسماندہ ہے، ہم اللہ کے دین کی دعوت ان تک پہنچائیں، قرآن کا پیغام ان تک پہنچائیں، وہ طبقہ جو عقل رکھتا ہے، شعور رکھتا ہے، سمجھ رکھتا ہے، اور ہماری بات سننے اور سمجھنے کی اور ہمارے ساتھ بات چیت کرنے کی کوشش کرتا ہے، ہم ان تک قرآن اور حدیث کی باتیں آہستہ آہستہ پہنچائے، اس کے مختلف طریقے ہوتے ہیں، مختلف اسلوب ہوتے ہیں، جب آپ کام شروع کریں گے ''محبت خود سکھاتی ہے آداب محبت''، محبت کے کوئی راستے نہیں ہوتے ہیں سیکھنے کے، محبت ہوگئی، تو سارے آداب محبت آجاتے ہیں، جب دین اسلام سے محبت ہوگی، جناب نبیٔ اکرم ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات سے محبت ہوگی اور اللہ کے بندوں سے محبت ہوگی، آپ کے سامنے جو آیت پڑھی اس میں آگے اللہ پاک فرماتے ہیں وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا ۗ (آل عمران: ۱۰۳) اے مسلمانو! اسلام لانے سے پہلے تم آگ کے کنارے پر کھڑے تھے، جناب نبیٔ اکرم ﷺ کے ذریعہ اللہ پاک نے انسانیت کو کفر اور شرک سے نکال کر ایمان کی توفیق دی، جہنم سے نکال کر جنت والے راستے پر لے آئے، جب اللہ کا دین ہمیں ملا، اللہ تعالیٰ کی صحیح تعلیم ہمیں ملی، تو ہمارے دل میں بے چینی ہونی چاہیے کہ ہمارے وہ غیر مسلم بھائی جو بے چارے ایک اللہ پاک کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کر رہے ہیں، جن کو صحیح سمجھ نہیں ہے، جن کو مختلف غلط طریقوں سے، غلط پروپیگنڈوں سے اپنے خالق اور مالک سے دور کر دیا گیا، مختلف راستے بتلا کر اللہ تعالیٰ سے دور کر دیا گیا ہے، ہمارا کام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ان بندوں کو ہم اللہ تعالیٰ سے قریب کرنے کی کوشش کریں۔

حضرت ربعی بن عامرؓ رستم کے دربار میں:

حضرت ربعی بن عامرؓ رستم کے دربار میں ہیں، دنیا کی اس وقت کی سپر پاور طاقت لشکر کا سپہ سالار یہ پوچھ رہا ہے کہ تم یہاں کیسے آئے؟ فرمایا اللہ ابتعثنا۔ (البدایة والنهایة:

۷؍۳۹۹فصل فی غزوۃ القادسیۃ) ہم خود نہیں آئے، اللہ پاک نے بھیجا، خواجہ معین الدین چشتی اس ملک میں روزی روزگار کے لیے نہیں آئے، اسی طرح سید علی ہمدانیؒ کشمیر میں تجارت کے لیے نہیں آئے تھے، یہ سارے اللہ کے وہ بندے ہیں جنہوں نے اس ملک میں اللہ کے پیغام کو پہنچایا، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کو آج بھی ہندوستان کا مسلمان بھی اور غیر مسلم بھی دل سے ان سے محبت کرتا ہے، یہ محبتیں دنیا سے تقسیم نہیں ہوتی ؛ بلکہ اللہ پاک کی طرف سے تقسیم ہوتی ہے، اللہ پاک کی طرف سے عزت تقسیم ہوتی ہے ''وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۸(منافقون:۸)'' عزت اللہ پاک کی طرف سے ملتی ہے۔ یہ کیوں ملی؟ جب اپنے آپ کو اللہ کے دین کے لیے قربان کیا تو اللہ پاک نے آپ کو چمکایا۔

تبلیغ دین کی برکت:

ایک انگریز پروفیسر مسٹر تھامس آرنلڈ اپنی مشہور کتاب The Preaching of Islam میں لکھ رہے ہیں کہ ہندوستان میں ایک شخص سویا ہوا ہے، اوراس کا لقب سلطان الہند یعنی ہندوستان کا بادشاہ ہے۔ یہ اللہ کے دین کی برکتوں سے، دین کی تبلیغ سے اللہ پاک نے لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا فرمائی، آج اتنے سال ہوئے لیکن ان کی محبتیں لوگوں کے دلوں میں قائم ودائم ہیں۔

تیسرا کام؛ اخلاق حسنہ:

دوستو بزرگو! تیسری چیز ہے اخلاق، جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اخلاق کے ذریعہ ہی اس امت کی تربیت فرمائی، آپ نے اپنے اخلاق کے ذریعہ لوگوں کو ایمان کی طرف کھینچا، اس وقت اس ملک میں ضرورت ہے مسلمان اپنے اخلاق کا مظاہرہ کرے، اس لیے نہیں کہ ظلم ہو رہا ہے، تو لوگ ہمارے ساتھ نرمی کرے، یہ مقصد ہمارا نہیں ہونا چاہئے، ایک مسلمان اللہ کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتا، لیکن ایک ہماری ذمہ داری بنتی ہے۔

حضرت مولانا سجاد نعمانی صاحب نے ایک چھوٹا سا قصہ لکھا ہے، میں یہ کہہ کر اپنی بات کو ختم کرتا ہوں، رات کے وقت ٹرین میں آپ سفر کر رہے تھے، سردی کا زمانہ تھا، ایک اسٹیشن سے کچھ سادھو لوگ اندر آ گئے، ایک بڑی عمر کا سادھو انتہائی سردی کی وجہ سے ٹھٹھر رہا تھا، مولانا نے دیکھا، آنکھ کھل گئی، آپ نے اپنی سیٹ خالی کی اور ان سے کہا کہ آپ یہاں سو جائیے اور یہ لحاف لے کر آپ آرام فرمائیے، اس سادھو نے دیکھا کہ ایک مسلمان اور وہ بھی مولوی کی شکل اور وہ میرے ساتھ یہ سلوک کر رہا ہے، بہت اصرار کیا تو وہ سو گئے، جب ان کا اسٹیشن آگے کا آیا، اس نے رخصت ہوتے وقت مولانا سے ایک جملہ کہا ''کیا وہ وقت آ گیا؟'' یہ جملہ تھا اس کا، مولانا نے کہا کہ کون سا وقت؟ پہلے تو اس نے کہنے سے انکار کیا، جب بہت اصرار کیا تو اس نے یہ کہا کہ جب ہندوستان کا مسلمان ہمارے ساتھ اسی اخلاق سے پیش آئے گا جیسے اخلاق ان کے نبی نے مکہ مکرمہ اور طائف کے میدان میں پیش کیے تھے تو ہندوستان کے حالات بھی وہی ہوں گے جو مکہ اور طائف کے تھے، کہ لوگ اسلام اور ایمان میں داخل ہوں گے۔

اس لیے دوستو اور بزرگو! ایمانی نسبت سے اخلاق پیدا کیجیے، تاکہ ثواب بھی ملے، غیر مسلم کو متأثر کرنے کی غرض سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا حکم سمجھ کر، دین اسلام کی تعلیم سمجھ کر یہ تین چیزیں ہم اپنائیں گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس ملک کے حالات بدل دیں گے، ایک سیکولر ملک میں ملک کے قانون میں رہتے ہوئے یہ ساری چیزیں ہمیں اپنانی ہوں گی، لیکن ان ظاہری اسباب کے ساتھ باطنی اسباب کو بھی اختیار کیا جائے۔

نبیوں کا کام انسانیت سے ہمدردی، عدل و مساوات قائم کرنا ہے، صوفیائے کرام نے ہند کے بت کدہ میں عدل و مساوات سے دل جیتے، بادشاہوں نے امن ترقی کو بحال کیا، لوگوں کی ضروریات پر توجہ دی اور خوشحالی کی کوشش کی، NRC کے دوران ہندو مسلم اتفاق کا منظر پیش آیا، اس نے برہمن وادیوں کی اسکیم فیل کرنے کا کام کیا، اور دہلی کے الیکشن نے ملک کی اصلی طاقت و سوچ کو اجاگر کیا، لوگ ضروریات زندگی سے پریشان ہیں، برہمن وادی آگ

بگولہ ہو گئے اور دہلی جلا یا گیا، مسلمان نوجوان لڑکے لڑکیوں نے جو شاہین باغ جامعہ ملیہ کے ذریعہ آواز بلند کی وہ ہندوؤں کو چھو گئی، انگریزوں نے مسلمانوں کو الگ کرنے کا جو پاکستانی حربہ استعمال کیا اور ملک کو ہندو مسلم کے عنوان سے تقسیم کیا، اب یہ برہمن وادی بھی یہی چاہتے ہیں، تقسیم کی تلخیوں نے ہمیں کبھی مشترک ہونے کا موقع نہیں دیا تھا، یہ پہلا موقع ہے کہ وہ ہمارے ساتھ ہیں، علماء و دینی قیادت آگے ہوتی تو مسئلہ بگڑ جاتا، انگریز خارجی تھا لہٰذا جمعیت کی تحریک ملکی ہو کر چلی، لیکن اس وقت مسئلہ ملکی ہے، سیکولرزم کا نعرہ ہی علامت ہونی چاہئے، اس وقت پورا ملک مختلف طریقوں سے پریشان ہے، لہٰذا تحریک کو کامیابی ملی۔

استغفار نجات کا ذریعہ:

میں نے آپ کے سامنے جو ایک روایت پڑھی کہ جو استغفار کثرت سے کرے گا اللہ پاک ہر تنگی سے نجات دیں گے، ہر پریشانی سے راستہ کھل جائے گا اور ایسی جگہ سے رزق ملے گا جہاں سے اس کو تصور بھی نہیں ہوگا، (أبو داود: كتاب الصلاة، باب في الاستغفار) یہ صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام ہے جن کے کلام میں کوئی جھوٹ نہیں، دنیا ادھر سے ادھر ہو سکتی ہے، لیکن اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات میں کسی طرح کا کوئی شک وشبہ نہیں ہو سکتا، یہی وجہ ہے کہ سراقہ نے کہا تھا کہ جب تک مجھے کنگن نہیں ملیں گے کسریٰ کے وہاں تک میری موت نہیں آئے گی، یہ وہ سچی باتیں ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی، اس لیے دوستو بزرگو! ہم ان ظاہری اسباب کو اختیار کریں؛ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اپنے اللہ پاک سے دعائیں بھی کریں، تدبیر کے ساتھ تقدیر کے فیصلوں پر بھی ایمان لائیں اور اللہ پاک کو راضی کرنے کی کوشش کریں گے، انبیاء کے مسائل اسی سے حل ہوئے اور ہمارے بھی اسی سے حل ہوں گے، صرف ظاہری اسباب پر اکتفاء نہ کیا جائے، بلکہ اس کے ساتھ رو کر اللہ سے مانگا جائے، اللہ تعالیٰ کہی سنی باتوں پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(۱۱)

وقف کی اہمیت اورا سلامی سماج

(اوقاف کانفرنس،جمعیت علماء،سورت)

الحمد للہ رب العالمین ، و الصلاۃ و السلام علی سید الانبیاء و المرسلین وعلی آلہ و اصحابہ اجمعین.قال اللہ تبارک وتعالیٰ فی الکلام المجید و الفرقان الحمید، امابعد!

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ○
وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ :إِذَا مَاتَ الإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَمَلُهُ إِلاَّ مِنْ ثَلاَثٍ صَدَقَةٌ جَارِيَةٌ وَعِلْمٌ يُنْتَفَعُ بِهِ وَوَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُو لَهُ. (ترمذی:أبواب الأحکام، باب فی الوقف)

صدق اللہ العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علیٰ ذلک لمن الشاھدین و الشاکرین و الحمدللہ رب العالمین.

محترم ومکرم صدر جلسہ، اسٹیج پر تشریف فرما حضرات علماء کرام ،مہمانان عظام اور سامنے تشریف فرما سامعین گرامی!

بہت ساری باتیں وقف کے سلسلے کی کب سے چل رہی ہے،آپ حضرات کافی دیر سے بیٹھے ہوئے سن رہے ہیں، بھائیو، دوستو اور بزرگو! مجھے موضوع دیا گیا ہے'' کتاب وسنت کی روشنی میں وقف کی اہمیت اورا سلامی سماج میں کس طرح بیداری پیدا ہو؟''

کتاب وسنت کی روشنی میں وقف کی اہمیت:

جہاں تک وقف کی کتاب وسنت کی روشنی میں اہمیت ہے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی جن جن آیات میں خرچ کرنے کا حکم فرمایا ہے؛ وہاں مسکینوں، بیواؤں، یتیموں وغیرہ پر اللہ پاک نے خرچ کرنے کا حکم فرمایا ہے، جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود وقف فرمایا، آپ کے صحابۂ کرام نے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وقف کرنے کی درخواست کی سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے خیبر کی زمین جو آپ کو ملی تھی اس کو وقف کرنے کا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذکر کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بیچا نہیں جائے گا، (بخاری: کتاب الشروط، باب الشروط فی الوقف) بہت سارے اصول اور آداب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذکر فرمائے اور اسی سے ہمارے علماء مجتہدین نے وقف کے مسائل مستنبط فرمائے، سیدنا حضرت عثمانؓ نے بیر رومہ کو مدینہ منورہ میں وقف فرمایا، حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جس وقت مجھے مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ میں اپنی ایک جائیداد وقف کرنے کی تمنا پیدا ہوئی کہ میں خریدوں اور وقف کروں، حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں کوئی جگہ ایسی نہیں تھی جس کو میں وقف کروں، ساری وقف ہو چکی تھی، حضرت ابن قدامہؒ فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام میں سے کوئی بھی صحابی ایسے نہیں تھے کہ جن کو اللہ پاک نے وسعت دی ہو اور انہوں نے اللہ کی راہ میں وقف نہ کیا ہو۔

مخریق یہودی جو اچھے آدمی تھے، غزوۂ احد میں شہید ہوئے، وصیت کی کہ میرا سارا مال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو وقف کیا، یہ اسلام کا اول وقت ہے۔

ابن رجب کہتے ہیں کہ میں نے دمشق میں ۴۰۰ مدارس وقف دیکھے، مساجد قرطبہ، قزوین کی مراکش، جامع ازہر، مسجد اموی، تیونس کی زیتونیہ یہ تمام اوقاف تھی، مدرسہ بھی ساتھ میں ہوتا تھا، کتب خانے وقف تھے، غسل خانے، رہائش گاہ، ڈاکٹر غزالی، امام نووی انہیں مدارس میں پڑھے،، حضرت عمرؓ نے عراق کی بیوہ عورتوں کے لیے معاش کے انتظام کی فکر کی، وقف سے تجارت کو فروغ دے کر غرباء کو خود کفیل بنائے، یتیم خانے بنوائے، بنو نضیر

کے باغات میں سے سات کو آپ نے وقف فرمایا، حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مکہ مکرمہ میں ایک گھر دار الاقامہ وقف کیا، سعد بن عبادہ کی والدہ کے لیے حضرت سعد نے آپ ﷺ کو دریافت کر کے کنواں وقف کیا، کھیت میں جانور کے کھانے کو بھی صدقہ فرمایا، نوکروں سے برتن ٹوٹنے پر آقا ناراض نہ ہو تو حضرت سری سقطیؒ نے اپنے پاس چینی کے برتن رکھے تھے، وہ غلام کو دیتے، حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ نے جائداد وقف کی تھی۔

اوقاف کی ضرورت واہمیت عہد حاضر میں:

دوستو اور بزرگو! اس وقت جو مجھے آپ سے گفتگو کرنی ہے وہ یہ کہ ہم ساری گفتگو کر رہے ہیں آباو اجداد کی وقف کی ہوئی چیزوں کے متعلق ؛لیکن کیا انہیں کو ثواب کمانا تھا؟ کیا انہیں حضرات کو اپنی آخرت بنانی تھی؟ آج ہمارے مسلم سماج کا وہ طبقہ جن کو اللہ پاک نے مال و دولت سے نوازا ہے، یہ اپنے مال میں سے ایک بہت سارا حصہ اپنی فضول خرچیوں میں برباد کرتا ہے، امت میں بیوا ہے، یتیم ہے، غریب ہے، مسکین ہے، ہسپتالوں کی ہمیں ضرورت ہے، ہمیں دینی اور دنیوی تعلیم کی ضرورت ہے، ہمیں شفاء خانوں کی از حد ضرورت ہے، ریسرچ سینٹروں کی چاہے وہ تعلیمی ہو، چاہے وہ میڈکل لائن کے ہوں، ان ساری چیزوں کی آج ہمیں ضرورت ہے ،ہم یقیناً وقف کی حفاظت کرنے ہی کے لیے یہاں جمع ہوئے ہیں ؛لیکن جب صحابہ کرام نے اپنی زندگیوں میں اپنے مال کو وقف فرمایا تو کیا آج مسلمانوں کا مال دار طبقہ وقف نہیں کر سکتا ہے؟ آج ہم اپنے اپنے علاقوں میں ہمارے اپنے اپنے دیہاتوں میں جن چیزوں کی ضرورت ہے ان چیزوں کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، ہمارے گاؤں میں ہسپتال نہیں ہے، ہمارے گاؤں میں تعلیم کا نظام نہیں ہے، ہمارے وہ ہوشیار بچے جو اسکول اور کالج میں جا کر اپنے آپ کو ایک اچھا کردار والا بنا سکتے ہیں لیکن محض تعلیم کی فیس نہ ہونے کی بنیاد پر محض مالیات کی بنیاد پر وہ بے چارے پیچھے رہ جاتے ہیں، آج ہمیں آئی اے ایس (IAS) اور آئی پی ایس (IPS) آفسروں کی ضرورت ہے، آج ہمیں

سماج میں اچھے ڈاکٹر اورا چھے انجینیر وں کی ضرورت ہے ،آج ہمیں بہترین علماء کرام کی ضرورت ہے، اللہ پاک کا شکر ہے کہ دارالعلوم دیو بند کی نسبت سے حضرت مولا نا نانوتویؒ نے ایک سلسلہ چلایا ہے،اس لیے مدارس اسلامیہ یہ کردارا دا کرر ہے ہیں، یہ کیوں ہور ہا ہے؟ اللہ پاک نے ان کو وقف کی جائیدادا ورامت کے دل میں دینی تعلیم کے سلسلہ کی بیداری پیدا فرمائی،اس لیے میں ہمارے پڑھے لکھے طبقے سے کہوں گا کہ جس طرح علماء کرام نے لوگوں کے در بدر جا کر اور لوگوں کا ذہن بنا کر مدارس اسلامیہ کی اتنی شاندار عمارتیں بلکہ پورے ہندوستان میں مدارس کا جوایک نیٹ ورک قائم کیا، ان کے پاس کوئی بظاہر اوقاف نہیں تھے؛ لیکن اس کے باوجود یہ کر سکے،تو آپ حضرات کے ساتھ ہم بھی شریک ہیں،آپ مسلمانوں کے لیے اچھے کالج ، اچھے ہسپٹال اور مسلمانوں کی بنیادی ضروریات کے لیے جو جو چیزیں ہیں،آپ ان او قاف کے ذریعہ اس سے کام لیں۔

وقف کی حفاظت، تسلسل اوراس کی نافعیت:

دوستو بزرگو! وقف کے سلسلہ کی جتنی بھی فقہاء کرام کی عبارتیں ہیں،وقف کے سلسلہ میں بنیادی طور پر فقہاء کی ساری عبارتوں کا خلاصہ دولفظوں میں آپ کے سامنے میں پیش کر سکتا ہوں،سب سے پہلی چیز ہے''وقف کی حفاظت''،حضرت قاضی مجاہد الاسلامؒ وقف کے سلسلہ میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ فقہاء کرام کے جتنے بھی مسائل ہیں ان سب میں جب میں نے غور وفکر سے دیکھا تو ہر مسئلہ کے پیچھے یہ مقصد نظر آیا کہ اس میں وقف کی حفاظت مطلوب ہے، دوسرے نمبر پر''وقف کا تسلسل اوراس کی نافعیت''، وقف باقی رہے اوروہ نفع بخش ہو،اس میں یہ ساری چیزیں آجائے گی، اوقاف پر مسلمانوں نے بھی ناجائز قبضہ کیا ہوا ہے، اس لیے ہم وقف کی حفاظت کے سلسلہ میں بھی بیدار رہیں، اوراس کی نافعیت زیادہ سے زیادہ رہےاور اس میں تسلسل باقی رہے، اس کی ہمیں بہت ضرورت ہے، اس لیے جو حضرات یہاں تشریف فرما ہیں اور جو ذمہ داران اور متولیان ہیں ان سے میری گزارش ہوگی

کہ آپ سے اس سلسلہ میں جو کچھ کہا گیا ان چیزوں پر عمل کرتے ہوئے اپنے آپ کو متحرک بنائیں اور اس کی کوشش کریں۔

دوسرے نمبر پر وقف کے سلسلہ میں جو کچھ اصول اور ضابطے بنتے ہیں، جس طریقہ سے مسلم پرسنل لا کی ہمیں حفاظت کرنی ہے، وقف بھی اسی پرسنل لا کا ایک جز ہے، اس لیے اس وقف کے سلسلہ میں بھی ہمیں بیداری پیدا کرنی ہوگی، جیسے گذشتہ دو مہینوں سے ہمارے علماء کرام نے مسلم پرسنل لا کے لیے پورے ملک بھر میں تحریک چلائی اسی کا ایک حصہ وقف بھی ہے، ہمیں ضرورت ہے کہ ہم اس کے لیے بھی ایک تحریک چلائیں، اس سلسلہ میں ہمیں جو قانونی رہنمائی کی ضرورت ہے، اللہ پاک نے گجرات میں بھی اور ہندوستان بھر میں ایسے وکلاء کی ٹیم پیدا فرما دی ہے، ہمارے محترم طاہر محمود صاحب یہاں تشریف فرما ہے، برسوں سے اس بات کی محنت کر رہے ہیں اور محنت کرتے ہوئے مسلسل مسلمانوں کو بیدار کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ان سب حضرات کی کوشش کو قبول فرمائے، جمعیت علماء نے جو آج یہاں سب کو جمع کیا، یہ علماء کرام کی طرف سے ایک مسیج ہے کہ ہم آپ حضرات کے ساتھ ہے، دین اور امت کے لیے جب آپ کسی بھی کام کے لیے آگے بڑھیں گے، تو علماء کرام بھی ان شاء اللہ آپ کے شانہ بہ شانہ ہوں گے، اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو کہی سنی باتوں پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(۱۲)

تعلیمی پالیسی ۲۰۲۰ خطرات؛ حفاظت

(آبادنگر مسجد، بھروچ)

الحمد لله رب العالمین، والصلاة والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی آله واصحابه اجمعین.

قال الله تبارك وتعالیٰ فی الكلام المجید والفرقان الحمید

اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الَّذِیۡ خَلَقَ ۚ﴿۱﴾ (علق)

وقال النبی ﷺ: كلُّكم راعٍ، وكلُّكم مسؤولٌ عن رعيّته. (بخاری: كتاب الجمعة، باب الجمعة فی القری والمدن، كتاب الأحكام، باب قول الله تعالیٰ: أطيعوا الله وأطيعوا الرسول)

صدق الله العظیم و صدق رسوله النبی الكریم ونحن علیٰ ذلک لمن الشاهدین والشاكرین والحمد لله رب العالمین.

پہلی وحی:

محترم ومکرم حضرات علماء کرام اور ایمان والے بھائیو! کلام پاک کی جس آیت کی میں نے آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی، یہ جناب نبیٔ اکرم ﷺ پر سب سے پہلی نازل ہونے والی وحی ہے، حضرت عیسیٰؑ کو آسمان پر اٹھالیا گیا اور اس کے ۶۰۰ سال کے بعد آپ ﷺ اللہ پاک کی طرف سے رسول بنا کر بھیجے گئے، اتنی لمبی مدت کے بعد اللہ پاک کی طرف سے یہ پہلی وحی نازل ہو رہی ہے اور اس کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ نے سب سے پہلے جس چیز کو ذکر

فرمایا اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الَّذِىۡ خَلَقَ ۚ‏ ﴿۱﴾ (علق) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر غار حراء میں سب سے پہلے نازل ہونے والی وحی اور اس میں فرمایا جا رہا ہے کہ اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الَّذِىۡ خَلَقَ آپ پڑھیے؛ لیکن صرف پڑھنا نہیں فرمایا؛ بلکہ بِاسۡمِ رَبِّكَ فرمایا اپنے رب کے نام سے پڑھیے۔

اللہ پاک کی ذات وصفات، قدرت وطاقت کا علم باعث تسکین:

دوستو اور بزرگو! اس وقت دنیا سائنس اور ٹیکنولوجی کے اعتبار سے بہت آگے بڑھ چکی ہے، ہم لوگ اپنی آنکھوں سے رات دن اس کا مشاہدہ کرتے ہیں، قرآن کریم نے یوں فرمایا کہ جب تک تمہارا علم اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات سے وابستہ رہے گا، وہاں تک دنیا میں چین سکون اور امن وعافیت رہے گی اور جب علم کا رشتہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات عالی سے ٹوٹ جائے گا، اللہ پاک کی معرفت، اس کی پہچان، اس کی صفات، اس کی ذات، اس کی قدرت اور اس کی طاقت جو کائنات کے اندر اللہ پاک کی طرف سے كُلَّ يَوۡمٍ هُوَ فِىۡ شَاۡنٍ‌ ۚ‏ ﴿۲۹﴾ (رحمٰن:۲۹) اللہ پاک خود فرماتے ہیں کہ ہر دن اس کی ایک شان ہے، مفسرین فرماتے ہیں کسی کو عزت ملتی ہے، کوئی ذلت کی پستی میں مبتلا ہوتا ہے، کسی کو مال ملتا ہے اور کوئی بے چارہ غریب ہوتا ہے، کسی کی موت ہوتی ہے، اور کسی کے یہاں اولاد ہوتی ہے، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت اور طاقت كُلَّ يَوۡمٍ هُوَ فِىۡ شَاۡنٍ‌ ۚ‏ ﴿۲۹﴾ ہے یہ ایک دو انسانوں کے ساتھ نہیں ہو رہا ہے، جتنے انسان دنیا میں آباد ہے ہم میں سے ہر ایک کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کی یہ شان صبح اور شام انسانوں کے سامنے جلوہ گر ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں جب تک میری ذات اور میری صفات کا استحضار تمہارے دلوں میں نہ ہو، جب اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت اور طاقت کا انسان کے دل میں استحضار نہ ہوگا تو اللہ کی مخلوق کو وہ ستائے گا، یہ سمجھے گا کہ نَمُوۡتُ وَنَحۡيَا یہ دنیا کی زندگی ہے اور آخرت کا کوئی تصور نہیں ہے، ہم زندہ ہوتے ہیں اور مرتے ہیں، چیزیں بنائی جاتی ہے ٹوٹتی ہے پھٹتی ہے، اپنا وجود ختم کرتی ہے، اس طرح انسان بھی اپنا وجود ختم کرتا ہے؛ لیکن جو انسان یہ سمجھتا ہے کہ اس پوری کائنات کا ایک خالق اور مالک ہے اس نے ہمیں دنیا میں بھیجا تو کسی

مقصد کے لیے بھیجا ہے اور وہ مقصد تمام انبیاء کرامؑ نے ذکر فرمایا، اپنی قوم کو دعوت دی ان اعبدالله و اتقوہ. (نوح:۳) ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اسی کا خوف اور اسی سے خشیت اختیار کرو، جب اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں آجائے گا تو مخلوق کا خوف نکل جائے گا اور جب اللہ کا خوف دل میں نہیں ہوتا ہے تو مخلوق کا خوف دل میں آجاتا ہے۔

روح کیا ہے؟

اس لیے یہ دل قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّیۡ وَمَاۤ اُوۡتِیۡتُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ اِلَّا قَلِیۡلًا ﴿۸۵﴾ (اسراء:۸۵) یہ دنیا کی چیز نہیں ہے روح، اللہ پاک خود فرماتے ہیں: وَمَاۤ اُوۡتِیۡتُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ اِلَّا قَلِیۡلًا مکہ کے مشرکین نے پوچھا یہودیوں کے کہنے کی بنیاد پر کہ روح کی حقیقت کیا ہے؟ اللہ پاک نے فرمایا قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّیۡ یہ روح اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہے، اس لیے آج کی سائنس اس کے متعلق کچھ پتہ نہیں لگاسکی کہ اس روح کا مادہ کیا ہے؟ میتھرڈ کیا ہے؟ کس سے یہ بنی ہے؟ آج تک سائنس یہ بتا نہیں سکی ہے اور جسم میں کس جگہ پر ہے؟ یہ بھی آج تک سائنس نہیں بتاسکا یہ روح ہے کیا؟ کوئی چیز نکلتی ہے اور انسان موت کے گھاٹ اترتا ہے، مردہ سمجھا جاتا ہے، کون سی چیز نکلی؟ کہاں سے نکلی؟ کیسے نکلی؟ آج تک انسان اس کو بتا نہیں سکا، تو یہ خداوند قدوس کی قدرت اور طاقت ایسی ہے کہ ہمارے جسم کی وہ چیز جس پر بنیاد، زندگی کا دارومدار ہے؛ اس پر ہمارا اختیار نہیں، اختیار تو بہت دور کی چیز رہی، وہ کیا ہے؟ اور کیسے نکل رہی ہے؟ اس کا بھی ہمیں پتہ نہیں ہوتا ہے، ایک انسان اپنے علم پر کتنا ناز کرسکتا ہے، فخر کرسکتا ہے، اللہ پاک فرماتے ہیں وَمَاۤ اُوۡتِیۡتُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ اِلَّا قَلِیۡلًا اس لیے جب تک تمہارا علم اللہ پاک کی ذات عالی کے ساتھ وابستہ رہے گا وہاں تک تمہیں چین وسکون اور امن و عافیت ملے گی اور جس علم سے اللہ پاک کی ذات کا علم نکل جائے گا، ہم کبھی سائنس کی کتاب دیکھتے ہیں، جغرافیہ کی کتاب دیکھتے ہیں، جو انسان اتنی لمبی لمبی باتیں کرتا ہو، ایک بات سے دوسری بات، علوم اور فنون پھیلے ہوئے ہیں؛ لیکن جس انسان کو یہ پتہ نہ ہو کہ میں کس مقصد کے

لیے پیدا کیا گیا؟ دنیا بھر کی چیزیں آپ جانتے ہیں، سمندر کتنے ہیں، خشکیاں کتنی ہے؟ کہاں چراگاہ ہے؟ اور سائنس اور ٹیکنولوجی میں آپ ایک سے بڑھ کر ایک علم کھولیں؛ لیکن آپ اپنے آپ کو نہ پہچانتے ہو، آپ اپنی ذات کو نہ سمجھتے ہو کہ میں کیا ہوں؟ تو یہ سارا دھرا کا دھرا رہ جائے گا اور یہ حساب کتاب کے لیے اللہ پاک کے سامنے حاضر ہو جائے گا۔

علم کا رشتہ رب کے نام سے:

تو قرآن کریم نے سب سے پہلی آیت میں فرمایا اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ کہ آپ پڑھئے اپنے رب کے نام سے، یہ جملہ ہے قرآن کریم کا، ایک فرانسیسی مستشرق اور اسلامی علوم کا بھی ماہر، وہ یہ کہہ رہا ہے کہ قرآن کریم نے ہمارے علم کو لگام دی، اگر یہ لگام نہ ہو تو انسان انسانیت سے نکل کر جانور بن جائے، اس لیے قرآن کریم نے سب سے پہلی وحی میں جو فرمایا جیسا کہ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پہلی وحی اِقْرَاْ کے ذریعہ نازل ہوئی تو دنیا کو یہ سبق دیا کہ اب آنے والا دور علم کا ہوگا، تعلیم کا ہوگا، ترقی کا ہوگا، اللہ پاک نے اس سورت میں دو مرتبہ اِقْرَاْ فرمایا، پہلے میں یہ فرمایا اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ آپ پڑھئے اپنے اس رب کے نام سے، لفظ بھی رب فرمایا کہ تم اپنی تربیت خود نہیں کر سکتے ہو، ایک بچہ ماں کے پیٹ میں ۹ مہینہ رہتا ہے، پہلی شکل سے لے کر آخری شکل تک، کون اس کو غذا دیتا ہے؟ کون سی غذا وہ استعمال کرتا ہے؟ نہ ماں کو پتہ ہے نہ باپ کو پتہ ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ فی ظلمات ثلاث (الزمر:٦) تین تین اندھیریوں کے اندر اس بچہ کو غذا دیتے ہیں، اور کیسی غذا جس کا ہمیں پتہ نہیں، تو انسان کتنا عاجز ہے! ماں کے پیٹ میں ۹ مہینہ رہا، کچھ پتہ نہیں اس کو، پیدا ہونے کے بعد اس کی کیسی کیسی تربیت کی جاتی ہے، کھلانا، پلانا، کیسے کھانا سیکھے، کیسے پینا سیکھے، کیسے چلنا سیکھے، کیسے تعلیم حاصل کرے، بڑھتے بڑھتے اس طریقے سے انسان آگے بڑھتا ہے، کسی کی تربیت کرنا، آہستہ آہستہ اس کو اوپر کے مرتبہ تک پہنچانا، عربی زبان میں اس کو بولتے ہیں "تربیت"، اور اسی سے لفظ "رب" اللہ تبارک وتعالیٰ کے

لیے ہے، رب کا معنیٰ تربیت کرنے والا، ایسا نہیں فرمایا ماں کے پیٹ سے بچہ پیدا ہوا اور ایک دم سے ۱۷ سال کا ۱۸ سال کا ہو گیا، مکمل تاریکی میں ترتیب وار مرحلے سے گزاری اللہ پاک نے، ہماری عاجزی بتلائی، بچہ کھڑے ہونا چاہ رہا ہے، گر جاتا ہے، بیٹھنا چاہتا ہے گر جاتا ہے، انسان کو اس کی حقیقت بتلائی جاتی ہے ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝ (تین:۵) بچپن کا بھی یہی حال اور بڑھاپے کا بھی یہی حال، پھر اس مدت کے اندر بھی اللہ پاک کی طرف سے اس طرح کی چیزیں ہوتی ہے، بدن کے سارے اعضاء اور ساری قوتیں جواب دے دیتی ہیں، بڑے سے بڑا پہلوان اور بہادر ہو؛ لیکن شیر کے منھ کے دانت نکل جاوے اس طریقے سے بڑے سے بڑا مضبوط آدمی ہو اور پھر بڑھاپا آجاتا ہے تو انسان اس بڑھاپے کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے، قرآن کریم نے فرمایا: لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۔ (نحل:۷۰) جاننے کے بعد انسان بھول جاتا ہے، تھوڑی دیر پہلے پوچھا، آپ نے بتلایا، پھر تھوڑی دیر کے بعد پوچھیں گے، آپ کہیں گے کہ ابھی میں نے بتلایا، یقینی بات ہے کہ آپ نے بتلایا ؛ لیکن قرآن نے فرمایا اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (عصر:۳) ایمان اور اعمال صالحہ وہ بنیاد ہے، اس کے فوراً بعد اللہ پاک نے ذکر فرمایا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس میں اشارہ فرمایا کہ ایمانی قوت کی وجہ سے جسمانی قوت بھی ملے گی، روحانی قوت بھی ملے گی، اس وقت یہی کہا جا رہا ہے کہ آپ کا اندر کا پاور مضبوط ہے تو آپ بڑی سے بڑی تکلیف کو سہہ لیتے ہیں اور اندر کا پاور مضبوط نہیں ہوتا ہے، برداشت نہیں ہوتا ہے۔

دوستو اور بزرگو! پہلے تو اللہ پاک نے فرمایا اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ (علق:۱،۲) انسان کو اپنی حقیقت بتلائی کہ کس طریقے سے تیری تربیت ہوئی ہے ماں کے پیٹ کے اندر، یہ پہلے فرما کر یہ بھی بتلایا کہ کبھی تکبر تو نہ کرے اپنے علم پر، اپنی ٹیکنولوجی پر، اپنی سائنس کے اوپر فخر نہ کرے، اس لیے کہ ہم نے تجھے پیدا کیا ہے مِنْ

عَلَقٍ، آگے اس کے بعد اللہ پاک فرماتے ہیں، اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ﴿۳﴾ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ﴿۴﴾ (علق) پہلے انسان کی پیدائش کا ذکر کیا اور بعد میں انسان کو جو علم دیا اس کی طرف اشارہ کیا۔ اللہ پاک نے پہلے تو صرف اپنی صفت ربوبیت ذکر فرمائی کہ میں رب ہوں، میں تربیت کرنے والا ہوں، لیکن یہاں ایک لفظ اور بتلادیا ہے اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ علم ہے، اللہ پاک کی معلومات اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات عالی اور اس کی صفات کائنات میں پھیلی پڑی ہے ہر چیز میں **وفی کل شیئ له آية تدل علی انه واحد**. کائنات کی ہر چیز گواہی دے رہی ہے کہ وہ ایک خدا ہے، چھوٹی سی سورت قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴿۱﴾ ہے، ہم رات دن پڑھتے ہیں، ہمیں اس کی قدر نہیں ہوتی ہے، جو لوگ دنیا میں دوسرے مذاہب میں بھٹکتے پھرتے ہیں، خدا کیا ہے، خدا کی معرفت کیا ہے؟ بیچارے نہیں جانتے ہیں اور تلاش میں لگے ہوئے ہیں۔

سورۂ اخلاص کی بدولت ایک صاحب کا قبول اسلام:

ایک صاحب ایمان لائے، پڑھے لکھے، ان سے پوچھا گیا کہ ایمان کی توفیق آپ کو کیسے ملی؟ کہا میں نے یہ چاہا تھا کہ جو ہم سب کا رب ہے وہ کیا ہے؟ میں نے اپنی کتابوں میں پڑھا، (ہندو مذہب کے تھے) اپنی کتابوں میں یہ دیکھا کہ ایک شخص اپنی بیوی کی حفاظت نہیں کرسکتا وہ ہمارا خدا کیسے ہوسکتا ہے، رام کے متعلق اس کا اشارہ تھا، اس طریقے کی بہت سی چیزیں انہوں نے ذکر کی اور اس کے بعد کہا کہ جب میں نے قرآن کی اتنی چھوٹی سی سورت کو پڑھا تو پتہ چلا کہ قرآن کریم کا ایک ایک لفظ اللہ پاک کی ذات کے متعلق؛ باقی مذاہب میں غلط تصور ہے اس تصور کو توڑ رہا ہے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴿۱﴾ آپ فرمادیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے، یکتا ہے، کوئی شریک اس کے ساتھ نہیں اَللّٰهُ الصَّمَدُ ﴿۲﴾ وہ بے نیاز ہے، صمد کی تعریف کیا ذکر کی مفسرین نے؟ سب مخلوق اس کی محتاج ہو اور وہ کسی کا محتاج نہیں، یہ عربی زبان میں صمد کی تعریف ہوتی ہے، اس کا معنیٰ سردار بھی ہوتا ہے؛ لیکن مفسرین فرماتے ہیں کہ جب اللہ پاک کی ذات کے لیے اس لفظ صمد کو استعمال کیا گیا تو ساری مخلوق اس کی محتاج اور وہ کسی کا محتاج نہیں۔

شرک کی ظاہری شکلیں بھی حرام:

دوستو اور بزرگو! یہ صفات اللہ تبارک وتعالیٰ کی انبیاء کرامؑ دنیا کو دکھلانے کے لیے آئے تھے، تمام نبیوں نے یہی دعوت دی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو سب سے زیادہ کھول کر بتلا دیا۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ پچھلی شریعتوں میں تو شرک کی کچھ ظاہری شکلیں جو ہوسکتی تھیں اس تک پہنچنے کے ذریعہ؛ اس کی کچھ گنجائش تھی، یوسفؑ کو سجدہ کیا گیا ان کے بھائیوں اوران کے والد اور والدہ کی طرف سے؛ لیکن اس امت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو قیامت تک کے لیے نبی بنا کر بھیجا تو اس طرح کی جو ظاہری شکلیں ہیں اس کو بھی اللہ پاک نے ختم کروایا اور قرآن کریم کی آیتوں میں آپ سن چکے ہیں، آیت پڑھوں گا تو سجدہ واجب ہو جائے گا، آگے آیت میں سجدہ ہے، یہ ساری چیزیں کھول کر اللہ پاک نے بتلائی، تو مسلمانوں کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کو جو علم ملا ہے، دنیوی علم بھی حاصل کرو، مسلمانوں ہی نے اس دنیا میں ٹیکنولوجی اور سائنس کی چیزیں پہنچائی ہے، اس لیے کہ شرک کے ہوتے ہوئے کوئی آدمی سائنس میں آگے بڑھ نہیں سکتا، سائنس نام ہے چیزوں میں تحقیق اور ریسرچ کرنے کا اور یہ کون کرے گا؟ جو چیزوں کو مخلوق سمجھے گا، جو چیزوں کو خدا سمجھ رہا ہو، جو سمندر پار کرنے کو سمندر کو معبود سمجھ رہا ہو اور دریا پار کر کے جا نہیں سکتا۔

آپ کو معلوم ہے ہمارے ملک کے سب سے بڑے لیڈر گاندھی جی جارہے تھے ولایت (انگلینڈ) کو، تو ان کی ماں نے یہی کہا تھا دریا پار کر کے کیسے جاؤ گے؟ وہ خدا اور معبود ہے، تو جو مخلوق اس طریقے سے چیزوں کو خدا سمجھ رہی ہو؛ وہ کبھی بھی ریسرچ نہیں کرسکتی، سب سے پہلے مسلمان سائنس دانوں نے ریسرچ کیا؛ لیکن ترتیب اس کی یہ رکھی کہ ان سب چیزوں کو اللہ پاک کی مخلوق سمجھا۔

نئی تعلیمی پالیسی شرک پر مبنی:

دوستو اور بزرگو! مجھے آخری بات جو کہنی ہے وہ یہ ہے کہ اس وقت یہ ۲۰۲۰ میں جو نئی تعلیمی پالیسی آچکی ہے، برسوں کی محنت کے بعد ان لوگوں نے اس کو ترتیب دیا ہے، اس کی

ظاہری کچھ شکلیں بہت اچھی ہیں، تعلیم کے اندر ایجیوکیشن میں جو لوگ ان کے ماہرین ہے دنیوی اعتبار سے، انہوں نے ریسرچ کیا اور یہ کہا کہ اگر اس ترتیب پر رہے تو بہت اچھی ہے، یہ صرف نفس تعلیم کے ظاہر پر گفتگو ہو رہی ہے، اس کا جو نظام بنا ہے، لیکن اندر کی جو پالیسی ہے یہ ہمارے ایمان کو دور کرنے والی ہے کھرچ کھرچ کر ہمارے بچوں کے دلوں سے ایمان کو نکالنے والی ہے۔

رشیا میں سوویت یونین نے ۷۰ سال تک اس طرح کا ظلم کیا ہے؛ لیکن اللہ پاک نے اسی کی کوکھ سے لوگوں کو نکالا اور پھر وہیں کفر اور شرک ختم ہوا اور آج جو مسلمانوں کے وہاں چھوٹے چھوٹے ملک تھے وہ آزاد ہوئے اور الحمدللہ وہاں ایمانیات پھر دوبارہ زندہ ہوئیں، بڑی محنتوں کے ساتھ کیسے کیسے ظلم اور زیادتیاں ہوئیں؟ اس کی تاریخ آپ پڑھیے۔

سوویت یونین نے ازبکستان، ترکمانستان، کرگزستان، تاجکستان، قزاکستان، آذر بائیجان یہ سارے ممالک پر کیسا ظلم کیا ہے! لیکن اللہ پاک نے کس طریقے سے اپنے قرآن کی تعلیم عام فرمائی، وراء الجدار عربی میں ایک مستقل مضمون نکلتا تھا کہ وہ لوگ مکانات کے پرانے کھندرات کو باہر سے بند کر دیتے تھے، اندر کچھ لوگوں کو بھیج دیتے اور ۸، ۹ سال ان کا کھانا پینا وہاں رہتا تھا اور وہاں قرآن کی مکمل تعلیم حاصل کرنے کے بعد نکلتے تھے، کہیں درزی (خیاط) کی دکان پر بچوں کو بھیجتے، سوویت یونین حکومت سمجھتی کہ یہ درزی کلاس سیکھنے گیا ہے، وہاں بیٹھے بیٹھے قرآن کریم یاد کیا جا رہا تھا، پڑھانے والا استاذ درزی کی دکان کھول کے بیٹھا ہے اور بچے کو درزی کلاس بھی سکھلایا جاتا اور ساتھ میں قرآن بھی، اس طریقے سے انہوں نے پورا نظام بنایا ہوا تھا، اللہ پاک نے فرمایا ہے إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُونَ ﴿۹﴾ (حجر:۹) ہم نے اس قرآن کو اتارا، کس کی طاقت ہے اس قرآن کو ختم کرنے کی؟ خدا کا کلام ہے، اس کو کون ختم کر سکتا ہے؟ يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُونَ ﴿۸﴾ (صف:۸) یہ قرآن کریم اللہ پاک کا نور ہے، اس کو یہ بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ پاک چیلنج

فرماتے ہیں وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۝۸ فرعون نے کتنوں کو قتل کیا؛ لیکن عقل چلی گئی، گھر میں حضرت موسیٰؑ کی تربیت کر رہا ہے، یہ اللہ نے اپنی قدرت سے بتلا دیا کہ تو ہزاروں بچوں کو مار رہا ہے؛ لیکن تیرے دل میں یہ خیال نہیں آیا، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے چیلنج فرمایا، اللہ کے چیلنج کو مخلوق کیا کرسکتی ہے! ذرا سی بجلی اور ذرا سی اوپر سے آواز آتی ہے ہم گھبرا جاتے ہیں۔

نئی تعلیمی پالیسی اور ماں باپ کی ذمہ داریاں:

نئی تعلیمی پالیسی جمہوریت پر حملے کے مترادف ہے، نئی تعلیمی پالیسی میں اردو کے ساتھ زیادتی ہے، انگریزوں کی تعلیمی پالیسی کی طرح یہ پالیسی بھی ابھی غریب اور اقلیت کے لیے نقصان دہ ہے، اردو اور عربی کے ساتھ ناروا سلوک ہے، زبان کسی بھی تہذیب کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے، زبان کسی بھی ملک پر اپنے اثرات مرتب کرتی ہے، قومی تعلیمی پالیسی کی اصل بنیاد، نئی تعلیمی پالیسی ایک نظریاتی پہلو کی حامل ہے، تعلیمی پالیسی کی تلخیص میں اردو کا کہیں ذکر نہیں، ہندوستان کی بہت ساری علاقائی زبان خطرے میں ہے، غیر ملکی زبانوں میں عربی کا شامل نہ ہونا، نئی قومی تعلیمی پالیسی کا وژن اور مقصد واضح نہیں ہے، معاشرتی پہلو نظر انداز کر کے صرف مادیت پر زور دیا گیا ہے، ملک کی بڑی ۸/ زبانوں میں سے اردو کو خارج کر دیا گیا، تعلیم سے سیکولرزم کو ختم کر کے اسے ہندوانہ رنگ میں تبدیل کرنے کی جانب پیش قدمی ہے جو اقلیتوں کے لیے تازیانہ سے کم نہیں، مدارس دینیہ کے بارے میں پالیسی میں کوئی وضاحت نہیں؛ بلکہ ذکر تک نہیں، مدرسی سند بے حیثیت ہو جائے گی، دستور کی دفعہ ۲۹ اور ۳۰ کے خلاف پالیسی ہے، تعلیمی پالیسی پرائیویٹ نظام کی طرف پیش قدمی کے مترادف ہے، تعلیمی پالیسی میں اقلیت کا ایک بار صرف ذکر ہے۔ والنٹیر کا نظام بھی پریشان کن ہے۔

اولاد کی تربیت:

انسان کو اولاد کی خواہش ہوتی ہے، اس کی جوانی ان کی پرورش کرنے میں اور بوڑھاپا ان کی ازدواجی زندگی اور وراثت میں اضافہ کرنے میں چلا جاتا ہے، اولاد کی محبت فطری ہے، سورۂ مریم

اس موضوع کو بیان کر کے پوچھ رہی ہے کہ آپ کو اولاد کیوں چاہیے؟ صرف فائدے کے لیے؟ وراثت کے لیے؟ صرف زمین و مکان کے لیے؟

سورۂ مریم دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کی رہنمائی کرتی ہے اور اس کی اہمیت کو ظاہر کرتی ہیں، تم بھی دین دار ہو اور تمہاری اولاد بھی دین دار ہو، اور اس کے بعد بھی دین دار، اس طرح سلسلہ جاری رہنا چاہیے، والدین دین دار ہو، اولاد نہ ہو، تو پھر وہ اپنی اولاد کی صحیح تربیت نہیں کر سکیں گے۔ وہ اسے دنیاوی خواہشات اور ہوس کی طرف لے جا کر برباد کر دے گا۔ اس لیے اس سورت میں ولد (لڑکا) اور دینی میراث کی تفصیل ہی مرکزی محور ہے، سورت میں اکثر لڑکوں اور وراثت کی تفصیل ہے، اس کی مثال ہے۔ حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت مریم، حضرت عیسیٰ، حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت موسیٰ (علیہم السلام) وغیرہ کو بیان کرتے ہوئے ہم سے پوچھا گیا کہ کیا آپ اپنی اولاد کی تربیت اللہ کی معرفت والی کرنا چاہتے ہیں؟ حضرت زکریاؑ نے اپنے خاندان میں کسی کو (نبی بننے کے لائق) نہیں دیکھا، اس لیے اولاد کی خواہش کا اظہار کیا، حضرت یحییٰؑ کی بھی تربیت کی۔ بچوں سے محبت اور ان کے مستقبل کی فکر فطری ہے؛ لیکن اس میں دین کو اچھی طرح شامل کرنا چاہیے، حضرت مریم کی والدہ اور حضرت مریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تربیت کی، ماں اور باپ کی اطاعت کے بارے میں سورت میں توجہ دی گئی، اور یہ بات یقینی ہے کہ یہ اسی وقت ممکن ہے جب اولاد نیک ہو، انہیں آخرت کی فکر ہو، انہیں ماں اور باپ کا درجہ معلوم ہو، نیکی کا شوق رکھتے ہوں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معاملہ اس سے الٹا ہے۔ باپ مشرک ہے، پھر بھی آپ ان کو نرمی، شفقت، محبت کے ساتھ دعوت دیتے ہیں، اس سے ہمیں والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم معلوم ہوتا ہے، نوجوان اولاد ماں باپ کے ساتھ شائستگی سے پیش آئے، چاہے وہ دین پر عمل نہ کرتے ہوں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کے کافر ہونے کے باوجود اچھا سلوک کیا، تو اللہ تعالیٰ نے نیک اولاد عطا فرمائی (اسحٰق، یعقوب)، اس سے دو نسلوں کی نبوت کی بشارت بھی دی، ساتھ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر کیا کہ وہ اپنے گھر والوں کو بھی نماز اور

زکوٰۃ کا حکم دیا کرتے تھے، حضرت موسی علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کا ذکر کیا، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کے لیے دعا کر کے نبوّت میں شریک بنایا، اس کے بعد تمام انبیاء کا مختصراً بیان کیا، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سب اپنی اولاد کے بارے میں فکر مند تھے، لیکن پھر ان کے بعد تربیت میں کمی آتی گئی، تو ان کی اولاد دنیاوی خواہشات اور دنیاوی ورثہ (مالی دولت) کے لالچ میں پڑ گئی اور انہوں نے اپنی اولاد کی صحیح تربیت نہ کی تو وہ بد دین بن گئی، تو کیا آپ کو بھی ان میں سے بننا ہے جس کے نتیجے میں جنت ملے یا اپنی اولاد کو بے نمازی، خواہشات پرست بنا کر جہنمی بنانا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان اولاد کے لحاظ سے فرق ظاہر کیا ہے اس کی آپ کو ضرورت ہے، میں اولاد سے بے نیاز ہوں۔ اولاد کی ضرورت والی آیات نرمی سے بیان کی، دوسری سورتوں کے مقابلہ میں اس سورت میں لفظ رحمت، رحمن وغیرہ ۲۰ بار مختلف طریقے سے استعمال ہوا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے اولاد کو بیان کرنے کے لیے سخت الفاظ استعمال کیے ہیں، کیونکہ وہ اس سے بے نیاز ہے، ہم سب محتاج ہیں، یہ اللہ پاک کے لیے عیب کی بات ہے، الزام تراشی اور بہتان ہے اس لیے سخت الفاظ استعمال کیے، سورت میں نرمی اور سختی دونوں کا سنگم ہے جو کہ قرآن شریف کا معجزہ ہے۔

سورۂ مریم میں انبیاء کے کثرت ذکر کے باوجود سورت کا نام مریم رکھا گیا، کیونکہ عورت کی تربیت کا اثر زیادہ ہوتا ہے، وہ بچے کے ساتھ زیادہ وقت بتاتی ہے، حضرت مریم کی والدہ اور خود آپ نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تربیت فرمائی؛ چنانچہ یہ سورت عورتوں کی ذمہ داری کی طرف توجہ مرکوز کر رہی ہے کہ وہ بچوں کو اچھی تعلیم دیں۔

دوستو اور بزرگو! اس تعلیم کے اندر شرک کی تعلیم دی جائے گی، جو کچھ اسکول میں سلیبس آ چکا ہے اور جہاں جہاں مسلمانوں نے اس پر ریسرچ کیا، راجستھان میں چھٹی اور آٹھویں کلاس کی جو ہندی کی بک تھی اس کو دیکھا گیا، لہٰذا ماں باپ کی ذمہ داری ہوگی وہ اپنی اولاد کے ایمان بچانے کی فکر کریں، حالات آئیں گے اور اس کے بعد تو سدھریں گے ہی؛ لیکن یہ اللہ کا

دین ہے اس سے پہلے بھی یہ حالات آئے، ہم اپنے اعتبار سے اس مورچے پر مضبوط ہو جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے گئے ہجرت کر کے، ایک صحابی فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لانے سے پہلے تک تو میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۝١ (اعلیٰ:۱) اور هل اتٰك جیسی سورتیں یاد کر چکا تھا، ابھی اللہ کے نبی آئے نہیں ہیں۔

دوستو اور بزرگو! یہ آنے والے سالوں میں شرک کی تعلیم دی جائے گی، آپ دیکھ رہے ہیں سب حالات ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں، یہ ہمارے ایمان کا امتحان ہونے والا ہے، اقبال فرماتے ہیں سہیل اعداء سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، تب ہی تو ایمان ہے۔ ستر سالہ روس کے ظلم کے باوجود جب ایمان وہاں محفوظ رہا تو یہاں تو بزرگان کرام کی محنتیں ہیں، اور دعوت وتبلیغ کی محنتیں ہیں، صوفیائے کرام کا ایک لمبا سلسلہ ہے، اللہ پاک نے اس ملک کے ساتھ توحید کو وابستہ رکھا ہے، حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے یہ جملہ فرمایا ہے، تو اللہ پاک نے ہمیں یہ جو علم دیا ہے جو توحید دی ہے، آنے والے دنوں میں ہم اس کی محنت کریں، سب سے پہلی ذمہ داری دوبارہ یہی کہوں گا کہ ماں باپ کا فریضہ ہوگا، استاذ تو بعد میں آئیں گے، آپ کا اپنے گھر میں پہلا فریضہ ہوگا دعوت دینے کا، اور علمائے کرام سے بھی میں یہ گزارش کروں گا کہ مکاتب کے اندر آپ کے پاس یہ بچے آئیں گے، ان کی دینی واصلاحی تربیت کی طرف خوب توجہ دیں۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہی سنی باتوں پر ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(۱۳)

آرایس ایس (RSS) کا ناکام ہوتا نظریہ اورحواس باختہ دہشت گردی

الحمدللہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین.

قال اللہ تبارک وتعالیٰ فی الکلام المجید والفرقان الحمید

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ○

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝۸

(ممتحنہ:۸)

وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ۝۶۷

(احزاب:۶۷)

عن أبي موسى الأشعري -رضي الله عنه- مرفوعاً: إن الله ليُمْلِي للظالم، فإذا أخذه لم يُفلِتْه، ثم قرأ: وكذلك أخذ ربك إذا أخذ القرى وهي ظالمة إن أخذه أليم شديد. (بخاری: کتاب التفسیر، سورۃ ہود)

صدق اللہ العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علیٰ ذلک لمن الشاھدین والشاکرین والحمدللہ رب العالمین.

دعوت دین اور انسانی حقوق:

محترم ومکرم حضرات علماء کرام اور ایمان والے بھائیو!

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس دنیا میں انسانوں کو پیدا فرمایا، اور اس کے ساتھ انسانوں میں چین، سکون، امن وعافیت کو ایک دوسرے کے حقوق اور ایک دوسرے کی ذمہ داریوں کو پہچاننے کے لیے حضرات انبیاء کرامؑ کے سلسلے کو جاری فرمایا، انبیاء کرامؑ نے تشریف لاکر انسانوں کو اللہ کی پہچان کروائی، اور اسی کے ساتھ آپس میں انسانوں کے جو حقوق اور تعلقات ہے؛ انبیاء کرامؑ نے ان کو بھی تفصیل سے ذکر فرمایا، قرآن کریم کی مختلف آیتوں میں ہم دیکھتے ہیں انبیاء کرامؑ اپنی امتوں کو توحید کی دعوت دیتے تھے، اور اسی کے ساتھ آپس میں انسانوں کے تعلقات اور حقوق کو بھی ذکر کرتے تھے، سیدنا شعیبؑ کے قصے کو قرآن کریم میں ذکر فرمایا، اور یہ فرمایا کہ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ. (ھود: ۸۴) ناپ تول کے اندر کمی نہ کرو، وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ (بقرہ: ۶۰) اور زمین میں فساد مچانے والے مت بنو، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انبیاء کرامؑ کی زبانی فرمایا، جناب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی بن کر تشریف لائے، اس لیے اللہ پاک کی طرف سے آپ کی تعلیمات کا ایک بہت بڑا حصہ انسانوں کے درمیان آپس میں محبت اور مودت، ایک دوسرے کے حقوق، بھائی چارگی، مساوات، عدل وانصاف، ایک دوسرے کی رعایت کرنا، معاف کرنا، درگزر سے کام لینا یہ ساری چیزیں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات میں، کتاب اللہ کی آیات میں بھی اور احادیث مبارکہ میں بھی ایک بہت بڑا حصہ بھرا پڑا ہے۔

ہندوستان میں جب صوفیاء کرام تشریف لائے، انہوں نے بھی نبیوں والے اس طریقے کو اپناتے ہوئے اس ملک کے اندر اپنی طرف سے انسانوں کو سب سے پہلے اللہ پاک کی پہچان کروائی، اس لیے کہ جو انسان اپنے خالق ومالک کو نہیں پہچانتا، اس کے حقوق کو نہیں جانتا، اس کی صحیح معرفت اس کو نہیں ہوتی ہے تو یقیناً وہ افراط یا تفریط کا شکار ہوتا ہے، اس لیے سب

سے پہلے انبیاء کرامؑ کی تعلیمات کے مطابق صوفیاء کرام نے بھی اس ملک میں دعوت وتبلیغ کے ذریعہ اور اپنے اخلاق اور اپنے اعمال کے ذریعہ انسانوں میں بھائی چارگی، مساوات اور برابری کا پیغام دیا، پوری ہماری تاریخ مملکت اسلامیہ میں جناب نبیٔ کریم ﷺ کی تشریف آوری سے لے کر ہر زمانہ میں اور ہر علاقہ میں، ہر ملک میں، ہر قوم کے ساتھ یہی مسلمانوں کا طریقہ اور یہی رویہ رہا، صوفیاء کرام نے ہر جگہ پر اس طریقے سے اسلام کی دعوت وتبلیغ کو پہنچایا۔

اور اسی کے ساتھ سماج کا وہ طبقہ جو کمزور ہوتا ہے، یا جس کو کمزور بنایا جاتا ہے، اپنی سیاسی فضیلت کی بنیاد پر اپنی سیاسی خواہشات کی بنیاد پر، قرآن کریم کی مختلف آیتوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبیوں کے زمانہ میں جو قوم کے بڑے سردار تھے، اور جنہوں نے انبیاء کرامؑ کی دعوت کو ماننے سے انکار کر دیا، ان کی زبان سے جو کلمے نکلتے ہیں، اور لوگوں کے اوپر ظلم اور زیادتی کی داستانیں جو انہوں نے رقم کیں، قرآن کریم میں ان تمام واقعات میں اشارے فرمائے، اور اسی لیے میں نے آپ حضرات کے سامنے قرآن کریم کی ایک آیت پڑھی، جس کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں، وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿۶۷﴾ (احزاب:۶۷) قوم کے کمزور لوگ یا ناسمجھ لوگ جن کو غلط طریقے سے ورغلایا گیا کسی قوم کے مقابلہ میں کسی مذہب کے مقابلے میں، کسی تعلیم کے مقابلہ میں جن کا ذہن واش (Brainwash) کیا گیا، یہ قیامت کے دن اللہ پاک سے کہیں گے، اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَنَا اے ہمارے رب ہم نے اپنے بڑوں جن کو ہم نے بڑا سمجھا تھا: ہم نے ان کی پیروی کی اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَنَا ہمارے چودھریوں کی، ہمارے سرداروں کی، ہمارے سیاسی لیڈروں کی ہم نے سنی، فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا انہوں نے ہمیں راہ سے گمراہ کر دیا، رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿۶۸﴾ (احزاب:۶۸) اب یہ کہیں گے کہ ان کو دوگنا عذاب دو، اور ان پر آپ اپنی لعنت بھیجو۔

کاش میں فلاں کو دوست نہ بناتا:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی دعوت پہنچائی، ابوجہل نے بہت سارے لوگوں کے لیے روڑے اٹکائے، اسی سلسلہ کی ایک آیت اللہ پاک نے ذکر فرمائی کہ مکہ کا ایک سردار جن کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت دی نضر بن حارث، لیکن ابوجہل نے اس کو ورغلایا اور اس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم سے دور رکھا، اللہ پاک نے اس کا منظر بیان فرمایا کہ کل قیامت کے دن وہ کہے گا، یٰلَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿٢٨﴾ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿٢٩﴾ (فرقان: ۲۸) افسوس! کاش کہ میں فلاں کی بات کو نہ سنتا، اس نے مجھے راہ حق سے گمراہ کر دیا اور آج جہنم میں میرا یہ ٹھکانہ ہے، اور خود جناب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد بھی آگے نقل فرمایا، وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿٣٠﴾ (فرقان: ۳۰) یہ میری قوم قرآن کی دعوت سے دور ہو رہی ہے، قوم چودھریوں اور سرداروں کی بات سن رہی ہے اور اس کی بنیاد پر میری بات کو وہ نہیں سمجھ رہی، نہیں سن رہی۔

شیطانی قوتوں کی کوشش:

اللہ پاک کا نظام رہا ہے کہ سیدنا حضرت آدمؑ کو اس دنیا میں اللہ پاک نے بھیجا تو ساتھ میں شیطانی قوتوں کو بھی آپ کے ساتھ بھیجا، ہر زمانے میں یہ طریقہ رہا کہ شیطانی قوتوں نے غلبہ حاصل کرنا چاہا کہ لوگوں کو اللہ پاک کی صحیح معرفت نہ ہو، لوگوں کو نبیوں کی تعلیم معلوم نہ ہو، تاکہ ہمیں ظلم اور تشدد کرنا ہے، ہمیں لوگوں پر زیادتیاں کرنی ہے، لوگوں کو سماجی اور مذہبی، اور مختلف قوموں اور مختلف طریقوں کے اعتبار سے تقسیم کرنا ہے، یہ ہماری تقسیم میں انبیاء کرامؑ کی تعلیمات رکاوٹ بنتی ہے، صوفیاء کرام نے بھی اس دین کو یہاں پر عام کیا اور سماج کے بچھڑے ہوئے طبقہ کو، سماج کے کمزور طبقہ کو خانقاہوں کے اندر سب سے زیادہ موقع ملا، مذہب وملت کی تفریق کے بغیر ان صوفیاء کرام کی خانقاہوں میں لوگ آتے گئے اور اپنی اپنی تکلیف اور اپنی اپنی مصیبتوں کے درد کا درماں اور اپنی پریشانیوں کا علاج تلاش کرتے رہے، اللہ تعالیٰ

نے اس ملک میں اس طریقے سے نئے اسلام لانے والے اور جو لوگ اسلام کی تعلیم لے کر آئے؛ ان کے درمیان آپس میں مودتیں اور محبتیں تعلقات قائم فرمائے۔

مسلمانوں کی دیگر اقوام کے ساتھ رواداری:

عرب لوگ فاتحانہ شان سے ہندوستان میں آئے، حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے یہاں کی نچلی ذات کی قوموں کی عورتوں سے شادی کی اور یہ بتلایا کہ اسلام میں ایک دوسرے پر کوئی فضیلت نہیں ہے، اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ط (حجرات: ۱۳) لا فضل لعربي علی أعجمي. (مسند أحمد: ۲۳۳۸۱، ۱۲/۱۷) کسی عرب کو کسی عجمی پر، اور کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی فضیلت نہیں ہے، یہ جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف الفاظ کے ذریعہ اور صرف تعلیم کے ذریعہ نہیں؛ بلکہ عملی طور پر اس کو پیش کیا، بلال حبشہ سے، سلمان فارس سے، صہیب روم سے آرہے ہیں، اور مختلف قبائل اور مختلف قومیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تشریف لائی، صوفیائے کرام نے بھی اس ملک میں اسی طریقے سے کسی قوم اور کسی علاقہ اور کسی چیز کا فرق کیے بغیر اور بادشاہوں نے بھی جنہوں نے یہاں ۶۵۰ سال تک مستقل حکومت کی، اس ملک میں ہندو اور مسلمانوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا، انصاف کے معاملہ میں اپنے رشتہ داروں کی بھی اگر باری آئی تو احمد شاہ بادشاہ نے اپنے داماد کو بھی قتل کروایا، ظلم اور زیادتی کو برداشت نہیں کیا، یہ اس ملک کی پوری تاریخ ہے، جب سے اسلام یہاں آیا اور اس ملک میں یہاں کے رہنے والوں کے ساتھ امن وعافیت، چین وسکون کی زندگی کا راستہ دوسروں کو دکھلایا اور عملی طور پر اس دین کو پیش کیا۔

مسلمان بادشاہ اور انگریز کے درمیان فرق:

جب انگریز آئے سب سے پہلے ان کا مقابلہ اس ملک میں مسلمانوں سے ہوا، کیونکہ مسلمانوں کی حکومت تھی، بہادر شاہ ظفر اور ہندوستان کے دوسرے راجا مہاراجاؤں سب نے مل کر مشترکہ طور پر ۱۸۵۷ میں انگریزوں کا مقابلہ کیا، اس سے پہلے جب سے ایسٹ انڈیا

کمپنی قائم کی اور ایک برٹش راج شروع ہوا؛ وہاں سے لے کر ۱۸۵۷ تک اس ملک میں صرف اور صرف مسلمانوں نے اور ان میں بھی خاص کر کے علماء کرام نے انگریز کا مقابلہ کیا۔ سب سے پہلے انگریز کے خلاف جہاد کا فتویٰ دینے والے حضرت شاہ عبد العزیزؒ ہے، پھر ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے علمائے کرام نے اس ملک کو غیر ملکی طاقتوں سے محفوظ کرنے کے لیے غیر ملکی تہذیب اور کلچر سے اور یورپ کی طاقت سے جو تاجرانہ بھیس میں آ کر اس ملک پر حکمرانی کرنا چاہتا تھا، جو یہاں کی ساری چیزیں لے جا کر اپنے ملک میں آباد کرنا چاہتا تھا، ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں اور انگریز کے درمیان سب سے بڑا فرق یہی ہے کہ وہ یہاں آئے اور یہاں کے ہو کر رہے، یہاں کے خزانے اور ساری دولت کے دہانے اس ملک کے لیے باقی رکھے، یہاں کی ایک چھوٹی سی چیز بھی یہاں کے بادشاہ جن ملکوں سے آئے تھے یا ان کے آباء واجداد جن ملکوں کے تھے؛ وہاں کوئی چیز لے کر نہیں گئے، ساری رقومات یہاں صرف کر دیں، آج امریکہ کا پریسیڈنٹ بھی اگر آتا ہے تو مسلمانوں کی اس بنائی ہوئی بلڈنگ اور عمارت کو دیکھ کر اس پر تعجب کرتا ہے، یہ مسلمان بادشاہوں نے اپنی رعیت کو اور اپنے ملک کے مستقبل کی آمدنی کا انتظام کرنے کے لیے یہ بڑی بڑی بلڈنگیں اور ہیریٹائز بنائے اور اس بنیاد پر آج بھی ملک کو مادی فائدہ ہو رہا ہے، مالیت کا فائدہ ہو رہا ہے، روحانی نعمت جس کو خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ لے کر آئے تھے، قطب الدین بختیار کاکی، نظام الدین اولیاءؒ اور یہ سلسلہ ہمارے چشتیہ مشائخ کا چلا؛ ان حضرات نے اس ملک کے اندر اللہ کے بندوں کو اللہ کی بندگی بتلائی، اللہ کے بندوں کو بتلایا کہ جب اللہ کی بندگی کرو گے تو مخلوق کی بندگی سے آزاد ہو جاؤ گے۔

مسلمانوں کا ہندو مذہبی طبقہ کے ساتھ حسن سلوک:

ایک طبقہ ایسا تھا جو اپنی غلامی کروانا چاہتا تھا اور جو لوگوں میں اپنا ایک وقار باقی رکھ کر ملک کی دولت سے، ملک کی چیزوں سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا، بادشاہوں کے پورے دور میں اس بڑے طبقہ کے ساتھ مسلمانوں نے مذہبی نسبت کی بنیاد پر اچھا سلوک کیا، برہمنوں کے

ساتھ سب سے اچھا سلوک دنیا میں اگر کسی حکومت میں ہوا ہے تو مسلمان بادشاہوں نے اس ملک میں کیا اور پورے عالم میں یہودیوں کے ساتھ سب سے زیادہ اچھا سلوک مسلمان بادشاہوں نے کیا، آج بھی یہودی اس بات کو قبول کرتے ہیں، اور آج بھی یہاں کا برہمن جس کو صحیح تاریخ معلوم ہے یا جو صحیح تاریخ کو چھپانا نہیں چاہتے ہیں؛ ان کو معلوم ہے کہ ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں نے مذہبی طبقہ کو مذہبی اعتبار سے اتنا وقار دیا کہ اپنے درباروں میں سلطان علاء الدین خلجی نے، سلطان محمد تغلق نے، اکبر کا تو پورا طریقہ ہی تھا نورتن (नवरत्न) اس کے پاس تھے اور دوسرے کئی بادشاہوں نے ان بڑے لوگوں کو اپنے دربار میں مذہبی پیشوا ہونے کی بنیاد پر بڑا سمجھ کر ان کے ساتھ احترام اور اکرام کا معاملہ کیا۔

انگریزوں کی سازش:

لیکن انگریز اس ملک میں آئے، انہوں نے دیکھا کہ اس ملک میں یہ دو بڑی قومیں آباد ہیں اور یہ دونوں اس ملک کی آزادی کے لیے لڑیں اور اس میں سب سے آگے مسلمان، اور یہ صلیبی جنگوں سے مسلمانوں کی جہادی قوت کو جانتے تھے کہ یہ قوم كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللهِ ط (بقرہ:۲۴۹) بہت سی چھوٹی چھوٹی جماعتیں بڑی بڑی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غالب آ گئی، ان کو پوری تاریخ معلوم تھی، اس لیے اس ملک میں آ کر انہوں نے ہندو اور مسلمان کے درمیان تفرقہ پیدا کرنے کی کوشش کی؛ لیکن اتنے کامیاب وہ نہیں ہوئے جتنا ان کو کامیاب ہونا چاہئے تھا، اس لیے آزادی سے ۲۵، ۳۰ سال پہلے انہوں نے دونوں قوم کے اندر ایسے لوگ کھڑے کرنے چاہے جن کی وجہ سے ملک تقسیم ہو جائے، مسلمانوں میں بھی کچھ لوگوں کو کھڑا کیا اور ہندوؤں میں بھی ایک تعداد ہندو مہاسبھا کی کھڑی ہوئی اور اس طریقہ سے اس ملک کی تقسیم کو چاہا گیا؛ جس میں انگریز کی چال تھی کہ مسلمانوں کو اس ملک کے قومی دھارے سے الگ کر دے اور مسلمان اپنے آپ کو الگ تھلگ کر لے، یہ کوششیں انہوں نے کچھ لوگوں کے ذریعہ کروائی۔

خود محمد علی جناح کانگریس کے ایک بہت بڑے لیڈر تھے، ملک کی تقسیم کو ایک مدت تک وہ بھی نہیں چاہتے تھے، یہ تاریخ کو مسخ کر کے پیش کیا جارہا ہے، خیر اس کے بعد جو کچھ ہوا اور ملک میں ہندو مسلم کا ایک مسئلہ پھیلا اور پھر ملک کی تقسیم پر ختم ہوا، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہم لوگ پیدا نہیں ہوئے تھے اس سے پہلے اس ملک میں مسلم اور غیر مسلم کی بنیاد پر ملک کی تقسیم ہو چکی تھی، اور اس کی بنیاد پر دعوت وتبلیغ اور ہمارے غیر مسلم بھائیوں تک پہنچنا ہمارے لیے مشکل ہو گیا، حتی کہ آزادی کی پہلی صف میں کھڑے ہونے والے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا ابو الکلام آزادؒ، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، ملک کی جب تقسیم ہو رہی ہے یہ حضرات اس پر راضی نہیں تھے، یہ سمجھ رہے تھے کہ اس تقسیم کے بعد ہی مسلمانوں کو الگ کر دیا جائے گا، اس ملک کی ایک طاقت یہ چاہ رہی تھی کہ ہمارے پاس حکومت کا غلبہ ہو، اس ملک کے غیر مسلم کمزور طبقہ کو ہم دبائیں، اس لیے مسلمانوں کو الگ کر دیا جائے، ایک چھوٹا سا حصہ مشرق اور مغرب میں ان کو دے دیا جائے اور پورے ملک پر ہمارا قبضہ ہو، یہ بڑی سوچی سمجھی سازش تھی، اس وقت کے یہ علمائے کرام سمجھ رہے تھے، لیکن حالات کچھ اس طریقے سے ہوئے کہ جس کے نتیجہ میں یہ چیز پیش آئی۔

پہلی جنگ عظیم کے اختتام پر ۱۹۱۸ء میں جبکہ ہندو مسلمان ا یکتا و اتحاد کا عجیب ماحول بنا ہوا تھا، خلافت تحریک شباب پر تھی، ہندو مسلمان کندھے سے کندھا ملا کر انگریز کو اس ملک سے نکالنے پر تلے ہوئے تھے، انگریز نے دیکھا کہ اگر یہ اتحاد برقرار رہا، تو چند دنوں میں ہندوستان سے ان کو بورئے بسترے لپیٹنے پڑیں گے، تو انہوں نے ہندو مسلم اتحاد کو پاش پاش کرنے اور دونوں قوموں میں عداوت ونفرت پیدا کرنے کی غرض سے مسلم بادشاہوں کے خلاف نامناسب اور خلاف انسانیت قصہ کہانیاں گھڑنا شروع کیں، جو ہندو بھائیوں کے جذبات میں برانگیختگی پیدا کرے، چنانچہ یہ سب کچھ ہوا، دونوں قوموں کے درمیان ایسی عداوت ونفرت کا ماحول پیدا کیا گیا جس نے بالآخر ملک کو تقسیم کر دیا، خلیج بڑھتی ہی گئی اور آج یہ

اپنی انتہاء کو پہنچ گئی ہے۔ بابری مسجد کا قضیہ بھی اسی ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' پالسی کا ایک جزو ہے، جو اَوَدھ (لکھنو) کے نوابوں کو پریشان کرنے کے لیے اپنائی گئی تھی۔

ایک بہت بڑے ہندو پروفیسر ڈاکٹر اِسُوَرِی وری پرساد لکھتے ہیں کہ مسلم بادشاہوں نے اپنی ہندو رعیت کی راحت کا خیال رکھا، ان کے مذہبی جذبات کا بھی خوب لحاظ رکھا گیا، مذہبی جشن و تہوار اور رسومات کی ادائیگی میں مکمل آزادی دی گئی، ان کے پرسنل لا کے عملی نفاذ کے لیے عدالتوں میں پنڈتوں کا تقرر ہوا، جو ہندو قانون کے مطابق ان کے فیصلے کرتے تھے، ہندوؤں کو بڑے بڑے سرکاری عہدے دیے گئے، ان کے مہنتوں اور مذہبی پیشوا خاص کر کے برہمنوں کا نہایت ہی احترام واکرام کیا گیا، شاہ علاء الدین خلجی، شاہ بلبن اور فیروز شاہ کے دربار میں ان کو بلایا جاتا اور احترام سے بٹھایا جاتا تھا، جناب کے-اے- پائنیکر لکھتے ہیں کہ سلطان علاء الدین خلجی آچاریہ مہاسین کو کرناٹک سے اپنے دربار میں احترام واکرام کے ساتھ بلاتے تھے، جین مذہب کے پیشوا پورنا چندر اور رام چندر سوری کا علاؤ الدین کے دربار میں بہت بڑا مقام تھا، سلطان غیاث الدین تغلق کے دو گورنر جین مذہب کے تھے، سلطان فیروز شاہ تغلق رتن سکھ شاعر کا بہت احترام کرتا تھا، علاء الدین نے اپنی حکومت کو بالکل غیر مذہبی سیکولر بنایا تھا، محمود غزنوی جیسے بدنام بادشاہ کے ڈھلوائے ہوئے سکوں پر سنسکرت کے الفاظ کندہ تھے، جنگ کے دوران متھورا کے مندروں کی خوبصورتی سے متأثر ہو کر اپنی آپ بیتی میں ان کی خوب تعریف کرتے ہیں۔

مسلمان اپنے ساتھ حکومت کے تمام شعبوں کو چلانے والے تجربہ کار آدمی لیکر نہیں آئے تھے، ملکی نظام چلانے کیلئے یہاں کے ہندوؤں کو ہی تمام شعبوں میں مناسب عہدے دیے گئے، ان سے تعمیرات کروائی، سکے ڈھلوائے، حسابات لکھوائے، فوجی افسر بھی بنائے گئے، انہیں سرکاری زبان سکھلائی، گورنر اور فوجی کمانڈر جیسے بڑے اہم اور قابل اعتماد عہدے دیے گئے، غرض ایک معزز اور باوقار شہری کے تمام حقوق ان کو فراہم کئے گئے، اس کے ساتھ ساتھ ان کی

بنیادی ضروریات روٹی ، کپڑا اور مکان کی طرف زیادہ توجہ دی گئی ، رعیت کو ہر طرح کی سہولیات فراہم کرنے کیلئے مسلم سلاطین نے خوب محنت کی کھیتی اور تجارت کو خوب فروغ دیا، ضروریات زندگی بہت سستے دام میں بکتی تھی ، ہر طرح ملک میں امن وچین تھا، سلطان بلبن کے زمانے کے ایک پنڈت یوگیشور کا لکھا ہوا ایک کتبہ دہلی کے لال قلعہ کے عجائب گاہ میں موجود ہے، اس میں لکھا ہے کہ بنگال کے گور شہر سے افغانستان کے غزنی تک اور دکن میں رامیشور تک ہر جگہ امن وسلامتی اور ملک اس طرح منور ہے، جس طرح موسم بہار میں زمین مزین ہوتی ہے، جب سے اس سلطان ذیشان نے دنیا کا بوجھ اپنے کندھوں پر لیا ہے، دنیا کو سہارا دینے والے شیش ناگ دھرتی کے بوجھ سے سبکدوش ہو گئے ہیں، اور وشنو بھگوان دنیا کی نگرانی کا خیال چھوڑ کر دودھ کے سمندر میں محو راحت ہے، پورا ملک سَورگ دھام کی طرح عیش ومسرت کا ٹھکانہ ہے، یہ ایک ہندو پنڈت کے لکھے ہوئے الفاظ ہیں، اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مسلمانوں نے اس ملک کو کس طرح جنت نما بنایا تھا۔

اس زمانہ کی لڑائیاں مذہبی نہیں ہوتی تھی ، بلکہ سیاسی اقتدار اور حکومت حاصل کرنے کیلئے ہوتی تھی ، اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ مسلم لشکر کے افسر ہندو اور ہندو لشکر کے افسر مسلمان ہوتے تھے، محمود غزنوی جیسے بدنام بادشاہ کے فوجی کمانڈر کا نام تلک تھا۔ اس کی فوج میں تو بہت سے ہندو فوجی تھے، جو محمود کے ساتھ مل کر وسط ایشیا تک جنگ کرنے کے لئے گئے تھے۔

پُرتھوِی راج کی فوج میں افغان سپاہی اور محمد غوری کی فوج میں راجہ جمون کا لڑکا اپنے مذہب والوں کے خلاف لڑنے گیا تھا ، عالمگیرؒ کے خلاف لڑنے والے شیوا جی کے کمانڈر مسلمان تھے ، اکبر کا سپہ سالار راجپوت اور رانا پرتاپ کا سپہ سالار مسلمان تھا ، اور بھی بہت ساری مثالیں ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی لڑائیاں فرقہ واریت کی نہیں ہوتی تھی ، لہٰذا ان کے سیاسی استحصال کا اور بلیک میلنگ کا سوال ہی نہیں تھا، بلکہ اپنی فوج کا سپہ سالار بنا کر ان پر اعتماد اور ان کی حوصلہ افزائی کرنا مقصود ہوتی تھی ۔ اسی طرح مسلمان بادشاہوں کی

ہندو رعیت اور ہندو راجاؤں کی مسلمان رعیت دونوں امن، چین اور سلامتی سے رہتی تھی۔ کسی کو بھی اپنے حاکموں سے کوئی شکایت نہیں تھی، بلکہ دونوں قوموں کوایک دوسری حکومت میں اعلی عہدوں پر رکھا گیا تھا، ہندو راجاؤں اور مسلمان تاجروں کے درمیان خوشگوار تعلقات قائم ہوگئے تھے، راجاؤں نے تجارت کا بازار گرم رکھنے اور ملک کی ترقی کے لئے مسلمان سوداگروں کی آمد ورفت اور بودو باش نیز دیانت داری وامانت کو دیکھ کر ان کواپنی خاص حفاظت اور سرپرستی میں لے لیا تھا۔

مالا بار کے کولری راجاؤں کی حکومت میں مسلمان امیر البحر اور وزراء کے عہدوں پر براجمان تھے، کالی کٹ کا راجہ بڑا عادل اور خیر خواہ تھا، گجرات کے بھی راجہ کی تمام مسلمان مؤرخین تعریف کرتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ بہت ہی اچھا سلوک کرتے تھے، کھنبھات کے ہندوؤں نے مسلمان تاجروں اور مسجد پر حملہ کیا تو راجہ سدھ راج جے سینھ نے شہر والہ سے کھنبھات جاکر خود واقعہ کی تحقیق کی اور حملہ آوروں کو سخت سزا دی۔ اور مسجد کی تعمیر کے لئے ایک لاکھ روپئے دیے، بعض ہندو راجاؤں کے یہاں مسلمان لشکری بلکہ افسر بھی تھے، مسلمان بادشاہوں کے انصاف سے ہندو رعیت بھی بہت خوش تھی، سلطان محمد تغلق نے اپنے بھتیجے کو سخت سزا دی، احمد شاہ بادشاہ نے اپنے داماد کو پھانسی کی سزا دی، الغرض ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات انتہائی خوش گوار تھے، ابوریحان البیرونی وہ پہلا مسلمان ہے جس نے سنسکرت اور ہندو علوم وفنون کا کافی مطالعہ کیا، سنسکرت کی بہت سی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کر کے دنیا کے سامنے ہندوستان کا تعارف کروایا، ہندوستان کے فلسفے، منطق، طب وغیرہ علوم کو زندہ کیا، اسی طرح امیر خوسرو نے بھی ہندوستانی تہذیب، پھل، پھول، آب و ہوا وغیرہ تمام چیزوں کی اپنی شاعری میں خوب جھوم کر تعریف کی ہے، ایک شعر میں کہتے ہیں۔

بہشتی فرض کن ہندوستان را — کز آنجاں نسبت است این بوستان را
وگرنہ آدم وطاؤس ز آنجاں کجا — اینجاں شدیدے منزل آرائی

ہندوستان کی عظمت کا راگ الاپتے ہوئے اور ہندوستان کی محبت کی آواز بلند کرتے ہوئے اور بھی بہت سے اشعار پیش کئے ہیں۔الغرض ہم نے اس بے بنیاد الزام کی تحقیق میں فاران کی چوٹیوں سے لے کر دہلی کے لال قلعہ تک کی اسلامی تاریخ کا وسیع وعریض جائزہ لیا،تو ہر جگہ دوسمت سے یہ جواب ملا کہ اسلام میں اقلیت واکثریت کا کوئی سوال ہی نہیں، اسلامی حکومت میں سب اللہ تعالیٰ کے بندے اور آدم کی اولاد ہیں۔ **ان ربکم واحد، وان اباکم واحد**. (مسند أحمد: مسند الأنصار، رقم: ۲۳۴۸۹)

ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کی اصل وجہ بتاتے ہوئے علامہ سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں کہ عرب تاجروں نے خود آکر اپنی نوآبادیاں قائم کیں، یہاں کی نومسلم عورتوں سے انھوں نے شادیاں کیں،تاجروں کی فیاضی اور انسانیت نوازی نے غریبوں اور محتاجوں کو اپنے دامن میں پناہ دی، نیچ ذات کے ہندو اور غیر برہمن جو برہمنوں کے دباؤ،ظلم اور ترفع وغرور سے نالاں تھے،انھوں نے اسلام میں آکر عزت پائی، جو لوگ ذرا ذرا سی باتوں پر اپنی ذات سے خارج کر دیئے جاتے تھے،وہ اسلام کی برادری میں داخل ہوتے گئے، بہت سے لوگ اپنے بچوں کو غربت کی وجہ سے عربوں کے ہاتھ فروخت کر دیتے تھے،وہ ان کو لے کر اسلام کی تربیت دیتے اور اپنی اولاد کی طرح پال کر جوان کرتے تھے،سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اسلام کی روحانی طاقت کی عجیب وغریب نشانیاں ان کی نگاہوں سے گذریں،جس نے ان کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔نیز علماء اور درویشوں نے اپنی روحانی کشش کے جلوے بھی دکھائے۔یہی باتیں سابق وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے بھی لکھیں ہیں۔

ہندوستان کے مشہور مؤرخ پنڈت سندر لال لکھتے ہیں کہ اسلام کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس نے کسی خاص کشش اور جدوجہد کے بغیر بہت مختصر عرصے میں دنیا کے بیشتر حصہ کا احاطہ کر لیا تھا، یہ خیال بالکل غلط ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا، کیوں کہ دنیا کی تاریخ میں کوئی مذہب بھی بزور شمشیر نہیں پھیل سکا ہے، اور ایسی حالت میں جبکہ اسلام کا جنم انتہائی بے

سروسامانی کے عالم میں ہوا ہے،اوراس کا کوئی ساتھی اور مددگار نہیں تھا،تو بھلا اس کے فروغ کیلئے اس کے حق میں تلوار چلانے والا کون تھا؟اصل بات یہ ہے کہ اسلام میں جاذبیت اور کشش ہی کچھ ایسی ہے کہ یہ خودبخود انسانوں کے دل میں گھر کرتا چلا جاتا ہے، ہندوستان میں صدیوں تک مسلمانوں کی حکومت قائم رہی ہے؛لیکن کسی مسلمان خاندان کے دورحکومت میں اس ملک میں تبلیغ اسلام کی طرف معمولی توجہ بھی صرف نہیں کی گئی،اس کے باوجوداس ملک میں کروڑوں مسلمان ہیں ، جولوگ اپنے شجرہ نسب باہر سے آئے ہوئے مسلمانوں سے ملا سکتے ہیں ان کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے۔

ہندوستان کا سب سے پہلا باقاعدہ مسلم بادشاہ قطب الدین ایبک قطب مینار کے پہلے منزلہ پر **لا اکراہ فی الدین**۔(بقرہ:۲۵۶)(دین کے اختیار کرنے میں کوئی جبر نہیں) یہ آیت لکھوا کر روز اول سے مسلمانوں کی مذہبی رواداری کا اعلان کر چکا ہے،لہٰذا جب تک قطب مینار رہے گا،اوران شاءاللہ تاقیامت رہے گا،مسلمانوں کی رواداری کا بہ بانگ دہل اعلان کرتا رہے گا،اس کے ساتھ یہ بھی تاریخ کا ایک عجوبہ ہی ہے کہ بھارت جیسے ذات پات والے ملک کا پہلا مسلم بادشاہ ایک غلام تھا،جس نے ثابت کردیا کہ مسلم سماج مساوات اور بھائی چارگی کا عملی درس دیتے ہوئے ذاتی صلاحیت کی وجہ سے غلام کو بھی بادشاہ کے منصب پر قبول کرسکتا ہے، بلکہ پورا خاندان ہی بادشاہ بنادیا گیا، جو خاندان غلامان سے مشہور ہوا۔اس کے مقابلے میں آزاد بھارت میں آج تک کسی دلت کو وزیراعظم کے عہدہ پر قبول نہیں کیا گیا ہے۔

جہاں تک ملک کی حفاظت اوراس سے وفاداری کا تعلق ہے،تو ہم ان تمام ہندو بھائیوں کواس ظلم کے خلاف صف آراء ہونے کی دعوت دیتے ہیں جو سیکولرزم اور قومی یک جہتی پر اعتماد رکھتے ہیں ، ہم سب مل کر اس فرقہ پرستی کا مقابلہ کریں ، جو ملک کو تباہ و برباد کرنے پر تلی ہوئی ہے۔جس نے دنیا کے صنعتی اور ترقی یافتہ ملکوں کے سامنے ہماری ناک کٹادی ہے،اس معاملہ میں ہم سے زیادہ ملک کا کوئی وفادار نہیں ،ہم علی الاعلان ’’ڈنکے کی چوٹ‘‘ کہتے ہیں کہ

ہمارے اسلاف اس ملک میں کوئی حصہ رسد بٹانے نہیں آئے، دولت سے بھرے ہوئے اور سرسبز ملکوں کو چھوڑ کر ہندوستان کی دولت میں حصہ لگانے نہیں آئے تھے، بلکہ ہم اس ملک میں ایک مشن، ایک خدمت اور ایک پیغام یعنی پیام انسانیت لے کر آئے تھے، ہم یہاں رہنے آئے تھے، جانے کے لئے نہیں آئے تھے، ہمارے ساتھ اس ملک کی ایک تاریخ ہے، ہم نے ۸۰۰ / برس تک اس ملک میں کامیاب حکومت کی ہے، یہ ملک ٹکڑوں میں بٹا ہوا تھا، ایک دوسرے سے دست وگریباں تھے، ہم نے ملک کے شمال وجنوب اور مشرق ومغرب کو ایک کیا، ٹکڑوں میں بٹے ہوئے اس ملک کو ایک مضبوط اور مستحکم انتظامیہ اور وسیع مرکزی حکومت کے ماتحت کر کے، اکھنڈ بھارت کا خواب شرمندۂ تعبیر کیا۔ ہمارے ۸۰۰ سالہ دور حکومت میں فرقہ وارانہ فساد کا صرف دو مرتبہ ذکر آتا ہے، وہ بھی جب ہماری گرفت کمزور ہوگئی، اور طوائف الملوکی کا دور شروع ہوا، تو فرّخ سیر کے زمانہ میں احمد آباد اور کشمیر میں ہوا، دونوں جگہ تحقیق کے بعد مجرموں کو سزا دی گئی، جبکہ آپ کے ۲۰ سالہ دور میں ۲۰ ہزار فرقہ وارانہ فساد ہوئے، جس میں لاکھوں کی جانیں تلف ہوئی، کھربوں روپیوں کا نقصان ہوا، ملک کی شاخ ختم ہوگئی، روزانہ بند اور فسادات سے ملک کو کھربوں روپیہ کا اقتصادی نقصان ہو رہا ہے، مفلسی، بیکاری، مہنگائی اور غیر ملکی قرضہ میں اضافہ اس وقت کے سب سے بڑے مسئلے ہیں، ملک کو ہم اسی طرح ۲۱ ویں صدی میں لے جائیں گے؟ ہر گز نہیں، لہٰذا آیئے ہم سب ملک کو بچائیں ورنہ

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے ہندوستاں والو * تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

ہم لوگ مسلمان ہیں بھارت کے وفادار:

مجھے آپ کے سامنے اس وقت کے جو حالات ہیں اس کی روشنی میں گفتگو کرنی ہے، ملک کی ستر سالہ تاریخ میں آزادی کے بعد سے لے کر اب تک مسلمانوں کے ساتھ بے وفائیاں یا مسلمانوں کو شکوک کی نگاہوں سے دیکھا گیا، بہت سارے تجربے کرنے کے بعد ان کو معلوم ہوا ہے کہ ہم سے زیادہ وفاداری ان لوگوں کے دلوں میں ہے اور ہم سے زیادہ یہ لوگ

اس ملک کو چاہنے والے ہیں، ہم سے زیادہ انسانیت اور غریبوں کی ہمدردی کرنے والے ہیں، یہ ساری چیزیں ان کے سامنے ہیں، یہ ہندوستان کی تاریخ کا پہلا موڑ ہے،اور یہ گذشتہ تین چار مہینوں سے ایک نیا رخ ملک کا ہے۔

دہلی فسادات کا راز کیا ہے؟

دوستو اور بزرگو! یہ ایک ایسا رخ ہے جو اس وقت کی باطل طاقتیں ہیں جنہوں نے ملک کی تقسیم کے موقع پر تقسیم کرنے میں بڑا رول ادا کیا اور اس کے بعد بھی آزادی میں جن کا کوئی حصہ نہیں، جو انگریزوں کے ساتھ ملے ہوئے تھے،انہوں نے دیکھا کہ ۸۰،۹۰ سال تک جو محنتیں ہورہی ہیں اور مسلمان کو الگ کر کے ہندو مسلم کی تقسیم کر کے اس ملک کی سیاسی جال ہم بچھائے ہوئے ہیں، یہ پہلا موقع ہے گزشتہ تین چار مہینوں سے جس کا آغاز ہوا ہے،سی اے اے اور این آر سی اور کسان آندولن کے عنوان پر ملک بھر کے ہندو اور مسلمان ایک ہو چکے ہیں، یہ اسی (۸۰) سالہ محنت جس کے اوپر پانی پھرتا ہوا ان کو نظر آرہا ہے۔دہلی کے فسادات یہ اس کا ری ایکشن ہے،اس لیے اس سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، جب ظالم کی مراد پوری نہیں ہوتی ہے،تو یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے ظلم اور فساد کو اور آگے کرتا ہے۔فرعون نے موسیٰؑ کی پیدائش سے پہلے بھی ظلم کیا ،اور سیدنا موسیٰؑ کی پیدائش کے بعد اور زیادہ ظلم کرنے لگا،اس لیے یہ ایک ہنگامی کیفیت ہے۔ان کے ظلم کا لاوا اور جو اسکیمیں ان کی ہیں وہ فیل ہوتی جارہی ہے،جس کی بنیاد پر وہ آگ بگولہ ہوئے ہیں، اور خاص کر کے دہلی کے الیکشن میں جس میں پورے ملک کی سر جوڑ کر کوششیں ایک شہر میں کی گئیں،شہر تو بڑا ہے؛لیکن ریاست کے اعتبار سے ایک چھوٹا سا علاقہ ہے ہندوستان میں اتنی بڑی آبادی کے مقابلہ میں،لیکن پورے ملک کی باطل قوتوں نے ساری محنتیں کیں ، مذہب کے لوگوں کے پاس سے حلفیہ قسمیں لی گئیں،مختلف ہندو جو مختلف بھگوان کو مانتے ہیں؛ ان کے نام کی قسمیں لے کر ان لوگوں کے پاس گئے اور ان کو وعدہ کیا؛ لیکن جب الیکشن کا رزلٹ آیا ان کی سوچ کے خلاف، یعنی ہندوستان کے دہلی شہر

جو ۷۴ میں بھی جلا تھا، ۸۴ میں بھی جس پر حالات آئے اندرا گاندھی کے قتل ہونے پر اور پھر اس وقت جو آئے؛ لیکن یہ سارے حالات کو ہمیں فرق کے ساتھ سمجھنا ہے کہ کس کس طرح سے فرق ہے؟ اس وقت علماء کی قیادت سامنے نہیں آرہی ہے، ملک کی آزادی کے لیے تو علماء سب سے آگے تھے، اس لیے کہ غیر ملکی طاقت تھی، اس کا مقابلہ کرنا تھا، اس لیے سب مل کر ساتھ رہے؛ علماء سب سے آگے تھے، لیکن اس وقت اس مسئلہ کو ہندو مسلم بنانا نہیں ہے، اس مسئلہ کو سیکولر بنانا ہے، اس ملک کے دستور (સંવિધાન) کو بچانے کے لیے سب کچھ ہو رہا ہے، اس لیے ہندوؤں کا ایک بڑا پڑھا لکھا طبقہ حتیٰ کہ BJP کے ہی کچھ لوگ راضی تو ہے؛ لیکن قبول نہیں کر رہے ہیں، وہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم نے اس ملک میں پہلے الیکشن کے پانچ سال میں کچھ نہیں کیا اور ابھی بھی کچھ نہیں کر رہے ہیں، ملک کے مسئلے اتنے سلگے ہوئے ہیں کہ جن کا حل کرنا ان کی سمجھ سے باہر ہے، اس لیے کہ سوچ ہی ان کی صرف اپنے لیے ہے، پورے ملک کے باشندوں کی ان کو فکر نہیں ہے۔

سیدنا امیر المؤمنین حضرت عمرؓ اور مخلوق کا درد:

جب کہ اسلام نے یہ تعلیم دی ہے، سیدنا امیر المؤمنین حضرت عمر ابن خطابؓ فرماتے ہیں کہ دریائے دجلہ کے اس کنارے (آپ مدینہ منورہ میں ہیں اور یہ عراق ہے اور دجلہ اور فرات وہاں کے دریا ہیں، ندیاں ہیں، آپ فرماتے ہیں کہ اگر دریائے دجلہ کے اس کنارے پر کوئی ایک بھی بھوکا مرے گا، کل قیامت کے دن اللہ پاک عمر سے پوچھیں گے کہ تمہاری حکومت میں فلاں کو تکلیف کیوں پہنچی؟ یہ ان کا حال تھا۔

قصہ مشہور ہے حضرت عمرؓ کا کہ ایک عورت اپنے گھر میں ہے، دردزہ کی تکلیف میں ہے، بچہ پیدا ہوا ہے پریشان ہے، آپ رات کو گشت لگا رہے ہیں اور آپ نے دیکھا کہ ایک عورت اس طرح کی تکلیف میں ہے، آپ گھر گئے اور اپنی اہلیہ کو بلا لائے، (البدایة والنهایة: ۱۰/ ۱۸۶) امیر المؤمنین کی بیوی دایہ کا کام کر رہی ہے، یہ تو پوری تاریخ بھری پڑی ہے اس لیے

جب ہندوستان میں کانگریس کی ایک عارضی حکومت قائم ہوئی تھی انگریز کے دور میں ، اس وقت گاندھی جی نے کہا تھا کہ رام راجیَ اگر قائم کرنا ہے اس ملک میں تو ابوبکر اور عمر کی سیرت پڑھی جائے، مسلمانوں کے ان دو خلفاء کو دیکھا جائے کہ انہوں نے کس طریقہ سے اپنی حکومت کو عدل وانصاف کے پیمانہ پر قائم کیا۔

ہندو مسلم اتحاد:

اس لیے اس وقت ملک میں یہ ایک نئی حرکت سامنے آرہی ہے، اس لیے علماء کرام سامنے نہیں آرہے ہیں، وہ سمجھ رہے ہیں کہ اگر ہم آئیں گے تو ہندو مسلم مسئلہ ہوگا، تو ہمارا وہ نوجوان طبقہ جو کالج اور یونیورسٹی میں ہے یہ آگے بڑھے، ہماری مسلم نوجوان لڑکیاں آگے بڑھیں اور غیر مسلم لڑکوں لڑکیوں کو ساتھ لے کر اس ملک کے اندر گذشتہ تین مہینوں سے ایک ایسی چیز شروع کی کہ جس نے ہندو اور مسلمان کو ایک دوسرے سے قریب کردیا، ان کی سمجھ میں آیا کہ یہ بے وقوفی والا کام ہمارے پاس کروار ہے ہیں، یہ ہمیں الو بنارہے ہیں، یہ ہمارے بنیادی مسائل حل نہیں کرر ہے ہیں۔

ایمان والوں کی آزمائش ضرور ہوگی:

دوستو اور بزرگو! جس قسم کے حالات پیش آئے یقیناً ظلم اور تشدد بہت ہوا ہے، مسلمانوں کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ نہیں ہے، ہزاروں واقعات اور اسپین کی پوری تاریخ بھری پڑی ہے ہمارے ساتھ اس طرح کے حالات آتے رہے ہیں، اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ يُّتۡرَكُوۡۤا اَنۡ يَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَهُمۡ لَا يُفۡتَنُوۡنَ۝۲ (عنکبوت) ہم ایمان لے آئے ہیں آزمائش نہیں ہوگی؟ یقیناً ہوگی اور آگے ہے، وَلَقَدۡ فَتَنَّا الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَلَيَعۡلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ صَدَقُوۡا وَلَيَعۡلَمَنَّ الۡكٰذِبِيۡنَ۝۳ اللہ پاک نے تم سے پہلے لوگوں کی بھی آزمائش کی۔ (عنکبوت:۳) لیکن ہمیں احتیاط اور سوجھ بوجھ کے ساتھ حکمت سے کام لینا ہے۔

غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک:

میں نے آپ کے سامنے قرآن کریم کی ایک آیت تلاوت کی جس میں اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں: لَا یَنْھٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَیْھِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۝۸ (ممتحنہ:۸) جن لوگوں نے دین کے معاملہ میں تمہارے ساتھ لڑائی نہیں کی اور تمہیں اپنے گھروں سے نہیں نکالا، اللہ پاک نہیں روکتے ہیں کہ تم ان کے ساتھ حسن سلوک کرو، اچھا معاملہ کرو، انصاف سے کام لو۔ اللہ پاک نہیں روکتے ہیں یعنی اللہ پاک فرماتے ہیں کہ ان کے ساتھ احسان کر سکتے ہو، ان کے ساتھ اچھا سلوک اور انصاف کا معاملہ کر سکتے ہو، اللہ پاک انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں، آگے فرمایا: اِنَّمَا یَنْھٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ وَظٰھَرُوْا عَلٰٓی اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْھُمْ ۚ وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ فَاُولٰٓئِكَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۹ (ممتحنہ:۹) جو لوگ تمہارے دین کی نسبت پر تم سے لڑائی کرتے ہیں اور تمہیں اپنے گھروں سے نکالتے ہیں، اللہ پاک ان کے ساتھ تعلق رکھنے سے تمہیں منع فرماتے ہیں، یہ اصول قرآن نے ہمیں بتلایا کہ غیر مسلمین سب ایک قسم کے نہیں ہوتے ہیں، قرآن کریم نے یہودیوں کی مختلف برائیوں کو ذکر کیا؛ لیکن اچھائیوں کو بھی قرآن نے ذکر فرمایا، مِنْھُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۭ وَكَثِیْرٌ مِّنْھُمْ سَاۗءَ مَا یَعْمَلُوْنَ ۝۶۶ (مائدہ:۶۶) کہ ان میں ایک جماعت ایسی ہے جو معتدل ہے، جو درمیانی والی ہے، جو اچھی چیزوں کا شعور رکھتی ہے، سمجھ بوجھ رکھتی ہے، تو ہمیں بھی ان آیات میں بتلایا۔

اس کے ساتھ مزید ہمارے لیے ضرورت ہے شعور سے کام لے کر ان چیزوں کو ہم سمجھیں کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ اور غیر مسلمین دوستوں سے تعلقات قائم کر کے ان کو سمجھانے کی کوشش کریں۔ اتنا بڑا ملک ۲۰ کروڑ مسلمان ۲۵ کروڑ مسلمان کہیں جانے والے نہیں ہے اور اتنی بڑی تعداد ان کے ساتھ دوسرے غیر مسلمین کی ہے جو اس ملک میں برسوں سے ساتھ رہ

رہے ہیں،اس کے بغیر ایک دوسرے کو کہیں چارہ نہیں ہے، ہم کہیں جانے والے نہیں، کہیں کے ہے نہیں! یہیں کے ہیں، ہم اس ملک کے باشندے ہیں،ہم اسی سرزمین کے ہیں ، ہمارے آباء واجداد نے کسی زمانہ میں اسلام کے عدل وانصاف اور اسلام کی مساوات کی دعوت کو دیکھا،انہوں نے اسلام کو قبول کیا،اور ہم نے بھی اس ملک کا باشندہ ہونے کے ساتھ دین کو قبول کیا۔ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد نے فرمایا میں ایک مسلمان ہوں مجھے اس پر فخر ہے،اس کے ساتھ مجھے اس بات پر بھی فخر ہے کہ میں اس ملک کا باشندہ ہوں، ہندوستانی ہوں، اس لیے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

سخت ترین حالات میں رجوع الی اللہ:

دوستو اور بزرگو! ان حالات میں ایک طرف تو اسباب کو اختیار کرنا ہے اور دوسری طرف ہم اللہ کے وہ بندے ہیں جن کے ساتھ اللہ پاک کا معاملہ دوسری قوموں کے مقابلہ میں الگ ہے، قرآن کریم میں مسلمانوں کے حالات میں اتار چڑھاؤ بتلایا، اس لیے آج ہمارا مسلمان ان حالات کے باوجود مسجد کی طرف رخ نہیں کرتا، اللہ پاک کو راضی کرنے کی کوشش نہیں کر رہا ہے، اسباب کا اسباب سے مقابلہ ہوگا تو سبب ہی غالب آئے گا، لیکن جب خود اسباب پیدا کرنے والی ذات سے تعلق ہوگا تو پھر اسباب شکست کھائیں گے اور اسی کے بندے کامیاب ہوں گے، اس لیے ضرورت ہے ہم اپنے بھائیوں کو مسجد تک لائیں، اپنے روٹھے ہوئے رب کو راضی کرنے کی کوشش کریں، اسی کے ساتھ گجرات کے کھنبھات میں بھی جو حالات ہیں مسلمانوں کا جانی و مالی جو نقصان ہوا ہے، ہمارا فرض بنتا ہے کہ جس طریقے سے ہو سکے ہم وہاں تک ان کی مدد کرنے کی کوشش کریں۔

غیر مسلم بادشاہ کا عدل وانصاف:

اور ہم حکومت سے بھی عرض کریں کہ یہی کھنبھات ہے، جب اسلام اس ملک میں آیا تھا لیکن مسلمان بادشاہ نہیں تھے، سدھ راج جی سینھ نے یہاں میں پہلے کہہ چکا ہوں اس قصہ کو

کھنبھات کی مسجد کے مناروں کو توڑا گیا آج سے ایک ہزار سال پہلے، مسلمانوں نے اس وقت سدھ راج جی سینھ جو پٹن کے راجا تھے، گجرات کا کیپٹل اس وقت پٹن (પાટણ) تھا، وہاں گئے اور وہاں جا کر شکایت کی، سدھ راج جی سینھ یہاں آئے اور آ کر انصاف کیا اور جتنا نقصان ہوا اس کی تلافی کی، ہم اس ملک کے اس صوبہ کے وزیر اعلیٰ سے کہیں گے کہ آپ ہی کے ملک کے آپ ہی کے صوبہ کے ایک راجا نے اس طریقے سے اس ملک میں انصاف قائم کیا تھا، تو ان کی ریاست کے اندر مسلمان چین اور سکون سے رہتے تھے، آپ سے بھی یہی گذارش ہے کہ اگر آپ اپنے آپ کو اس صوبہ کا وزیر اعلیٰ سمجھتے ہیں، آپ کی ذمہ داری ہے کہ صوبہ کے باشندوں کو تقسیم کئے بغیر جس پر جو کچھ زیادتی ہوئی ہو اس کی تلافی حکومت کے خزانوں سے کی جائے، حکومت کی طرف سے ان کی مدد کی جائے، ذمہ داری حکومت کی تھی، اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو اس کی سمجھ عطا فرمائے اور ہمیں اللہ پاک اپنی طرف متوجہ فرمائے آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(۱۴)

وسیم رضوی کی بکواس کے جوابات

(گارڈن مسجد، بھروچ)

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین. قال اللہ تبارك وتعالیٰ فی الکلام المجید والفرقان الحمید.

أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ○ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ○

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ ۙ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ ۚ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ۖ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۱۵﴾ (یونس:۱۵)

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ﴿۴۴﴾ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ﴿۴۵﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ﴿۴۶﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ﴿۴۷﴾ (حاقہ:۴۴-۴۷)

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ﴿۱﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ﴿۲﴾ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ﴿۳﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ﴿۴﴾ (نجم:۱-۴)

صدق اللہ العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علیٰ ذلک لمن الشاھدین والشاکرین والحمدللہ رب العالمین.

واقعۂ معراج کے لطائف:

محترم ومکرم حضرات علماء کرام اور ایمان والے بھائیو! یہ رجب المرجب کا مہینہ ہے، شروع میں ایک جمعہ کو آپ کے سامنے کچھ باتیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معراج کے متعلق ذکر کیں،

آج اتفاق سے ۲۷ ویں رجب ہے،اور مختلف اقوال میں سے جو زیادہ صحیح قول حضرات محدثین نے اور سیرت کے لکھنے والے علماء کرام نے لکھا ہے وہ ۲۷ ویں رجب ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج کن حالات میں پیش آئی اس کے متعلق آپ سے میں عرض کر چکا ہوں کہ مکہ مکرمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور جناب ابو طالب کے انتقال کے بعد مکہ مکرمہ میں رہنا دوبھر ہوگیا، اس سال کا نام اسلامی تاریخ میں عام الحزن یعنی غم و پریشانی والا سال سمجھا جاتا تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف تشریف لے گئے، وہاں بھی حالات پیش آئے، اور پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اوپر بلایا، یہ بتلایا کہ اگر دنیا والے آپ کی قدر نہیں کرتے ہیں تو اس سے آپ کی قدر میں کوئی فرق نہیں پڑتا، ہمارے یہاں آپ کا بڑا مقام ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ① (اسراء) یہ تو معراج کا ذکر ہے ۱۵ ویں پارہ میں، اور آپ کے سامنے سورۂ نجم کی جو آیتیں پڑھیں، پہلا اسریٰ کا ذکر ہے جو مکہ سے بیت المقدس تک کا سفر ہے اور سورۂ نجم میں اس کے بعد کا سفر ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت المقدس سے آسمانوں پر تشریف لے گئے اور وہاں جو واقعات اور جو حالات پیش آئے، جنت اور جہنم کے مناظر دیکھے، زکوٰۃ نہ ادا کرنے والے گنہگار کی سزا دیکھی، نماز میں سستی کرنے والوں کی سزائیں دیکھی، بداعمالیوں کی مختلف سزاؤں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا، سود کھانے والوں کے سلسلہ میں آپ نے ساری سزاؤں کے مناظر کو دیکھا، یہ تمام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلندیاں تھی، انسانوں نے نہیں سنا تو جناتوں کو کھڑا کیا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کو سننے کے لیے تشریف لائے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اطلاع دی قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ① (جن) ان واقعات سے یہ ضابطہ اللہ پاک کا معلوم ہوتا ہے کہ جب قوموں پر اور خاص کر کے ایمان والوں پر جب حالات آتے ہیں، ناخوشگواریاں ہوتی ہے، تو اللہ پاک کا غیبی نظام طاقت ور ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کا

بہترین انتظام فرماتے ہیں، یہ معراج کا واقعہ ہمیں سب سے بڑا سبق یہی دے رہا ہے کہ دین کے لیے قربانیاں انبیاء کرام علیہم السلام نے دی تو اللہ پاک نے مختلف معجزات سے ان کو نوازا اور اسی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معجزہ بھی (معراج والا) اللہ کی طرف سے وجود میں آیا۔

نماز کی فضیلت واہمیت:

دوستو اور بزرگو! ہم جن حالات سے گزر رہے ہیں یہ سارے حالات اور سارے واقعات اسی کی طرف اشارہ کررہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ پاک نے معراج نصیب فرمائی، جسم اور روح کے ساتھ آپ کو آسمان پر بلایا، یہ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معراج ہے اور ایمان والوں کی معراج اللہ پاک نے نماز میں رکھی، یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود فرماتے ہیں،''قرۃ عینی فی الصلوٰۃ'' (سنن نسائی: کتاب عشرۃ النساء، باب حب النساء) نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ پاک نے جس طرح ظاہری اور باطنی بلندیاں نصیب فرمائی، نماز ایک ایسی عبادت ہے کہ اس کو اللہ پاک نے زمین پر فرض نہیں فرمایا بلکہ آسمان پر بلا کر یہ ہدیہ دیا ہے، اس لیے تمام عبادتوں میں سب سے بڑی عبادت جو نماز ہے اس کو یہ شان اور فضیلت حاصل ہے۔

تین تحائف:

اللہ پاک نے تین بڑے انعام معراج میں نصیب فرمائے، اس میں سب سے پہلے پانچ نماز ہے، اور اس کے ساتھ سورۂ بقرہ کی آخری وہ دعائیں اور آیتیں جو آمن الرسول سے شروع ہوتی ہے اور''ربنا ربنا'' کے ذریعہ بندہ مانگتا ہے، تو نماز عطا فرمائی اور دعا عطا فرمائی اور تیسری چیز میری امت میں سے جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائے گا آپ نے فرمایا اس کے لیے جنت کی خوش خبری اور بشارت ہے، یہ تین چیزیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ پاک کی طرف سے ملی۔

(مسلم: کتاب الإیمان، باب: في ذکر سدرۃ المنتھی)

سورۂ نجم میں اللہ پاک فرماتے ہیں وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۝۱ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝۲ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝۳ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝۴ (نجم: ۱-۴) کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو

چیزیں ذکر فرماتے ہیں، چاہے معراج کا قصہ ہو، چاہے قرآن کریم کی آیات اورا حکامات ہو، یہ آپ کی طرف سے نہیں ہوتا ہے اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی ؕ یہ صرف اللہ پاک کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے۔

قرآن کریم اور تین خلفائے راشدین کی شان میں گستاخی:

آپ کے سامنے میں نے قرآن کریم کی اور دو آیات کی تلاوت کی ،آپ جانتے ہیں گزشتہ کل ایک مسلمان نام رکھنے والے نے شیعہ برادری سے جس کا تعلق ہے، وسیم رضوی، اس نے سپریم کورٹ میں عرضی (Petition) داخل کی اپنے وکیل کی معرفت سے اوراس نے یہ لکھا کہ نعوذ باللہ قرآن کریم میں ۲۴ آیتیں ایسی ہیں جو ہندوستان کے سیکولر نظام کے خلاف ہے،ایک قوم کو دوسری قوم کے خلاف ور غلاتی ہے۔اس سے پہلے چاندمل چوپڑا نے ۱۹۸۵ یا ۱۹۸۶ میں کلکتہ ہائی کورٹ میں ان ہی آیتوں کے خلاف عرضی داخل کی تھی ،اور کلکتہ ہائی کورٹ نے اس کو رد کر دی تھی کہ مذہبی کتابوں کے متعلق اس طرح کی کوئی درخواست اور عرضی ہندوستان کے ضابطہ اور اصول کے مطابق کورٹ کے دائرۂ کار میں نہیں آتی ہے۔

اس نے یہ کہا کہ نعوذ باللہ یہ جو ۲۴ آیات ہیں، یہ قرآن کی آیات نہیں ہے، یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد تین خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ ، حضرت عمر فاروق ؓ ، اور حضرت عثمان ؓ ان تینوں نے اپنی طرف سے قرآن میں ملا دی ہے،اوراس کے ذریعہ اسلام کو دنیا میں نافذ کرنے کی کوشش کی، یہ شرارت اس نے اپنی عرضی میں کی۔

قرآن کریم میں کسی قسم کی تبدیلی ہرگز ممکن نہیں:

آپ کے سامنے میں نے قرآن کریم کی جن آیات کی تلاوت کی اس میں اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتے ہیں وَاِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ جب مکہ کے مشرکین کے سامنے اللہ تعالیٰ کی واضح آیات کی تلاوت کی جاتی وَاِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِیۡنَ اس موقع پر وہ لوگ جو ہم سے ملاقات کی امید نہیں کرتے یعنی وہ لوگ جو آخرت کا تصور نہیں

کرتے، مرنے کے بعد حساب و کتاب کا یقین نہیں رکھتے، یہ لوگ کیا کہتے ہیں ائۡتِ بِقُرۡاٰنٍ غَیۡرِ ھٰذَاۤ کہ اس قرآن کے علاوہ دوسرا قرآن لائیے، اَوۡ بَدِّلۡهُ یا اسی قرآن میں کچھ چیزوں کو بدل دیجیے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مکہ کے مشرکین یہ درخواست جب قرآن نازل ہوا اس وقت کر چکے تھے، قُلۡ مَا یَکُوۡنُ لِیۡۤ اَنۡ اُبَدِّلَهٗ مِنۡ تِلۡقَآیِٔ نَفۡسِیۡ اس کے جواب میں اللہ پاک فرماتے ہیں "قل" یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حکم ہے کہ یہ پورا قرآن میری طرف سے نہیں ہے، قُلۡ مَا یَکُوۡنُ لِیۡۤ اَنۡ اُبَدِّلَهٗ مِنۡ تِلۡقَآیِٔ نَفۡسِیۡ اس لیے میں اپنی طرف سے اس قرآن میں کوئی رد و بدل نہیں کرسکتا، ایک تو یہ ہوتا کہ حضور خود فرماتے مشرکین سے، مجھے اختیار نہیں، یہاں اللہ پاک فرماتے ہیں: آپ کہہ دیجئے مکہ والو! کہ تمہیں جو توحید کی آیتیں عجیب لگتی ہے، یہ میری طرف سے نہیں ہے، یہ اللہ پاک کی طرف سے ہے اور مجھے یہ کہا گیا کہ میں تم سے کہوں کہ مجھے یہ اختیار نہیں ہے کہ میں اپنی طرف سے اللہ کے کلام میں کچھ تبدیلی کروں اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ جو اللہ پاک کی طرف سے میرے اوپر قرآن اترتا ہے؛ اس کی میں پیروی کرتا ہوں، اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ ایک تو صاف کہہ دیا کہ میں بدل نہیں سکتا اور پھر یہ بھی بتلا دیا کہ مجھے خود پابند بنایا ہے کہ مجھ پر جو قرآن نازل ہو؛ میں اس میں ذرہ برابر اپنی طرف سے تبدیلی نہیں کرسکتا، بلکہ اس قرآن کی پیروی ہی کا مجھے اللہ پاک کا حکم ہے، اِنِّیۡۤ اَخَافُ اِنۡ عَصَیۡتُ رَبِّیۡ عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ ﴿۱۵﴾ (یونس:۱۵) اگر میں اللہ کے اس حکم کے خلاف اپنی طرف سے کسی چیز کو آگے پیچھے کر دوں تو میں اللہ پاک کی طرف سے بہت بڑے عذاب کا خوف محسوس کرتا ہوں، یہ اللہ پاک اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہیں کہ آپ ان کو یہ کہہ دیجیے۔

دوسری آیت میں اللہ پاک نے مشرکین ہی کے جواب میں فرمایا جب انہوں نے یہ کہا کہ نعوذ باللہ یہ قرآن کریم تو اللہ پاک کا کلام نہیں ہے، یہ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے، تو اس کے دو قسم کے جواب دیئے ہیں اللہ پاک نے، ایک تو فرمایا کہ اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ قرآن کو اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے تو لائیے کوئی ایک سورت، دس آیات، ایک

آیت، ترتیب سے اللہ پاک نے فرمایا اور آگے فرمادیا قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ﴿۸۸﴾ (اسراء: ۸۸) اگر چہ ایک دوسرے کی مدد کرے؛ لیکن قرآن کے مقابلہ میں ایک آیت اور ایک سورت کوئی پیش نہیں کرسکتا، آج تک یہ قرآن کا چیلنج ہے، جب قرآن مشرکین سے یہ کہہ رہا ہے تو نعوذ باللہ ابوبکر، عمر اور عثمان نے کیسے گھڑلیا! یہ حضرات تو جامع القرآن ہے، ان کے صدقہ میں صحیح سالم قرآن ہمیں ملا ہے، حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حضرت عمرؓ نے مشورہ دیا جب ۷۰ قاریوں کی ایک جماعت شہید ہوگئی جہاد میں، حضرت عمر کو خطرہ محسوس ہوا کہ یہ قراء حضرات کی ایک بڑی تعداد شہید ہوجائے گی، تو قرآن کریم جو زبانی یاد ہے اس کا کیا ہوگا؟ اس لیے اس کو تحریری شکل میں لایا جائے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں تحریر ہو ہی چکی تھی۔

دور صدیقی میں جمع قرآن:

دوستو اور بزرگو! یہ سب باتیں مجھے اس لیے کہنی پڑ رہی ہے کہ مسلمان دنیا بھر کی چیزیں جانتے ہیں لیکن اپنے پاک کلام کے نازل ہونے کی جو پوری اسلامی تاریخ ہے، اس کو ہم نہیں جانتے، اس لیے جب اس نے یہ اشکال کیا تو بہت سے لوگوں کو عجیب وغریب قسم کے وساوس آئے حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے عرض کیا کہ قرآن کریم کو تحریر میں لایا جائے، تو حضرت ابوبکر نے کہا کہ ایسی چیز جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکمل نہیں فرمائی؛ میں کیسے کروں؟ لیکن باربار حضرت عمر کہتے رہے تو حضرت ابوبکر فرماتے ہیں کہ میرے دل میں بھی اللہ پاک نے اطمینان دے دیا، پھر کاتب وحی حضرت زید بن ثابتؓ کو بلایا گیا، حضرت ابوبکرؓ نے ان سے کہا تو انہوں نے بھی یہ کہا کہ میں یہ کیسے کام کرسکتا ہوں جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں فرمایا، اس کے بعد حضرت ابوبکر نے ان کو سمجھایا، اور حضرت زید فرماتے ہیں میرے دل میں اطمینان ہوگیا اور پھر قرآن کریم کی جن جن لوگوں کے پاس تحریری شکل میں آیتیں تھیں ان سب کو ملایا گیا، گواہوں کی موجودگی میں ان سے یہ آیتیں لی گئیں اور دو آیتیں ایسی تھی جو ایک

ایک صحابی کے پاس ملی ان سے بھی وہ لی گئی، یہ بخاری شریف کی روایت ہے (بخاری: کتاب التفسیر، سورۃ براءۃ، باب قولہ: لقد جاءکم رسول من انفسکم) حدیث شریف کی کتابوں میں یہ روایتیں موجود ہیں۔

قرآن کریم میں تبدیلی پیغمبر کے لیے بھی جائز نہیں:

خیر! اللہ پاک فرماتے ہیں تیسری آیت میں وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ﴿۴۴﴾ کہ اگر ہمارے حبیب ﷺ اپنی طرف سے اس قرآن میں کوئی چیز بڑھائے، وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ﴿۴۴﴾ کچھ چیزیں بھی اپنی طرف سے اس میں شامل کرلیں گے، لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ﴿۴۵﴾ تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑیں گے یا داہنے ہاتھ سے ان کو پکڑیں گے، یہ اشارہ ہے کہ ہم اپنی طرف سے سزا دیں گے، اس لیے آپ ﷺ پر تو یہ اشکال تھا کہ یہ لا رہے ہیں، اللہ پاک فرماتے ہیں کہ یہ نہیں لا رہے ہیں، ہم نے بھیجا ہے اور اگر یہ اس طرح سے کچھ کرتے جو تم سمجھ رہے ہو تو لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ﴿۴۵﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ﴿۴۶﴾ ہم ان کے ہاتھ کاٹتے اور ہم ان کو سخت سے سخت سزا دیتے، یہ آپ کو سزا دینے کے لیے نہیں فرمایا؛ بلکہ مشرکین کے جواب میں فرما کر قیامت تک کی انسانیت کو بتلایا کہ ہمارا کلام ایسا محفوظ ہے کہ نبی بھی اپنی طرف سے اچھے ارادہ سے بھی اگر تبدیلی کرنا چاہے تو بھی نہیں کرسکتے اور اگر وہ کرتے تو ہم ان پر یہ سخت سزا نازل کرتے، یہ ان آیات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا اور صاف اعلان فرمایا إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿۹﴾ ہم نے اس قرآن کو اتارا اور ہم ہی اس قرآن کریم کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

قرآن کریم کا چیلنج اور انسانی عجز (لبید بن ربیعہ و ابن المقفع):

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ دعویٰ کیا کہ قرآن کریم ایک آسمانی کتاب ہے، جو خدا تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کی رہنمائی کے لئے اتری ہے، تو بہت سے لوگوں نے اس کو نہیں مانا، انہوں نے کہا کہ یہ ایک انسانی تصنیف ہے نہ کہ خدائی تصنیف، اس کے جواب میں

قرآن کریم میں کہا گیا کہ اگر تم اپنے قول میں سچے ہوتو قرآن کریم کے مانند ایک کلام بنا کر لاؤ۔ (طور: ۳۴)

اسی کے ساتھ قرآن کریم نے مطلق لفظوں میں یہ اعلان کر دیا کہ اگر تمام انسان اور جن اس بات پر اکھٹا ہو جائیں کہ وہ قرآن جیسی کتاب لے آئیں تو وہ ہرگز نہ لاسکیں گے، چاہے وہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہو جائیں۔ **قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یأتوا بمثل هذا القرآن لا یأتون بمثله ولو کان بعضهم لبعض ظهیرا.** (الاسراء: ۸۸) بلکہ اس کے جیسی ایک سورہ ہی بنا کر دکھادیں۔

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فأتوا بسورة من مثله، وادعوا شهدائکم من دون الله ان کنتم صادقین۔ (بقرہ: ۲۳)

اپنے بندے پر اپنا جو کلام ہم نے اتارا ہے، اگر اس کے (کلام الٰہی ہونے کے) بارے میں تمہیں شبہ ہے تو اس کے جیسی ایک سورہ لکھ کر لے آؤ، اور خدا تعالیٰ کے سوا اپنے تمام شہداء کو بھی بلالو، اگر تم اپنے خیال میں سچے ہو۔

یہ حیرت انگیز دعوی ہے، جو ساری انسانی تاریخ میں کسی بھی مصنف نے نہیں کیا اور نہ بقید ہوش وحواس کوئی مصنف ایسا دعوی کرنے کی جرأت کرسکتا ہے؛ کیوں کہ کسی بھی انسان کے لئے ممکن نہیں ہے کہ وہ ایک ایسی کتاب لکھ دے جس کے ہم پایہ کتاب دوسرے انسان نہ لکھ سکتے ہوں، ہر انسانی تصنیف کے جواب میں اسی درجہ کی دوسری انسانی تصنیف تیار کی جاسکتی ہے، قرآن کریم کا یہ کہنا کہ وہ ایک ایسا کلام ہے کہ اس جیسا کلام انسانی ذہن تخلیق نہیں کرسکتا، اور ڈیڑھ ہزار برس تک کسی انسان کا اس پر قادر نہ ہونا، قطعی طور پر ثابت کر دیتا ہے کہ یہ ایک غیر انسانی کلام ہے، یہ خدائی منبع (Divine Origin) سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں، اور جو چیز خدائی منبع سے نکلی ہو اس کا جواب کون دے سکتا ہے۔

تاریخ میں چند مثالیں ملتی ہیں جب کہ اس چیلنج کو قبول کیا گیا، سب سے پہلا واقعہ لبید

بن ربیعہ کا ہے جو عربوں میں اپنے قوت کلام اور تیزیٔ طبع کے لئے مشہور تھا، اس نے جواب میں ایک نظم لکھی جو کعبہ کے پھاٹک پر آویزاں کی گئی، اور یہ ایک ایسا اعزاز تھا جو صرف کسی اعلی ترین شخص ہی کو ملتا تھا، اس واقعہ کے جلد ہی بعد کسی مسلمان نے قرآن کی ایک سورہ لکھ کر اس کے قریب آویزاں کردی، لبید (جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے) جب اگلے روز کعبہ کے دروازہ پر آئے اور سورہ کو پڑھا تو ابتدائی فقروں کے بعد ہی وہ غیر معمولی طور پر متأثر ہوئے اور اعلان کیا کہ بلاشبہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے، اور اس پر میں ایمان لاتا ہوں، (Mohammad the Holy Prophet, by H.G. Sarwar, p.448) حتی کہ عرب کا مشہور شاعر قرآن کریم کے ادب سے اس قدر متأثر ہوا کہ اس کی شاعری چھوٹ گئی، بعد میں ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے اشعار کی فرمائش کی تو انہوں نے جواب دیا:

”جب خدا تعالیٰ نے مجھے بقرہ اور آل عمران جیسا کلام دیا ہے تو اب شعر کہنا میرے لئے زیبا نہیں۔“

دوسرا واقعہ اس سے زیادہ عجیب جو ابن المقفع کا ہے، وہ یہ ہے کہ منکرین مذہب کی ایک جماعت نے یہ دیکھ کر کہ قرآن کریم لوگوں کو بڑی شدت سے متأثر کر رہا ہے، یہ طے کیا کہ اس کے جواب میں ایک کتاب تیار کی جائے، انہوں نے اس مقصد کے لئے ابن المقفع (م: ۷۲۷ء) سے رجوع کیا، جو اس زمانہ کا ایک زبردست عالم، بے مثال ادیب اور غیر معمولی ذہین وطباع آدمی تھا، ابن مقفع کو اپنے اوپر اتنا اعتماد تھا کہ وہ راضی ہوگیا، اس نے کہا کہ میں ایک سال میں یہ کام کردوں گا، البتہ اس نے یہ شرط لگائی کہ اس پوری مدت میں اس کی تمام ضروریات کا مکمل انتظام ہونا چاہئے؛ تاکہ وہ کامل یکسوئی کے ساتھ اپنے ذہن کو اپنے کام میں مرکوز رکھے۔

نصف مدت گذر گئی تو اس کے ساتھیوں نے یہ جاننا چاہا کہ اب تک کیا کام ہوا ہے، وہ جب اس کے پاس گئے تو انہوں نے اس کو اس حال میں پایا کہ وہ بیٹھا ہوا ہے، قلم اس کے ہاتھ

میں ہے، گہرے مطالعہ میں مستغرق ہے، اس مشہور ایرانی ادیب کے سامنے ایک سادہ کاغذ پڑا ہوا ہے، اس کی نشست کے پاس لکھ کر پھاڑے ہوئے کاغذات کا ایک انبار ہے اور اسی طرح سارے کمرہ میں کاغذات کا ڈھیر لگا ہوا ہے، اس انتہائی قابل اور فصیح اللسان شخص نے اپنی بہترین قوت صرف کر کے قرآن مجید کا جواب لکھنے کی کوشش کی؛ مگر وہ بری طرح ناکام رہا، اس نے پریشانی کے عالم میں اعتراف کیا کہ صرف ایک فقرہ لکھنے کی جدوجہد میں اس کے چھ مہینے گذر گئے؛ مگر وہ نہ لکھ سکا، چنانچہ ناامید و شرمندہ ہو کر وہ اس خدمت سے دست بردار ہو گیا۔

اس طرح قران کریم کا چیلنج بدستور آج تک قائم ہے اور صدیاں گذر گئیں؛ مگر کوئی اس کا جواب نہ دے سکا، قرآن کریم کی یہ ایک حیرت انگیز خصوصیت ہے جو بلاشبہ یہ ثابت کرتی ہے کہ یہ مافوق ہستی کا کلام ہے، اگر آدمی کے اندر فی الواقع سوچنے کی صلاحیت ہو تو یہی واقعہ ایمان لانے کے لئے کافی ہے۔

قرآن کریم کے اس معجزانہ کلام کا نتیجہ تھا کہ عرب کے لوگ جو فصاحت و بلاغت میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے، اور جن کو اپنے کلام کی برتری کا اتنا احساس تھا کہ عرب کے سوا بقیہ دنیا کو عجم (گونگا) کہتے تھے، وہ قرآن کریم کے کلام کے آگے جھکنے پر مجبور ہو گئے، تمام لوگوں کو اس کے شاندار ادب کا اعتراف کرنا پڑا، ضماد ازدی نام کے ایک عرب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، وہ ابھی اسلام نہیں لائے تھے، آپ نے انہیں قرآن کریم کا کچھ حصہ پڑھ کر سنایا، وہ سن کر حیران رہ گئے، ان کی زبان سے بے اختیار یہ فقرہ نکلا۔

”خدا کی قسم میں نے کاہنوں کی بولی، جادوگروں کے منتر اور شاعروں کے قصائد سنے ہیں، مگر تمہارا کلام کچھ اور ہی ہے، یہ سمندر تک میں اثر کر جائے گا۔ (مسلم: كتاب الجمعة، باب تخفيف الصلاة)

اس طرح کے بے شمار اعترافات ہیں جو قدیم تاریخ میں بھی موجود ہیں، اور حال کے واقعات میں بھی۔

جمع قرآن:

حضرت ابوبکرؓ کے دور خلافت میں ایک واقعہ پیش آیا کہ جنگ یمامہ میں قرآن کریم کے حفاظ کی ایک بڑی تعداد شہید ہوگئی، حضرت عمرؓ نے خدشہ محسوس کیا کہ کہیں اس طرح کی مزید جنگوں میں حفاظ کی بڑی تعداد شہید نہ ہو جائے؛ چنانچہ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ وہ امت کی اجتماعی تصدیق سے ایک نسخہ تیار کرائیں، حضرت ابوبکرؓ کو ابتداءً ایک ایسے کام کو انجام دینے میں تامل ہوا، جس کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا تھا مگر حضرت عمرؓ کے بار بار توجہ دلانے پر ان کو بھی اطمینان ہو گیا، اب اس اہم کام کے لئے کسی غیر معمولی صلاحیت کے حامل فرد کی ضرورت تھی؛ چنانچہ ان کی نظر انتخاب حضرت زید بن ثابتؓ پر پڑی؛ کیوں کہ وہ نوجوان سمجھدار، بااعتماد شخص تھے، حافظ قرآن بھی تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے وحی کی کتابت کا فریضہ بھی انجام دے چکے تھے، یہ کام اس قدر ذمہ داری کا متقاضی اور اتنی اہمیت کا حامل تھا کہ حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں: ''خدا کی قسم! اگر یہ حضرات مجھے کوئی پہاڑ ڈھالے کا حکم دیتے تو مجھ پر اس کا اتنا بوجھ نہ ہوتا، جتنا جمع قرآن کے کام کا ہوا'' **فو اللہ لو کلفنی نقل جبل من الجبال الخ** ''۔(بخاری: کتاب التفسیر، سورۃ براءۃ، لقد جاء کم رسول من أنفسکم)

اس مرحلہ میں جمع قرآن کی اہمیت اور اس سلسلے میں کئے جانے والے غیر معمولی اہتمام کا اندازہ اس طریق کار سے لگایا جاسکتا ہے، جو حضرت زید بن ثابتؓ نے اس موقع پر اختیار کیا، انہوں نے قرآن کا یہ نسخہ محض اپنے حفظ یا دیگر حفاظ صحابہ کی یادداشت کی بنیاد پر تیار نہیں کیا؛ بلکہ اس کے لئے ایک نہایت مشکل اور پیچیدہ؛ لیکن انتہائی باوثوق اور محفوظ طریقہ کا انتخاب کیا، ان کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اس وقت تک اپنے نسخے میں کوئی آیت درج نہیں کرتے تھے، جب تک اس کے متواتر ہونے کی تحریری اور زبانی دونوں شہادتیں نہ مل جاتیں، پھر وہ لکھی ہوئی آیات تب ہی قبول فرماتے تھے، جب اس تحریر کے سلسلے میں دو لوگ گواہی دے دیتے کہ یہ آیات آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگرانی میں لکھی گئی تھیں، پھر ان طریقوں سے اکٹھا کی ہوئی آیات کا

مقابلہ ان مجموعوں سے کیا جاتا تھا، جو مختلف صحابہؓ نے تیار کرر کھے تھے؛ چنانچہ تحقیق کے ان اعلیٰ اصولوں کے تحت امت کی اجتماعی تصدیق سے قرآن مجید کا ایک نسخہ وجود میں آیا، اگر ہم اس نسخے کی تیاری کے سلسلہ میں برتی جانے والی غیر معمولی احتیاط اور محفوظ طریق کار کو پیش نظر رکھیں تو یہ بات بخوبی سمجھ میں آتی ہے کہ عہد صدیقی میں جمع قرآن کا مقصد صرف قرآنی آیات کو ایک جگہ اکٹھا کرنا نہیں تھا، کیوں کہ اس طرح کے تو بہت سے نسخے صحابہ کرامؓ کے پاس موجود تھے؛ بلکہ اس کا مقصد ایک ایسا نسخہ تیار کرنا تھا، جو امت کی اجتماعی تصدیق کے ذریعہ تیار شدہ ہو اور جس کی موجودگی میں آگے چل کر کسی فتنہ واختلاف کا اندیشہ باقی نہ رہے۔

دنیا میں جو دوسری مذہبی کتابیں ہیں، انسانی زندگی سے ان کا رشتہ ٹوٹ چکا ہے، آج کوئی ہندو، بدھسٹ یا عیسائی اپنی تجارت، کاروبار، نظام حکومت، طریقۂ عدل وانصاف، ازدواجی زندگی، خاندانی تعلقات مختلف قوموں کے باہمی روابط اور اس طرح کے دوسرے مسائل میں اپنی مذہبی کتابوں سے رجوع نہیں کرتا، نہ اپنے مذہبی علماء سے احکام ومسائل معلوم کرتے ہیں، زیادہ سے زیادہ بعض قومیں نحس وبرکت وغیرہ کے سلسلہ میں جو توہمات ہیں، ان کے لیے مذہبی شخصیتوں سے رجوع ہوتے ہیں اور کچھ عبادتی رسوم کو اپنی عبادت گاہوں میں انجام دے لیتے ہیں، عام لوگ ان کتابوں کو نہ پڑھتے ہیں، نہ سمجھتے ہیں، سمجھا جاتا ہے کہ کچھ مخصوص لوگ ہی اس کو پڑھنے اور سمجھنے کے اہل ہیں، اس لیے ان قوموں کی زندگی میں مذہب کا ہمہ گیر تصور نہیں پایا جاتا اور وہ زندگی کے عام مسائل میں اپنی خواہش کے تابع ہیں، نہ کوئی حلال ہے نہ حرام، نہ جائز، نہ ناجائز اور نہ مکروہ مستحب۔

لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ امت مسلمہ اپنی بہت سی کمزوریوں اور کوتاہ عملیوں کے باوجود آج بھی اپنے مذہب سے مربوط ہے، خود ہمارے ملک ہندوستان میں بیسیوں دارالافتاء ہیں، جن کے پاس روزانہ سینکڑوں کی تعداد میں فتاوی کی ڈاک آتی ہے اور لوگ زندگی کے نوع بنوع مسائل کے بارے میں حکم شرعی دریافت کرتے ہیں، کسی جبر ودباؤ کے بغیر اپنے سینکڑوں

نزاعات کوشرعی پنچایت اور دارالقضاء ہی میں لے جاتے ہیں اور مسلمان چاہے زندگی کے کسی بھی شعبہ میں ہو،اس کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے اپنی زندگی گزارے،اس چیز نے اسے الحادوبددینی کے اس طوفان میں بھی دین سے مربوط رکھا ہے اور وہ اس لادینی ثقافت کے آگے سرتسلیم خم کرنے کو تیار نہیں ہیں ،جس کے سامنے آج تمام قومیں اپنی شکست تسلیم کرچکی ہیں ، یہ سب قرآن مجید کا فیض ہے، یہ وہ چیز ہے جس نے حق اور سچائی کے دشمنوں کوقرآن مجید کے خلاف کھڑا کر دیا ہے لیکن یہ بات کہ قرآن مجید کا کچھ حصہ حذف کر دیا جائے،کوئی نئی بات نہیں ہے، یہ مطالبہ تو خود نزول قرآن کے زمانہ میں بھی رہا؛لیکن جیسے ان معاندین کی خواہش ناکام ونامراد ہوئی ،آج جولوگ قرآن مجید کے خلاف زبان کھول کرسورج پرتھوکنے کی کوشش کررہے ہیں،ان کی اس بے جا خواہش اور مطالبہ کا بھی وہی حشر ہوگا۔

ہندوستان میں حقیقت پسند ہندوعلماء نے ہمیشہ قرآن مجید کوعقیدت واحترام کی نظر سے دیکھا ہے، گاندھی جی اورونوبا بھاوے مذہبی شخصیت کے حامل تھے،گاندھی جی قرآن مجید سے بہت متاثر تھے اوراس کی تلاوت بھی کیا کرتے تھے، یہی حال ونوبا جی کا تھا، انہوں نے تو قرآن کی منتخب آیات کا ترجمہ اورمختصرتشریح بھی ’’روح القرآن‘‘ کے نام سے مرتب کی ہے، ہندوستان میں طباعت واشاعت کی موجودہ سہولتوں اور پریس کی کثرت کے دور سے پہلے قرآن مجید کی طباعت میں سب سے نمایاں کام ’’منشی نَولکشورلکھنو‘‘ کا ہے، وہ صحت کے مکمل اہتمام کے ساتھ قرآن مجید طبع کیا کرتے تھے، نیزانہیں احتراماً دوسری زیرطباعت کتابوں اور ان کی تختیوں سے اوپر رکھا کرتے تھے، یہ ان ہندو بزرگوں کا حال تھا، جنہوں نے قرآن مجید کو پڑھا تھا اور براہ راست اس عظیم کتاب کے مطالعہ کی سعادت حاصل کرچکے تھے۔

قرآن مجید کے بارے میں ہندودانشوروں کے تاثرات:

قرآن مجید کے بارے میں بابا بھوپندرناتھ باسوفرماتے ہیں: تیرہ سو برس کے بعد بھی قرآن کی تعلیم کا یہ اثر موجود ہے کہ ایک خاک روب بھی مسلمان ہونے کے بعد بڑے بڑے

خاندانی مسلمانوں کی برابری کا دعوی کرسکتا ہے۔ بابو بپن چندر پال کہتے ہیں: قرآن کی تعلیم میں ہندوؤں کی طرح ذات، پات کا امتیاز موجود نہیں ہے، نہ کسی کو محض خاندانی اور مالی عظمت کی بنا پر بڑا سمجھا جاتا ہے۔ مشہور قائد مسز سروجنی نائیڈو کا یہ بیان کس قدر حقیقت پسندانہ ہے: قرآن کریم غیر مسلموں سے بے تعصبی اور روا داری سکھاتا ہے، دنیا اس کی پیروی سے خوش حال ہوسکتی ہے۔ بابائے قوم مہاتما گاندھی جی کا ارشاد ہے: مجھے قرآن کو الہامی کتاب تسلیم کرنے میں ذرہ برابر بھی تامل نہیں ہے۔

قرآن مجید کے ہندو مترجمین وناشرین:

قرآن مجید سے اسی تعلق اور عقیدت کا اثر ہے کہ مختلف ہندو اہل علم نے قرآن مجید کا ہندی زبان میں ترجمہ کیا ہے، یا قرآن کی منتخب آیات کو اپنی زبان میں منتقل کیا ہے، ونو با بھاوے کی ''روح القرآن'' کا ذکر اوپر کر چکا ہوں، ہندی کے مشہور شاعر بھارت بندو ہرش چندر نے بھی قرآن کا ترجمہ شروع کیا تھا، جو رسالہ'' ہرش چندر'' میں ۱۸۷۷ء میں شائع ہونا شروع ہوا تھا لکھنؤ کے نند کمار اَوستھی نے بھی قرآن پاک کا اردو میں ترجمہ کیا ہے، آر یہ سماجیوں کی طرف سے بھی وید کے منتروں سے تقابل کرتے ہوئے قرآنی آیات کا انتخاب مع ترجمہ شائع کیا گیا ہے، ۱۹۹۴ء میں ہندوستان کے سابق کیبنٹ سکریٹری ونود چند پانڈے نے بھی قرآن کا ترجمہ کیا ہے، انہیں اعتراف ہے کہ یہ انسانی کلام نہیں ہے بلکہ وحی ہے، سردار جگجوت سنگھ کی فرمائش پر کنہیا لال کھداری نے بھی قرآن کا ترجمہ کیا، جو چار سو پندرہ صفحات پر دھرم سبھا لدھیانہ سے ۱۸۸۲ء میں شائع ہوا تھا، اس ترجمہ میں شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمہ سے مدد لی گئی ہے۔

بنگال کے ایک ہندو عالم گریش چندر سنگھ نے ۱۸۸۱ء میں قرآن مجید کا بنگالی زبان میں ترجمہ کیا، ۱۹۲۶ء میں بنگلہ بولنے والے مسلم علماء نے اس ترجمہ کو مستند قرار دیا، پنڈت کیلاش چندر برہست نے جناب امام الدین رام نگری کے ساتھ مل کر مولانا صدرالدین اصلاحی مرحوم کے ترجمہ کو ہندی میں منتقل کیا، یہ ترجمہ ۱۹۵۵ء میں رامپور سے شائع ہوا اور اس کے صرف دو

ہی پارے منظر عام پر آ سکے، جناب پران ناتھ نے اپنی گجراتی تالیف ''قلزم سروپ'' میں قرآن اور وید کے متن کا انتخاب پیش کیا ہے، دھن پر کاش ایڈوکیٹ سپریم کورٹ دہلی نے قرآن مجید کا منظوم ہندی ترجمہ ''پوتر قرآن درشن'' کے نام سے کیا ہے، جسے ''الوک پر کاش'' نے شائع کیا ہے اور فروری ۲۰۰۰ء کے کتابی میلہ میں اسے نمائش وفروخت کے لئے بھی رکھا گیا تھا، شیخ محمد یوسف کا ہندی ترجمہ قرآن جس شخصیت نے شائع کیا، وہ ہیں پنڈت دولت رام شرما، یہ ترجمہ اسٹار پریس بازار ہال امرتسر سے اشاعت پذیر ہوا تھا۔

یہ ان ہندو بزرگوں کا حال تھا، جنہوں نے قرآن مجید کو پڑھا تھا اور براہ راست اس عظیم کتاب کے مطالعہ کی سعادت حاصل کر چکے تھے۔

اب یہ بے چارے وی، ایچ، پی والے جو سیاست کے لیے مذہب اور دھرم کا ناجائز استعمال کرتے رہے ہیں اور اپنی زہر آلود تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ انسانوں کو بانٹنے اور دلوں کو تقسیم کرنے کا کام کر رہے ہیں، ان ہی لوگوں نے سیدھے سادھے، سادہ لوح ہندو بھائیوں کے دلوں میں نفرت کے بیج بونے اور مسلمانوں کے خلاف تشدد پیدا کرنے کی غرض سے قرآن مجید کی ۲۴ آیتوں کا انتخاب کیا ہے اور ان کے ذریعہ یہ بتانے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ قرآن کریم غیر مسلموں کو قتل کرنے، ان کا دشمن ہونے اور انہیں دوست نہ بنانے کی تعلیم دیتا ہے، اس لئے مسلمان کبھی بھی غیر مسلموں کے حق میں مہربان اور رحم دل نہیں ہو سکتے۔

اس پروپگنڈے کی حقیقت یہ ہے کہ انہیں آگے پیچھے کے مضمون سے کاٹ کر یا جن غیر مسلموں سے عہد نبوت کے مسلمانوں کا سابقہ تھا، ان کو نظر انداز کر کے اوران آیات کو ان کے نازل ہونے کے پس منظر کو بیان کئے بغیر پیش کیا جا رہا ہے، ظاہر ہے کہ کسی بھی بات کو اگر اس کے پس منظر سے ہٹا دیا جائے، یا اس کو آگے یا پیچھے کی عبارتوں سے کاٹ کر پیش کیا جائے، تو اچھی سے اچھی بات کا بھی غلط مفہوم نکالا جا سکتا ہے۔

بحیثیت مجموعی یہ آیات تین طرح کی ہیں: دس آیات جہاد سے متعلق ہیں، چھ آیات غیر

مسلموں سے تعلق و دوستی رکھنے نہ رکھنے اوران کے دوستی کے لائق ہونے اور نہ ہونے سے متعلق ہیں اورآٹھ آیتیں غیر مسلموں پر عذاب سے متعلق ہیں۔

وسیم رضوی کی شرارت:

دوستو اور بزرگو! قرآن کریم کی حفاظت تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے لیکن تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد اللہ پاک کے کلام کے خلاف اس طریقہ سے کچھ نہ کچھ باتیں لوگوں کی طرف سے چل رہی ہے۔ اس نے بڑی شرارت سے کام لیا، کچھ غیر مسلمین ہیں اور کچھ وشو ہندو پریشد (V.H.P) کے لوگوں کو قرآن کریم کی کچھ آیتوں پر اشکال ہے، تو ہمارے علماء کرام نے ان کے جوابات دیئے، اس نے جو بدمعاشی کی ہے کہ یہ صحابہ کرام نے اپنی طرف سے بڑھایا ہے تو سب سے پہلے یہ اشکال ہے کہ حضرت علیؓ خاموش کیوں رہے؟ شیعہ برادری اس طریقہ کا اشکال کر رہی ہیں تو حضرت علیؓ تو اللہ کے رسول کے وہ صحابی ہے جو خیبر کے فاتح ہیں جن کی بہادری سے لوگ واقف ہیں، بدر میں سب سے پہلے آگے نکلے اور سخت بات کہنے میں حضرت علیؓ کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں تھی، اتنی بڑی تبدیلی کرے قرآن میں، اپنی طرف سے کچھ چیزیں بڑھاوے اور حضرت علیؓ خاموش رہے یہ تو آپ حضرت علیؓ کی توہین کر رہے ہیں، اتنے بزدل تھے نعوذ باللہ کہ آپ نے قرآن میں تبدیلی ہوتے ہوئے دیکھا اور پھر بھی اس کو نہیں بدلا، اس لیے یہ سب بکواس ہے، مسلمانوں میں اب کچھ لوگ اس طرح پیدا ہو رہے ہیں، خود غلط قسم کے کاروبار کرتے ہیں اور قانونی طور پر پھنس جاتے ہیں تو اپنے کو بچانے کے لیے اسلام کو اور مسلمانوں کو قربان کرتے ہیں، اس نے وقف بورڈ میں بہت سارے گپلے کیے، اس بنیاد پر اس کے خلاف کیس چل رہا ہے، اب یہ ایک نئی شرارت کر کے کچھ لوگوں کو خوش کرنے کے لیے کیا ہے، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ کَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَ كَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ (زمر:۲ ۳) جو اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ کی نسبت کرے اور قرآن نازل نہ ہوا ہو اور یہ کہے کہ یہ آیت مجھ پر نازل ہوئی ہے، ایک تو اللہ تعالیٰ نے اس پر فرمایا اور وَ كَذَّبَ

بِالصِّدۡقِ اور جو سچی وحی آئی ہے اس کا انکار کرنے والا، اللہ پاک نے آیت میں فرمایا: اس سے بڑا ظالم کوئی نہیں ہوسکتا۔

قرآن کریم اور اس کی ۲۴ آیتیں:

دوسری بات: جہاں تک ان ۲۴ آیت کا تعلق ہے چھ ہزار سے زیادہ آیات قرآن کریم میں موجود ہیں اور اس میں سے یہ ۲۴ آیتیں جن کو آگے پیچھے کے مضمون سے جوڑ کر دیکھا جاتا ہے، بیچ میں سے آیت آپ اٹھالیں گے، آیت کا اگلا مضمون کیا ہے، بعد والا مضمون کیا ہے، اس کا بیک گراؤنڈ کیا ہے، کن واقعات کے ضمن میں یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں؟ جب تک اس کو نہیں سمجھا جائے گا کلام میں اس طریقہ کی بات آپ غلط طریقہ سے پیش نہیں کر سکتے، ان ۲۴ آیتوں میں قرآن کریم نے یقیناً جہاد کے مسائل کو ذکر کیا، واقعات کے ضمن میں ذکر کیا؛ لیکن قرآن زندگی کا آئیڈیل اور نمونہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر قیامت تک کے سارے انسانوں کی ہدایت کا اللہ پاک نے اس کو ذریعہ بنایا ہے، اس لیے انسانی زندگی میں پیش آنے والے جتنے بھی واقعات ہو سکتے ہیں اور جتنے بھی حالات ہو سکتے ہیں، جتنے بھی مسائل ہو سکتے ہیں، قرآن کریم نے ان سب سے بحث کی۔

جہاد کی اجازت کن کو؟

اس ضمن میں جہاد کی پہلی آیت اللہ پاک نے فرمائی أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ﴿۳۹﴾ (حج:۳۹) اجازت دی گئی، کن کو؟ جن کو مکہ میں ۱۳ سال تک تکلیفیں دی گئیں، ہر قسم کی اذیتیں دی گئیں، الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ وہ لوگ جن کو اپنے گھروں سے نکالا گیا، مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے پر جن کو مجبور کیا اِلَّاۤ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ انہوں نے ایک ہی بات کہی تھی کہ ہمارا رب ایک اللہ ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے آیت میں فرمایا وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ (حج:۴۰) کہ اگر اللہ تعالیٰ اس جہاد کو مشروع

نہ فرماتے تو کسی مذہب اور دین کی خیر نہ تھی، سارے ہی دین ومذہب اوران کی عبادت گاہیں ڈھادی جاتیں۔

جہاد کی مشروعیت:

اور یہ جہاد پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کے موقع پر نہیں آیا؛ بلکہ سیدنا موسیٰ ؑ کے زمانہ سے پہلے تک انبیاء کو ستایا گیا، انہوں نے ہجرت کرلی یا اللہ کی راہ میں شہید ہوگیے یا قوموں پر اللہ پاک نے عذاب نازل کیا،عموماً یہی ہوا،لیکن حضرت موسیٰؑ کے زمانہ سے جہاد کی مشروعیت ہوئی اور قرآن کریم میں اللہ پاک نے جہاد کی مشروعیت کے ان واقعات کو ذکر فرمایا اور موسیٰؑ کے زمانہ میں جو واقعہ پیش آیا بیت المقدس کی فتح کے لیےاور حضرت یوشع بن نون کے ہاتھوں اللہ پاک نے اس کو فتح فرمایا۔

وسیم رضوی کی بہتان تراشی کے جوابات:

مجھے یہ بتانا ہے کہ یہ ۲۴ آیتیں اللہ پاک نے نازل فرمائیں،اللہ پاک کا شکر ہے کہ یہ ۲۴ آیتیں اللہ پاک نے صرف اصول اور قانون کے انداز میں ذکر نہیں کیے؛ بلکہ جس وقت جو واقعہ پیش آیا اس کی تمام آگے پیچھے کے احوال کو اللہ پاک نے ان واقعات میں نقل کیا۔

جس وقت بدر کا واقعہ پیش آیا،ابوبکر اللہ کے رسول کے ساتھ تھے،مسلمانوں پر جو ظلم اور زیادتی ہوئی، پھر مال غنیمت ملا، سورۂ انفال اتری يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ اور وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ یہ احکام ابوبکر صدیق نے نہیں لکھے ہیں، یہ بدر کے موقعہ پر اللہ پاک نے آیت نازل فرمائیں، اس لیے ساری ۲۶ آیات وہ ہیں جس میں سے کسی میں صلح حدیبیہ کا ذکر ہے، کسی میں فتح مکہ کا ذکر ہے، کسی میں منافقین کا ذکر ہے، کسی میں خندق کا واقعہ ذکر کیا ہے، تبوک کا واقعہ قرآن میں (۱۱) ویں پارہ میں موجود ہے،تو یہ آیتیں اپنی طرف سے یعنی اتنی بے وقوفی سے اس نے دلیل کی کہ نعوذ باللہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اپنی طرف سے ان آیات کو قرآن کریم کا حصہ بنایا،تو یہ کیسے ہوسکتا ہے؟

آیتیں آگے پیچھے سے پورا پس منظر بتلاتی ہیں کہ ایسا ہوا تو یہ آیت اتری اور ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی، مثلاً غزوۂ احد میں مسلمانوں کو عارضی طور پر تھوڑی تکلیف اور شکست ہوئی، اب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اَلَّذِیۡنَ قَالَ لَھُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدۡ جَمَعُوۡا لَکُمۡ فَاخۡشَوۡھُمۡ فَزَادَھُمۡ اِیۡمَانًا ۖ وَّقَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰہُ وَنِعۡمَ الۡوَکِیۡلُ ﴿۱۷۳﴾ (آل عمران: ۱۷۳) یہ آیت بتلاتی ہے مکہ والے آگے چلے گئے، پھر ابوسفیان کو یاد آیا کہ احد میں ہم نے ان کو اتنی تکلیف پہنچائی اگر اور تکلیف پہنچاتے اور واپس جانے کا ارادہ کیا، اب یہ آیت اتر رہی ہے، تو ابوبکر کہاں سے یہ کہہ سکتے ہیں؟ عالم الغیب والشہادہ ہی یہ جان سکتے ہیں کہ وہاں دلوں میں یہ بات آئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھائی لشکر کے ساتھ میدان جنگ میں، دشمنوں نے یہ مشورہ کیا کہ جب وہ لوگ نماز میں کھڑے ہوں گے تو اچانک ہم انہیں قتل کرنا شروع کردیں گے، اللہ پاک نے آیت نازل فرمائی کہ جب نماز پڑھو تو دو جماعتیں بناؤ، ایک جماعت دشمن کے سامنے ہوگی اور ایک جماعت آپ کے ساتھ نماز میں ہوں گی، صلوٰۃ الخوف کس طرح پڑھی جائے، یہ آیتیں قرآن میں اللہ پاک نے نازل فرمائیں، اس سے بتلایا کہ اگر ذرا بھی عقل ہوتی اس کو اور اس کے وکیل کو تو وہ ان آیتوں کا بیک گراؤنڈ دیکھتے کہ ابوبکر یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں؟

یہ تو ساری وہ باتیں ہیں جن کے احکام اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کو ذکر فرماتے ہیں، ان واقعات اور ان مناظر کو اللہ پاک ذکر کرتے ہیں وَرَدَّ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِغَیۡظِھِمۡ لَمۡ یَنَالُوۡا خَیۡرًا ؕ وَکَفَی اللّٰہُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ الۡقِتَالَ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ قَوِیًّا عَزِیۡزًا ﴿۲۵﴾ (احزاب: ۲۵) دشمن لڑنے کے لیے آئے خندق کے موقعہ پر، اللہ پاک نے ان کی ساری بازی پلٹ دی، بارش ہوئی، سخت ہوائیں چلی اور ان کے خیمے اکھڑ گئے، اس کو اللہ پاک نے اس آیت میں فرمایا، تو حضرت ابوبکر اس کو بعد میں کیسے کہہ سکتے ہیں؟ اور اس کا کیا فائدہ ہے؟ اس لیے نعوذ باللہ قرآن کریم کے متعلق اس طریقہ سے باتیں کر کے قرآن کریم کے خلاف یہ جو چیزیں ذکر کی جا رہی

ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

دشمنانِ اسلام کے پروپیگنڈے:

دوستو اور بزرگو! اصل بات یہ ہے کہ یہ ہی وہ قرآن ہے جو قیامت تک کی انسانیت کے لیے ہدایت کا ذریعہ ہے، کثرت سے اس وقت جو لوگ اسلام میں داخل ہوتے ہیں ان کے میں نے ۳۰۰-۴۰۰ آدمیوں کے احوال پڑھے اور جمع کیے، ان میں سے ۹۰ فیصد لوگوں نے خاص کر کے یورپ والے اور ہندوستان کے بڑے خاندان کے لوگ خاص کر کے برہمن خاندانوں کے لوگ انہوں نے جو اسلام قبول کیا، انہوں نے یہ کہا صرف اور صرف قرآن کریم کی صداقت نے ہی ہمیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف متوجہ کیا، اگر ہم پہلے قرآن نہ پڑھتے اور مسلمانوں کو دیکھتے تو ان کے کچھ اعمال ایسے ہیں جو ہمیں اسلام سے دور کر دیتے، یہ افسوس کی چیز ہے ہمارے لیے، اگر آج ہم اخلاق پر آجائیں تو یقیناً دنیا خود بہ خود اسلام کی طرف آجائے گی، ہماری بداخلاقی روک رہی ہے، قرآن کریم نے تو ایسی ہدایت کا راستہ بتلا دیا ہے اور ایسی صاف باتیں ذکر کی، تو انسانی زندگی میں حق اور باطل کے درمیان مقابلہ ہوگا۔

جہاد کے اصول وآداب:

اسلام ایک نظامِ زندگی لے کر آیا اس لیے جہاد کی آیتوں کو قرآن کریم نے کھول کھول کر بتلایا؛ لیکن آگے پیچھے سے دیکھا جائے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦١﴾ (انفال:۶۱) اگر یہ لڑائی میں ہار رہے ہیں اور یہ صلح کے لیے آئے تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں فَاجْنَحْ لَهَا تب بھی صلح کرو اور وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ اللہ پر بھروسہ کرو، یہ اصول اور ضابطہ جہاد کے ذریعہ بتلائے۔

ایک انگریز نے لکھا کہ تلوار تو ہر ایک نے اپنے زمانہ میں اٹھائی، رومیوں نے بھی اٹھائی، بنی اسرائیل نے اٹھائی اور ہر قوم نے اٹھائی؛ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلوار کا استعمال کس طریقہ سے کیا جائے؛ یہ دنیا کو سکھایا، آپ نے اصول اور آداب ذکر کیے کہ فلاں کو قتل نہ کیا جائے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کی مجموعی طور پر مشرکین کے ساتھ ۸۳ جنگیں ہوئیں، محض ۱۰ سال کے اندر، بلکہ ۹ سال، مجموعی طور ۸۳ جنگیں ہوئیں اور کتنے آدمی مرے؟ دونوں طرف سے مل کر ۱۰۱۸ آدمی، جس میں ۳۰۰ سے اوپر مسلمان اور ۶۰۰ سے اوپر مشرکین، ۸۳ مرتبہ میں، اور یہاں ایک بم پھٹتا ہے اور لاکھوں انسان مرتے ہیں، یہاں ہندوستان میں کیا کیا نہیں ہو رہا ہے؟ کس طریقہ سے انسانوں کو جلایا جا رہا ہے، انسانوں پر سب کچھ زیادتیاں کی جا رہی ہیں۔

اسلامی جہاد اور دیگر جنگوں کے درمیان فرق:

دوسری بات اگر آپ کو قرآن کریم میں یہ جہاد کی آیتوں سے اعتراض ہے تو آپ اپنی مذہبی کتابوں کو دیکھ لیجئے، پوری لڑائی سے بھری پڑی ہے، بھگوت گیتا میں شری کرشن ارجن کو نصیحت کرتے ہیں کورو اور پانڈو کی جو لڑائی ہو رہی ہے ارجن چاہ رہے تھے کہ زیادہ انسانوں کا خون خرابا نہ ہو لیکن ارجن کو شری کرشن انسانی زندگی کا فلسفہ بتلا رہے ہیں کہ کپڑے جب پرانے ہوتے ہیں تو ہم بدل دیتے ہیں اسی طرح جسم پر تیر چلائیں گے جسم مرے گا، روح نہیں مرے گی، یہ فلسفہ پیش کر کے لڑائی کو جائز قرار دیا اور دیانند سرسوتی جو آریہ سماج کے بانی ہے، ان کی کتاب ہے ستیارتھ پرکاش، اس میں انہوں نے لکھا کہ کورو پانڈو کی ساری جنگوں کا مقصد اللہ کے دین کی سر بلندی یا لوگوں سے ظلم اور زیادتی کو ختم کیا جائے؛ یہ نہیں تھا۔

جہاد؛ دنیا میں امن وعافیت کا ذریعہ:

جب کہ قرآن کریم نے فرمایا وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ (نساء:۷۵) چھوٹے بچوں اور عورتوں پر ظلم ہو رہا ہو تب بھی جہاد کا حکم ہے، باطل طاقتیں اگر ہمارے دین کو، ہمارے مذہب کو بدلنا چاہے یا حدیث شریف میں جیسا کہ بتلایا اپنی جان بچانے کے لئے لڑنے والے ہو، اپنے بیوی بچوں کی جان بچانے کے لیے، اپنے مال کو بچانے کے لیے لڑنے والے ہو، اس کو بھی شہید کہا، (ترمذی: أبواب الدیات، باب ما جاء فیمن قتل دون ماله شهید) تو یہ اسلام نے اس کے مقاصد ذکر کئے، اس لیے

دس سالہ جنگ کے بعد دنیا میں چین وسکون ،امن و عافیت پیدا ہوگئ ،اور پوری دنیا کے اندر آپ کے جانے کے بعد صحابہ گئے ،انھوں نے دنیا میں چین وسکون اور امن وعافیت پہنچائی، عین لڑائی کا موقع ہے فرمایا: اذکروا اللہ۔ اللہ کا ذکر کرو۔

حضرت علیؓ کا حلم اور بردباری:

حضرت علیؓ دشمن پر غالب آگئے ،اس نے تھوک دیا ،آپ نے فوراً اسے چھوڑ دیا کہ اب اگر میں اسے قتل کروں گا تو یہ تھوک یعنی میری ذات اور میرے نفس کی وجہ سے میں اسے قتل کروں گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عین لڑائی کے موقع پر دشمن کو معاف کرنا:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوئے ہوئے ہیں ،ایک آدمی درخت کے نیچے تلوار لے کر کہنے لگا" **من يمنعك منى** " آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ نے فرمایا: اللہ،تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی ،آپ نے ہاتھ میں پکڑی اور پوچھا اب تجھے کون بچائے گا؟ اس نے کہا کہ **کن کخیر آخذ**۔ ا(مسند أحمد: ١٥١٩٠ ،مسند جابر: ٣٦٩/٢٣)آپ اچھی تلوار پکڑنے والے ہوجایئے یعنی مجھے معاف کر دیجئے ،آپ نے معاف کر دیا ،یہ ساری چیزیں صبر کی تلقین اور عین لڑائی کے موقع پر بھی دشمن کو معاف کرنا یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ تھا،اس لیے اسلام نے جہاد کی آیتیں ذکر کر کے دنیا کو لڑنے کے اصول وآداب سکھائے ،لڑائی تو ہوتی ہے اور ہورہی ہے اب تک ؛لیکن یہ لڑائیوں کے مقاصد دوسرے ہیں اور قرآن کریم کے جو اعلیٰ مقاصد ہیں اس کے پیش نظر قرآن نے یہ فرمایا۔صرف ایک جملہ صحابی سے نکلا کہ دس سال ہمارے مقابلہ میں لڑنے کے لیے آئے اور آج فتح مکہ میں ہم تم پر غالب آگئے،آج کا دن یوم **الملحمة** (خون بہانے کا دن) ہوگا،دشمن کے لشکر کے امیر ابوسفیان حضور کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ تو یہ جملہ کہتے ہیں آپ نے فرمایا نہیں!" **اليوم يوم المرحمة**" (بخاری: کتاب المغازی، باب أين ركز النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الراية يوم الفتح) آج کا دن رحم کا دن ہے۔

تینوں خلفاء کا امت پر عظیم احسان:

اس لیے حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ پر اشکال کر کے اس طرح کی بکواسات کرنے والے حقیقت میں قرآن و حدیث کے خلاف جو باتیں کرتے ہیں ان کو یا تو تاریخ کا علم نہیں ہے یا ایسا لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے کررہے ہیں، اللہ پاک نے فرمایا: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۝۹ ہم نے قرآن اتارا ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں، اس لیے چیلنج اللہ پاک سے ہورہا ہے، میرے اور آپ کے ساتھ نہیں؛ لیکن لوگوں کے ذہن کو بدل کر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر کو بدنام کرنے کے لیے یہ کہا جارہا ہے، یہ وہ امت کے سب سے بڑے خیر خواہ ہیں، جنہوں نے قرآن کو صحیح سالم امت تک پہنچایا، ان حضرات نے محنت کی حضرت عمر کے کہنے سے حضرت ابوبکر نے ترتیب دی اور پھر قراءتوں کا فرق تھا اس لیے لوگوں کا آپس میں اختلاف ہوتا تھا تو حضرت عثمانؓ نے اس طریقہ سے قرآن کی کتابت کروائی ساری قرائتیں جمع ہوجائیں، یہ ان تینوں صحابہ کرام کا امت پر ایسا عظیم احسان ہے کہ کوئی اسے بھول نہیں سکتا، يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۝۸ (صف:۸) یہ کچھ بھی کرتے رہیں، اللہ کے نور کو بجھانے کی کیسی بھی کوشش کرتے رہیں؛ لیکن وہ کامیاب نہیں ہوں گے، سورج پر پھوکیں گے تو کیا ہوگا؟ یہ تو پھر بھی مخلوق ہے اور یہاں گفتگو ہورہی ہے اللہ پاک کی ذات عالی کے بارے میں، اس لیے دوستو اور بزرگو! ہم قرآن کو پڑھیں اور سمجھیں، اس کی تلاوت کریں کثرت سے، یہ ہی ہم سے قرآن کریم کا مطالبہ ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس معراج کے واقعہ کے ذریعہ ہمیں بتلا دیا کہ حالات آئیں گے لیکن سربلندیاں اللہ پاک کی طرف سے انہیں لوگوں کو ملیں گی، اللہ تبارک وتعالیٰ کہی سنی باتوں پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(۱۵)

لو جہاد اور جبراً اسلام کی دعوت

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين وعلى آله واصحابه اجمعين. قال الله تبارك وتعالىٰ فى الكلام المجيد والفرقان الحميد.

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾ (بقرہ:۲۲۱)

وقال الله تعالىٰ: لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؕ (شوریٰ:۱۵)

وقال الله تعالىٰ: لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ ۟ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ (بقرہ:۲۵۶)

وقال الله تعالىٰ: وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۟ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ (کہف:۲۹)

صدق الله العظيم وصدق رسوله النبي الكريم ونحن علىٰ ذلك لمن الشاهدين والشاكرين والحمد لله رب العالمين.

محترم ومکرم حضرات علمائے کرام اور ایمان والے بھائیو! کلام پاک کی چند آیات کی آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی، ان ساری آیتوں کا مضمون ایک ہی ہے، پہلی آیت میں اللہ تبارک

وتعالیٰ ذکر فرماتے ہیں: وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ (بقرہ:۲۲۱) سورۂ بقرہ کی یہ آیات ہے اور اس سے پہلے بھی نکاح اور سماجی زندگی کے بہت سارے مسائل ذکر کیے ہیں اور اس آیت کے بعد بھی اور دوسرے بہت سارے مسائل جو مرد اور عورت سے وابستہ ہے ان کو ذکر کیا۔

غیر مسلم سے نکاح کا حکم قرآن مجید کی روشنی میں:

شروع اسلام میں یہ تھا کہ ایک مسلمان مرد کسی غیر مسلم عورت سے شادی کر لیتا تھا یا شادی ہو جاتی تھی اور وہ ابھی ایمان نہیں لائے ہیں، اس طرح عورت مومنہ ہوتی تھی اور شوہر کافر ہوتا تھا، غیر مسلم ہوتا تھا، یہ شروع میں تھا، جب اسلامی احکام نازل ہوئے تو یہ جو آیت کریمہ میں نے آپ کے سامنے پڑھی اس میں اللہ پاک نے یہ حکم فرمایا: وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ (بقرہ:۲۲۱) یہ آیتیں نازل ہونے کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس رواج کو ختم فرمایا اور قرآن کریم کی ان آیات کے ذریعہ قیامت تک کے مسلمانوں کو بتلا دیا، وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ (بقرہ:۲۲۱) مسلمان مردوں کو حکم دیا کہ تم ان عورتوں سے شادی نہ کرو، اب یہ رشتہ ہمارا اور ان کا نہیں باقی رہ سکتا حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ جب تک کہ وہ لڑکی یا وہ عورت ایمان نہ لے آئے، اسی طریقہ سے وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ (بقرہ:۲۲۱) تم اپنی لڑکیوں کا یا اپنی بہنوں کا یا تم جس کے بھی والی ہو یا ذمہ دار ہو، وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ (بقرہ:۲۲۱) ان کو مشرکین کے نکاح میں مت دو، وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ (بقرہ:۲۲۱) یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئے، قرآن کریم کی آیت کے ذریعہ اللہ پاک نے مسلمانوں کو دو قسم کے احکام ذکر فرمائے، لڑکے والے کو بھی اور لڑکی والوں کو بھی دونوں کو، حَتّٰى يُؤْمِنَّ اور حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ کے حکم سے فرمادیا کہ جب تک سامنے والا ایمان نہ لے آئے؛ ایک مومنہ اور ایک غیر مسلم، اسی طریقے سے ایک مومن اور ایک غیر اسلام والی مشرکہ عورت ان کا آپس میں نکاح ان آیات کے ذریعہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے منع فرمایا، یہ بالکل صاف اور واضح آیتیں قرآن کریم کی، مسلمان بچوں کو بھی اس میں فرمایا جا رہا ہے اور

بچیوں کے اولیاء کو بھی اس سلسلہ میں تاکید کی ہے۔

اسلام کا تعلق تصدیق قلبی سے ہے:

دوستو اور بزرگو! دوسری جو آیتیں میں نے آپ حضرات کے سامنے تلاوت کیں، اس کا تعلق اس بات سے ہے کہ اسلام زبردستی کسی پر تھوپا نہیں جا سکتا لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (بقرہ:۲۵۶) اللہ پاک نے اس دین میں کسی قسم کی مجبوری نہیں رکھی ہے، زبردستی کسی کو مومن بنانا؛ یہ نہیں ہے، کیوں؟ آگے اللہ پاک نے خود ارشاد فرمایا، اس لیے کہ ہدایت اور توحید کی دلیلیں یہ لوگوں کے سامنے واضح ہو چکی ہے۔قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ہدایت اور گمراہی دونوں انسان کے سامنے واضح ہو چکی ہے، اس لیے اسلام ایک دعوت والا مذہب ہے، اسلام کا تعلق ظاہری زبان سے نہیں ہے؛ اسلام کا تعلق اندر کے دل سے ہے۔اس لیے آپ جانتے ہیں، قرآن کریم کی بہت ساری آیتوں میں منافقین کے چیپٹر اور ان کے مضامین آئے، یہ سب وہ ہے جو زبان سے ایمان لائے، مسجدوں میں آئے، کبھی کبھار جہاد میں بھی شریک ہوئے، مسلمانوں کے ہر کام میں ظاہری اعتبار سے وہ شریک ہوئے؛ لیکن اندر ایمان نہیں ہے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا (نساء:۱۴۵) معلوم یہ ہوا کہ ایمان کا تعلق زبان سے نہیں ہے، ایمان کا تعلق ماننے سے ہے، اسی لیے آپ جانتے ہیں بہت سارے وہ غیر مسلم اسکالر، چاہے وہ یورپ کے ہوں، چاہے وہ ہندوستان کے ہوں، انہوں نے اسلام کے متعلق بہت اچھی اچھی باتیں لکھیں، بلکہ کچھ باتیں تو ایسی لکھیں کہ ہمارے ذہن میں بھی نہیں آئی، اور انہوں نے اسلام کی خوبیوں کو، محاسن کو، اسلام کی اچھی چیزوں کو ذکر کیا؛ لیکن خود ایمان نہیں لائے، اس لیے ان کو مومن نہیں کہا جا سکتا۔

مجبوری کی حالت میں کلمۂ کفر زبان سے نکالنے کا حکم:

آپ جانتے ہیں قرآن کریم میں ایک جگہ پر اجازت دی اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ (نحل:۱۰۶) کہ ایک آدمی کو کلمۂ کفر کہنے پر مجبور کیا جائے، مار ڈالیں گے، یہ

کریں گے، ایسے موقع پر اس کو اجازت دی گئی کفر کے کلمہ کو زبان سے بولنے کی اپنی جان چھڑانے کے لیے؛ لیکن وہاں قرآن نے آگے شرط رکھی إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ ایک تو بہت زبردستی ہو مجبوری ہو جان سے مار ڈالنے کی دھمکی ہو إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ جس کو مجبور کیا گیا، فوراً قرآن نے اس کے ساتھ فرمایا: وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ اس کا دل ایمان پر مضبوطی سے جما ہوا ہے، دل میں ایمان ہے تو زبان سے کفر کے کلمات کہنے کی اللہ پاک نے اس آیت میں اجازت دی، اور کچھ صحابۂ کرام نے اس پر عمل بھی فرمایا ایسے حالات میں، اس سے آدمی کافر نہیں ہوتا؛ لیکن دل کا ایمان ضروری ہے، قرآن میں جہاں اور منافقین کے متعلق آیتیں ذکر کی، اس میں اللہ پاک نے فرمایا کہ یہ ظاہر میں تمہارے ساتھ ہے؛ لیکن ان کا دل تمہارے ساتھ نہیں إِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۙ وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا ۖ (آل عمران: ۱۲۰) اگر آپ کو کوئی اچھی اور بھلائی کی چیز پہنچتی ہے تو ان کو تکلیف اور ناگواری ہوتی ہے اور اگر آپ کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو خوش ہوتے ہیں۔

جبراً دعوت اسلام: تعلیمات قرآن مجید اور سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جو آیت میں نے آپ کے سامنے پڑھی لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ۖ اس میں یہ ہی فرمایا جا رہا ہے کہ دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں، خود جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ایک بھی واقعہ ایسا پیش نہیں آیا کہ سامنے والوں کو مجبوراً ایمان کی دعوت دی ہو، بہت سے مواقع آئے جس وقت دشمن کمزور ہو چکا تھا، جو کہے وہ ماننے کے لیے تیار ہو سکتا تھا؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی ان کو ایمان پر مجبور نہیں کیا، آپ جانتے ہیں مدینہ منورہ میں تشریف لانے کے بعد سب سے پہلا غزوہ بدر کا ہوا، جو بڑا معرکہ تھا، چھوٹے چھوٹے ہو چکے تھے سرایا، ستر (۷۰) آدمی دشمنوں کے قید ہو کر مسلمانوں کے پاس آئے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کہہ سکتے تھے کہ اگر تم ایمان لے آؤ تو ہم تمہیں چھوڑ دیں گے؛ لیکن یہ نہیں ہوا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان ستر (۷۰) قیدیوں کو قید رکھنے کے بعد فدیہ لے کر پھر آزاد بھی کر دیا؛

لیکن ان کو ایمان کے لیے مجبور نہیں کیا۔ (مسند أحمد: ۲۲۱۶، ۴/۹۲)

یہودیوں کے تینوں قبیلے بنوقریظہ، بنونضیر اور بنو قینقاع جو بڑے قبیلے تھے، اور جنہوں نے آپس کے معاہدوں کو توڑ دیا تھا، ''میثاق مدینہ'' مدینہ قرار و دستاویز جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے بعد فوراً مدینہ میں آ کر فرمایا تھا، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو قرار نامے لکھے، اس میں یہ بات صاف لکھی تھی ہر ایک کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی ہے، یہ مدینہ کے قرار کی ایک شق اور دفعہ ہے، پھر عملی شکل میں بھی انہوں نے مخالفت کی، تب بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تینوں میں سے جو بڑے قبیلے تھے، کسی قبیلے کو مجبور نہیں کیا کہ ایمان لاؤ تو چھوڑ دیں گے، حالانکہ وہ جانتے تھے کہ یہ سچے نبی ہیں يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۔ (آل عمران: ۱۴۶) جیسے اپنی اولاد کو جانتے تھے اس طرح جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جانتے تھے کہ ہماری آسمانی کتابوں میں اور ہمارے صحیفوں میں جو جو بھی نشانیاں اور علامتیں ہیں؛ یہ سب ان میں پائی جاتی ہے، اس کے باوجود انہوں نے اس کو چھپایا، یہ سب کچھ جاننے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو کبھی مجبور نہیں کیا، یہی حال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دوسرے بہت سارے قبیلوں سے ہوا، ہوازن کا قبیلہ بہت بڑا قبیلہ، یہ سب مقابلے میں آئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی عورتوں، بچوں سب کو چھوڑ دیا، اس وقت بھی آپ نے ان کو یہ نہیں کہا کہ ایمان لاؤ، اللہ پاک نے پھر ان کو توفیق دی اور وہ سب ایمان میں شریک ہو گئے؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجبور نہیں کیا۔ (بخاری: کتاب المغازی، باب حدیث بنی النضیر۔۔۔)

سب سے بڑا واقعہ فتح مکہ کا، وہ دشمن جو مکہ مکرمہ کے ۱۳ سال اور مدینہ منورہ کے ۸ سال تک، یہ اتنی لمبی مدت، ۸ ہجری میں آپ نے مکہ کو فتح فرمایا اور ۱۱ ہجری میں آپ دنیا سے تشریف لے گئے، یہ دو تین سال کے علاوہ باقی سارے جتنے سال ہے ۲۰-۲۲ سال، ان میں مکہ والوں نے آپ کو ستایا، اس کے باوجود جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کو بھی ایمان لانے پر مجبور نہیں کیا **لا تثریب علیکم الیوم اذهبوا فانتم الطلقاء**. (کتاب الأم:

۷ / ۳۸۲) تم سب کو آزاد کر دیا، سب کو معاف کر دیا، یہ ساری آیتیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عملی زندگی کے واقعات اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اسلام میں کسی کو مجبور نہیں کیا جاتا ہے۔

لو اور جہاد: اسلامی تناظر میں:

اور پھر پہلی جو چیز ہے وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ مسلمان مرد کا کافرہ مشرکہ عورت سے اور مسلمان لڑکی کا کافر مرد کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے، یہ ان آیتوں میں فرمایا اور اس کی روشنی میں اسلام کے لیے یہ جو دو لفظ بولے جا رہے ہیں،''لو اور جہاد'' یہ دونوں متضاد ہے، اسلام نے جب مردوں کو اجنبی عورت کی طرف نظر کرنے سے منع فرمایا قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ (نور: ۳۰) جن جن عورتوں کو محرم قرار دیا، قریبی رشتہ دار عورت، ان کا چہرہ دیکھنا، ان سے بات چیت کرنا جائز ہے، اس کے علاوہ جتنی دوسری اجنبی عورتیں ہیں محرم کے علاوہ، ان کے ساتھ آنکھوں میں آنکھ ملا کر بات کرنے سے قرآن نے منع فرمایا، مردوں کو بھی فرمایا اپنی نظریں نیچی کریں، عورتوں سے بھی فرمایا اپنی نظریں نیچی کریں، جس مذہب میں زنا کو بہت بڑا گناہ قرار دیا، آنکھوں کا گناہ، حدیث شریف میں بتلایا کہ آنکھیں گناہ کرتی ہیں، پیر گناہ کرتے ہیں، ہاتھ گناہ کرتے ہیں، اور پھر انسانی شرم گاہ اس کی تصدیق کرتی ہے یا تکذیب (مسلم: کتاب القدر، باب قدر علی ابن آدم حظه من الزنا وغیرہ) یعنی اخیر میں زنا کے گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے، یا اللہ پاک بچا لیتے ہیں؛ لیکن یہ سارے اعضاء کو روکا، وہاں تک پہنچنے کے یہ ذریعہ ہیں، اس لیے ''سد ذرائع'' شریعت نے جو اسباب اور راستے ہوتے ہیں؛ ان سے روکا، وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝۳۲ (اسراء: ۳۲) یہ نہیں فرمایا کہ زنا مت کرو؛ بلکہ فرمایا وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى زنا کے قریب مت جاؤ، اس کے قریب کی جتنی شکلیں ہیں ان کو چھوڑ دو، جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دین میں زنا کو اتنا برا سمجھا گیا۔

پھر جہاد ایک اسلامی عمل ہے، قرآن اور حدیث شریف میں اس کی فضیلتیں اور تعریف

اوراس کی شرطیں موجود ہیں، کب کیا جائے؟ کس طرح کیا جائے؟ سب کوذکر فرمایا۔

مسلم لڑکیوں کے ارتداد کا ذمہ دار کون؟

دوستو اور بزرگو! مگر افسوس کہ گذشتہ دو تین ہفتے سے دونوں قسم کی جو خبریں آرہی ہیں، ہماری مسلم لڑکی سادات کہلانے والی بچی کھنبھات میں، لیکن اس نے صاف کہا کہ مجھے انہی کے ساتھ رہنا ہے، حضرت فاطمۃ الزہرہ کی نسبت اگر اس کے ساتھ لگی ہوئی ہے تو یہ بہت بری چیز اس کے لیے ہے اور اس کے اولیاء کے لیے بھی کہ اس مرحلے تک پہنچنے سے پہلے آپ نے اپنی بچی کی تربیت کیسی کی؟ تم نے کیوں اس کی طرف توجہ نہیں دی؟

اجنبیہ لڑکی سے تعلق قائم کرنا اسلام میں حرام ہے:

اس موقع پر ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ہمارا ایک چھوٹا سا نوجوانوں کا طبقہ جو بیچارے دین بھی نہیں جانتے ہیں، دنیا بھی نہیں جانتے، یا جن کو عقل وشعور نہیں یا وقتی اور ہنگامی جذبے میں آکر کسی غیر مسلم لڑکی کے ساتھ شادی کر لیتے ہیں، اس وقت کوئی وضاحت نہیں ہوتی ہے اسلام کی، تو پہلے تو یہ قدم اجنبیہ لڑکی سے تعلق قائم کرنا؛ چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلم ہو؛ اسلام میں اس کی گنجائش ہی نہیں وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰی اور یہ جو ساری آیتیں اور روایتیں ہیں اس سلسلہ کی، جب آدمی زنا کرتا ہے، حدیث شریف میں فرمایا ایمان اس کے قلب کو چھوڑ دیتا ہے اور سر کے اوپر آجاتا ہے، (ترمذی: أبواب الإیمان، باب لا یزنی الزانی وھو مؤمن) یہ حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، مشکوۃ شریف کی روایت ہے، حدیث پاک میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس گناہ کی قباحت اور برائی اور شناعت کے لیے ذکر فرمایا کہ ایمان اپنی جگہ چھوڑ دیتا ہے، یہ اتنی تاکید کے باوجود ایک دو واقعات پیش آتے ہیں؛ اس کو ہم سمجھتے ہیں کہ اس کا تعلق مذہب سے نہیں ہے، اس کا تعلق اس بے شرمی اور بے حیائی سے ہے، ہماری اسکول، کالج میں اور سماج میں جو برائیاں آئی ہیں، انٹرنیٹ کے ذریعہ اور موبائل میں جو غلط قسم کی تصاویر اور غلط قسم کی چیزیں آتی ہیں، اس کے نتیجہ میں ہمارے نوجوان لڑکے اور لڑکیوں پر اس کے اثرات آئے ہیں، ہم

انکار نہیں کرتے؛ لیکن اس قسم کے واقعات شاذ و نادر ہوتے ہیں، اور وہ ان کے اپنے مسائل ہوتے ہیں ، اسلام تو اس سے منع ہی کرتا ہے؛ لیکن اس کی بنیاد پر اس بات کو ذکر کرنا کہ مسلمانوں میں لو جہاد ہے، زبردستی کسی کو ایمان کی دعوت دیتے ہیں، تو اسلامی شریعت میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

غیر مسلم اسلام میں کیوں داخل ہو رہے ہیں؟

ایک غیر مسلم بھائی نے بہت اچھے انداز میں اس مسئلہ کو چھیڑا اور یہ کہا کہ جب تک مسلمانوں کی حکومت یہاں ۶۰۰-۶۵۰ سال تک تھی ،اور اس کے علاوہ انگریز اور اب تک کا دور، اس وقت حکومت پر آپ کا قبضہ ہے، آپ کی ساری ذیلی تنظیمیں مسلمان لڑکیوں کو پھنسا کر دوسری طرف لے جانے کی مسلسل کوششیں کر رہی ہیں، اس کے باوجود غیر مسلم لڑکیاں اسلام میں کیوں آتی ہیں؟ اس کے اسباب تلاش کرو، کہاں تمہارے اندر کمی ہے؟ یہ اس نے صاف کہا، اسی طرح اور دوسرے حضرات نے لکھا کہ ۸۰ فیصد آبادی آپ کی ہے، حکومت کے سارے ذرائع اور ساری چیزوں پر آپ کو قدرت حاصل ہے، پھر آپ اسی موقع پر یہ کہتے ہیں کہ ہندو خطرے میں ہے، اتنے بڑے مضبوط ہندوتو کے علم بردار ملک پر بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کے ہوتے ہوئے اگر یہ لڑکیاں ایمان میں داخل ہو رہی ہیں، لڑکے ایمان میں داخل ہو رہے ہیں، تو اس پر غور و فکر کرنا چاہیے کہ کیوں جا رہے ہیں، چاہے یوپی کے الیکشن کی بنیاد پر ان چیزوں کو چھیڑا گیا ہو؛ لیکن جناب مولانا عمر گوتم صاحب اور مولانا جہاں گیر صاحب ان دونوں کے متعلق غیر مسلم جو اسلام میں داخل ہوئے ہیں انہوں نے اپنے انٹرویو میں صاف کہا کہ عمر صاحب کی یہ عادت تھی کہ جب بھی ہم ان کے پاس کاغذ بنوانے گئے جن جن لوگوں نے بھی کاغذ بنوائے تو انہوں نے سب سے پہلے یہ کہا کہ غور و فکر کرنے کے بعد میرے پاس آؤ، اور سوچ لو کہ ایمان لانا دل سے چاہتے ہو یا پھر وقتی طور پر کہیں تم میں کوئی جذبہ آ گیا، جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو طریقۂ دعوت ہے اسی کو اپنایا اور اس کے ساتھ ملک کے قانون میں رہتے

ہوئے مجسٹریٹ کی دستخط کے بغیر سرٹیفکیٹ ملتا نہیں، وہ سرٹیفکیٹ انہوں نے مجسٹریٹ کی دستخط سے بنوایا، حکومت کی طرف سے قضاء کے عہدے پر مفتی جہاں گیر صاحب کا تقرر ہوا، انہوں نے قانونی طور پر یہ چیزیں کیں۔

شر میں خیر کا پہلو:

دوستو اور بزرگو! قرآن نے تو صاف فرما دیا ہے: اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (آل عمران:۱۹) زندگی گذارنے کا جو طریقہ اللہ پاک نے دیا، ہمارے آقا اور ہمارے مالک نے جو دیا ہے؛ وہ اسلام ہے اور یہ میری اور آپ کی اجارہ داری نہیں ہے، ہم لوگوں نے اپنے عمل کے ذریعہ اپنی دعوت کے ذریعہ غیر مسلموں کو اسلام نہیں بتلایا، "ہمارا مذہب ہمارا مذہب" یہ جو جملے ہماری طرف سے بولے جا رہے ہیں، جب کہ قرآن کہہ رہا ہے، یٰاَیُّھَا النَّاسُ سارے انسانوں کو قرآن کریم دعوت دے رہا ہے، اس لیے ہماری طرف سے یہ کمزوری ہے، اس کا علاج یہی ہے کہ اللہ پاک موقع عنایت فرماتے ہیں اپنے دین کو پہنچانے کے، کہ حالات پیدا ہوئے اس میں ہمارے لیے خیر ہے، قرآن کریم کے خلاف بولنے والا بولا اور لکھا، اس کے نتیجہ میں بہت سارے غیر مسلمین قرآن پڑھتے ہو گئے کہ آخر ہے کیا قرآن! اللہ پاک فرماتے ہیں: فَعَسٰٓی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّ یَجْعَلَ اللّٰہُ فِیْہِ خَیْرًا کَثِیْرًا (نساء:۱۹) تم کسی چیز میں شر سمجھتے ہو، ہوسکتا ہے اس میں قربانی تو ایمان والوں کو دینی پڑے گی، جیسے عمر صاحب نے قربانی دی ایمان لانے سے پہلے بھی اور اب بھی قربانیاں، یہ تو انبیاءؑ کی سنتیں ہیں، ان پر اس طرح حالات آئے؛ لیکن اس میں خیر کا پہلو کیا نکلا؟ اللہ پاک نے لوگوں کو سوچنے پر مجبور کر دیا کہ آخر اسلام ہے کیا؟ ہم نے تو نہیں پہنچائی دعوت، اللہ پاک نے حالات پیدا کیے، اس کو اپنا دین پہنچانا ہے وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ اللہ پاک صاف فرماتے ہیں، یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِہِمْ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ (صف:۸) اللہ پاک کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں تو کسی سے نہیں بجھے گا، یہ تو پیدا کرنے والی ذات سے بغاوت ہے، اس کے خلاف لڑائی

ہے اور اس کے ساتھ لڑائی ہو نہیں سکتی، اللہ پاک کسی کو سزا دے تو اس کو ذرہ برابر کسی کا ڈر نہیں، دنیا میں بڑے سے بڑا بادشاہ اور بڑے سے بڑا افسر کسی کے ساتھ کوئی معاملہ کرتا ہے تو خلاف قانون نہ ہو، اس کی فکر اس کو ہوتی ہے، لوگوں کو معلوم نہ ہو، میری عزت چلی جائے گی، اللہ پاک کو نعوذ باللہ اس میں سے کسی چیز کی ضرورت نہیں وہ خالق اور مالک تن تنہا ہے۔

امریکن لڑکی کا قبول اسلام:

دوستو اور بزرگو! ان سارے حالات میں ہمارے لیے کیا عبرت ہے؟ بس دو چیزیں ہیں، ہم اپنے بچوں کو اور اپنی بچیوں کو صحیح دین کی تعلیم دیں، ایک امریکن لڑکی اس کا نام سارہ ہے، پہلے اور نام تھا امریکہ میں وہ ان جماعتوں سے وابستہ تھی جو مسلمانوں کے خلاف غلط قسم کی چیزیں پھیلاتے ہیں اور مسلمانوں میں جا کر کسی طریقے سے مرتد بنانے کی تدبیریں کرتے ہیں، اس میں یہ لڑکی شریک تھی، اپنی آپ بیتی انہوں نے سنائی کہ مجھے آفر Offer ملا امریکہ کی طرف سے کہ تم مصر جاؤ اور وہاں جو ناری وادی کمیٹی ہے عورتوں کی آزادی کے سلسلے میں، اور ہیومن رائٹس کے سلسلہ میں، ان کے ساتھ ملو اور وہاں کی عورتوں میں پردے کے خلاف اور اسلام کے خلاف اشکالات اور اعتراضات ڈالو، اس کے لیے تمہیں پولیٹکل سائنس پڑھنا پڑے گا شرق اوسط (میڈلسٹ) کا، کہ عرب ملکوں کا کیا حال ہے؟ وہاں کی رہائش کیا ہے؟ اس لڑکی نے انتخاب کیا کہ میں ان کلاسس میں جاؤں، تا کہ لوگوں کو اسلام کے خلاف دعوت دوں، اور کمزور پہلو اسلام میں تلاش کروں، یہ خود اپنی آپ بیتی ذکر کر رہی ہے کہ کلاسس چل رہے تھے مذاہب کے سلسلے میں، یورپ میں یہ سب کالج میں ہوتا ہے، ہمارے یہاں بھی ہوتا ہے؛ لیکن ہندوستان میں عجیب ماحول ہے، نہ خود اپنے مذہب کو پڑھنا ہے اور نہ مسلمانوں کے مذہب کو سننا ہے نہ پڑھنا ہے، اپنے مذہب کا بھی کچھ معلوم نہیں اور خود مذہب میں ایسا کر دیا گیا ہے کہ مذہبی تعلیمات سب کو مل نہیں سکتی، وہ زبان نہیں جانتے، جبکہ ہمارے یہاں چھوٹے سے چھوٹا بچہ ۸-۹ سال کا قرآن اندر دیکھ کر پڑھنے کی صلاحیت رکھتا ہے، تو خیر اس

نے یہ کیا کہ کلاس میں شریک ہوگئی۔

اتفاق سے اس کلاس میں پڑھانے والے ٹیچر نے عیسائیت کی وہ تعلیم بتلائی جو سیدنا عیسیٰؑ کی صحیح تعلیم تھی، اور ان میں جو تبدیلی ''سینٹ پول'' نے کی تھی سیدنا عیسیٰؑ کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد، جس میں خدا کو تین میں سے تیسرے ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ (مائدہ:۷۳) قرار دیا ہے، حضرت عیسیٰؑ کو بھی خدا کا بیٹا قرار دیا، اور کفارہ کا عقیدہ کہ سب کے گناہوں کے کفارے میں اللہ پاک نے اپنے بیٹے حضرت عیسیٰؑ کو نعوذ باللہ سولی پر چڑھا دیا، یہ جو نظریہ ہے وہ ٹیچر ان سب کے خلاف تھا، اب لڑکی نے سوچا کہ یہ تو میرا مذہب جا رہا ہے، میں تو چاہ رہی تھی کہ میں ایک ایسی جگہ پر پڑھوں جہاں پر مجھے اپنا مذہب پکا معلوم ہو، یہ ٹیچر خود ایسا نکلا عیسائی ہونے کے باوجود، تو پھر وہ دوبارہ ان جماعتوں کی طرف گئی جن جماعتوں نے اس کو بھیجا تھا، ان لوگوں نے اس کو کہا کہ نہیں آپ کو ملازمت پر تو تب ہی رکھیں گے جب آپ یہ کورس پورا کرو گی، تبھی تو آپ یہ کام ہمارا کر سکو گی، پھر دوبارہ وہ لڑکی جوائنٹ ہوئی، یہ کہہ رہی ہے کہ مجھے کالج میں نظر آیا کہ چند نوجوان دوسرے سارے بچوں سے الگ ہیں، وہ کسی قسم کی سیٹیاں بجانا، عورتوں سے بات چیت کرنا، لڑکیوں کو گھور گھور کر دیکھنا، اس طرح کی کوئی چیز ان میں نہیں تھی، جب کہ مجھے یہ سکھلایا گیا تھا کہ مسلمان سب سے زیادہ خواہش پرست ہوتے ہیں، سیکس میں یہ سب سے زیادہ دل چسپی رکھنے والے ہوتے ہیں، یورپ اور امریکہ میں مسلمانوں کے متعلق عام تصور کروایا گیا، اس لیے ان کے لڑکے بھی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ یہ چند بچے تھے امریکہ میں وہیں کی نسل کے اور افریقہ کے کچھ مسلم ملکوں سے گئے تھے، ان کا ایک گروپ تھا، یہ سنجیدگی اور وقار کے ساتھ وہاں رہتے تھے، اس کو یہ ہوا کہ یہ کون ہے؟ اس نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو کہا کہ مسلمان، اس نے کہا کہ ایسا نہیں ہوسکتا! مسلمان تو ہمیں امریکہ میں جو سکھلایا گیا کہ وہ ایسا ہوتا ہے، اور یہ تو ایسے نہیں! کہا کہ نہیں یہ مسلمان ہی بچے ہیں، اس نے کہا کہ یہ تو سب سے زیادہ شریف نظر آتے ہیں، کالج میں کوئی ان کی حرکت

ایسی نہیں ہے اور یہ عجیب مخلوق معلوم ہو رہی ہے، نوجوانی کا تقاضہ ہوتا ہے، کچھ نہ کچھ گڑبڑ کرتے رہتے ہیں اور دوستی ایسی ملے اور پھر وہاں کا ماحول آزاد Freedom ہے،ان سب کے باوجود یہ نوجوان اس طرح سے ہیں،اس نے ایک نوجوان کو پوچھا کہ جب آپ لوگ بات کرتے ہیں تو ہماری طرف نظر نہیں کرتے ، نیچی نظر کر کے بات کرتے ہیں، یہ کیا ہے؟ کیا آپ کے اندر کوئی خواہشات اور کوئی جذبہ ہے ہی نہیں؟ انہوں نے کہا کہ اسلام نے ہمیں اس سے منع کیا ہے، جب یہ جملہ اس نے سنا کہ اسلام نے منع کیا، اللہ پاک نے اس کے دل میں ڈالا کہ اب اسلام پڑھنا ہے،جس مذہب کے متعلق یہ کہا گیا اور تعلیمات کے متعلق اور یہاں تو الٹی بات ہے،اس نے قرآن کریم کا مطالعہ شروع کیا اور پھر آخر میں اللہ پاک نے اس کو ایمان کی دولت سے مالا مال کیا۔

ایک اورلڑکی کا قبول اسلام:

اب یہاں بھی یہی حال ہے کہ نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ وہ پرانی چیزوں سے باز آ چکا ہے اور اب وہ اس کو برداشت نہیں کرسکتا اور اللہ پاک نے صاف فرمایا ہے: اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ۝۲۸ (رعد:۲۸) دلوں کا جواطمینان اور سکون ہے؛ وہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے ذکر اور اللہ کی یاد میں ہے،اس لیے ابھی دو تین دن پہلے ایک لڑکی کا انٹرویو آیا، جب اس سے انٹرویو والے نے دریافت کیا کہ آپ کو کس چیز نے متأثر کیا؟ تو لڑکی نے کہا مسلمانوں کی نماز نے ،نماز میں جب ہم جاتے ہیں تو ڈائریکٹ میرا اور خدا کا تعلق ہوتا ہے، بیچ میں کوئی نہیں ہوتا، یہ ایک ایسی چیز ہے جو نیچر اور فطرت والی چیز ہے،اس چیز نے مجھے مجبور کیا کہ یہ دین سچا ہے اور میں اسی پر عمل کروں گی، اور پھر اللہ پاک نے مزید اور توفیق دی، بہت سارے لوگ ہیں جن کے قصے اخبارات اور اسی طریقے سے میڈیا میں رات دن آرہے ہیں، عمر صاحب کی تائید کرنے کے لیے چند نوجوان لڑکے لڑکیاں جو بھی ان کے پاس گئے تھے، انہوں نے کہا کبھی بھی عمر صاحب نے ہمیں یہ نہیں کہا ،اور کہہ بھی نہیں سکتے ، اسلام دل کے ساتھ تعلق والی چیز ہے،

زبانی تو ہے نہیں!

اسلامی عقائد پر ایمان لانا ضروری ہے:

اس لیے اگر ایک آدمی ہمیں کہہ بھی دے کہ میں مسلمان ہوں، جس وقت پرسنل لا کا شاہ بانو والا کیس ۱۹۸۵-۱۹۸۶ میں چل رہا تھا تو اس وقت جو کیرالہ کے گورنر ہیں عارف محمد خان، اس وقت وہ کانگریس میں تھے، انہوں نے گڑبڑ کی تھی، بہت کچھ اسلام کے خلاف بھی بولا، کسی نے حضرت مولانا علی میاں ندویؒ سے کہا کہ ہم ان کو اپنے مذہب سے نکال دیں (عارف محمد خان کو)، چوں کہ کچھ مذاہب ایسے ہیں جہاں مذہب سے نکال دیتے ہیں، ان کی کمیٹی ہوتی ہے، وہ کہتے ہیں کہ تم ہم میں سے نہیں ہو، پھر ہمارے قبرستان میں بھی نہیں، اس طرح دوسرے مذاہب میں بھی کمیٹیاں ہوتی ہیں، اس کے جواب میں حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے فرمایا کہ اسلام کا کوئی دروازہ نہیں ہے ظاہری کہ جس میں سے جو آئے تو مسلمان، اور نکل جائے تو وہ غیر مسلم، یہ چند عقائد کا نام ہے، اگر وہ ان عقیدوں کو اللہ پاک کی توحید، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور آخرت کے دن کو یہ تین بنیادی عقیدے ہیں، یہ تین عقائد کو مانتا ہے تو چاہے نام کچھ بھی ہو، وہ مسلمان ہے اور اگر وہ نہیں مانتا تو چاہے کوئی بھی اچھے سے اچھا نام رکھا جائے، وہ مومن نہیں سمجھا جائے گا۔

قرآن مجید میں سر بلندی اور غلبہ کے حصول کے سلسلہ میں دو آیتوں میں کافی رہنمائی فرمائی ہے۔ ایک جگہ فرمایا: **و انتم الاعلون ان کنتم مؤمنین** (آل عمران: ۱۳۹) تم ہی بلند تر ہوں گے اگر تم ایمان والے ہوئے، اور **کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة الخ...** (بقرہ: ۲۴۹) جس میں صبر کی تلقین کی گئی ہے، ایمانی زندگی کی بنیاد اس بات پر ہے کہ اللہ تعالی پر اعتماد ہو، اس کے احکام کی پابندی ہو، اور اللہ تعالی کے دیے ہوئے صبر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی کے بھروسے پر صبر و برداشت کا ثبوت دینا ہے، آج ہمارے ایمان کی کمی کے ساتھ صبر کی بھی کمی ہے، اگر صبر ہے تو عموماً اللہ تعالی کے بھروسے پر نہیں، اللہ کے بھروسے

والے صبر میں غیر اللہ کا خوف نہیں ہوتا، مایوسی اور پست ہمتی نہیں ہوتی، اس کے ساتھ یہ جاننا چاہئے کہ یہ ہماری قوت ایمانی، خود اعتمادی، اخلاقی جرأت اور سیاسی بصیرت کا کھلا ہوا امتحان ہے، اس امتحان سے ہم کو ۱۴۰۰ سالہ تاریخ میں بار بار گزرنا پڑا ہے، بارہا ایسے مواقع آئے جب یہ محسوس ہونے لگا کہ امت کا چراغ اب اور تب بجھا چاہتا ہے، اس امت کے لئے کارگاہ ہستی کو سجانے والے آقا و مالک نے یہی فیصلہ فرمایا ہے کہ وہ اس امتحانی طوفان سے گزرتی رہے، یہی اس کا طرۂ امتیاز ہے، چنانچہ فرمایا گیا: **لتبلون في اموالكم وانفسكم** (آل عمران:۱۸٦) الخ... **ولنبلونكم** (بقرہ:۱۵۵) الخ ... یہ آیات تمام مسلمانوں سے خطاب کر رہی ہیں، لہٰذا ہندوستانی مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ جزوی، فروعی اختلافات بھولا کر ان فتنوں کے مقابلہ کیلئے تیار ہو جائیں۔ جہاں تک جانی مالی خطرہ کا تعلق ہے تو قرآن کریم نے فرمادیا ہے: **ان الله اشترى من المؤمنين انفسهم واموالهم بان لهم الجنة**، (توبہ:۱۱۱) لہٰذا ایمان کی حفاظت کرنے کیلئے کیا کرنا چاہئے، اس کو بھی آگے کی آیات سے واضح کردیا ہے۔

اس کے ساتھ یہ بات بھی مدنظر رکھنا ہے کہ دنیا کی ساری قومیں آسمانی ہدایت اور انبیاء کرام کی تعلیم وحکمت کے سرمایہ کو یکسر کھو چکی ہیں، اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں امت مسلمہ ہی سے امید کی شعاع نظر آتی ہیں، کیونکہ ہمارے پاس دینی سرمایہ اور آسمانی ہدایت وحکمت کا سر چشمہ اپنی اصل شکل میں محفوظ ہے، ہم وہ ملت ہیں جن کے پاس بھٹکی ہوئی انسانیت کی ہدایت، ہر عہد میں کسی ڈوبتے ہوئے معاشرے کو، کسی بجھتے ہوئے چراغ کو، کسی برباد ہوتے ہوئے ملک کو بچانے والا پیغام ہے، ہم نے ساتویں آٹھویں صدی عیسوی میں رومی، ایرانی اور ترکستانی معاشرہ کو اور تیرہویں صدی عیسوی میں نیم وحشی تاتاری قوم کو ایک نیا دین وعقیدہ، مقصد زندگی، ترقی یافتہ تہذیب، علوم وفنون اور اعلی درجہ کی انتظامی وقانونی صلاحیت والی رہنمائی عطاء کی ہے۔

افسوس ہے کہ ہمارے کچھ سیاسی لیڈروں کے مخصوص سیاسی مزاج اور ناعاقبت اندیشی

نے اسلام اور مسلمانوں کو اس ملک میں سیاسی اور سماجی حریف ومقابل بنا کر چھوڑ دیا، جس کے ساتھ کوئی بے غرض و بے لوث دینی دعوت ہے، نہ انسانیت کی فلاح ونجات کا کوئی پیغام ہے۔ نہ سیاسی حقوق سے بلند کوئی مقصد زندگی ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کی اخلاقی وروحانی دعوت جس کو ان سیاسی لڑائیوں سے کوئی تعلق نہ تھا، وہ بھی معیوب اور مخالف معلوم ہونے لگی، ہم کو ملک وملت دونوں زندہ حقیقتوں میں سے کسی سے آنکھیں بند نہیں کرنی چاہئے، لیکن ہماری داعیانہ حیثیت اور فرض منصبی جس کی بنا پر ہم کو خیر امت اور شہداء اللہ کا لقب ملا ہے وہ غالب رہنی چاہئے، مسلمانوں میں دینی شعور اور دینی تعلیم کی ضرورت کا احساس ہونا چاہئے، قومیں صرف تاریخ کے سہارے یا عظمت رفتہ کی بدولت نہیں، بلکہ جہد مسلسل و دائمی سرگرمی، مستقل احساس ذمہ داری اور ہر دم قربانی کے لئے آمادگی، تازہ دم قوت افادیت وصلاحیت کے بل پر زندہ وتابندہ رہتی ہیں، ورنہ تاریخ دفتر پارینہ کا حصہ بن جاتی ہیں، زمانہ انہیں طاق نسیان پر رکھ دیتا ہے، لہذا امت مسلمہ حالات سے نہ گھبراتے ہوئے اپنے دعوتی، تہذیبی اور قائدانہ کردار کے ساتھ سرگرم سفر ہوں کیونکہ

ناموس ازل را توامینی تو امینی - دارائے جہاں راتو یساری تو یمینی
اے بندہ خاکی تو زمانی تو زمینی - صہبائے یقین درکش واز دیر گماں خیز
از خواب گراں خواب گراں خواب گراں خیز
عالم ہمہ ویرانہ زچنگیزیٔ افرنگ - معمار حرم باز بہ تعمیر جہاں خیز

برائیوں کو ختم کرنے کے لیے ہی جہاد مشروع ہوا ہے:

دوستو اور بزرگو! یہ حالات آئیں گے یہ تو اپنی جگہ پر نبیوں کی سنت ہے، آئیں گے ہی، ایمان نام کس کا ہے؟ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ يُّتۡرَكُوۡۤا اَنۡ يَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَهُمۡ لَا يُفۡتَنُوۡنَ۝۲ (عنکبوت: ۲) لیکن جو فکر کرنا ہے وہ ہمیں کرنا ہے، اپنے لڑکوں کو بھی اور لڑکیوں کو بھی بچانا ہے، لڑکی چلی جائے گی تو مرتد ہوگی اور وہ وہیں رہے گی تو اس کی پوری زندگی کے کفر کا وبال ماں باپ پر

آئے گا، اور لڑکا اور اگر کسی لڑکی کو لے آتا ہے یا محبت کرتا ہے، چاہے **مسلمان ہو؛ اسلام میں** اس کی گنجائش نہیں، اس لیے یہ جہاد کو "لو" کے ساتھ تعبیر کرنا، جہاد آیا ہی ہے اس لیے تا کہ اس قسم کی چیزوں کو ختم کیا جائے، دنیا میں جو فحاشی اور عریانیت ہو رہی ہے، جہاد تو اس لیے آیا ہے کہ اس بے حیائی اور بے شرمی کو ختم کیا جائے، آپ ﷺ خود فرماتے ہیں: **إنما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق.** (مجمع الزوائد: ۱۸/۹، باب ماجاء فی حسن خلقه) اچھے اخلاق کے لیے میں بھیجا گیا ہوں، **بعثت بکسر المزامیر.** (کنز العمال: ۲۲۶/۱۵، رقم: ۴۰۶۸۹) ناچ گان کی چیزوں کو توڑنے کے لیے آیا ہوں، اس لیے دوستو بزرگو! یہ جو حالات ہیں اس میں ہمیں اپنی اولاد، اپنے بھائیوں اور اپنی بہنوں پر نگرانی کرنی ہوگی، ان کے ایمان کی حفاظت کرنی ہوگی، اللہ پاک سے دعا ہے کہی سنی باتوں پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(۱۶)

عقائد کا بیان

الحمد لله رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی آله واصحابه اجمعین. قال اللہ تعالیٰ فی القرآن المجید والفرقان الحمید.

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ﴿۱۳۶﴾ (نساء:۱۳۶)

صدق اللہ العظیم و صدق رسوله النبی الکریم و نحن علیٰ ذلک لمن الشاهدین و الشاکرین و الحمد للہ رب العالمین.

آیت کریمہ کی مختصر تشریح:

محترم ومکرم حضرات علماء کرام اور ایمان والے بھائیو! قرآن کریم کی ایک آیت میں نے آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی، یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ اے ایمان والو! جو ظاہر میں ایمان لائے ہو، کلمہ کے ذریعہ ایمان لائے ہو، اٰمِنُوْا یقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ یہ آیت ہم کو بتلا رہی ہے کہ اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ اپنے ایمان کی اور اپنے یقین کی کیفیت کی تجدید کرو، بار بار اس پر غور وفکر کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتے ہیں کہ ایمان تو لے آئے ہو؛ لیکن اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ اس کے بعد جن بنیادی چیزوں پر ہمیں ایمان لانا

ضروری ہے، آگے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کو فرمایا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ اللہ تعالیٰ پر ایمان اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان وَ الْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ اور اس کی کتاب پر جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نازل کی وَ الْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ میں قرآن کریم کے سلسلہ میں ہمیں حکم فرمایا کہ قرآن پر ایمان لانا ضروری ہے، وَ الْكِتٰبِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ اور وہ آسمانی کتابیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے اتری ہے؛ ان پر بھی اجمالی طور پر اتنا ایمان لانا ضروری ہے کہ وہ اللہ پاک کی طرف سے ان زمانوں میں انبیاءؑ پر بھیجی گئیں تھیں، آگے اللہ پاک فرماتے ہیں وَ مَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓىٕكَتِهٖ ، اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرے اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے پیغمبروں اور قیامت کے دن سے انکار کرے، تو یہ شخص بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا، ایمان والوں کو اپنے ایمان کی فکر کرنا، اور اس کی طرف توجہ کرنا، اور کن کن چیزوں پر ایمان لانا، اس سے آج ہمارے بہت سارے مسلمان نوجوان ناواقف ہیں، بلکہ کبھی کبھار بڑی عمر کے بزرگوں سے بھی بات ہوتی ہے تو یہی معلوم نہیں ہوتا ہے کہ ایمان کس کو کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات عالی کے ساتھ ہمیں کیسا یقین کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کی صفات کو اور اس کی قدرت اور طاقت پر یقین اس طریقے کا ہو کہ عملی زندگی میں جب بھی انفرادی (Private) طور پر یا اجتماعی طور پر قوم کے لیے کوئی پریشانی ہو یا کوئی تکلیف ہو اس موقع پر وہ سوچے کہ مجھے مومن رہنے کے لیے کون سی چیزیں ضروری ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ شرک کو ناپسند فرماتے ہیں، قرآن کریم میں آیا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ (نساء:۴۸) اللہ تعالیٰ کے ساتھ (Partnership) کسی اور کو شریک کیا جائے، اللہ تعالیٰ اس کو ہرگز معاف نہیں کریں گے، دوسرے گناہوں کی تو بغیر توبہ کے بھی اللہ تعالیٰ بخشش کر دیں؛ لیکن شرک کے متعلق اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ اللہ تعالیٰ اس کی بخشش اور مغفرت نہیں فرمائے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات وصفات پر ایمان لانا:

دوستو اور بزرگو! قرآن کریم کی ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو چیزیں ذکر فرمائی ان چیزوں میں سب سے پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات و صفات پر ایمان لانا کہ ہر قسم کی طاقت اور قدرت اور ساری حکومت اس کے اختیار میں ہے، کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کے ماتحت ہے وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾ (انعام:۵۹) زمین کی گہرائی میں کوئی دانہ ہوتا ہے، ہمیں پتہ نہیں ہوتا ہے کہ کس کا دانہ ہے اور کیا ہے؟ کاشتکار بوتا ہے اور ایک خودرو، جو اگ جاتی ہیں، یہ دانے کیسے گرے؟ اور کہاں گرے؟ ان ساری چیزوں کا علم اللہ تبارک وتعالیٰ کو ہوتا ہے وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾ ہر خشک چیز اور تر چیز اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں لکھی ہوئی ہے، یہ بنیادی عقیدے جو اللہ پاک نے ذکر کیے اور گذشتہ جمعہ کو میں آپ کو کہہ چکا ہوں، قرآن کریم میں ۸۰ سے زیادہ اللہ پاک نے مثالیں بیان فرمائی سمجھانے کے لیے، ان میں بڑی بڑی آیتیں اس سے پہلے میں نے آپ کے سامنے پیش کی، جس میں اللہ پاک نے توحید اور شرک کی مثالوں کو واضح کر کے بتلایا، مکڑی کے جالے کی مثال دے کر اس کو سمجھایا، مکھی کو اڑا نہیں سکتے ہیں، اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ (انعام:۱۲۲) بے ایمانی کی زندگی موت والی زندگی ہے اور ایمان والی زندگی کو اللہ تعالیٰ نے حیات فرمایا، زندگی فرمائی، اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ، پہلے بھی زندہ تھے، حضرت حمزہؓ کے سلسلے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے، لیکن عمومی طور پر جب بھی جو بندہ ایمان لائے گا یا ایمان والا ہوگا تو یہ آیت کریمہ اس کو خطاب فرمائے گی، تو سب سے بنیادی چیز ان مثالوں کے ذریعہ اللہ پاک نے واضح کی ہے، ہم اور آپ جس ماحول میں رہتے ہیں اس ماحول میں سب سے بنیادی جس بڑی چیز کی ضرورت ہے، وہ ایک اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات و

صفات پر یقین کی کیفیت کا ہونا، جب کفر اور شرک کے درمیان اہل ایمان ہوتے ہیں، قرآن کریم تمام انبیاءؑ کے واقعات، ان کے ساتھ پیش آنے والے حالات، اور اللہ پاک کی طرف سے کمزوروں کی مدد اور نصرت کن کن اندازوں میں فرمائی گئی، مختلف آیتوں میں مختلف قصوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو ذکر فرمایا، اس لیے بنیادی طور پر ہم میں سے ہر ایک کو اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہیے اور اپنے ساتھ ساتھ اپنے بیوی بچوں کے ایمان کی فکر کرنی چاہئے۔

سیدنا ابراہیمؑ جب مکہ مکرمہ میں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کو چھوڑ رہے ہیں اس موقع پر آپ نے یہی فرمایا رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣٦﴾ (ابراہیم: ۳۶) یہ غیر کی پرستش نے بہت ساری انسانیت کو تباہ و برباد کر دیا، ناشکری کی اس حد تک بندہ پہنچتا ہے کہ اپنے خالق اور مالک کو نہ پہچانے یا پہچان ظاہری شکل میں کرے اور اس کی ذات وصفات کا یقین ان کیفیتوں کے ساتھ نہ ہو، جو کیفیت اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن میں ذکر فرمائی ہے۔

ایمان کا مزہ:

اس لیے میں نے آپ کے سامنے ایک روایت بھی پڑھی تھی **ذاق طعم الایمان من رضی باللہ ربا و بالاسلام دینا و بمحمد رسولا۔** (مسلم: کتاب الإیمان، باب من رضی باللہ ربأ و بالإسلام دیناً و بمحمد رسولا) اس شخص نے ایمان کا مزہ چکھ لیا جو اللہ تبارک وتعالیٰ کو بطور رب کے مانے اور قرآن کریم کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی کتاب مانے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ کا نبی اور رسول مانے، تو اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ایمان والو! ایمان لے آؤ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا آگے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ، آپ کی بات قابل اطاعت ہے، اللہ تعالیٰ کی رضامندی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمابرداری میں ہے، قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣١﴾ (آل عمران: ۳۱) محبت الٰہی محبت رسول ہی سے بڑھتی ہے، اس لیے اللہ تبارک

وتعالیٰ نے فرمایا وہ اطاعت سے ہوتی ہے،صرف زبانی طور پر محبت دنیا میں کوئی قبول نہیں کرتا،
امتحان لیتے ہیں، یا جو جو بھی دعوے کرتے ہیں اس کے بعد حالات آتے ہیں ہر کام میں ہر
مسئلہ میں،تو ایمان جیسی اتنی قیمتی چیز کے ساتھ حالات آئے،اس موقع پر خاص کر کے ایسے
ماحول میں جہاں چہار سمت سے کفر اور شرک اپنی مختلف شکلوں میں ظاہر ہورہا ہو، ہماری
اقتصادی اور سماجی زندگی کے مسائل جن سے وابستہ ہے،اکونومک کے جو مسائل وابستہ ہے، یہ
سارے کاروبار اور یہ چیزیں اس ملک میں جب مسلمان آئے تھے تاجرانہ حیثیت سے بھی اور
مجاہدانہ حیثیت سے؛ لیکن ان دونوں شکلوں میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کی حفاظت
فرمائی اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے، اس لیے میں نے آپ کے سامنے یہ آیت پڑھی ،
چوں کہ اس وقت سب سے بڑی کمی اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات اور صفات پر یقین کی کمی ہے،وہ
خدا کیسے ہیں ہم نہیں پہچان سکتے ،آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں، **لا أُحۡصِي ثَنَاءً عَلَيۡكَ أَنۡتَ كَمَا أَثۡنَيۡتَ عَلَى نَفۡسِكَ**۔ (مسلم: کتاب الصلاۃ، باب ما یقال فی الرکوع والسجود) آپ نے
اپنی تعریف جو اپنی کتاب میں اور نبی کے پر وحی نازل کر کے فرمائی، احادیث مبارکہ کی روشنی
میں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں میں آپ کی تعریف نہیں کرسکتا، اس لیے کہ اللہ پاک
کی صفات کو کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا ہے۔

اللہ پاک کو نہ نیند آتی ہے اور نہ اونگھ:

سیدنا موسیٰؑ نے پوچھا کہ باری تعالیٰ آپ کو نیند آتی ہے؟ اللہ پاک نے قرآن پاک میں
آیت الکرسی میں فرمایا **لَا تَأۡخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوۡمٌ** ؕ (بقرہ:۲۵۵) نیند تو بہت دور کی چیز ہے؛ اس
سے پہلے کی جو کیفیت ہوتی ہے یہ جو جھونکے آنا **لَا تَأۡخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوۡمٌ** یہ بھی نہیں۔اللہ
پاک نے موسیٰؑ سے فرمایا کہ دو گلاس لے کر آپ کھڑے رہیے ہاتھوں پر، آٹھ دس گھنٹے
ہوئے،موسیٰؑ کے ہاتھ سے گلاس گر پڑا، اللہ پاک نے فرمایا اے موسیٰ! جب یہ گلاس کی تم
حفاظت نہیں کرسکتے، اپنی نیند اور جھونکے کی بنیاد پر یہ گرسکتا ہے تو اگر خداوند قدوس بھی اگر

آرام کرتا تو کائنات کا نظام کیسے چلتا، (درمنثور: ۱/ ۳۲۷) یہودیوں نے یہ مثال مشہور کر رکھی تھی کہ اللہ پاک نے چھ دن میں زمین و آسمان، اور ان کے درمیان کی تمام چیزیں پیدا فرمائی اور نعوذ باللہ سنیچر کے دن اللہ تعالیٰ نے آرام فرمایا، اللہ پاک نے اس کا جواب دیا کہ ہم نے سب کچھ پیدا کیا وَّمَا مَسَّنَا مِنۡ لُّغُوۡبٍ ﴿۳۸﴾ (ق: ۳۸) ہمیں کوئی تھکاوت کوئی تکلیف نہیں ہوئی، یہ آیات کے ذریعہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اپنی ذات پر پختہ یقین کا حکم دے رہا ہے۔

شرح صدر نور الٰہی ہے:

اَفَمَنۡ شَرَحَ اللّٰهُ صَدۡرَهٗ لِلۡاِسۡلَامِ فَهُوَ عَلٰی نُوۡرٍ مِّنۡ رَّبِّهٖ ؕ فَوَیۡلٌ لِّلۡقٰسِیَةِ قُلُوۡبُهُمۡ مِّنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۲۲﴾ (زمر: ۲۲) جس کا سینہ اسلام کے لیے کھل جائے، اللہ پاک فرماتے ہیں کہ وہ ہماری طرف سے نور پر ہے، اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ ۖ تَقۡشَعِرُّ مِنۡهُ جُلُوۡدُ الَّذِیۡنَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ ۚ ثُمَّ تَلِیۡنُ جُلُوۡدُهُمۡ وَقُلُوۡبُهُمۡ اِلٰی ذِكۡرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُدَی اللّٰهِ یَهۡدِیۡ بِهٖ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَمَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ هَادٍ ﴿۲۳﴾ ایسی کتاب نازل فرمائی جو یُخۡرِجُهُمۡ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّوۡرِ ساری دنیا کے انسانوں کو تاریکی سے نکال کر روشنی کی طرف لائے، عرض کر چکا ہوں میں آپ سے کہ جو لوگ نئے نئے اسلام میں داخل ہوتے ہیں ان کو احساس ہوتا ہے کہ ایمان کتنی بڑی دولت اور کتنی بڑی نعمت ہے، اس لیے جو حالات آتے ہیں؛ چاہے وہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں اس ملک میں، یہ ان سب کو برداشت کرتے ہوئے بھی ایمان میں داخل ہوتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ساری جو لذتیں تھی اب تک کی زندگی میں، اس سے ہمیں کوئی سکون نہیں ملا، اور جب جب ایمانی کیفیت کے ساتھ ہم آئے ایمان میں داخل ہوئے تو عجیب وغریب قسم کا ایک سرور اور دل کا اطمینان نصیب ہوا۔

ایمان کے لغوی معنیٰ یقین کرنا، تصدیق کرنا، دل سے کسی بات کو ماننا، اور اسلام کا معنیٰ اپنے آپ کو سپرد کرنا، شریعت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام باتوں میں تصدیق کرنا، دل سے ماننا، عقیدۂ ایمان ہی معاشرہ اور فرد کی نگرانی کا ذمہ دار ہے، حدیث میں مقبولیت کی پہچان ایمان کو

بتلایا، اللہ تعالیٰ جس سے محبت کرتا ہے اس کو ایمان کی دولت سے نوازتا ہے، ورنہ دنیا کی دولت تو محبوب اور غیر محبوب دونوں کو عطا کرتا ہے۔

ایمان لانے کے بعد اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہو تو بڑے سے بڑا گناہ معاف ہوجاتا ہے، حدیث ابوذر اس پر شاہد ہے جس کو امام بخاریؒ نے نقل فرمایا، زندگی کے آخری لمحات میں اگر ان گناہوں سے توبہ کرلے تو یہ گناہ معاف ہوجائیں گے، اگرچہ زنا یا چوری جیسا گناہ سرزد ہوگیا ہو۔ (بخاری: کتاب اللباس، باب الثیاب البیض)

حضرت لقمان نے بیٹے کو کہا کہ اے بیٹے جس طرح کھیتی بلا آبیاری کے سرسبز نہیں ہوسکتی، اسی طرح ایمان بلا علم وعمل کے منور نہیں ہوتا۔

حدیث میں ہے جب نور یقین قلب میں داخل ہوتا ہے تو اس میں ایک فراخی اور کشادگی نمودار ہوتی ہے، صحابۂ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی کچھ علامت بیان فرمایئے، تو ارشاد فرمایا اس کی تین علامتیں ہیں:

(۱) آخرت کی طرف میلان (۲) دنیا سے نفرت اور یکسوئی (۳) موت سے پہلے اس کی تیاری۔

ایمان کا تعلق زیادہ ترغیب سے ہے۔

دنیا میں دو قسم کے انسان ہیں (۱) خدا پرست (۲) مادہ پرست، مادہ پرست کی نظر محسوسات کے دائرہ میں محدود ہے، وہ عالم بالا کے تصور کو وہم پرستی سے زیادہ نہیں سمجھتا، اسی لیے انبیائے کرام کی طرف سے عالم بالا کا تذکرہ سنتا ہے تو اس کا تمسخر کرتا ہے۔ جبکہ خدا پرست کے نزدیک محسوسات کے علاوہ بھی عالم ہے، خود محسوسات کا علم بھی جغرافیہ کے ذریعہ ہوتا ہے، اور اس کا کوئی انکار نہیں کرتا تو انبیائے کرام کے بتلائے ہوئے کو رد کرنا کیسے جائز ہے؟

صحابۂ کرام نے جب ایمان کو اپنا لیا تو اس کا یہ اثر ہوا کہ ان کا عملی نقشہ ہی بدل گیا۔

تقویٰ کی مثال کھاڑ دار درخت سے نکلنے جیسی ہے، حدیث میں ہے: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

ارشاد فرمایا کہ تمہارے نزدیک کس کا ایمان زیادہ قابل تعجب ہے؟ صحابۂ کرام نے عرض کیا: ملائکہ کا، آپ نے فرمایا: وہ کیوں ایمان نہ لاتے جب کہ وہ پروردگار کے پاس رہتے ہیں، صحابۂ کرام نے فرمایا: نبیوں کا، آپ نے فرمایا وہ کیوں ایمان نہ لاتے جب کہ اللہ تعالیٰ کی کتابیں ان پر نازل ہوتی ہے، صحابہ نے کہا کہ پھر ہمارا ایمان۔ آپ نے فرمایا: تم کیوں ایمان نہ لاتے جبکہ میں تمہارے درمیان ہوں، پھر آپ نے فرمایا، سن لو میرے نزدیک قابل تعجب ان لوگوں کا ایمان ہے جو تمہارے بعد آئیں گے، وہ آسمانی کتاب پر ایمان لائیں گے۔ (جزء ابن عرفة: رقم: ۱۷)

حدیث میں ہے اس امت کی سب سے پہلی اصلاح دولت یقین کی وجہ سے ہوئی اور سب سے پہلی بربادی بخل اور درازامیدوں سے ہوگی۔

گناہوں کی نحوست کی بنیاد پر وہ گناہ ایمان دل سے نکلنے کا سبب بن جاتا ہے جیسے حدیث مبارکہ میں ہے، **لایزنی الزانی حین یزنی وھو مؤمن، لا یسرق السارق حین یسرق وھو مؤمن ، لا یشرب الخمر حین یشربھا وھو مومن.** (بخاری: کتاب المحاربین بین من أهل الكفر والردة ،باب إثم الزناة)

ابن عباسؓ نے عکرمہ کے سوال کرنے پر اشارہ سے فرمایا کہ اس طرح ایمان نکلتا ہے اور اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں ڈال دیں، پھر ان کو نکال دیں، اگر اس کے بعد توبہ کرتا ہے تو واپس آجاتا ہے، یہ کہہ کر انگلیاں ملا دیں۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ کہ ارتکاب معصیت کی حالت میں بندہ مومن کامل نہیں رہتا، اس کا نور ایمانی نکل جاتا ہے۔

امام ابن تیمیہؒ نے فرمایا عاصی کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بینا کا آنکھ بند کرنا کہ اس کے بعد اس کو کچھ نظر نہیں آئے گا، اس لحاظ سے وہ اور نابینا برابر ہو جائیں گے، لیکن فرق یہ ہے کہ نابینا آدمی تو نور بصر نہیں رکھتا جبکہ آنکھ بند کرنے والا نور تو رکھتا ہے؛ لیکن غلاف چشم کی وجہ سے وہ

نور کام نہیں آتا، اس لیے نابینا کی طرح ہوتا ہے، اسی طرح گناہ کی وجہ سے مومن کا نور بصیرت مدھم پڑ جاتا ہے، اس پر خواہشات کا حجاب آ جاتا ہے، اور وہ گناہ کر بیٹھتا ہے، اس حالت میں وہ مؤمن تو رہتا ہے لیکن گناہ کے باعث نورِ ایمان ختم ہو جاتا ہے۔

خدا تعالیٰ کی توحید، رسالت، جنت و دوزخ کے وجود کو تسلیم کرنا جزءِ ایمان ہے، دین کے تمام احکام کی بجا آوری کا نام ایمان ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام فیصلوں کو ماننا ایمان ہے، صحابۂ کرام کے سامنے ان کی مرضی کے خلاف بھی فیصلے ہوئے لیکن انہوں نے رضامندی سے مانے، ایمان کے ساتھ حلال وحرام کی تمیز کرنا ضروری ہے، اسلام کے کسی حصہ کو ترک کرنا نقص ایمان کی دلیل ہے۔

گناہوں سے کبھی نیکیاں اکارت ہو جاتی ہے، کلمۂ طیبہ کو پاکزہ درخت کے ساتھ تشبیہ دی، ایمان درخت ہے اور اعمال صالحہ اس کے پھل ہیں۔

ایک مسلمان کے کیا اخلاق ہوتے ہیں؟ اس کو بتلاتے ہوئے فرمایا کہ دوسرے کو نہ تکلیف پہنچائے، سلام کرے، کھانا کھلائے، اپنے لیے جو پسند کرے وہ دوسرے بھائی کے لیے پسند کرے۔ (بخاری: کتاب الإیمان، باب من الإیمان أن یحب لأخیه ما یحب لنفسه)

ایمان والے کو زندہ اور کافر کو مردہ قرار دیا، اَوَمَنۡ كَانَ مَيۡتًا فَاَحۡيَيۡنٰهُ وَجَعَلۡنَا لَهٗ نُوۡرًا يَّمۡشِىۡ بِهٖ فِى النَّاسِ كَمَنۡ مَّثَلُهٗ فِى الظُّلُمٰتِ لَيۡسَ بِخَارِجٍ مِّنۡهَا ‌ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلۡكٰفِرِيۡنَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ﴿۱۲۲﴾ کافروں کو اندھے، بہرے، دل کے اندھے قرار دیے، جبکہ وہ لوگ مکانات، قلعے بناتے تھے، تجارت، زراعت کے ماہر تھے، وہ قوموں اور ملکوں کی قیادت کرتے تھے، لَمۡ يُخۡلَقۡ مِثۡلُهَا فِى الۡبِلَادِ ۙ﴿۸﴾ جَابُوا الصَّخۡرَ بِالۡوَادِ ۙ﴿۹﴾ (فجر: ۸-۹) پھر بھی صم بکم کہنے کی وجہ کیا ہے؟ یہی کہ وہ مغیبات پر ایمان نہیں لائے، مشاہدات ہی کا اقرار کرتے ہیں اور غیب والا ایمان ہی مطلوب ہے۔ الَّذِيۡنَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَيۡبِ۔

ایمان بالشہود مقام حیوانیت ہے اور ایمان بالغیب مقام انسانیت ہے۔ حضرت ابوبکر

صدیق ؓ کو مقام صدیقیت بھی اس وجہ سے حاصل ہوئی۔

ایمان والوں کو خوشخبری اور کافروں کو عذاب کی دھمکی دی تا کہ وہ ایمان لے آئے، قیامت آخرت وغیرہ کا تذکرہ قرآن مجید میں بار بار اسی لیے آیا ہے۔

مومن کو موت کے وقت بھی خوف وحزن سے فرشتے تسلی دیں گے، قبر میں کافر کو ایمان نہ لانے پر افسوس ہوگا۔

کلمہ طیبہ ایک جڑ ہے، اعتقاد ویقین اور اعمال صالحہ اس کی شاخیں ہیں، قبولیت کی شکل میں آسمان کی طرف اٹھتے ہیں، جڑ کے مضبوط ہونے کی وجہ سے حوادثات دنیا اس کو ہلا نہیں سکتے، اور سطح زمین سے دوری کی وجہ سے پھل گندگی سے پاک ہوتے ہیں، صحابہ وتابعین کے واقعات اور پکے مسلمان کے ہر زمانے میں بہت سے واقعات ہیں کہ انہوں نے نہ جان کی پرواہ کی، نہ مال کی، مومن کے اعمال بھی کھجور کی طرح ہر وقت، ہر حال، ہر موسم میں جاری ہیں، کھجور کی ہر چیز کارآمد ہوتی ہے، اسی طرح مومن کا ہر فعل وعمل وحرکت وسکون کارآمد ہوتا ہے۔

حضرت بلال، خبیب، یاسر، خباب وغیرہ کا ایمان کے لیے تکالیف برداشت کرنا، حضرت صہیب کا سارا مال ایمان کے مقابلہ میں لٹا دینا، اسی طرح بہت سے بزرگوں کو آگ میں جلانے کی سزا ہوئی؛ لیکن کلمۂ کفر استعمال نہیں کیا۔ یہ نمونہ ہے کہ حالات کیسے بھی آجائے ایمان کا سمجھوتہ کسی دوسری چیز سے نہیں کر سکتے۔

دشمنان اسلام کی سازشیں:

دوستو اور بزرگو! اس ایمان کی ہمیں قدر کرنی ہے، دشمن جانتے ہیں، چاہے وہ شیطان ہو، اور چاہے شیطانی قوتیں ہوں، رات دن ان کی محنتیں چل رہی ہیں ہمیں بے ایمان کرنے کی، چاہے وہ اسکول کے نصاب کے ذریعہ ہو، چاہے اور دوسری شکلیں جو آرہی ہے، آپ کو بتلایا تھا کہ مسلمان لڑکیاں ان کے جو مسائل رات دن آرہے ہیں، اور لڑکوں کے بھی جو مسائل رات دن آرہے ہیں، ایک تو صرف زنا کاری یہ بھی بہت بڑا گناہ ہے، ایمان اندر سے نکل کر اوپر چلا

جاتا ہے؛ لیکن پھر بھی اللہ پاک اس کی بخشش اور مغفرت فرما دیتے ہیں؛ لیکن ارتداد کفر اور شرک ایسی چیز ہے کہ اللہ پاک اس کی بخشش اور مغفرت نہیں فرماتے، اس لیے مکمل پلاننگ کے ذریعہ ہمیں بلا رہے ہیں۔

فرشتوں پر ایمان لانا:

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ اللہ پر ایمان، اللہ کے فرشتے پر، یہ فرشتوں کا وجود ہے، فرشتوں کو اللہ پاک نے مختلف انتظامات کے لیے اپنی طرف سے مقرر فرمایا ہے، یہ ایمان لانا ضروری ہے کہ اللہ پاک کے فرشتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ دنیا کا یہ سارا نظام ان کے ذریعہ چلا کر ان چیزوں کو وجود میں لاتے ہیں، ان چیزوں کی حفاظت فرماتے ہیں؛ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ ان فرشتوں کے محتاج نہیں، صاف فرمادیا آدمؑ کی پیدائش کے موقع پر، فرشتوں نے کہا: کہ آپ ایسی مخلوق کو پیدا کریں گے جو زمین میں فساد مچائے گی، اللہ پاک نے فرمایا: میں جو جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے، فرشتوں نے فوراً فرمادیا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۲﴾ (بقرہ: ۳۲) آپ کی ذات پاک ہے، ہم اپنے قصور کا اعتراف کر لیتے ہیں، اور ہم صاف کہتے ہیں وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ (بقرہ: ۳۰) اور ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں، تو فرشتوں کے سلسلہ کا اتنا ایمان ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے، اس وقت لوگ الگ الگ قسم کی بہت ساری باتیں کرتے ہیں، کہیں اوپر سے کوئی دوسری دنیا ہے وہاں سے کچھ لوگ آتے ہیں، کچھ ربط میں ہیں سائنسدانوں کے، انہوں نے جو کچھ تصور کیا ہے، یہ وہ چیز نہیں ہے جو قرآن کریم اور احادیث میں ہے، ہاں! اللہ پاک کی مخلوق ہے دنیا کے مختلف علاقوں میں اور زمین کے علاوہ اور بھی بہت ساری اللہ تبارک وتعالیٰ کی مخلوق ہیں، قرآن کریم میں فرمایا اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۱۲﴾ (طلاق: ۱۲) اللہ پاک نے سات آسمان پیدا فرمائے، اور سات زمین، تو یہ سارا انتظام اللہ پاک کا ہے، تو فرشتوں کے بارے میں

فرمایا کہ یہ اللہ پاک کی مخلوق ہے، یہ نور سے پیدا کی گئی ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو ہمارے ذکر کے لیے ہماری تسبیحات کے لیے ہمارے حساب کتاب کے لئے کِرَامًا كَاتِبِيْنَ ﴿۱۱﴾ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۱۲﴾ (انفطار:۱۱،۱۲) کراماً کاتبین کو لگائے ہیں، یہ ایک مومن کا عقیدہ ہے۔

انبیاء کرامؑ پر ایمان لانا:

اس آیت میں اللہ پاک فرماتے ہیں وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ چوں کہ مشرکین فرشتوں کا انکار کر کے جبرئیلؑ کا انکار کرنا چاہتے تھے اور اس کے ذریعہ قرآن کریم کا انکار کرنا چاہتے تھے تو اللہ پاک نے فرمایا کہ اللہ پر بھی یقین ہو اور اللہ کے فرشتوں پر بھی اور رسولوں پر بھی، تمام انبیاء پر ایمان لانا ضروری ہے، اتنا ایمان کہ اللہ کے وہ نبی تھے، اور اللہ پاک نے آسمانی کتابیں ان پر اتاری، وہ سارے مضامین جو تورات اور انجیل کے تھے مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۳﴾ (آل عمران: ۳) قرآن کریم اس کی تصدیق کرتا ہے اور قرآن کریم میں یہ مضامین اللہ پاک نے ذکر کر دیے، یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ اللہ کے جتنے بھی نبی ہیں کسی کے متعلق ہم کوئی بکواس نہیں کرتے، اللہ پاک نے فرمایا تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ (بقرہ: ۲۵۳) یہ انبیاءؑ کرام ان کی جماعتیں ان میں بعض کو بعض پر ہم نے فضیلت دی؛ لیکن ہمیں سورۂ بقرہ کے آخری آیات میں بتلا دیا، لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ (بقرہ: ۲۸۵) ہم ان نبیوں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے، سارے اللہ پاک کے معزز رسول اور نبی ہیں، اور ایک نبی کا انکار سارے نبیوں کا انکار ہے، حضرت نوحؑ کے قصہ میں اللہ پاک نے فرمایا جب کہ نوحؑ اس وقت اکیلے ہیں؛ لیکن یہ فرمایا کہ یہ لوگ رسولوں کے منکر ہیں، جمع کا صیغہ استعمال فرمایا، یعنی ایک نبی دعوت دے رہے ہیں، سارے نبی اسی کی دعوت دے رہے ہیں شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾

(شوریٰ:۱۳) نبی جو بڑے بڑے ہیں اولوالعزم جن کو قرآن کریم نے کہا، ان نبیوں کا قصہ ذکر کر کے اور ان کا حوالہ دے کر فرمایا ان سارے نبیوں پر ہمیں ایمان لانا ہے، یہ ہم جانیں اور ہماری اولاد کو، اپنی بیوی اور بچوں کو سکھلائیں، اللہ پاک نے توحید کو اس طریقے سے بیان فرمایا اور ابراہیمؑ نے اپنی قوم کے سامنے اپنے والد کے سامنے کھول کر اللہ پاک کی صفات کو ذکر کر کے بتلایا۔ اللہ پاک کی صفات پر یقین ہوگا تو ہی ایمان والا سمجھا جائے گا۔

اللہ پاک کی آسمانی کتابوں پر ایمان لانا:

وَمَنۡ یَّکۡفُرۡ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ نبیوں پر جو کتابیں نازل ہوئی ان کتابوں پر بھی اتنا ایمان ضروری ہے کہ اللہ پاک کی طرف سے یہ نازل ہوئیں، اب چونکہ لوگوں نے ان میں تبدیلی کردی ہے یُحَرِّفُوۡنَ الۡکَلِمَ عَنۡ مَّوَاضِعِہٖ (نساء:۴۶) اللہ پاک خود فرماتے ہیں اور یہود اور نصاریٰ نے خود اقرار کرلیا ہے کہ اس وقت جو بائبل ہے، چاہے وہ پرانی ہو یا نئ ہو، دیگر انبیاءؑ کے صحیفے بھی اس میں موجود ہے؛ لیکن ہم گارنٹی نہیں دے سکتے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں حضرت عمرؓ نے تورات کے سلسلہ میں بات کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض ہو گئے اور آپ نے فرمایا **لَوْأن موسی کَانَ حیًا مَا وَسِعَه الا أن یتبعنی.** (مسند أحمد: ۱۵۱۵۶، مسند جابر: ۲۳/ ۳۴۹) اگر میرے زمانے میں حضرت موسیٰؑ زندہ ہوتے تو وہ میری پیروی کرتے، پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ اس مسئلے کو سمجھ گئے، آپ کی ناراضگی کو تو یہ جملے آپ نے ارشاد فرمائے **رَضِي بِاللّٰہِ رَبًّا ، وَبِالْإِسْلَامِ دِینًا ، وَبِمُحَمَّدٍ نبیاً.** (سنن دارمی: المقدمۃ، باب مایتقی من تفسیر حدیث النبی) بار بار حضرت ابوبکر صدیقؓ اس کو پڑھ رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غصہ اتر گیا، انبیاءؑ پر نازل ہونے والی کتابیں سچی تھیں، لوگوں نے اس میں تبدیلی کردی، حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم نے تین جلدوں میں ''بائبل سے قرآن'' نامی کتاب میں موازنہ کیا ہے ان کی بائبل کی عبارتوں اور قرآن کریم کی آیتوں کا، اس میں بڑے بڑے عیسائی پادریوں کا، اور عیسائی مصنفین کا، اسکالرز لوگوں کا مذہبی اعتبار سے، ریلیزین جو لوگ ہیں، ان

سب کے حوالے کے ذریعہ بتلایا کہ یہ بائبل وہ نہیں ہے جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ پر اتری، بلکہ ان میں لوگوں نے تبدیلی کردی، یہ خود اس کا اقرار کرتے ہیں، حضرت مولانا نے تفصیل سے عیسائیت کیا ہے؟ اس رسالے میں اس کو لکھا۔

یوم آخرت پر ایمان لانا:

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اور آخرت کے دن کا یقین، کہ مرنے کے بعد مجھے اپنے اعمال کا حساب دینا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کے دربار میں ہماری حاضری ہوگی اور اس وقت اللہ پاک کی طرف سے ہمیں سوال کیے جائیں گے، یہ والیوم الاخر ایسا عقیدہ ہے، قرآن کریم میں پہلے پارہ میں بھی فرمایا وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۴ آخرت کی زندگی پر وہ یقین کرتے ہیں، دنیا میں گناہوں سے روکنے کا اگر کوئی بڑے سے بڑا موثر ذریعہ ہے، تو وہ صرف آخرت کی زندگی ہے، **والبعث بعد الموت**، مرنے کے بعد دوبارہ حساب وکتاب کے لیے اٹھنا یہ چیزیں قرآن کریم میں اللہ پاک نے ہمیں بتلائی کہ ایمان لانے والے کے لیے ان چیزوں میں یقین کرنا ضروری ہے، اسی طرح ایمان مفصل میں ایک اور جملہ آپ سن چکے ہیں والقدر خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ. تقدیر کا اچھا اور برا ہونا، یہ دونوں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہے، بندوں کو اسباب اختیار کرنے سے روکا نہیں، سبب اختیار کرو؛ جو جو بھی جن چیزوں کے لیے ہے، روزی روزگار کے لیے، کام کاج کے لیے، سب کے لیے، لیکن یقین یہ ہو کہ تقدیر کا کوئی مالک نہیں، اللہ پاک کی ذات عالی جیسا چاہیں گے ہمارے ساتھ ویسا ہی معاملہ ہوگا۔ مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۲ (فاطر:۲)

اسلام کا تصور آخرت اور قضاء وقدر:

دوستو اور بزرگو! آخرت کا عقیدہ، اور تقدیر کا یقین، انسان کو بہت ساری تکلیفوں سے نجات دیتا ہے، رات دن حالات آتے ہیں، آدمی کوشش کرتا ہے؛ لیکن معاملہ بگڑ جاتا ہے، مالی

نقصان ہوتا ہے، اولاد کی بیماری، اپنی بیماری، تجارت اور کاروبار میں مختلف قسم کے مسائل کھڑے ہوجاتے ہیں، ایسے موقع پر کوشش تو کرتا رہے، محنت کرتا رہے؛ لیکن ساتھ میں یہ سمجھے کہ میری کوشش سے کچھ ہونے والا نہیں، جب تک اللہ نہ چاہے، حضرت علیؓ سے پوچھا گیا کہ آپ نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو کیسے پہچانا؟ آپ نے فرمایا **عرفت ربی بفسخ العزائم.** (نهج البلاغة: الحكمة: ۲۵۰، روضة الواعظين: ۳۸) میں نے میرے اراردوں کے ٹوٹنے پر ہی اللہ تعالیٰ کو پہچانا، میں اسباب اختیار کرتا ہوں کسی چیز کا؛ لیکن میرا پلان فیل ہوجاتا ہے، کون ہے؟ اللہ پاک کی طاقت ہے؛ وہ جو کرنا چاہتی ہے مخلوق میں سے کوئی اس کے اس معاملے میں دخل نہیں دے سکتا ہے، صاف اللہ پاک نے یہ ارشاد فرمایا، یہ چند بنیادی عقیدے ہمیں جاننا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ہماری اولاد کو ان چیزوں پر یقین کروانا ہے، اسی کا نام ایمان ہے، زبان سے تو ہم رات دن بولتے رہتے ہیں۔

انسانی زندگی پر عقیدۂ آخرت کے اثرات:

آخرت کا عقیدہ ایک ایسا تصور ہوتا ہے کہ آدمی تنہائی میں بھی گناہ کرنا چاہے تو یہ سمجھ لیتا ہے کہ میرا رب مجھے دیکھ رہا ہے۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ (مجادلہ: ۷) اللہ پاک فرماتے ہیں جب دو آدمی تنہائی میں گفتگو کرتے ہیں؛ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم دو ہی اس کو جانتے ہیں، اللہ پاک فرماتے ہیں کہ تمہارے ساتھ تیسرا میں ہوں، میرا علم اور میری قدرت سے میں تمہاری سب چیزوں کو جانتا ہوں۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں کو اللہ پاک کی ذات کے ساتھ دھوکہ اس لیے ہوگیا ہے کہ انہوں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو دنیا کے بادشاہوں کی طرح سمجھا، بادشاہ کو ساری چیزوں کا علم نہیں ہوتا ہے، الگ الگ شعبے اور الگ الگ کھاتے ہوتے ہیں، وہاں والے ان

چیزوں کو تیار کرتے ہیں، نعوذ باللہ اللہ پاک کی ذات عالی کے ساتھ یہ تصور لوگوں نے کرلیا، اللہ تبارک وتعالیٰ کو بھی جاہلیت سے یہی سمجھتے ہیں، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں کعبۃ اللہ کا طواف کر رہا تھا اور دو مشرکین کو دیکھا، ایک کہہ رہا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری کوئی بھی بات نہیں سنتا، دوسرا کہتا ہے کچھ نہیں سنتا ہے، اور کچھ سنتا ہے، جاہل لوگ تھے، ان کو کیا اللہ پاک کی صفات کے متعلق علم! تو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے آیتیں نازل ہوئیں۔

قضاء وقدر کا انسانی زندگی میں کردار:

اس قسم کے عقیدے رکھ کر ایمان میں کمزوری آگئی اس لیے حالات کی ناخوشگواری چاہے پرائیویٹ زندگی میں ہو، چاہے پوری امت مسلمہ کے ساتھ، اللہ تبارک وتعالیٰ نے تقدیر کے مسئلے سے ہمیں اطمینان اور سکون دے دیا، ہمارے اختیار میں تو ہے نہیں، رات دن دیکھ رہے ہیں آپ، کچھ بھی کریں؛ لیکن نتیجہ کچھ اور آتا ہے، عربی کا شاعر کہتا ہے ۔

ما كل مايتمنى المرء يدركه　　تجري الرياح بما لا تشتهي السفن

ایک آدمی کوئی چیز چاہتا ہے؛ لیکن وہ چیز اس کے مطابق نہیں ہوتی ہے جس کی تمنا کرے۔ آدمی اس کو پالے؛ یہ نہیں ہوگا، **تجري الرياح بما لا تشتهي السفن.** کشتیاں جس سمت میں چلتی ہے ہوا دوسری طرف کا رخ کرتی ہے، کشتی نہیں چلتی ہے، زندگی کی کشتیوں میں بھی رات دن اس طرح ہوتا ہے، انسان ساری تیاری کر لیتا ہے، پلاننگ پورا کا پورا، اور کہیں فیل ہو جاتا ہے، اس کے ذریعہ اللہ تبارک وتعالیٰ بتلاتے ہیں اپنی قدرت اور اپنی طاقت کے استحضار کو۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی اپنے لشکر کو نصیحت:

دوستو اور بزرگو! حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ نے اپنے آدمیوں کو بھیجا جہاد کے لیے، مسلمانوں کی تعداد کم تھی، دشمنوں کی تعداد زیادہ تھی، حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ نے فرمایا: **انتم اقل عَدَداً وعُدَّةً.** تم تعداد کے اعتبار سے بھی کم ہو، اور جہاد کے لیے جو سامان ہوتے ہیں

ہتھیار وغیرہ؛ وہ بھی تمہارے پاس کم ہے، اب جب تمہارا دشمنوں سے مقابلہ ہوگا وہ ان دونوں چیزوں میں تم سے آگے، ایسے موقع پر اگر تم اللہ کی رضامندی کے ساتھ تقویٰ اختیار کرتے ہوئے اللہ کی راہ میں مقابلہ کروگے، ایمان اور کفر کا مقابلہ ہوگا تو ایمان غالب آجائے گا، لیکن افراد افراد کا مقابلہ ہوگا، ہتھیار ہتھیار کا مقابلہ ہوگا تو ظاہری اسباب کے اندر جس کے پاس اسباب زیادہ ہوں گے؛ وہ کامیاب ہوجاتے ہیں عامۃً، اس ملک میں ہم بھی عدد کے اعتبار سے کم ہے، اتنی کمی بھی نہیں ہے، پچیس، تیس کروڑ کی آبادی یہ ایک بہت بڑی آبادی کہلاتی ہے، ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہم بہت بڑی Minoraty (લઘુમતી) یا یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم دوسرے نمبر پر بہومتی (બહુમતી) میں ہے، یہ تعبیر ہے ایک قسم کی جس کو سمجھا جائے، تو عدد کے اعتبار سے بھی کمی نہیں؛ لیکن اللہ پاک کے یہاں عدد کے ساتھ ساتھ عُدَّۃً تیاری کے ساتھ ساتھ، تقویٰ اور صبر کی جو چیزیں امت کو دی گئیں ہیں، ان پر جب عمل کریں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں کامیاب فرمائیں گے، عمر ابن عبدالعزیزؒ نے یہی فرمایا۔

خوابِ غفلت سے بیدار ہوجاؤ:

اس لیے اس وقت حالات کتنے نازک، ناخوشگوار ہیں؛ لیکن امت کی غفلت دور نہیں ہورہی، باتیں کریں گے کہ ایسا ہورہا ہے ویسا ہورہا ہے، کسی نے اچھا کیا تو کہہ رہے ہیں کہ فلاں نے اچھا کیا، لیکن آپ نے کیا کیا؟ آپ کیا کررہے ہیں؟ ہم میں سے ہر ایک جب اس طریقے سے انفرادی طور پر محنت کر کے اپنے اللہ کو راضی کرنے کی کوشش کرے، دنیوی اسباب بھی اختیار کریں گے؛ لیکن صحابہ کرامؓ کی مثال ہماری آنکھوں کے سامنے ہے، اللہ پاک نے کس طریقے سے پوری دنیا پر ان کو غلبہ دے دیا، وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْــــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۵۵

(نور:۵۵) عجیب آیت ہے، اللہ پاک وعدہ فرما رہے ہیں؛لیکن دو شرطیں لگا دیں اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ. ایمان بھی لاؤ اور اچھے اعمال بھی کرو، پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی مدد تمہارے ساتھ شامل حال ہوتی ہے، حضرت یوسفؑ اکیلے جیل میں تھے؛لیکن اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ (یوسف:۹۰) تقویٰ اور صبر جب اختیار کرلیا جاتا ہےتو اللہ تبارک وتعالیٰ کامیاب کرتے ہیں، اس لیےان حالات میں امت سے غفلت دور ہو، تب ہی اللہ تعالیٰ کی مدد ہمارے ساتھ آئے گی، اس لیے اپنی غفلتوں کو دور کرنے میں سب سے پہلی غفلت توحید میں ہے،شرک اور توحید دونوں کواچھی طرح سے سمجھ لیں، ہماری جان کے دشمن نہیں ہیں، بلکہ ایمان کے دشمن ہیں، یہ چاہ رہے ہیں کہ جیسے ہم ایک اللہ تعالیٰ کونہیں مان رہے ہیں، یہ کیوں مان رہے ہیں؟ یہ بھی ہماری طرح ہو جائیں، اللہ پاک کا طریقہ رہا اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ﴿۵۱﴾(غافر:۵۱) ہم اپنے ایمان والے بندوں کی دنیا میں بھی مدد کریں گےاور جس دن قیامت کوگواہیاں قائم ہوں گی اس وقت بھی مدد کریں گے۔

گفتگو کا ماحصل:

اس لیے کہنے کا حاصل یہی ہے کہ اپنی اولاد کےسلسلے میں بالکل غفلت نہ برتی جائے، آنے والی تعلیمی پالیسی اور آنے والے حالات جوآرہے ہیں اس میں یہی ہماری سب سے قیمتی پونجی ہے، تب ہی اللہ تعالیٰ کامیاب فرمائیں گے، نبی اکیلے تھے، مقابلے میں جوقومیں تھیں یا جو بادشاہ تھے، بڑی طاقت والے تھے؛لیکن انبیاءکرامؑ کے لیےاللہ پاک نےفرمایا: كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ﴿۲۱﴾ (مجادلہ:۲۱) اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے میں اور میرے رسول غالب آئیں گے،تو رسول کے ماننے والے ہی غالب آئیں گے،اس لیے ایک تو یہ دنیوی زندگی اور ایک مرنے کے بعد کی زندگی، ان دونوں کے اندر ہمیں آخرت کی زندگی کو ترجیح دینا ہے،اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اور ہماری اولاد کوصحیح ایمان کی دولت سے مالامال

رکھے ،غفلت کی اب کسی طرح گنجائش نہیں ہے۔سب کچھ مالی نقصان کر چکے ہیں، وہ سب ہو چکا ہے،اب ان کا سیدھا حملہ ایمان پر ہے،اس لیے اپنے ایمان کی حفاظت، ذاتی طور پر،توبہ اور استغفار اللہ پاک سے کیا جائے، یہ بہت پسند ہے اللہ پاک کو **انی ظلمت نفسی فاغفرلی** ،آپ پڑھتے ہیں درود شریف کے بعد کی دعا **ولا یغفر الذنوب الاانت فاغفرلی....** اللہ پاک کے علاوہ گناہوں کو کوئی معاف نہیں کرسکتا، اللہ پاک فرماتے ہیں میرے بندے نے یہ سمجھ لیا کہ میرے علاوہ اس کو کوئی معاف نہیں کرسکتا ہے تو میں اس کو معاف کر دیتا ہوں، اتنی بشارتیں اللہ پاک نے ہمیں دی ہے، اللہ پاک ہم سب کے ایمان کی حفاظت فرمائے۔آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(۱۷)

افتتاح مسجد

(ہنگلوٹ، بھروچ)

الحمد لله رب العالمین ، و الصلاۃ و السلام علی سید الانبیاء و المرسلین وعلی آلہ و اصحابہ اجمعین.

قال اللہ تبارک وتعالیٰ فی القرآن المجید و الفرقان الحمید.

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ لا یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۞ رِجَالٌ لا لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءِ الزَّكٰوةِ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۞

(نور:۳۷،۳۸)

وقال تعالیٰ:

اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰۤى اُولٰٓئِكَ اَنْ یَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ۞

(توبہ:۱۸)

وقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من بنی مسجدا لله بنی الله له في الجنة مثله. (مسلم: كتاب الزهد والرقائق، باب فضل بناء المسجد)

صدق اللہ العظیم و صدق رسولہ النبی الكريم و نحن علیٰ ذلک لمن

الشاھدین والشاکرین والحمدللہ رب العالمین.

محترم ومکرم حضرات علماء کرام اور ایمان والے بھائیو! اللہ تعالیٰ کا انتہائی شکر اور احسان ہے، جس نے آج ہمیں اپنے پیارے اور معظم گھر کی افتتاحی مجلس میں حاضری کی سعادت نصیب فرمائی، کلام پاک کی جن آیات کی آپ کے سامنے تلاوت کی، اللہ تعالیٰ اس میں مسجد کی تعریف اور مسجد والوں کی صفات اور مسجد میں ادا کی جانے والی صفات کو ذکر فرمارہے ہیں، آیت بہت لمبی ہے، نور علیٰ نور اللہ پاک اپنے نور اور ایمان والوں کے نور کو تشبیہ دیتے ہیں، آگے اس کے بعد اللہ پاک آیت میں فرماتے ہیں فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ ایسے گھر جس میں اللہ تعالیٰ نے اجازت دی اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ جس کو آباد کیا جائے، جس کو بلند کیا جاتا ہے، جس میں اللہ کا ذکر اور اللہ کے کلام کی تلاوت کی جائے، مسجد کے سلسلہ میں اللہ پاک نے اس آیت میں فرمایا: فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ.

حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیلؑ جب اللہ کے گھر کی بنیادوں کو اٹھا رہے ہیں، اس موقع پر بھی قرآن مجید نے فرمایا: وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ (بقرہ:۱۲۷)

نور علیٰ نور:

اللہ پاک کی جانب سے نور علی نور ایک تو ایمان والوں کا فطری اللہ کی جانب سے دیا ہوا ایمان، اور پھر جب وہ ایمان مسجد سے وابستہ ہو جاتا ہے، اللہ کے ذکر سے وابستہ ہو جاتا ہے، تو حضرات مفسرین نے ایک تفسیر یہ بھی فرمائی نور علی نور یہ ایک نور کے ساتھ دوسرا نور، یہ کہاں ہوتا ہے؟ فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ ایسے گھروں میں ہوتا ہے جس کو بلند کرنے کی اللہ پاک نے اجازت دی۔

ایمان والوں کے نور کی کیفیت:

یہاں لفظ ''اذن'' فرمایا، اجازت دی، حکم نہیں فرمایا، اس لیے کہ ایمان والوں کا نور اتنا پختہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے گھر کی آبادی کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں، اس لیے اللہ پاک نے

فرمایا فِیۡ بُیُوۡتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اللہ پاک نے جن کو اجازت مرحمت فرمائی، حکم کا لفظ ہوتا تو بہت بڑی چیز ہوتی، حضرت ابراہیمؑ کو حکم نہیں دیا، خواب میں دکھلایا، عید کے دن اذان نہیں ہوتی ہے، مومن کو اتنی مشق ہو چکی ہوتی ہے، روزانہ نمازوں کی اذان کے ساتھ پابندی کرتا ہے، تو عید کے دن بغیر اذان کے ہی بلایا جاتا ہے اور عید کی نماز اس طرح ادا کی جاتی ہے، یہ محبت ہے، یہ اللہ سے تعلق ہے، اللہ کی قربت ہے، جن کو اللہ پاک نصیب فرماتے ہیں، ان لوگوں کو اللہ نے اللہ کے گھر کو آباد کرنے کی توفیق نصیب فرمائی۔

مسجد کو آباد کرنے والوں کی صفات:

آپ کے سامنے میں نے ایک آیت پڑھی، اللہ پاک فرماتے ہیں اِنَّمَا یَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ اللہ پاک کی مسجدوں کو وہ لوگ آباد کرتے ہیں وہ لوگ تعمیر کرتے ہیں مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ سب سے پہلے اللہ کی ذات عالی پر ایمان، اس کی ذات اس کی قدرت، اس کی طاقت اور اس کی سطوت، اس کی حکمرانی کو مانتے ہیں، ہمارے قاری صاحب نے قرأت کے شروع میں جو آیتیں پڑھیں اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی بڑی بڑی نشانیوں کو ذکر فرمایا، اپنی طاقت اور اپنی عظمت کو ذکر فرمایا اور اس کے بعد بتلایا کہ اس کی طاقت اور قدرت تو بہت بڑی ہے، ہم کمزور ہیں، ربنا کے ذریعہ ہمیں منگوایا، یہ قرآن کریم نے بتلایا کہ اللہ کے دربار میں آ کر مانگا جائے، اللہ تعالیٰ ہی ہماری سنتے ہیں، اللہ پاک نے فرمایا اُدۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ ؕ (غافر:۶۰) مجھ سے مانگو، میں تمہاری دعاؤں کو قبول کرتا ہوں، اِنَّ الَّذِیۡنَ یَسۡتَکۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِیۡ سَیَدۡخُلُوۡنَ جَہَنَّمَ دٰخِرِیۡنَ ﴿۶۰﴾ (غافر) مفسرین فرماتے ہیں کہ جو لوگ تکبر کرتے ہیں اللہ پاک سے مانگنے میں، دعا کو یہاں اللہ پاک نے عبادت سے تعبیر کیا، تو آیت کریمہ میں فرمایا اِنَّمَا یَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اللہ کی مسجدوں کو وہ لوگ آباد کرتے ہیں اِنَّمَا یَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اللہ کی مسجدوں کی تعمیر، اس سے ظاہری تعمیر بھی آ گئی، اور اس کے ساتھ باطنی تعمیر بھی آ گئی، ظاہری تعمیر میں دیکھ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ایک گھر، چھوٹی سی ایک

مسجد بنائی گئی؛لیکن ماشاءاللہ ظاہری حسن اور ظاہری جمال کے ساتھ شعائر اللہ بنی ہوئی ہے، دور سے سڑک پر سے نظر آرہی ہے کہ یہاں پر اللہ تعالیٰ کا ایک گھر آباد ہے، تو اس کا جائے وقوع اللہ نے ایسی جگہ بنایا کہ چلتے پھرتے جانے آنے والے اگر نماز کا وقت ہوا تو وہ اللہ کے گھر میں آکر نماز پڑھیں گے،تو یہ ایمان والے ہیں جنہوں نے مسجد کو تعمیر فرمایا۔

مشرکین مکہ بھی بیت اللہ سے وابستہ تھے؛لیکن چونکہ انہوں نے اس کے اندر شرک اور دوسری چیزوں کو شریک کر لیا تھا وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَّتَصْدِيَةً ۚ (انفال:۳۵) آوازیں لگانا ، سیٹیاں بجانا، اس کے مقابلہ میں اللہ پاک نے فرمایا إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اللہ تعالیٰ پر ایمان، آخرت پر ایمان ، رسول کی رسالت پر ایمان اور نماز کو قائم کرنا، زکوٰۃ کو ادا کرنا اور آگے صفت بتلائی وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللّٰهَ جو مسجد سے وابستہ ہوتا ہے وہ اللہ کے خوف والا ہوتا ہے يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾ (نور) جس کی نگاہ ہوتی ہے ہر ہر عمل پر، چاہے اس کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے ہو، وہ ایسے دن کے متعلق خوف محسوس کرتے ہیں، جس دن انسانی دل اور انسانی نگاہیں پتھرا جائے گی ، وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۚ إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ﴿۴۲﴾ (ابراہیم:۴۲) یہاں پر بھی فرمایا کہ نگاہیں ادھر ادھر ہو جائے گی ، ایسا خطرناک دن جو حساب کتاب کا ہے،اور کس کے سامنے؟ احکم الحاکمین کے سامنے، جو عالم الغیب والشہادۃ ہے، دنیا کے کیمرے اور ٹیکنالوجی چاہے کسی گناہ کو نہ دیکھ سکے؛لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ عالم الغیب والشہادۃ ہے۔

دوصفات:

مسجد کو آباد کرنے والوں کی صفات میں دو چیزیں ذکر فرمائی،ایک تو فرمایا يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾ کہ یہ قیامت کے دن سے ڈرتے ہیں، ہر وقت خطرہ محسوس ہوتا ہے،اور دوسری چیز فرمائی جو میں نے پہلی آیت پڑھی، وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللّٰهَ وہ اللہ کے

علاوہ کسی سے ڈرتے نہیں ہے، جب اللہ کا ڈر دل میں آجائے گا تو مخلوق کا ڈر دل سے نکل جائے گا، اور مخلوق کا ڈر دلوں میں تب پیدا ہوگا جب اللہ کا خوف نکل جائے گا، یہ اللہ پاک نے نمازیوں کی بلکہ مسجد کو آباد کرنے والوں کی صفات میں جوذکر فرمایا؛ یہ دو چیزیں ہیں دوستو اور بزرگو سب سے بڑی جو ہمیں قرآن سے نصیحت ہے کہ ایک مومن اور مسجد کو آباد کرنے والا وہ ہوتا ہے جو ہر وقت اپنی ہر حرکت پر اپنے ہر عمل کے وقت یہ دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہے یا ناراض ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا خوف خدا:

حضرت مسطحؓ جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے رشتہ دار تھے؛ آپ ان پر خرچ کرتے تھے، اچانک یہ ہوا کہ حضرت عائشہؓ پر تہمت لگانے والوں میں وہ بھی شریک تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ نیت کر لی کہ میری صاحبزادی پر تہمت لگانے والوں میں شریک ہے؛ لہٰذا میں ان پر کوئی چیز خرچ نہیں کروں گا، اللہ پاک نے قرآن کریم کی آیت کے ذریعہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو جو جملہ ارشاد فرمایا وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ (نور:۲۲) (بخاری: کتاب التفسیر، سورۃ النور) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو أُولُوا الْفَضْلِ ہیں، مال والے ہیں، یہ مال والے لوگ اپنے رشتہ دار جو غریب اور سماجی اعتبار سے کمزور ہے؛ ان کے متعلق یہ قسم نہ کھائیں کہ میں ان کو نہیں دوں گا، آگے اللہ پاک نے بڑی سائیکولوجیکل حکمت بیان فرمائی أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۲۲﴾ کیا تم یہ نہیں چاہتے ہو کہ اللہ تم کو معاف فرمادے، یہ جملہ جیسے ہی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سنا تو فوراً فرمایا میں اللہ کی مغفرت چاہتا ہوں، اور میں حضرت مسطحؓ پر جتنا خرچ کرتا تھا اس سے زیادہ خرچ کروں گا، یہ آیات بتلاتی ہیں کہ ایمان والے اور مسجد کو آباد کرنے والے وہ ہوتے ہیں جن کے دل میں صرف ایک اللہ کا خوف ہوتا ہے، يَخَافُونَ يَوْمًا اس دن کا خوف ہوتا ہے جس دن حساب کتاب ہوگا، حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بھی اللہ پاک نے فرمایا کہ اے ابوبکر ہم تمہیں معاف کررہے ہیں اور مستقبل میں اگر تمہیں مغفرت کی ضرورت ہے؛ اگر تم اپنے

اس غریب رشتہ دار کو معاف کر دو گے تو ہم تمہیں معاف کریں گے، آپ کو بھی مغفرت کی ضرورت ہے، اور اس بندے کو بھی مغفرت کی ضرورت ہے، حدیث شریف میں حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مسجد میں پابندی سے حاضر ہوتا ہو اس کے ایمان کی گواہی دو، (سنن ترمذی: أبواب الإیمان، باب ماجاء فی حرمة الصلاة) اس لیے کہ اللہ پاک اپنے پاک کلام میں فرماتے ہیں اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ۔

مسجد کے آداب واصول:

دوستو اور بزرگو! مسجد کے بڑے آداب اور اصول ہیں، ہمارے یہاں جو کوتاہی ہو رہی ہے مسجد کے آداب کے سلسلہ میں، سب سے پہلی چیز شور اور ہنگامہ، جو عامةً ہماری مسجدوں میں شروع ہو چکا ہے، یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے؛ (ترمذی: أبواب الفتن، باب علامة حلول المسخ والخسف) لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہماری طرف سے وہ نشانی آئے، ایک جگہ پر ایک صاحب نے کہا لوگوں سے کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ مسجد میں شور اور ہنگامہ ہوگا، تو ایک آدمی نے کہا کہ مولانا یہ تو ہونے ہی والا ہے، اس لیے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایت میں ہے اور وہ صادق آرہی ہے، دوستو اور بزرگو اللہ کے نبی نے ہمیں ڈرایا ہے، ہمیں یہ نہیں کہا کہ اس طرح کے گناہ کرو، مسجدوں میں آنے کے بعد ہمارا چہرہ دوسری طرف ہوتا ہے، ہمیں کلام پاک کی تلاوت کرنے کی اور ذکر کرنے کی توفیق نہیں ہوتی، یہ اللہ کا گھر ہے، فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے کہ اَنْ تُرْفَعَ اللہ کے گھر کو آباد کیا جائے، اور وَیُذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ اللہ تعالیٰ کی ذات عالی کا ذکر کیا جائے، ہمیں بڑی خوشی ہے کہ ہم نے مسجد کا آغاز اللہ کے ذکر سے کیا، اللہ پاک کے پاک کلام سے کیا۔

حضرت سفیان ثوریؒ کے ساتھ ثور کا لفظ لگا، ان کے متعلق تاریخ میں یہ قصہ لکھا ہے کہ ایک دن مسجد میں داخل ہو رہے تھے اور غلطی سے ان کا بایاں پیر مسجد میں آ گیا، اوپر سے آواز آئی "یا ثور" ثور کہتے ہیں بیل کو، یہ تمیز نہیں ہے کہ اللہ کے گھر میں دایاں پیر رکھا جاوے یا

بایاں پیر، یہ ہمیں اس طرح کی چیزیں سمجھ میں نہیں آئے گی، یہ اللہ کے نیک بندے ہوتے ہیں جن کی فوراًا صلاح ہوتی ہے، اس لیے ان کے ساتھ یہ معاملہ ہوا۔

مسجد کے آداب پر مستقبل کتابیں لکھی گئیں، مفتی بیمات صاحبؒ نے، مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اور بھی بہت سارے بزرگوں نے مسجد کے آداب پر کتابیں لکھیں، کسی آفس میں جاتے ہیں تو اس کے اصول (پروٹوکول) ہوتے ہیں کہ اس میں اس طرح آیا جائے، ایسے لباس کے ساتھ آیا جائے، اتنے آدمی آئے وغیرہ وغیرہ، ہم کسی کلیکٹر یا گورنر کی آفس میں جاتے ہیں تو یہ اصول ہوتے ہیں، یہ تو احکم الحاکمین کا دربار ہے۔

علامہ قرطبی نے ایک ضعیف روایت نقل فرمائی کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اللہ سے محبت کرنا چاہے وہ مجھ سے محبت کرے اور جو مجھ سے محبت کرنا چاہتا ہے وہ صحابہ سے محبت کرے اور جو صحابہ سے محبت کرنا چاہتا ہے وہ قرآن کریم سے محبت کرے اور جو قرآن سے محبت کرنا چاہتا ہے وہ مساجد کا احترام کرے، مسجد سے محبت کرے۔

رجل قلبہ معلق فی المساجد. حدیث شریف میں بیان کیا گیا کہ سات قسم کے لوگ عرش کے سایہ میں ہوں گے، ان میں سے ایک وہ ہے جس کا قلب مسجد سے معلق ہو (لگا ہوا)، (بخاری: كتاب الأذان، باب من جلس في المسجد ينتظر الصلاة) اس کے بعد آیت میں فرمایا رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ. تجارت اور نقد سودا قرآن نے دو لفظ بیان فرمائے، بڑے کاروبار، بڑے سودے ان کو اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتے اور چھوٹے سودے بھی ان کو اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتے، وہ مسجد کے انتظار میں رہتے ہیں، پاکستان کے سابق صدر مرحوم ضیاء الحقؒ کے متعلق آتا ہے کہ یونو (Uno) میں گئے، وہاں بھی نماز کا وقت ہوا تو فوراً اپنے لیے نماز کا انتظام کیا، بندہ جب اس کی طلب رکھتا ہے تو اللہ پاک اس کو پورا کرتے ہیں۔

اسی طرح مسجد کے آداب میں سے ہے ''ادب واحترام''، حضرت عکرمہ بہت بڑے

اکابر اور مفسرین قرآن میں سے ہیں ،عبداللہ ابن عباس کے شاگرد ہیں ، جب یہ قرآن کو پکڑتے تھےتو وہ بوسہ لیتے تھےاور فرماتے تھے **ھذا کلام ربی**. یہ میرے اللہ کا کلام ہے،تو یہ جو مسجدیں ہیں وہ اللہ کا گھر ہے۔اس کے ساتھ **اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ** (آل عمران: ۹۶) مکہ مکرمہ کی مسجد کا یہ ایک جز ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ**﴿۳۲﴾ (حج:۳۲:۲۲)اللہ کی نشانیوں کی حفاظت کرنا یہ دل کےتقویٰ کی بات ہے، تقویٰ کا تعلق حدیث میں فرمایا: **التقویٰ ھھنا .التقویٰ ھھنا** اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ اپنے سینہ مبارکہ کی طرف اشارہ فرمایا، یہ دل کا تقویٰ ہے،(مسند أحمد: ۱۲۳۴۴، مسند أنس: ۳۷۴/۱۹) آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا **لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ** ط (نور:۳۸)جب مسجدوں کےساتھ تعلق وابستہ ہوگا تو اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے اعمال کا بہت اچھا بدلہ دیں گےاور اپنے فضل سےاورزیادہ بھی دیں گے۔

اذان تجدید ایمان کی دعوت ہے،اذان سنتے ہی مسجد کا رخ کرنا یہ نظم وضبط،وفاداری اور فرمابرداری کی تعلیم ہے۔

مسجد کا روحانی کردار:

مسجد میں ہونے والے اعمال ''ایمان، معرفت، تعلق مع اللہ، تلاوت و دعا، نماز'' سب کا جائزہ لے اوراس کے مقابلے دوسرے مذہبی مقامات کا جائزہ لیں،شرک ناچ گان رقص ننگا پن، ننگے طواف اور عبادت کی ادائیگی مذہبی لوگ ہی کر سکتے ہیں، پانچ مخصوص وقت میں اسلام میں عبد و آقا کے درمیان تعلق مضبوط کرنے والی چیز نماز ہے، **قلبه معلق بالمسجد**۔

مسجد کا ثقافتی کردار:

علوم اسلامیہ کی ترویج مساجد سے ہی ہوئی ،مثلاً: مسجد نبوی، ذاکرین، درس، جامع ازہر قرطبہ دمشق قاہرہ قسطنطنیہ،قزوین زیتونیہ وغیرہ۔

مسجد کا سماجی کردار:

مسجد نبوی میں بیماروں کی عیادت، اصحاب صفہ کا قیام، مسائل قضاء نکاح کی مجلس۔

زندگی پر اثرات:

اجتماعیت، نماز باجماعت ادا کی جاتی ہے، فضیلت اقامت صلوٰۃ، ترک جماعت پر وعید سنائی گئی، باہم ملنے سے تعاون وتناصر کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، بیمار پرسی وغیرہ ہوجاتی ہے، جماعت نظم ونسق سکھاتی ہے، امام صاحب کی اطاعت، جمعہ کا خطبہ و بیان، دین کے احکام، حالات کے پیش نظر ذمہ داری اور حل بتاتی ہے۔

مساوات کا عملی سبق:

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز ۔۔۔۔ نہ کوئی بندہ رہا نہ بندہ نواز

طہارت ونفاست سکھاتا ہے، کپڑے بدن کا پاک ہونا، وضوء، پیاز ولہسن کی بو کو ناپسند کیا گیا، مسجد اچھے انسانوں کو دھالنے کا کارخانہ ہے، کبھی لمبا راستہ طے کر کے مسجد آنے کو ثواب سمجھا جاتا ہے۔

آج مسجد کی اہمیت ہی نہیں رہی، شور وشرابا ہو رہا ہے، نماز کا شعور ہی نہیں، اخوت کا اثر نہیں رہا۔

یتعاھد: میں مسجد بنانا، اس کی ضروریات کا خیال رکھنا، پابندی سے نماز پڑھنا مراد ہے۔ (ملاعلی قاری)

پانی، چٹائی، خوشبو، پابندی سے حاضری، درس وتدریس، ممنوعات سے مسجد کو بچانا، جن کو ان اعمال کی توفیق ملے وہ تکبر نہ کرے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد سے محبت، سفر میں جانے آنے میں مسجد کی دو رکعت سے آغاز، مسجد سے کچرا دور کرنا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک حبشی مرد یا حبشی عورت مسجد نبوی میں جھاڑو دیا کرتی تھی۔ اس کا انتقال ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق دریافت

فرمایا۔لوگوں نے بتایا کہ وہ تو انتقال کر گئی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر فرمایا کہ تم نے مجھے کیوں نہ بتایا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبر پر تشریف لائے اور اس پر نماز پڑھی۔(بخاری: کتاب الجنائز، باب الصلاۃ علی القبر بعد ما یدفن)

عورتوں کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے، (أبو داود: کتاب الصلاۃ، باب التشدید فی ذلك) **لا تلهیهم** سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مقصود دین ہے، دنیا تابع ہے، ذکر میں قلب، نماز میں بدنی، اور زکوٰۃ میں مالی عبادت، اس طرح عبادت، تمام گوشہ آگئے، تجارت اللہ تعالیٰ کی عبادت میں رخنہ نہ ڈالے۔

قیامت کو اعلان ہوگا کہ اولین وآخرین کے سامنے جن کی تجارت نے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہیں رکھا وہ کھڑے ہوں تو چند لوگ کھڑے ہوں گے، ان کا اکرام کیا جائے گا، پھر مخلوق کا حساب ہوگا۔

مسجد کا شعار اسلامی تاریخ کے تناظر میں:

دوستو اور بزرگو! ہمارے زمانہ میں ہم نے مسجد کو صرف نماز کے لیے رکھا، اسلامی تاریخ میں مسجد کا جو شعار تھا، مسجد جو کام کیے جاتے تھے، خود مسجد نبوی میں نمازیں بھی پڑھی جاتی تھیں، صفہ بھی ساتھ میں ہے، مدرسہ بھی ہے، صحابہ کرام جہاد میں بھی جاتے تھے اس کی ٹریننگ بھی دی جاتی تھی، مسائل آتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے فیصلے فرماتے تھے، اسلامی عدالت بھی وہاں، مال غنیمت بھی وہاں جمع، اور کوئی سماجی مسئلہ ہو تو وہ بھی مسجد میں۔رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو صحابہؓ کے بدن اور کپڑوں سے معلوم ہوتا تھا کہ غریب ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نماز پڑھو تا کہ دوسرے لوگ دیکھیں، پھر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی تکلیف کے پیش نظر ان کے لیے مالیات کا اعلان فرمایا، (نسائی: کتاب الهبة، باب هبة المشاع) صحابہ نے مال جمع کیا تو یہ مسجدیں تو نظام اسلامی لیے ہوئے ہیں، بڑی بڑی مسجدیں آج بھی دنیا میں موجود ہے، قرطبہ اسپین میں، بغداد کی مسجدیں، شام کی جامع اموی، یہ ساری مسجدیں کسی زمانہ

میں صرف مسجدیں نہیں تھیں بلکہ درسگاہیں تھیں، دینی علوم سکھائے جاتے تھے، دنیوی کام کاج جو مسلمانوں کے ہوتے تھے وہ سب کیے جاتے تھے، تو مسجد اللہ پاک کے سجدہ کی جگہ ہے، **اقرب ما یکون العبد من ربه و هو ساجد.** (مسلم : کتاب الصلاۃ، باب ما یقال فی الرکوع والسجود)) بندہ اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ اس وقت قریب ہوتا ہے جب سجدہ کی حالت میں ہو، اس لیے مسجد کے آداب کا ہم لحاظ کریں، مسجد میں شور و ہنگامہ، اسی طرح کوئی ایسی چیز کھا کر آنا؛ جس سے ہمارے پڑوس میں نمازی کو تکلیف ہو، حدیث شریف میں بیان فرمایا، (مسلم: کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ باب نہی من أكل ثوما) کہ کچا لہسن، اور پیاز کھا کر آؤ تو منھ صاف کر کے آؤ، آج کل بہت سی چیزیں ہم کھا رہے ہیں، ایسی گندی چیزیں اور پھر اس کے بعد قرآن کی تلاوت! حضرت شیخ زکریاؒ سے کسی نے پوچھا کہ سگاریٹ پینا کیسا ہے؟ تو فرمایا کہ اس کے پینے والے کو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواب میں زیارت نصیب نہیں ہوگی۔

مساجد کی بے حرمتی:

دوستو اور بزرگو! آج ہم مسجد میں بیٹھ کر غیبت کرتے ہیں، ہماری زبان سے مسجد میں بیٹھ کر دوسروں کی چغلیاں ہوتی ہیں، دوسروں کی برائیاں ہوتی ہیں، سب جگہ پر یہ عام ہے، کسی ایک جگہ پر خاص نہیں، یہ وہ چیزیں ہیں جو اللہ کے گھر کے ساتھ ہے، پھر اللہ کا عذاب آئے گا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ قیامت کی نشانیاں بتلائیں تو ہم ان چیزوں سے پرہیز کریں، ہم مسجد کو آباد کرنے والے بنیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ مسجدیں آباد کرنے والوں کے دل میں ہر وقت اللہ تعالیٰ کا خوف ہوتا ہے۔ حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے فرمایا کہ مسلمان اور مسجد کی مثال ایسی ہے جیسے کہ مچھلی اور پانی، مچھلی پانی بغیر زندہ نہیں رہ سکتی، تو ایک مومن اور ایک مسلمان مسجد کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، اللہ پاک ان تمام باتوں پر ہمیں عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے اور اپنے گھر کی عظمت، اس کا لحاظ اور اس کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(۱۸)

دل کا بگاڑ؛ ساری پریشانیوں کی جڑ

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین.قال اللہ تبارک و تعالیٰ فی الکلام المجید والفرقان الحمید.

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿۳۷﴾ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۳۸﴾ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۳۹﴾ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۴۱﴾

(نازعات:۳۷-۴۱)

وقال النبی ﷺ: أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ. (بخاری: کتاب الإیمان، باب فضل من استبرألدینه)

صدق اللہ العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علیٰ ذلک لمن الشاھدین والشاکرین والحمدللہ رب العالمین.

محترم ومکرم حضرات علمائے کرام اورایمان والے بھائیو! کلام پاک کی جس آیت کریمہ کی آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی اور جناب نبیٔ اکرم ﷺ کی حدیث پاک کو پیش کیا اس میں انسان کا سب سے بڑا بگاڑ اورانسان کی سب سے بڑی درستگی اوراصلاح، ان دونوں چیزوں کوان آیات اور حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے ذکر فرمایا۔

حقیقی فلاح کے حصول میں انسانی دل کا کردار:

دنیا میں مختلف قسم کی محنتیں لوگ اپنے اعتبار سے کر رہے ہیں، کوئی روزی روزگار میں لگا ہے، کوئی ملازمت میں لگا ہے، کوئی کھیتی باڑی میں لگا ہے، اور ہر ایک چاہتا ہے کہ کامیابی اور فلاح مجھے مل جائے، جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کامیابی کی بنیاد بتلائی ہے، فساد اور بگاڑ کی جڑ اگر کوئی چیز ہے تو وہ انسانی دل ہے، انسانی دل کی دنیا جب درست ہوگئی تو انسان کامیاب اور اگر دل کی دنیا میں بگاڑ آیا تو سارے انسانی کام بگاڑ والے ہوں گے۔

انبیاء کرامؑ کی محنت اصلاح قلب پر:

اسی لیے انبیاء کرامؑ تشریف لائے تو انہوں نے سب سے زیادہ محنت انسانی دل پر فرمائی، تمام انبیاء کرامؑ نے دل کی دنیا کو درست کرنے کا حکم فرمایا، جو نصیحتیں فرمائیں اور جو وعظ فرمائے اس میں ساری چیزیں دل کے متعلق ہے، بدن کے اعضاء اس کے تابع ہے، آپ کے سامنے میں نے آیت پڑھی، اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں فَاَمَّا مَنۡ طَغٰىۙ﴿۳۷﴾ وَاٰثَرَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا﴿۳۸﴾ جس آدمی نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام سے سرکشی کی، اس کی مخالفت کی، اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی، دنیا کی زندگی کو سب کچھ سمجھ لیا اور اپنی زندگی کا محور اور زندگی کا مقصد دنیا کو سمجھ لیا، وَاٰثَرَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَاۙ﴿۳۸﴾ فَاِنَّ الۡجَحِيۡمَ هِىَ الۡمَاۡوٰى﴿۳۹﴾ تو جہنم ایسے لوگوں کا ٹھکانہ ہے وَاَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ اور جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈر گیا وَنَهَى النَّفۡسَ عَنِ الۡهَوٰى﴿۴۰﴾ اور اپنی خواہشات سے اپنے نفس کو روکا، فَاِنَّ الۡجَـنَّةَ هِىَ الۡمَاۡوٰىؕ﴿۴۱﴾ تو جنت اس کا ٹھکانہ ہے۔

سورۂ والشمس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مختلف چیزوں کی قسمیں کھائی، سات چیزوں کی قسم کھائی ہے، آخر میں فرمایا وَنَفۡسٍ وَّمَا سَوّٰٮهَا۪﴿۷﴾ (شمس:۷) سورج کی قسم، چاند کی قسم، اندھیرے کی قسم، اُجالے کی قسم، اللہ پاک نے مختلف قسمیں کھائی اور آخر میں ایک قسم فرمائی: انسانی نفس کی قسم وَنَفۡسٍ وَّمَا سَوّٰٮهَاۙ﴿۷﴾ (شمس:۷) اور اس چیز کی قسم جس نے انسان کے اس

نفس کو برابر کیا سَوّٰىهَا اس میں اچھی چیزیں بھی ڈالی اور اس میں بری سوچ بھی اللہ تعالیٰ نے ڈالی، فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝۸ (شمس:۸) سورۂ رحمٰن میں فرمایا: وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۝۴۶ (رحمٰن:۴۶) جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈر گیا اور صرف ڈرنا مقصود نہیں ہے! اس لیے اس آیت میں فرمایا وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝۴۰ صرف خوف کافی نہیں ہے، اس کے بعد عملی زندگی میں وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝۴۰ اپنے نفس کو خواہشات سے روکا۔

بے دینی کا سیلاب:

دوستو اور بزرگو! اس وقت ہم جس ماحول میں زندگی گزارتے ہیں، اس میں نفس کو برائی اور گناہوں کی طرف آمادہ کرنے کی مسلسل محنتیں چل رہی ہے، پورا نصابِ تعلیم دیکھا جائے اسکولوں اور کالجوں میں، کہیں خوف خداوندی اور آخرت کا ذکر دور دور تک نہیں آتا، اخلاقیات کا ذکر بالکل نہیں آتا، اس لیے کہ گذشتہ ۳۰۰ سال سے انسانوں کو یونیورسیٹی اور کالجوں میں جو تعلیم دی جاتی ہے اور صرف یونیورسیٹی کا نصاب ہی نہیں، بلکہ باہر کا پورا ماحول انسان کو اللہ تبارک وتعالیٰ سے دور کر رہا ہے، تجارت کی لائن سے اصول پڑھائے جاتے ہیں اکونومکس (Economics) کے، اس کے اندر بھی دغابازی، فریب اور کس طریقے سے مال زیادہ سے زیادہ حاصل کیا جائے، دنیا کے انسانوں کو کیسے دھوکہ دیا جائے، ان ہی چیزوں کی تعلیم دی جارہی ہے، ساری کی ساری محنت انسان کے نفس کو برائیوں اور گناہوں پر آمادہ کرنے کے لیے کی جارہی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جو تین سو، ساڑھے تین سو سالوں سے آئزک نیوٹن کے بعد سے لے کر سائنس کی دنیا میں اور دنیوی ایجوکیشن کی لائن میں تبدیلی آئی ہے، اس سے پہلے بھی دنیوی تعلیم دی جاتی تھی، اسلامی دنیا میں بھی دینی تعلیم کے ساتھ دنیا کی تعلیم تھی اور یورپ گریک (Garrick) اور ایران سے آئی ہوئی تعلیم تھی، لیکن نفس پر اتنی محنت نہیں ہورہی تھی جتنی اس وقت ہورہی ہے۔

سائنس دانوں کی مذہب سے دوری:

جب سائنس کی دنیا نے ترقی کی، تو پادری لوگ مقابلہ میں آئے، اور انہوں نے ان پر ظلم و زیادتی کی، سائنسدانوں نے یہ سمجھا کہ مذہب ہماری راہ میں رکاوٹ بنا ہوا ہے، اس لیے بہت ظلم سہنے کے بعد جب سائنس کا علم آگے بڑھا تو عیسائی چرچ والوں نے یہ سمجھ لیا کہ اب صلح کرنا ضروری ہے سائنسدانوں سے، ظلم بہت کیا، اور ظلم کرنے کی وجہ یہ تھی کہ جس مذہب کو وہ حضرت عیسیٰؑ کی طرف منسوب کررہے تھے؛ وہ سیدنا عیسیٰؑ کی صحیح تعلیم نہیں تھی، یہ انہوں نے اپنی طرف سے گھڑلیا تھا اور کچھ چیزیں وہ تھی جس کا تعلق انسانی فطرت اور انسانی نیچر (Nature) سے نہیں تھا، سائنس کے آنے کے بعد اس کو یہ خطرہ محسوس ہوا تھا کہ اب ہماری جو مذہبی حکومت اور جو مذہبی سوچ ہے؛ اس پر حملہ ہوگا اور ہم جھوٹے ثابت ہوں گے، اس کے لیے انہوں نے سائنسدانوں پر ظلم کیا، لیکن جب اس میں ناکام ہو گئے، تو اس کے بعد آپس میں یہ سمجھوتہ ہوا کہ جو خدا کا ہے وہ خدا کو دیا جائے اور جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دیا جائے گا، مراد یہ ہے کہ مذہبی چیزوں کو مذہبی ضرورتوں تک محدود رکھا جائے، چرچ میں ہفتہ میں دو چار گھنٹے آدمی چلا گیا اور اپنے اعتبار سے اپنے خدا کو راضی کرنے کی جو کوشش کرنی ہے؛ کرلی، یہ اس کا اپنا پرائیویٹ معاملہ ہے، تجارت میں نعوذ باللہ مذہب اور اخلاقیات نہیں آئیں گی، کاروبار اور دوسری دنیا بھر کی جتنی چیزیں ہوں گی، مذہب کو ان سب معاملات سے بے دخل کر دیا جائے گا، شادی بیاہ کے معاملات میں مذہب کا کوئی تعلق نہیں، چرچ والوں نے اس کو قبول کرلیا، اس لیے کہ چرچ اور عیسائی مذہب میں اتنی قوت نہیں تھی کہ وہ اس سائنس کا مقابلہ کرے، ڈاکٹر مورس بوکائی جنہوں نے کتاب لکھی، "The Bible,The Qur'an and Science" اس کے مقدمہ میں انہوں نے صاف لکھا ہے کہ میں نے یہودی مذہب، عیسائی مذہب پڑھ لیا، اس وقت سائنس کا مقابلہ سوائے قرآن کریم کے اور کوئی نہیں کرسکتا، اور اللہ پاک نے اسی بنیاد پر ان کو ایمان کی توفیق سے نوازا، تو بتلانا یہ ہے کہ اس وقت دنیا میں اسکولوں اور کالجوں، یونیورسٹیوں اور

دنیا بھر کی جتنی بھی تعلیمی تنظیمیں ہیں؛ ان سب کا مقصد یہی ہے جس کو فارسی شاعر نے کہا۔

بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

اس دنیا کی زندگی کو سب کچھ سمجھ لو، یہیں آرام اور یہیں راحت حاصل کرلو، نعوذ باللہ دوسری کوئی زندگی اور دوسری کوئی دنیا نہیں ہے، تو جتنا مزہ اڑانا ہے حرام طریقوں سے، یہ سارے مزے اس دنیا کے اندر اٹھا لیے جائیں، آج ہمارا سائنس کا طالب علم، ہمارا میڈکل لائن کا طالب علم، انجینئیرنگ کا طالب علم ساری چیزیں پڑھے گا؛ لیکن خدا کا خوف اور آخرت کے اسباق نظر نہیں آئیں گے، ہندوستان ایک مذہبی ملک ہے، اس لیے یہاں مذہبی اعتبار سے اسکول کے نظام میں کچھ اخلاق کی چیزیں پڑھائی جاتی تھیں؛ لیکن جو جدید خاص کر کے CBSC کے جو کورس چلتے ہیں ان کے نظام کو آپ دیکھیں، اس کے اندر صرف اور صرف دنیا ہے، انسان کو خالص مادہ پرست بنادیا، کہیں خدا اور آخرت کے تصورات نہیں۔

انبیاء کرامؑ تشریف لائے، انہوں نے سب سے زیادہ محنت اسی دل کی دنیا پر کی، جنہوں نے اس کو سَوّٰىهَا اوراس کے تزکیے کی محنت، قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ﴿۹﴾ (شمس:۹) بار بار قرآن کریم کی آیتوں میں دل کی دنیا کو درست کرنے کی تاکید کی گئی، انبیاء کرامؑ کی پوری محنت مادیت سے ہٹ کر تھی، قرآن کریم نے جہاں انبیاء کرامؑ کی دعوت کو ذکر کیا، بار بار ایک جملے کو اللہ پاک نے ہر نبی کی زبان سے دہرایا، وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ (شعراء) کہ میں تمہیں جو اس بات کی نصیحت اور دعوت دیتا ہوں، اوراس پیغام کو میں اللہ کی طرف سے تم تک پہنچا رہا ہوں، اس کی بنیاد پر میں تمہارے پاس سے ایک پیسہ بھی وصول نہیں کروں گا، تمہاری دنیا سے مجھے کوئی مطلب نہیں، اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ جو کچھ بدلہ ہے وہ اللہ پاک سے لینا ہے، انسانوں کی جیب پر، انسانوں کی چیزوں پر ہماری نظریں نہیں ہے۔

نیت میں کھوٹ: ایک واقعہ:

دوستو اور بزرگو! اس ماحول میں ایک مسلمان بھی رہتا ہے، تجارتوں میں، کاروبار کی دنیا میں، معاملات کی دنیا میں، معاشرت کی دنیا میں اور ایک دوسرے کے ساتھ رات دن جو معاملات و مسائل ہوتے ہیں، ان کی بنیاد پر آہستہ آہستہ مذہب کی یہ چیزیں دور کر کے انسان کو خالص مادہ پرست بنانے کی کوششیں ہو رہی ہیں، یقینی بات ہے کہ اس کے نتیجہ میں کیا وجود میں آتا ہے، ایک چھوٹے سے قصے سے میں آپ کو اس کی مثال بتلاؤں، ایک بادشاہ تھے، ایک مرتبہ وہ اپنی رعیت کی خبر گیری کرنے کے لیے نکلے، ایک باغ میں پہونچے، باغ کے مالک نے دیکھا کہ بادشاہ وقت آئے ہیں، تو انار کا ان کا درخت تھا، انہوں نے انار کے درخت سے رس نچوڑا اور بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا، بڑا گلاس اس زمانے میں استعمال ہوتا تھا، تین گلاس بھر گئے ایک ہی انار کے پھل سے، بادشاہ کے دل میں خیال آیا کہ جب اس آدمی کے ایک انار میں سے اتنا رس نکلتا ہے، تو اس کے پاس سے ہم جو ٹیکس لیتے ہیں وہ کم ہے، اس کے پاس سے زیادہ ٹیکس وصول کرنا چاہئے، یہ صرف بادشاہ نے اپنے دل میں سوچا، پھر تھوڑی دیر کے بعد وہاں سے اٹھتے اٹھتے کہا کہ اور رس ہمیں پلا دو، پھر اس نے انار کے پھل کو لیا اور اس کو نچوڑا، تین انار نچوڑے تب ایک گلاس بھرا، اس سے پہلے تین گلاس ایک انار سے بھر گیے تھے اور اب اس سے الٹا ہوا، بادشاہ نے پوچھا کہ ایسا کیا ہوا؟ ابھی تھوڑی دیر پہلے تم نے ہمیں انار دیا تو اتنا رس نکلا! اس نے ایک جملہ کہا، بادشاہ کی نیت میں گڑبڑ آ گئی، جب بادشاہ کی نیت میرے پاس سے زیادہ وصول کرنی ہے تو اوپر کی طرف سے بھی فیصلے اسی قسم کے ہوتے ہیں۔

خیر یہ بتلانا ہے کہ انسان کی نیتوں پر اعمال کا دارو مدار ہے، **انما الاعمال بالنیات.** (بخاری: باب کیف کان بدء الوحی إلی رسول اللہ ﷺ) اللہ پاک کی طرف سے جو فیصلے ہوتے ہیں دل کی نیتوں پر ہوتے ہیں، اس لیے انبیاء کرامؑ نے محنت کی، انسانی دل سے خواہشات کو بالکل نکالنے کی نہیں؛ خواہشات کو کنٹرول کرنے کی، حلال اور حرام کی ایک لسٹ بتلائی، حرام

بہت کم ہے اور حلال زیادہ ہے، اللہ پاک نے اس کائنات میں حلال چیزیں زیادہ رکھی، قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ (انعام:۱۴۵) اللہ پاک نے فرمایا آپ فرما دیجیے قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا میرے اوپر جو وحی کی جاتی ہے اس میں حرام چیزیں صریح ہے جو آگے اس کے بعد اللہ پاک نے ذکر فرمائی، كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ط (بقرہ:۵۷) ہم نے جو تمہیں دیا اس میں سے پاکیزہ اور اچھا کھانا کھاؤ، اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ساری چیزیں بتلائی گئیں تا کہ انسان حرام سے بچ جائے، زنا کاریوں سے بچ جائے، بدنظری سے بچ جائے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان میں خواہش رکھی اور اس خواہش کی تکمیل اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے شادی کی شکل میں فرمائی، یہ انبیاء کرامؑ انسانی خواہش پر کنٹرول کرنے کے لیے تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بازار میں تشریف لے گئے، ایک صاحب گیہوں بیچ رہے تھے، اور اس کو پانی میں ڈال کر بیچ رہے تھے تا کہ گیہوں کا وزن زیادہ ہو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گیہوں کی جو بوری پڑی تھی ڈھیر پڑا ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں ہاتھ ڈالا اور اندر سے گیلا پن نظر آیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا. (ترمذی: أبواب البیوع، باب ماجاء فی کراھیۃ الغش فی البیوع) جو دھوکہ دے گا وہ ہم میں سے نہیں۔

صرف اور صرف مادیت رہ گئی:

دوستو اور بزرگو! اللہ پاک کا خوف اور خشیت یہی ایک چیز ہے، جس کی بنیاد پر انسان گناہ سے بچ سکتا ہے، اس کے علاوہ دنیا بھر کی پولیس، دنیا بھر کے کیمرے کبھی انسانوں کو گناہوں سے روک نہیں سکتے، تجربہ دنیا نے کر کے دیکھ لیا، جتنی زیادہ مشینریاں ایجاد ہوئیں بقول سید حضرت مولانا ابو الحسن علی ندویؒ "چور کو لوہاری کا فن سکھلایا" میں نے آپ کو کہا نصاب تعلیم اور پورے نظام میں سے اخلاقیات نکل گئے، اور صرف مادیت رہ گئی، تو اب جو

بچہ اسکول پڑھتا ہے، کالج پڑھتا ہے اور یونیورسیٹی میں پڑھنے کے بعد باہر نکلتا ہے، چاہے وہ انجنیئر نگ کی دنیا میں ہو، چاہے وہ میڈیکل لائن میں ہو، رات دن مسائل کھڑے ہوتے ہیں میڈیکل لائن کے، ڈاکٹروں پر لوگ اشکال اور اعتراض کرتے ہیں، وہ کس طریقے سے پڑھ کے آگے نکلے؟ اس کی تعلیم میں کہیں اخلاقیات اور روحانیات کی باتیں ہی نہیں آئی، ان کے نفس کی اصلاح کے سلسلے میں، اللہ کا خوف اور خشیت اور غرباء مسکینوں، یتیموں، بیواؤں کی خدمت، اور ایک غریب کی مفت خدمت کرنے میں کتنا ثواب ہے اس کے لیے: یہ تصورات نکل گئے، صرف اور صرف مادیت رہ گئی، تجارت میں صرف مادیت رہ گئی، کسی غریب آدمی کو کم دام سے بیچنا، کسی غریب اور محتاج آدمی کا خیال کرنا قرآن کریم نے اخلاقیات اور اعتقادیت کو کتنی تفصیل سے ذکر کیا فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ (بقرہ: ۲۸۰) اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر ایک آدمی کے پاس آپ قرضہ مانگ رہے ہیں؛ لیکن وہ بے چارہ دے سکنے کی قوت میں نہیں ہے، فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ اس کو آسانی تک یعنی جب تک انتظام کر سکے؛ وہاں تک اس کو مہلت دو، ایک طرف تو یہ فرمایا، یہ غریب اور محتاج کا خیال فرمایا؛ لیکن دوسری طرف حدیث شریف میں فرمایا: **مطل الغني ظلم**. (بخاری: کتاب الحوالات، باب في الحوالة) مالدار کا ٹال مٹول کرنا یہ ظلم ہے آپ پر کسی کا قرضہ ہے، آپ ادا کر سکتے ہیں، آپ کے پاس رقم موجود ہے؛ لیکن آپ اس کو ادا نہیں کرتے ہیں، حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ ظلم ہے، یہ ساری باتیں انسانی قلب کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنے کے لیے ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اعلیٰ اخلاق:

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایک رشتہ دار آپ کی صاحبزادی ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے میں شریک رہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان پر احسان کرتے تھے، ان کی مدد کرتے تھے، جب ان کو یہ پتہ چلا تو انہوں نے کہا کہ اب سے میں مسطح کو کچھ نہیں دوں گا، اللہ پاک نے قرآن پاک کی آیت نازل فرمائی وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ

يُؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۭ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲﴾ (نور:۲۲) کہ جو تم میں سے مالدار ہے، اللہ تعالیٰ نے جن کو فضل والا بنایا ہے، وہ اس بات کی قسم نہ کھائے کہ اپنے قریبی محتاج رشتہ داروں کو کچھ نہیں دیں گے، آگے اللہ پاک نے سائیکولوجیکل طور پر فرمایا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲﴾ کیا تم یہ نہیں چاہتے ہو کہ ہم تمہارے گناہوں کو معاف کریں؟ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے فوراً اپنی قسم توڑ دی، اور یہ کہا کہ میں اپنے اللہ کی مغفرت کا محتاج ہوں، اللہ پاک مجھے معاف کر دیں گے، تو میں بھی انسان کو معاف کر رہا ہوں، (بخاری: کتاب التفسیر، سورۃ النور) اور جو رقم پہلے دیتے تھے اور مزید اس میں اضافہ کر کے دینا شروع کیا۔

ہمدردی و غم خواری مغفرت کا ذریعہ:

حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک قصہ ذکر فرمایا بنی اسرائیل کے ایک آدمی کا کہ وہ لوگوں کو قرض پر مال دیتا تھا، اتفاق سے کچھ لوگوں کے پاس پیسے رہ گئے اور وہ ادا نہیں کر سکے، اس نے اپنے آدمیوں کو جو وصولی کے لیے جاتے تھے یہ کہہ رکھا تھا کہ جو آدمی تمہیں دے دے؛ اس کو لے لینا، اور جو بے چارہ ادا نہ کر سکتا ہو؛ اس کو مہلت دینا، اس کا انتقال ہو گیا، اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں اس کو پیش کیا گیا، فرمایا کہ اس نے کچھ نیکی کی ہے؟ اس نے کہا میں نے کوئی نیکی نہیں کی، میں نے تو زندگی دنیا کمانے میں گذاری، اللہ پاک فرماتے ہیں: نہیں! تیری ایک نیکی ہمارے پاس ہے، اس کو یاد دلایا گیا، اس کو وہ یاد آ گیا، کہ ہاں! میں نے اپنے وصولی والوں سے کہا تھا کہ کسی غریب اور محتاج کے اوپر زیادتی نہ کرنا، اللہ پاک نے فرمایا یہ تو میری صفت ہے، میں اپنے کمزور اور غریب بندوں کو معاف کرتا ہوں، اللہ پاک تو سب کو ہی معاف کرتے ہیں، میں اپنے بندوں کو معاف کرتا ہوں، جو صفت میری ہے تو نے یہ صفت اپنائی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اللہ پاک نے اس کو جنت عطا فرمائی، (سنن نسائی: کتاب البیوع، باب حسن المعاملة والرفق فی المطالبة) یہ اخلاقیات کی تعلیم اسلام دیتا ہے، انبیاء

کرامؑ اخلاقیات کی تعلیم دیتے ہیں۔

حضرات صحابۂ کرامؓ کا خوف خدا:

آپ ﷺ نے زنا کاری کی مذمت اور برائی لوگوں کے سامنے ذکر فرمائی، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک صحابی حضرت ماعز اسلمیؓ سے نفس کے بہکاوے سے گناہ ہوگیا، آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ مجھ سے گناہ ہوا ہے، مجھے اس گناہ سے پاک کردیجئے، آپ ﷺ نے چہرہ پھرالیا، تو دوسری طرف آئے، پھر آپ نے چہرہ پھرالیا، تو اس طرف آئے، جب تین مرتبہ اس طریقے سے وہ آتے رہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ھل بک جنون. کیا تم پاگل ہوگئے ہو؟ کہا کہ اللہ کے رسول میں پاگل نہیں ہوں، میں بالکل ہوش کی حالت میں ہوں، اور مجھ سے جو گناہ ہوا ہے اس کا میں اقرار کرتا ہوں، پھر اس کے بعد ان کو سزا دی گئی۔ (بخاری: کتاب الطلاق، باب الطلاق فی الإغلاق والکرہ)

غامدیہؓ ایک عورت؛ ان سے بھی اس طرح گناہ ہوا، اور انہوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کیا، آپ نے فرمایا کہ ابھی نہیں؛ تمہارے پیٹ میں بچہ ہے، یہ پیدا ہو جائے اس کے بعد یہ روٹی کھانے کے قابل ہوجائے، اس کے بعد تمہیں سزا دی جائے گی، کوئی رجسٹر نہیں ہے اسلامی سلطنت میں، ایک مدت گذر گئی، وہ عورت حضور کے پاس اپنے اس بچہ کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا لے کر آئی، اور یہ کہا کہ اللہ کے رسول مجھ پر اللہ کی سزا کو نافذ کیجئے، اب یہ بچہ روٹی کھانے کے قابل ہوگیا ہے، (مسلم: کتاب الحدود، باب من اعترف علی نفسہ بالزنی) یہ آخرت کا خوف قرآن نے جس کو فرمایا وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ﴿۴﴾ (بقرہ: ۴)

اس کے مقابلہ میں امریکہ کا بڑا شہر لاس اینجلس گذشتہ چند سالوں پہلے اتفاق سے دن میں بجلی چلی گئی، تو وہاں کے مول (Mall) لوگوں نے لوٹ لئے، کیمرے بند ہو چکے تو لوگوں نے لوٹ لیا۔

حضراتِ صحابۂ کرامؓ کا جذبۂ اطاعت:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آیت نازل ہوئی شراب کی ، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ابوطلحہ اور دوسرے حضرات کی شراب کی مجلس لگی ہوئی ہے، اس وقت شراب حرام نہیں ہوئی تھی ، اور مدینہ میں اللہ کے رسول کا منادی پکار رہا تھا کہ شراب آج سے حرام ہوگئی، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ابوطلحہ نے مجھے کہا کہ جاؤ، باہر جا کر آواز سنو، کوئی آواز آر ہی ہے، انہوں نے سنا تو کہا کہ شراب پر پابندی لگ گئی ہے، فوراً اسی وقت ان حضرات نے اس کو چھوڑ دیا۔ (بخاری: کتاب المظالم، باب صب الخمر فی الطریق)

اس کے مقابلہ میں امریکہ میں جب شراب پر پابندی لگانے کی بات آئی، حکومت نے اعلان کیا۔ چوں کہ وہاں کوئی بھی قانون نافذ کرنے سے پہلے لوگوں کی رائے لی جاتی ہے، فضا ہموار کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اوراس کے بعد قانون نافذ کیا جاتا ہے، اس لیے یورپی اور امریکی حکومتیں آج بھی اس تھوڑے سے انصاف کی بنیاد پر باقی ہے، ہم اپنے ملک کے ذمہ داروں سے کہیں گے کہ اگر سیکولر حکومت چلانی ہے تو اس کے لیے عوام کی رائے کا بھی لحاظ اور احترام کرنا ہوگا، من مانی نہیں چلائی جائے گی ، خیر امریکہ نے لوگوں کی رائی کو ہموار کرنے کے لیے ٹی وی (TV) پر، میڈیا پر مختلف طریقوں سے شراب کی برائیاں ذکر کی ، جب سال ختم ہوا، اور سروے کیا گیا تو پتہ چلا کہ گذشتہ سال کے مقابلہ میں اس سال (پابندی کی یہ ساری ترغیبیں سننے کے باوجود) شراب زیادہ پی گئی، اس لیے کہ جس اسکول میں جس کالج میں جس ماحول میں آپ نے ہر چہار سمٹ سے انسانی نفس کو خواہش کا غلام بنایا ہو؛ وہاں آپ کے ان کھو کھلے الفاظ کے ذریعہ لوگ رک جائیں: ایسا ہوسکتا نہیں ہے، انبیاء کرامؑ جیسی محنتیں کرنی پڑتی ہے، دلوں کی دنیا کو درست کرنے کے لیے اولیاء عظام، فقہائے کرام کی طرح بار بار دلوں کو اللہ کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، تو انسانی نفس مانتا ہے۔

دوستو اور بزرگو! ان آیات کے ذریعہ اللہ پاک نے ہمیں فرمایا، ہم کوشش کریں دینی

مجلسوں میں جانے کی، قرآن وحدیث کی تعلیمات کو مختلف طریقوں سے آج حاصل کرنا آسان ہے پہلے کے مقابلہ میں، جب تک ان چیزوں کو نہیں پڑھیں گے، خاص کر کے ہمارے وہ بچے اور بچیاں جو اسکول اور کالج میں جاتے ہیں، سو فیصد ان کو مادیت کی تعلیم دی جاتی ہے، ان کو روحانیت سے دور کر کے اندر سے ایمانیات نکال کر شیطانی قوتوں کو غلبہ دینے کی کوشش کی جا رہی ہے، ہمارے لیے ملک میں جو حالات ہیں؛ یہ اللہ پاک کی طرف سے امتحان ہے؛ لیکن دشمن سے زیادہ اپنے نفس کی فکر ہمیں کرنی ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے لکھا ہے، اسلامی تاریخ میں جتنا مسلمانوں نے آپس میں ایک دوسرے کو نقصان پہنچایا؛ اتنا دشمن نے کبھی نہیں پہنچایا، اور یہ اس لیے ہے کہ آج ہم بھی ان کی راہ پر چلے گیے، جس امت کو اس کائنات میں، امت دعوت بنا کر بھیجا گیا ہے، جن کے عمل سے، جن کے قال سے، جن کے چلنے پھرنے سے دین نظر آرہا ہو اور دنیا اسلام کی طرف راغب بھی ہو رہی ہو، ہم بھی اخلاق میں پیچھے ہو گئے ہیں، اللہ پاک سے دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے اور آپ کو اور سارے مسلمانوں کو جناب نبیٔ اکرم ﷺ کے طریقوں پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(۱۹)

خلفائے راشدین کی تکوینی ترتیب

اوراہل بیت سے ان کے تعلقات

الحمد لله رب العالمین و العاقبة للمتقین و الصلاة و السلام علی سید المرسلین وعلی آله و اصحابه اجمعین. اما بعد!

قال الله تبارک و تعالیٰ فی القرآن المجید.

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۱﴾ (آل عمران:۶۱) **و قال تعالیٰ**

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾

(احزاب:۳۳) **و قال تعالیٰ**

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا . (فتح:۲۹)

و قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: الله الله فی اصحابی لاتتخذوھم غرضاً من بعدی فمن احبھم فبحبی احبھم و من ابغضھم فببغضی ابغضھم و من آذاھم فقد آذانی و من آذانی فقد آذی الله و من آذی الله فیوشک ان یاخذه.

(ترمذی: أبواب المناقب، باب فیمن سب أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

وقال عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ: من کان مستنا، فلیستن بمن قدمات، فإن الحيّ لا تؤمن علیه الفتنة، أولٰئک أصحاب محمد - صلی اللہ علیه وسلم -، کانوا أفضلَ هذه الأمة: أبرّها قلوبًا، وأعمقَها علمًا، وأقلّها تکلّفا، اختارهم اللہ لصحبة نبیّه، ولإقامة دِینه، فاعرِفوا لهم فضلهم، واتبعوهم علی أثرهم، وتمسّکوا بما استطعتم من أخلاقِهم وسیرهم، فإنهم کانوا علی الهُدَی المستقیم۔" (مشکاۃ: کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، الفصل الثالث، ج: ۱، ص: ۶۷، رقم الحدیث: ۱۹۳، المکتب الاسلامی)

صدق اللہ العظیم و صدق رسوله النبی الکریم ونحن علیٰ ذٰلک لمن الشاھدین والشاکرین والحمدللہ رب العالمین.

محترم ومکرم حضرات علماء کرام اور ایمان والے بھائیو!

آپ کے سامنے کلام پاک کی چند آیات کی تلاوت کی، اس میں اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابۂ کرام کی تعریف فرمائی، مجھے آپ حضرات کے سامنے خلفاء راشدین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ترتیب خلافت پر گفتگو کرنا ہے، محرم کا مہینہ چل رہا ہے اور ملک کے ایک بہت بڑے حصہ میں آج یوم عاشورہ بھی ہے، اس مناسبت سے صحابۂ کرام کے سلسلہ میں تاریخی اعتبار سے بہت ساری بدگمانیاں لوگوں نے پیدا کی، قرآن کریم نے صحابۂ کرام کی منظرکشی فرمائی، ان کے آپس کے تعلقات کو ذکر فرمایا اور احادیث میں ان کے درمیان آپس میں جو محبتیں اور تعلقات تھے؛ اس کو ذکر فرمایا، اور خود اسلامی تاریخ کے اعتبار سے حضرات صحابۂ کرام کے درمیان اور خاندان اہل بیت، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ الزہرہ رضی اللہ عنہا، اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما، حضرت علی رضی اللہ عنہ، ان کا ان خلفاء راشدین سے کیا تعلق ہے، یہ بنیادی چیز سمجھنے کی ہے۔

اللہ پاک کی طرف سے خلافت کی یہ ہی ترتیب تھی جو عالم وجود میں تاریخی اعتبار سے

ہمارے سامنے آئی، یعنی سب سے پہلے سیدنا ابوبکر صدیقؓ خلیفہ ہوئے، پھر حضرت عمرؓ پھر حضرت عثمانؓ پھر حضرت علیؓ خلافت پر متمکن ہوئے، یہ خلافت کی ترتیب اللہ پاک کی طرف سے تکوینی طور پر مرتب تھی، یہ ہی ترتیب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کے لیے اللہ پاک نے متعین فرمائی، اور دین اسلام کو ان چاروں خلفاء میں سے ہر ایک کے دور میں جن حالات سے سابقہ پڑا، واسطہ پڑا، اس موقعہ پر وہی شخصیت سب سے زیادہ مناسب تھی، اس لیے ان حضرات کے درمیان آپسی تعلقات کو بھی جاننا ضروری ہے، اور ان کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا جو عقیدہ ہے؛ اس کو بھی جاننا ہمارے لیے ضروری ہے۔

عظمت اہل بیت:

قرآن کریم کی جو آیت میں نے آپ کے سامنے پڑھی اللہ پاک اس میں خاندان اہل بیت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابناء یعنی حسنین، حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہ الزہرہؓ کا عیسائیوں کے ایک واقعہ کے ضمن میں ذکر فرماتے ہیں، نجران کے عیسائیوں کا ایک بہت بڑا وفد Deputation آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوالات کرنے آیا حضرت عیسیٰ سے متعلق، سورۂ آل عمران کی شروع کی جو آیتیں ہیں بلکہ بڑا حصہ؛ یہ عیسائیوں کے عقائد کے سلسلہ میں ہے، اس موقع پر عیسائیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مباہلہ کرنا چاہا، ایک دوسرے پر لعنت کا ایک طریقہ ہے اس کو مباہلہ کہتے ہیں، اگرچہ یہ بات پیش نہیں آئی، عیسائیوں کے ایک بڑے مذہبی آدمی نے جو اسی وفد میں تھا، کہا کہ یہ اللہ کے سچے نبی ہیں اگر مباہلہ کیا تو تم سب کے سب ختم ہو جاؤ گے، مجھے اس کو ذکر نہیں کرنا ہے، اس ضمن میں اللہ پاک نے فرمایا فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ علم آنے کے بعد بھی اگر یہ لوگ آپ سے دلیل بازی کرتے ہیں، فَقُلْ تو آپ فرما دیجیے تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک چادر لے کر اس میں حضرت فاطمہؓ، حضرات حسنین اور حضرت علیؓ کو لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مباہلہ فرمائیں، قرآن نے ان حضرات کا ذکر فرمایا اَبْنَآءَنَا جن میں حضرت علی بھی آپ کے بیٹوں میں شامل

سمجھے جاتے ہیں، آپ نے ان کی تربیت اور پرورش فرمائی اس اعتبار سے، یہ تو تعریف ہوئی اللہ پاک کی طرف سے خاندان اہل بیت کی، اس میں یہ حضرات تھے، اہل بیت میں آپ ﷺ کی ازواج مطہرات جو آپ ﷺ کی پاک بیویاں ہیں؛ وہ بھی اس میں شامل تھیں۔

اس کے لیے میں نے آپ کے سامنے ۲۲ ویں پارہ کی ایک دوسری آیت پڑھی، اس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى (احزاب:۳۳) ازواج مطہرات کو، آپ ﷺ کی پاک عورتوں کو اللہ پاک کی طرف سے کچھ احکام نازل ہوئے، آگے اللہ پاک ان احکام کی وجہ ذکر فرماتے ہیں: اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾ اہل بیت کا لفظ قرآن نے ذکر فرمایا، اور مسئلہ کا تعلق آپ ﷺ کی عورتوں سے ہے، ۲۲ ویں پارہ کی آیت میں جو احکام نازل ہوئے، اللہ پاک نے اَهْلَ الْبَيْتِ کا لفظ ذکر فرمایا۔

آگے اللہ پاک نے ازواج مطہرات کی فضیلت میں ایک اور چیز بھی ذکر فرمائی وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ۚ تمہارے گھر میں اللہ پاک کی آیات کی تلاوت ہوتی ہے، یہ اللہ پاک کا احسان ہے، یہ ازواج مطہرات کو ذکر کیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جن گھروں میں قرآن کریم کی تلاوت ہوتی ہے، قرآن وحدیث اور علم کا چرچہ ہوگا؛ اللہ پاک اس کو نعمت ذکر فرماتے ہیں وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ (احزاب:۳۴) یہ اللہ پاک کی نعمت ہے، اللہ پاک کا انعام ہے کہ ہمارے گھروں میں قرآن کریم کی تلاوت کی جائے، دین کی کتابوں کی تعلیم ہو، آپ ﷺ کی احادیث کی تعلیم ہو، یہ ہمارے گھروں میں برکت لانے کا ذریعہ ہے، اور یہ اللہ پاک کا انعام ہے۔

لفظ ''محمد'' کی عظمت:

تیسری آیت میں نے آپ کے سامنے پڑھی، اس میں اللہ تعالیٰ جناب نبی اکرم ﷺ کے وہ تمام صحابہ جو آپ کے ساتھ صلح حدیبیہ میں شریک تھے، اور پھر مکہ مکرمہ عمرہ کرنے

کے لیے پہنچے ہیں، مشرکین نے عمرہ کرنے سے روک دیا، اور اب واپس آئے، اس موقعہ پر جو صلح ہوئی؛ صحابۂ کرام نے اس میں اپنے آپ کو صبر اور آزمائش کے ساتھ رکھا، اللہ پاک کو ان کا یہ عمل پسند آیا اور سامنے جو فریق تھا وہ بھی ان کے رشتہ دار تھے مکہ کے مشرکین، پھر بھی ان کے مقابلہ میں دین کی باتوں کو ترجیح دے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی، اللہ پاک خوش ہورہے ہیں، اور فرماتے ہیں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ قرآن کریم میں پانچ جگہوں پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام نامی ذکر کیا گیا، چار جگہ پر محمد کے لفظ سے اور ایک جگہ سورۂ صف میں احمد کے لفظ سے، باقی بہت ساری جو آیات ہیں، اس میں یا أیھا النبی کے خطاب سے آپ کو پکارا گیا، لیکن ان جگہوں پر آپ کا نام لیا گیا، باقی جگہ پر تو صرف محمد کا لفظ ہے، یہ سورہ فتح کی جو آیات ہیں اس میں اللہ پاک فرماتے ہیں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ○ محمد کے ساتھ ''رسول اللہ'' کو بھی اللہ پاک نے بڑھایا۔

ایک تاریخی واقعہ کی طرف قرآن اشارہ کرتا ہے، جب مکہ کے مشرکین سے صلح ہورہی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **هذا ما قاضیٰ علیه محمد رسول الله**.... کہ یہ جو قرار ہمارے درمیان ہورہا ہے: یہ محمد رسول اللہ (اللہ کے رسول) کی طرف سے ہے، اس وقت مشرکین کے وفد Deputation کا سردار تھا سہیل ابن عمرو؛ انہوں نے کہا کہ [بعد میں اللہ پاک نے ایمان کی توفیق سے نوازا،] آپ اپنے نام کے ساتھ رسول اللہ لکھ رہے ہیں اور اسی میں تو جھگڑا ہے، ہم آپ کو رسول نہیں مان رہے ہیں اسی لیے تو ہم آپ سے لڑ رہے ہیں، اگر مان لیتے تو اختلاف ہی نہ ہوتا! اس لیے یہ نام ہمیں پسند نہیں ہے، آپ کو اپنا نام محمد بن عبداللہ لکھنا ہوگا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کتابت کر رہے تھے، انہوں نے کہا میں اس کو نہیں مٹاؤں گا؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مصلحت جانتے تھے صلح کی، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے نام کو اپنے ہاتھ سے کٹوایا یعنی محمد کے بعد رسول اللہ کے لفظ کو آپ نے کاٹ دیا اور محمد بن عبداللہ لکھوایا، (**بخاری: کتاب الصلح، باب کیف یکتب هذا ما صالح فلان بن فلان و فلان بن فلان**) آپ نے اتنی

بڑی قربانی دی تو آپ جب صلح سے واپس آرہے تھے راستہ میں اللہ پاک نے سورۂ فتح نازل فرمائی، اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا ۙ‏﴿۱﴾ (فتح) ہم نے آپ کو کھلی فتح عطا فرمائی، ابھی تو صلح ہوئی؛ لیکن اس کو تعبیر کیا گیا فتح سے۔ صلح میں ابھی ۱۷، ۱۸ مہینے نہیں گزرے اور اللہ پاک نے مکہ مکرمہ میں (جاء الحق و زھق الباطل۔) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فاتحانہ شان سے داخل فرمایا، محمد کے بعد رسول اللہ کو انہوں نے کاٹا، اللہ پاک نے اپنے حبیب پر جو قرآن کریم کی آیت نازل فرمائی؛ اس میں آگے لفظ بڑھایا ''رسول اللہ'' اور یہ بتلایا کہ تم اللہ پاک کے نبی کے نام کو؛ آپ کی صفت کو کیسے مٹا سکتے ہو، ہماری طرف سے یہ انعام ہوگا قیامت تک لوگ قرآن کریم پڑھیں گے اور اس آیت میں محمد کے ساتھ رسول اللہ پڑھیں گے اور اذان کی آوازیں بلند ہوگی اور اس میں محمد کے ساتھ رسول اللہ کا لفظ آئے گا، اس سے معلوم ہوا کہ جب آپ دین پر ہیں، آپ حق پر ہیں، پریشانیاں اور مصیبتیں آئیں گی؛ لیکن آخر میں اللہ پاک کی طرف سے نجات آپ ہی کی ہوگی، انبیاء کرامؑ اور اپنے نیک اور صالح بندوں کے ساتھ اللہ پاک کی یہ سنت جاری ہے، اِنَّا لَـنَـنۡصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَيَوۡمَ يَقُوۡمُ الۡاَشۡهَادُ ۙ‏﴿۵۱﴾ (غافر: ۵۱) دنیا میں بھی نبی اور نبی کے نائبین اور دین کی مدد کرنے والوں کی لَـنَـنۡصُرُ تاکید کے ساتھ اللہ پاک فرماتے ہیں، ضرور بالضرور ہم مدد فرمائیں گے، اور اس طریقہ سے ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی۔

حضرات صحابۂ کرامؓ کی چند صفات قرآن پاک کی روشنی میں:

اللہ پاک نے قرآن کریم میں صحابۂ کرام کی صفت ذکر فرمائی، رُحَمَآءُ بَيۡنَهُمۡ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ مشفق اور رحم دل ہوتے ہیں، پھر ان کی عبادتوں کی تعریف فرمائی، تَرٰٮهُمۡ رُكَّعًا سُجَّدًا صحابۂ کرام کی سب سے بڑی فضیلت رکوع اور سجدوں میں مشغول ہوتے ہیں، باللیل رھبانا و بالنھار فرسانا۔ دن میں گھوڑوں پر سوار اور رات کی تنہائی میں اللہ پاک کی عبادت میں مشغول، ایک عیسائی جاسوس نے یہ لکھا کہ جب ان کو دن میں دیکھا تو

ایسا لگتا ہے کہ ان کا لڑائی کے علاوہ اور دشمنوں سے مقابلہ کے علاوہ کوئی دوسرا کام نہیں، اور جب رات میں ان کو عبادت میں دیکھتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ عبادت کے علاوہ ان کا کوئی کام ہی نہیں، یہ صحابۂ کرام کی صفت ہے۔

آپ کے سامنے میں نے ایک روایت پیش کی عبداللہ بن مسعودؓ کی، دوسری ایک روایت ہے ہر جمعہ کے خطبہ میں صحابہ کرام کا نام لیا جاتا ہے، اسی طرح چاروں خلفاء کا، اسی طریقہ پر حضرت فاطمہؓ کا اور حضرات حسنینؓ کا، حضرت عباسؓ حضرت حمزہؓ کا، یہ سب کے نام لیے جاتے ہیں، یہ بتلانا مقصود ہے کہ صحابۂ کرامؓ کے درمیان ہمارے یہاں کوئی جدائی نہیں، حضرت ابوبکرؓ بھی ہمارے یہاں معزز، حضرت عمرؓ بھی، حضرت عثمانؓ بھی اور حضرت علیؓ بھی، یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ صحابہ ہیں جن کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے تعریف فرمائی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ ؛جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے رخصت ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ اشارے ایسے کئے تھے صحابہ کرام سمجھ گئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلافت حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی کو ملے گی، وہی اس کے مستحق ہیں، مختلف روایتیں ہیں۔نماز کے امام بنائے گئے اور دوسرے کام کاج اور دوسری چیزوں کے اشارہ کئے، (بخاری: كتاب الأذان، باب حد المريض أن يشهد الجماعة، كتاب فضائل الصحابة) حضرت علیؓ نے بھی اس کو مان لیا تھا، اس کو سمجھ چکے تھے، یہ کچھ پروپیگنڈے کئے جاتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے بیعت نہیں کی، دوسرے ہی دن آپ نے بیعت فرمالی تھی حضرت ابوبکر صدیقؓ کی، ان کے تعلقات آپس میں کیسے تھے، یہ اصل مجھے بتلانا ہے،

حالات کے اعتبار سے حضرت ابوبکرؓ کی شخصیت ہی زیادہ موزوں تھی:

حضرت ابوبکر صدیقؓ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد خلافت پر متمکن ہوئے اور سب سے بڑے دو مسئلے پیش آئے، ایک: لوگوں کے مرتد ہونے کا، اسلام سے پھر جانے کا، دوسرا: اسلام کی کچھ عبادتوں کو کم کرنے کا، زکوٰۃ کا انکار کیا، یا دیں گے تو ہم خود ہی

دیں گے؛ خلیفہ کے پاس نہیں لے جائیں گے، عجیب قسم کی دین میں تاویل شروع کی، اس موقع پر ضرورت تھی ایک ایسی شخصیت کی جو صبر واستقلال کے ساتھ، مضبوط دل کے ساتھ اور اللہ پاک کی طرف سے آنے والے یقین کے ساتھ، اس دین میں ذرہ برابر تبدیلی کو برداشت نہ کرے، پچھلی امتیں یہود ونصاریٰ؛ اللہ پاک کی طرف سے ان کو رسالت دی جاتی ہے؛ لیکن ان کے بعد والے ان میں تبدیلی کر دیتے ہیں، آج نہ یہودی مذہب صحیح ہے نہ عیسائی مذہب صحیح شکل میں باقی ہے، لیکن دین اسلام باقی رہا؛ یہ ابوبکر صدیق کے استقلال اور مضبوطی سے ثابت قدم رہنے کی بنیاد پر ہوا، آپ نے فرمایا کہ اگر اللہ کے رسول کے زمانہ میں کوئی صدقہ اور زکوٰۃ میں اونٹ کی رسی دیتا تھا؛ میں اس سے وہ بھی وصول کروں گا، اینقص الدین وانا حی. (مرقاۃ: كتاب المناقب، باب مناقب أبی بکر) میری زندگی ہوتے ہوئے دین میں کوئی کمی آجائے؛ یہ برداشت نہیں، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کا مقابلہ کیا، حضرت عمر فاروقؓ جیسے مضبوط آدمی، بہادر؛ لیکن اس موقع پر انہوں نے کہا کہ ابوبکر نرمی کیجئے، زکوٰۃ کے منکرین ہے؛ لیکن مؤمن تو ہے وہ، حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نظر اس طرف گئی تھی کہ آج زکوٰۃ کا انکار ہوا؛ کل نماز آئے گی، روزہ آئے گا، اور دین اسلام کی تمام چیزیں ختم ہو جائیں گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس دین کو لے کر آئے ہیں اس میں تبدیلی میرے ہوتے ہوئے برداشت نہیں۔

لشکر حضرت اسامہؓ کی روانگی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی دور اندیشی:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال سے پہلے ایک لشکر تیار کیا تھا عیسائیوں کے مقابلہ میں، پھر آپ دنیا سے رخصت ہوئے؛ اور وہ لشکر مدینہ منورہ میں تھا، (بخاری: كتاب المغازی، باب بعث النبی أسامة بن زيد) اب لوگ مرتد ہو رہے ہیں، لوگ عبادتوں کا انکار کر رہے ہیں، یہود ونصاریٰ ان کو مختلف قسم کی چیزیں سکھلا رہے ہیں، حضرت ابوبکرؓ کے دور خلافت میں ارتداد کے فتنے ہوئے؛ اس کے پیچھے یہودیت اور نصرانیت شریک تھی، خیر! حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ثابت قدمی کے ساتھ جیسے یہ معاملہ حل کیا؛ حضرت اسامہ کے لشکر کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے روانہ کیا، روانہ کرتے وقت صحابہ کرام کی ایک جماعت یہ چاہتی تھی کہ ابھی مدینہ منورہ میں ہم تھوڑے ہیں، اطراف میں ارتداد کا فتنہ ہے، یہ لشکر مدینہ منورہ سے باہر جائے گا تو ہوسکتا ہے کہ دوسرے لوگ مدینہ منورہ پر حملہ کریں اور ہم کو نقصان پہنچائے، حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے فرمایا جس لشکر کی روانگی کا حکم جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیا ہے ابوبکر اس کو روک نہیں سکتا، (تاریخ دمشق: ۲/۵۷) چنانچہ اس کے اثرات کیا ہوئے؟ جو لوگ مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری کررہے تھے، سائیکولوجکل طور پر اللہ پاک نے ان کے دل میں یہ ڈالا کہ مسلمانوں کے پاس اتنا بڑا لشکر ہے کہ دنیا کی سپر پاور طاقت رومیوں کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے جارہا ہے؛ مدینہ میں کتنے لوگ ہوں گے کہ یہ باہر بھی روانہ کررہے ہیں، نبی کی سنت پر استقلال کے ساتھ، ثابت قدمی کے ساتھ جمنے کا فائدہ ہوا کہ مدینہ منورہ میں کوئی پریشانی نہیں ہوئی، یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں پر عمل کرنے کی برکتیں ہوتی ہے، تو اس موقع پر ضرورت تھی حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی۔

حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ ایک مرتبہ رابطۂ عالم اسلامی کے اجلاس میں تشریف لے گئے، اس وقت خمینی صاحب جو بعد میں ایران کے سربراہ ہوئے، ابھی ایران میں راجا شاہی ہی تھی، حضرت علی میاں نے ایک کتاب لکھی تھی **ردة ولا ابابكر لها**. کہ اس وقت ارتداد پھیل رہا ہے، مسلمان اسلام سے نکل رہے ہیں؛ لیکن کوئی ابوبکر نظر نہیں آرہا ہے، تو خمینی صاحب نے کہا کہ آپ کی کتاب کا یہ نام نہیں ہونا چاہئے؛ بلکہ **ردة ولا ابا الحسن لها**. ہونا چاہئے، ابا الحسن سے مراد حضرت علیؓ ہیں، حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے فرمایا نہیں! اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؓ کی جو صفت بتلائی ہے، "**اقضاهم علی**" ہے، امت جب آپس میں اختلاف اور انتشار کا شکار ہوگی، پریشانی ہوگی؛ اس وقت قضاء اور فیصلہ، حکمت اور مصلحت کی ضرورت پڑے گی، تو حضرت علی چوتھے نمبر پر تشریف لائیں گے، انہوں نے اس وقت امت کو جو ضرورت تھی؛ اس کو حل کیا، اسی لیے حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے

ہیں کہ حضرت علیؓ نے جو فیصلے فرمائے اور جو حکمت سے کام لیا، اگر حضرت علی کی یہ حکمت ہم نہ دیکھتے؛ تو مسلمانوں کے درمیان ہونے والا اختلاف کا کیا حل کیا جائے: امت اس کو سمجھ نہیں سکتی، اتنا بڑا احسان حضرت علیؓ نے امت پر کیا۔

خلفاء راشدین کے آپسی روابط وتعلقات:

حضرت ابوبکر صدیقؓ جارہے تھے لشکر کے ساتھ، حضرت علی آگے آئے، اور فرمایا کہ ابوبکر صدیق: آپ کو نہیں جانا ہے، آپ ہمارے خلیفہ ہیں، آپ کو اگر کوئی نقصان ہوا تو مدینہ منورہ میں ہمارا کوئی پرسان حال نہیں، یہ آپس کی محبتیں ہیں، ورنہ حضرت علی یہ چاہتے کہ ابوبکر صدیقؓ نکل رہے ہیں تو اچھا ہے، سیاسی دنیا میں سب کچھ آپ رات دن دیکھ رہے ہیں، کسی کو دور کرنا ہو تو کس کس طریقہ سے دور کیا جاتا ہے؛ لیکن یہ حضرات آپس میں مخلص تھے، **رحماء بینھم**۔ قرآن فرما رہا ہے کہ آپس میں ان کے درمیان محبتیں تھیں۔

یہ ہی تعلق اور محبت حضرت علی اور حضرت عمر کے درمیان تھی، حضرت علیؓ کی ایک صاحبزادی سے حضرت عمر نے نکاح فرمایا، حضرت علی کے خاندان میں جتنے لوگ ہوئے ان کے نام ابوبکر، عثمان، علی ہے، پوتے، نواسے، پرپوتے، پورے خاندان کے اندر حضرت علی کے ان چار خلفاء کے نام سے ہی اولاد ہے، حضرت عائشہؓ حضرت فاطمۃ الزہرہؓ کی فضیلت بتلا رہی ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چال ڈھال سب چیزوں میں حضرت فاطمہؓ بہت مشابہت رکھتی ہیں۔

حضرت عمرؓ کو بھی یہ ہی مسئلہ پیش آیا؛ ایرانیوں سے جب مقابلہ ہوا، تو کچھ لوگوں نے چاہا (حضرت ابوعبیدہ بن جراح اور دوسرے حضرات نے) بلکہ حضرت عمرؓ نے خود بھی اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ ایران کی بورڈر اور وہاں کے مجاہدین کے ساتھ ٹھہروں، یہاں بھی حضرت علیؓ نے منع کیا، حضرت ابوبکر کو جیسے منع کیا تھا، حضرت عمرؓ کو بھی منع کیا، حضرت علی نے کہا ہمیں آپ کی ضرورت ہے، یہی حال رومیوں کے ساتھ ہوا؛ اس وقت بھی آپ نے ارادہ کیا، حضرت علیؓ نے کہا کہ نہیں! آپ کی ہمیں یہاں ضرورت ہے۔ یہ آپسی محبتیں ہیں۔

ایک مرتبہ یمن سے شاندار قسم کے کپڑے حلے عربی جبے جیسا ہوتا ہے، یہ حلے آئے، مسلمانوں میں تقسیم کر دیے، حضرت عمرؓ مسجد میں بیٹھے ہوئے ہیں اور اتفاق سے حضرت حسن اور حسین مسجد میں داخل ہوئے، یہ ابھی چھوٹے تھے، ۱۰، ۱۱ سال کی عمر تھی؛ لیکن حضرت عمر نے جیسے ہی ان کو دیکھا؛ ان کے بدن پر دوسرے کپڑے تھے اور سارے مسلمان جو مسجد میں آرہے تھے؛ ان کو انعام ملا تھا، حضرت علیؓ کو بھی حضرت عثمان کو سب کو، حضرت عمر کی آنکھیں اشکبار ہوگئی، لوگوں نے پوچھا امیر المؤمنین کیا بات ہے؟ فرمایا: سب کو بڑے جوڑے ملے؛ اور یہ بچے چھوٹے تھے؛ ان کے ناپ کے جوڑے نہیں ملے، اور میں حسنین کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ آرہے ہیں اور ان کے بدن پر وہ اچھا لباس نہیں ہے، پھر اس کے بعد آپ نے یمن کے گورنر کو ایک پیغام بھیجا کہ حضرت حسنین کی عمر کے مطابق شاندار قسم کے کپڑے بنائے جائے اور جب تک ان کو نہیں دیے گئے حضرت عمر کو چین نہیں آیا، یہ صحابۂ کرام میں آپس میں محبتیں تھیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعد حضرت عمرؓ ہی کی شخصیت زیادہ مناسب تھی:

حضرت عمرؓ کی ضرورت اس وقت تھی، جب دنیا کی سپر پاور طاقت مسلمانوں کے قبضہ میں آچکی تھی؛ ایران اور روم، اور مسلمانوں کے پاس روپیہ پیسہ کثیر مقدار میں تھا، سارے خزانے تھے اس وقت امت دنیا کے خزانے میں نہ لگ جاوے؛ تو عمر فارق جیسے کی ضرورت تھی کہ خود بھی بیت المقدس جا رہے ہیں تو کپڑے پر پیونڈ لگے ہوئے تھے، ایک تو کپڑے نئے نہیں تھے؛ پرانے اور اس پر بھی کپڑے سے اس کو سیا ہوا تھا، حضرت عمرؓ اس شان سے گئے اور امت کو بتلایا کہ جب مال و دولت کی فراوانی ہو تو اللہ کے دین کے لیے خرچ کرو؛ لیکن اپنے لیے اس طرح کی آرام دہ زندگی آپ نے برداشت نہیں کی۔

حضرات صحابۂ کرامؓ کی تعریف وتوصیف حدیث شریف کی روشنی میں:

آپ کے سامنے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں نے ذکر کی؛ وہ یہ فرماتے ہیں: **من كان مستنا فليستن بمن قدمات**. کہ جس کو کسی کا طریقہ اختیار کرنا ہو، زندگی کا

آئیڈیل بنانا ہو، **فان الحی لا تؤمن علیه الفتنة**. تو یہ زندوں کو نہ بنائے مردوں کو بنائے جو دنیا سے نیکی کے ساتھ چلے گئے، زندہ آدمی کسی بھی وقت گناہ میں مبتلا ہو جائے، اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں، یہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں، آگے ان کا جو اشارہ تھا وہ کھول کر بتلا دیا، **اولٰئک اصحاب محمد** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ ہیں، **اختارھم اللہ لصحبة نبیه**. اللہ پاک نے اپنے نبی کی صحبت کے لیے صحابۂ کرام کو چن لیا ہے، یہ اتفاقی چیز نہیں تھی، اللہ پاک نے علم ازلی میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کو منتخب کر لیا، ایک اور روایت میں ہے کہ اللہ پاک نے انسانوں کے قلوب دیکھے؛ اس میں سب سے پاکیزہ قلوب انبیاءؑ کے تھے، ان کو نبوت سے سرفراز فرمایا، ان کے بعد سب سے پاکیزہ دل صحابۂ کرام کے تھے؛ تو ان کو اللہ کے نبی کی صحبت کے لیے اللہ پاک نے چن لیا، آگے فرمایا **و لاقامة دینه**. دین کو سربلند کرنے کے لیے اللہ پاک نے چن لیا، آگے ایک اور تعریف کا جملہ فرمایا، **ابرھا قلوبا**. ان کے دل سب سے زیادہ نیکی اور پرہیزگاری والے، **اعمقھا علما**. ان کا علم سب سے گہرا اور **اقلھا تکلفا**. سب سے زیادہ تکلف سے دور رہنے والے، سادگی والی زندگی، کوئی پروٹوکول نہیں کہ ایسا ہی ہو، ویسا ہی ہو، سادگی والی زندگی، اسی میں چین وسکون ملتا ہے، یہ صحابۂ کرام کی تعریف فرمائی، تو ان دنوں میں ہم ان کی قربانی کو یاد کریں، ان کی آپسی محبت اور تعلقات کو یاد کریں۔

حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ کی شخصیت ہی زیادہ مناسب تھی:

حضرت عثمان؛ ان کے زمانہ میں ضرورت تھی؛ دو سپر پاور طاقتیں قبضے میں آ چکی تھی؛ ابھی دنیا کے دوسرے حصہ باقی تھے، حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں آذربائیجان، ترکمانستان، سجستان، یہ پورے علاقے ایران کے شمال میں (ماوراء النہر کے جو ملک) ہیں؛ ازبکستان، تاجکستان، قزاکستان؛ یہ سارے حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں اسلامی سلطنت میں آ چکے تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں اکثر صوبوں کے گورنر بنی امیہ میں سے تھے، حضرت عثمانؓ بھی بنی امیہ میں سے تھے،

لہٰذا مناسب سمجھا گیا کہ خلافت کے لیے آپ کا انتخاب کیا جاوے۔

دورِعلی میں حضرت علیؓ کی شخصیت ہی زیادہ موزوں تھی:

حضرت علیؓ کے زمانہ میں امت میں جو اختلاف تھا، آپس میں کچھ باطل نظریات رکھنے والی جماعتیں کھڑی ہوئیں، پھر ایسے لوگوں کا قلع قمع کیا اور عقائد اسلام کی اچھے طریقے سے حفاظت فرمائی۔

تو یہ ترتیب اللہ پاک کی طرف سے تھی، جناب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان صحابہ میں، ہمیں ان سب سے محبت کرنی ہے جیسے صحابہ نے انبیاء کرام کے متعلق فرمایا: اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ (بقرہ:۲۸۵) ہم بھی اسی طرح صحابہ کرام کے متعلق یہ عقیدہ رکھیں؛ اللہ پاک نے اس دین کی اولین جماعت کے طور پر ان کا انتخاب فرمایا، ان کا نام ہی صحابہ ہے؛ آپس میں ہم ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں؛ لیکن اس کو اصحاب کہا جاتا ہے، ساتھی کہا جاتا ہے، اور صحابہ کے لیے صحابیت؛ صحبت نبی کی ملی ہے، اتنی عظیم نعمت ہے کہ اس مرتبہ تک کوئی پہنچ نہیں سکتا۔

مغربی فاضل کائناتی اپنی کتاب "سنین الاسلام" میں کہتا ہے۔

یہ لوگ (صحابہؓ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اخلاقی وراثت کے سچے نمائندے، مستقبل میں اسلام کے مبلغ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا رسیدہ لوگوں تک جو تعلیمات پہنچائی تھیں، اس کے امین تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسلسل قربت اور ان سے محبت نے ان لوگوں کو فکر وجذبات کے ایک ایسے عالم میں پہنچادیا تھا جس سے اعلیٰ اور متمدن ماحول کسی نے دیکھا نہیں تھا۔

مشہور فرانسیسی مصنف ڈاکٹر لیبان اپنی شہرہ آفاق کتاب '' تمدن عرب'' میں لکھتا ہے:

غرض یہ ہے کہ اس نئے دین کو بہترے مواقع درپیش تھے اور بے شک وہ اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوش تدبیری تھی جس نے انہیں ان مواقع پر کامیاب کیا، انہوں نے خلافت کے لئے ایسے ہی اشخاص کا انتخاب کیا جن کی ساری غرض اشاعت دین محمدی تھی۔

مشہور انگریز مصنف گبن خلفائے راشدین کے متعلق اپنی کتاب "زوال وسقوط روما" میں لکھتا ہے: پہلے چار خلفاء کے اطوار صاف اور ضرب المثل تھے، ان کی سرگرمی، دلدہی اخلاص کے ساتھ تھی اور ثروت واختیار پاکر بھی انہوں نے اپنی عمریں ادائے فرائض اخلاقی اور مذہبی میں صرف کیں۔

سر ولیم میورا پنی مشہور کتاب "تاریخ خلافت اولیٰ" میں لکھتا ہے: ابوبکرؓ کے دربار کی سادگی کا وہی عالم تھا جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں تھا۔ نہ خدام تھے اور نہ محافظ اور نہ حکومت کی شان وشوکت ظاہر کرنے والی کوئی اور شے۔ ابوبکرؓ محنت کے عادی تھے اور ایسے بہت سے واقعات ملتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاملات کی جزئیات پر بھی نظر رکھتے تھے۔ راتوں کو مصیبت زدہ اور غرباء کی تلاش میں گھومتے رہتے۔ حکومت کے عمال اور اعلیٰ حکام کو تعینات کرنے میں کنبہ پروری یا طرفداری سے بالاتر اور ان کے کردار سے عقل ودانش کا اظہار ہوتا ہے۔

سید امیر علی اپنی کتاب Ashort History of the saracens میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے متعلق لکھتے ہیں: عربوں میں کسی قبیلہ کی سرداری اور سربراہی موروثی نہیں ہوتی۔ اس کا انحصار انتخاب پر ہوتا ہے۔ عمومی حق رائے دہندگی کے اصول پر شدت سے عمل کیا جاتا ہے۔ قبیلہ کے تمام افراد کی سردار کے انتخاب میں آواز ہوتی ہے۔ انتخاب متوفی کے پسماندگی کے افراد ذرینہ میں سن وسال، بزرگی وتقدم کے اصول پر ہوتا ہے۔

اس قدیم قانون وروایت کی پیغمبر صاحب کے جانشین کے انتخاب میں بھی پابندی کی گئی، چونکہ حالات کی نزاکت کسی تاخیر کی اجازت نہیں دیتی تھی، اس لئے ابوبکرؓ جو اپنی عمر اور اس حیثیت ومرتبہ کی بناء پر جوان کو مکہ میں حاصل تھا اور وہ عربوں کے حساب واندازہ میں بڑا مرتبہ رکھتے تھے بغیر کسی تاخیر کے خلیفہ یا پیغمبر کے جانشین منتخب ہوئے۔

ابوبکرؓ اپنی دانشمندی اور اعتدال کی وجہ سے امتیاز خاص کے مالک تھے۔ ان کے انتخاب کو حضرت علیؓ اور خاندان نبوت نے اپنی روایتی خلوص اور اسلام کے ساتھ وفاداری اور دلی

وابستگی کی بناء پر تسلیم کیا۔

آگے چل کر حضرت عمرؓ کے متعلق لکھتے ہیں: ”حضرت ابوبکر کا مختصر دور خلافت ریگستانی قبیلوں میں امن وامان کرنے ہی میں صرف ہوگیا۔انہیں صوبوں کی باقاعدہ تنظیم کی مہلت نہ ملی لیکن جب حضرت عمر جو صحیح معنوں میں ایک عظیم انسان تھے، مسند خلافت پر بیٹھے تو اس وقت محکوم قوموں کی فلاح وبہبود میں انتھک کوششوں کا وہ سلسلہ شروع ہوا جو ابتدائی مسلم حکومتوں کا طرہ امتیاز ہے۔

حضرت عمرؓ کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے دوسری جگہ لکھتے ہیں: حضرت عمرؓ کی جانشینی اسلام کے لئے بڑی قدر و قیمت کی حامل تھی ۔ وہ اخلاقی طور پر ایک مضبوط طبیعت وسیرت کے آدمی ، انصاف کے بارے میں بڑے بااصول اور حساس، بڑی قوت عمل اور سیرت کی پختگی کے آدمی تھے۔

بقول سید امیر علی حضرت عثمان غنیؓ: ان کی سب سے بڑی خوبی خداترسی تھی۔ جبکہ ولیم میور کے مطابق وہ بہت نرم دل تھے اور اگر انہیں امن وامان کا زمانہ ملتا تو وہ عوام میں بہتر مقبول ہوتے۔

شارٹ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام (Shorter Encyclopaedia of islam) ہے کہ ”ولیما ؤسن“ نے ذکر کیا ہے اور کٹیانی نے زیادہ تفصیل سے بیان کیا ہے۔عثمانؓ نے عمرؓ کی پالیسی پر ہی عمل کیا اور اسے اور ترقی دی۔

خلافت عثمانی میں جو ۱۲ سال کے عرصہ پر محیط ہے، ایسی عظیم الشان فتوحات حیرت انگیز سرعت کے ساتھ ہوئیں جن کی نظیر اس سے پیشتر کی تاریخ میں نہیں ملتی ۔اس زمانہ میں اسلامی مملکت کے دائرہ میں بڑی وسعت ہوئی ۔اس کے حدود سندھ سے لے کر اندلس (اسپین) تک جا پہنچے۔ اسلامی افواج نے اس عہد میں بڑی جنگوں کے علاوہ بحری قوت کا بھی مظاہرہ کیا اور قبرس، روڈس کے جزائر فتح کئے ۔ایک عظیم الشان بحری بیڑا تیار کیا گیا، حالانکہ اس سے پیشتر ان کے پاس ایک کشتی بھی نہ تھی۔ اسلامی فوج ۳۲ھ میں ابنائے قسطنطنیہ (باس فورس) تک جا پہنچی ۔ ۳۵ھ میں طرابلس الغرب (لیبیا) پر فوج کشی ہوئی اور دو ہی سال بعد تیونس، الجزائر اور

مراکش کے علاقوں کو فتح کرلیا گیا۔ اس سال عبداللہ بن نافع نے سمندر پار کر کے اندلس کا محاصرہ کیا۔مسلمانوں کی فوجیں قفس (رک بال) اور بحیرۂ اسود کے کناروں تک جا پہنچیں۔ ۴۰ھ میں خراسان اور طبرستان کی طرف پیش قدمی ہوئی۔ جرجان، خراسان اور طبرستان فتح ہوا۔ عبداللہ بن عامر نے مزید آگے جا کر سوات، کابل، سجستان، نیشاپور اور ار دگرد کے علاقوں کو مطیع بنایا۔طخارستان اور کرمان فتح ہوئے اور یوں کوہ قاف اور بحرخزر(قزوین) تک اسلامی حکومت وسیع ہوگئی۔ان کے مبارک عہد میں مسلمانوں نے ہندوستان کی طرف بھی توجہ دی اور گجرات کے ساحلی علاقوں تک ان کے قدم جا پہنچے۔ان کے عہد خلافت میں تہذیب وتمدن، صنعت و حرفت، تجارت اور علوم وفنون کو بھی ترقی ہوئی۔ دولت وثروت اور فارغ البالی کا دور دورہ ہوا۔

ان کی ایک اہم خدمت مسجد الحرام کی توسیع ہے جو ۲۶ھ میں کی گئی۔ ۲۹ھ میں انہوں نے مسجد نبوی کی تعمیر وتوسیع کرائی، بحری فتوحات کے سلسلہ میں بھی حکم دیا کہ مفتوحہ علاقوں میں مسجدیں تعمیر کی جائیں اور پرانی مساجد مزید وسیع کی جائیں۔ان کا سب سے بڑا اور عظیم الشان کارنامہ عالم اسلام کو ایک مصحف اور ایک ہی قرآن پر جمع کرنا تھا۔قرآن مجید کو لکھوا کر تمام ممالک اسلامیہ میں شائع کرنا اور ایک ہی قراءت پر سارے ممالک اسلامیہ کو متحد کر دینا خلافت عثمانیہ کا مہتم بالشان واقعہ ہے۔

جہاں تک خلیفہ چہارم سیدنا علیؓ کی ذات گرامی کا تعلق ہے، ان کے بارے میں سوائے خوارج کے کسی کو کوئی اختلاف نہیں، ہم یہاں ان کے ایک رفیق ضرار بن ضمرہ کا ایک بیان پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، جس میں انہوں نے حضرت معاویہؓ کی فرمائش واصرار پر امیر المومنین کے بارے میں اپنی معلومات، مشاہدات وتاثرات پیش کیے اور الفاظ میں تصویر کشی کی، اس سے یہ بھی اندازہ ہوگا کہ خلافت وحکومت میں بھی اس قدسی جماعت کی کیا حالت تھی جو درسگاہ نبوت اور مدرسہ ایمانی وقرآنی سے تیار ہو کر نکلی تھی۔

ان کو دنیا اور اس کی بہار اور رونق سے وحشت ہوتی تھی، اور رات اس کی تاریکی میں دل

بہلتا تھا، آنکھیں پر اشک رہا کرتی تھیں، ایک لمبی فکر اور سوچ میں رہا کرتے تھے، لباس وہ پسند آتا جو موٹا ہو، کھانا وہ دل کو بھاتا جو معمولی اور سادہ ہو، بالکل معمولی آدمی کی طرح رہتے، ہم میں اور ان میں کوئی فرق معلوم نہ ہوتا، جب ہم کچھ پوچھتے تو جواب دیتے، جب ہم آتے تو وہ سلام میں پہل کرتے، جب ہم بلاتے تو بے تکلف آجاتے، لیکن ان کے یہاں اس تقرب اور ہمارے قرب کے باوجود رعب اتنا تھا کہ ہم گفتگو نہ کر سکتے اور خود چھیڑ کر بات نہ کر سکتے، دین داروں کی تعظیم کرتے تھے، اور مسکینوں سے محبت رکھتے تھے، طاقتور کو ان سے کسی غلط چیز کی امید نہ ہوتی، اور کمزور ان کے انصاف سے ناامید نہ ہوتا، بخدا میں نے ان کو بعض مواقع پر اس وقت دیکھا ہے کہ رات نے اپنے پردے ڈال دیئے تھے اور تارے ڈھل گئے، وہ اپنے محراب میں کھڑے تھے، داڑھی پکڑے ہوئے، مارگزیدہ کی طرح تڑپتے تھے، اور اس طرح روتے تھے کہ جیسے دل پر چوٹ لگی ہو، گویا میں سن رہا ہوں اور وہ کہہ رہے ہیں، اے دنیا! کیا مجھ سے چھیڑ کرنے چلی ہے، اور مجھ پر تیری نظر ہے؟ اس کی امید نہ کرنا، کسی اور کو فریب دے، میں نے تجھ کو ایسا چھوڑا ہے کہ کبھی تیرا نام بھی نہ لوں گا، تیری عمر مختصر، تیری زندگی بے وقعت اور تیرا خطرہ بہت ہے، ہائے سامان سفر کس قدر کم ہے، سفر کتنے دور کا ہے، راستہ کتنا وحشت ناک ہے۔

خلفائے ثلاثہ کے ساتھ سیدنا علی مرتضی کا تعاون:

جیسا کہ سید امیر علی نے لکھا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد خلافت کے لیے حضرت ابوبکرؓ کے انتخاب کو حضرت علیؓ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کے افراد نے بخوشی قبول کرلیا۔ ولیم میور نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ، حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں اسی طرح حاضر ہوتے تھے، جس طرح دوسرے صحابہؓ، اور وہ قاضی القضاۃ کی خدمت بھی انجام دیتے رہے۔ ولیم میور یہ بھی لکھتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے خطوط عام طور پر حضرت علیؓ ہی لکھا کرتے تھے۔

''نہج البلاغہ'' کا انگریزی ترجمہ جسے عالمی شعبہ مسلم انجمن نے طبع کیا ہے، اس کے مترجم عسکری جعفری نے اپنے مقدمہ میں اس کا ذکر کیا ہے کہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ سے مشورہ کیا

کرتے تھے اورانہیں قبول بھی کرتے تھے۔ جب حضرت عمرؓ نے سلطنت روما سے جنگ کے موقع پر حضرت علیؓ کی رائے لی، تو انہوں نے کہا کہ آپ یہیں موجود رہیں اور کسی تجربہ کار کو کمانڈر بنا کر بھیجیں۔

اسی طرح فارس سے جنگ کے موقعہ پر حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کو میدان جنگ پر جانے سے منع کیا۔

دور حسنین میں امت کو ان ہی جیسی شخصیت کی ضرورت تھی:

پھر حضرات حسنین کا جو واقعہ پیش آیا، حضرت حسن نے حضرت معاویہؓ سے صلح فرمائی، یہ بھی جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایت کہ میرا یہ بیٹا حسن؛ امت کی دو جماعت کے درمیان صلح فرمائے گا، (بخاری: کتاب الصلح، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابنی ھذا سید) پھر اس کے بعد دور بدلا؛ حضرت حسین کے زمانہ میں باطل طاقتیں کھڑی ہوئیں، غلط سوچ کی بنیاد پر لوگ خلافت پر بیٹھنے کی کوشش کررہے تھے، اس موقع پر ضرورت تھی حضرت حسین کی کہ جو قیامت تک امت کی تاریخ میں یہ سنہرا ورق لکھ دے کہ باطل کے مقابلہ میں ہم دبتے نہیں ہیں، باطل اور غلط قسم کی چیزوں کو دین اسلام میں برداشت نہیں کیا جاتا، ضرورت تھی حضرت حسینؓ کی؛ تو انہوں نے اس کے لیے یہ قربانیاں دی اوران کا مرتبہ؛ صحابی تو تھے ہی؛ اس شہادت کے ذریعہ اللہ پاک کی طرف سے اور بڑھا دیا گیا۔

دوستو اور بزرگو! یہ قرآن وحدیث کی ساری دلیلیں بتا رہی ہیں کہ حضرات صحابۂ کرام کے متعلق ہم صحیح گمان رکھیں، ان سے محبت رکھیں، اللہ کے نبی کے صحابی ہیں، ان سے بڑھ کر اور کوئی چیز روئے زمین پر افضل نہیں ہوسکتا، اللہ پاک نے ان کو اس سے نوازا، اللہ پاک ہماری زبانوں کو بھی محفوظ رکھے، اوران کے صدقہ میں اللہ تعالیٰ ہمیں بھی نیکی اور تقویٰ کی راہ پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(۲۰)

مقالہ نگاری کے اصول

(جامعہ نذیریہ کاکوسی)

الحمد لله رب العالمین و العاقبة للمتقین و الصلاة و السلام علی سید المرسلین و علی آله و اصحابه اجمعین. اما بعد!

قال اللہ تبارک و تعالیٰ فی القرآن المجید.

أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ○ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ○

اَلرَّحْمٰنُ ۝١ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝٢ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝٣ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝٤ (رحمٰن:۱-۴)

و قال تعالیٰ: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝١ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝٢ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝٣ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝٤ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝٥ (علق:۱-۵)

و قال تعالیٰ: نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝١ (قلم)

و قال النبی ﷺ: ان من البیان لسحرا۔ (بخاری: کتاب الطب، باب إن من البیان لسحرا)

صدق اللہ العظیم و صدق رسوله النبی الکریم و نحن علیٰ ذلک لمن الشاھدین و الشاکرین و الحمد للہ رب العالمین.

محترم و مکرم صدر جلسہ، شیخ الحدیث حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم العالیہ، ادارہ کے روح رواں حضرت قبلہ مہتمم صاحب دامت برکاتہم، دیگر حضرات اکابرین، اساتذۂ جامعہ اور

عزیز طلبہ! اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ آج اس نے ہمیں علم حدیث کی خدمت اور دین اسلام کے لیے اپنے قلم کے ذریعہ، اپنی تحریرات کے ذریعہ اور اپنی فکر کے ذریعہ کچھ باتیں سیکھنے اور کچھ باتیں بیان کرنے کے لیے موقع عنایت فرمایا۔

اللہ پاک کی شان رحمانیت:

عزیز طلبہ! آپ کے سامنے میں نے قرآن کریم کی آیتیں پڑھیں، پہلی آیت میں اللہ پاک نے ذکر فرمایا: اَلرَّحۡمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ؕ﴿۲﴾ علم اور وہ بھی قرآن کریم کا علم؛ اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان رحمانیت ہی کا متقاضی ہے، اسی کی شان رحمانیت ہی کی بنیاد پر اللہ پاک نے قرآن کریم کے علم سے ہمیں نوازا۔ عَلَّمَہُ الۡبَیَانَ قرآن کریم کے الفاظ سے بھی نوازا، اور قرآن کریم کے معانی ومطالب کو سیکھنے اور سکھانے کے لیے اللہ پاک نے منتخب فرمایا۔

پہلی آیت میں ہماری زبان کے ذریعہ ہم اللہ کے بندوں کو فائدہ پہنچائیں، اپنے خطاب کے ذریعہ، اپنے افکار کے ذریعہ یہ اللہ پاک کی طرف سے شان رحمانیت ہے، جس کا ہمیں شکر ادا کرنا چاہئے۔

شان اکرمیت:

دوسری چیز؛ اللہ پاک کی طرف سے تحریری صلاحیت کا پیدا ہوجانا؛ بندہ اپنے قلم کے ذریعہ اللہ کے بندوں تک اللہ کے پیغام کو، دین متین کی دعوت کو بہترین اسلوب اور بہترین ڈھنگ سے پہنچائیں، اس کے لیے بھی اللہ پاک نے اِقۡرَاۡ وَ رَبُّکَ الۡاَکۡرَمُ ﴿۳﴾ فرمایا، پہلی آیت میں "بِاسۡمِ رَبِّکَ" فرمایا، جہاں انسان کی تخلیق اور پیدائش کا ذکر ہے اور دوسری آیت میں اِقۡرَاۡ وَ رَبُّکَ الۡاَکۡرَمُ ○ لفظ "رب" کا استعمال پہلے بھی فرمایا؛ لیکن ساتھ میں صفت کا ذکر فرمایا "الاکرم" کریم بھی نہیں فرمایا؛ بلکہ صفت اکرمیت کو ذکر فرمایا اور اس کے ساتھ فرمایا: الَّذِیۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ ۙ﴿۴﴾ وہ ذات ہے جس نے قلم کے ذریعہ ہمیں علم سکھلایا، اس لیے حضرات مفسرین ان دونوں آیتوں کی روشنی میں یہ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک نے کسی بندے کو تقریری

صلاحیت سے نوازا، کسی بندہ کو تحریری صلاحیت سے نوازا، تو یہ دونوں اللہ پاک کی انفرادی نعمتیں ہیں؛ لیکن اگر کسی بندہ کو تقریر اور تحریر؛ ان دونوں صلاحیتوں سے اللہ پاک نے نوازا ہے؛ تو یہ اس کی شان رحمانیت اور اکرمیت اس بندے کے حق میں جمع ہوگئی، اس بندہ کو اللہ پاک کا انتہائی شکر گذار ہونا چاہئے، آج ہم اس مجلس میں یہاں حاضر ہوئے ہیں، گذشتہ کل آپ حضرات نے تقریریں بھی فرمائیں، اور آج آپ کی تحریرات بھی ہمارے سامنے آئیں، اللہ پاک کی ذات عالی نے اس ادارے کو منتخب فرمالیا، قبول فرمالیا، شان رحمانیت اور شان اکرمیت سے نوازا کہ ان دونوں صفات سے آپ حضرات کو مستفیض فرمایا اور مزید اس کے ساتھ آج کی مجلس میں جس کا آغاز مولانا عبدالقدوس صاحب کے خطاب سے ہوا، اتفاق سے آپ کے ادارہ کا نام بھی جامعہ نذیریہ ہے۔

مولانا عبدالقدوس صاحب کے خاندان نے اس علاقہ میں کڑوی کسیلی اور سب کچھ چیزیں برداشت کرنے کے بعد بھی تقریر و تحریر کے ذریعہ اللہ کے بندوں تک ایمانی دعوت کو پہنچایا؛ حضرت نوح علیہ السلام کی طرح حضرت مولانا نذیر صاحبؒ دن میں، رات میں، علانیہ، جو جو بھی مواقع آپ کو میسر ہوئے، آپ نے علاقہمیں خدمت انجام دیں، آج انہیں کے صاحب زادے ہمارے درمیان موجود ہے اور انہوں نے ”از دل خیزد بر دل ریزد“ دل سے نکلی ہوئیں باتیں ہمارے سامنے ذکر فرمائیں، ہم نے اپنے کانوں سے سنا اور چوں کہ یہ وہ حضرات ہیں جو صرف زبان اور تحریر کے ہی نہیں ہے؛ اللہ پاک نے آج بھی ان حضرات کو خدمات کے لیے منتخب فرمایا، اس خاندان کی یہ دوسری اور تیسری پشت نے اللہ پاک کے دین متین کی حفاظت کے لیے قربانی دی، اور آپ کا یہ ادارہ قابل مبارک باد ہے کہ اس نے ان کی خدمات کو سراہتے ہوئے ادارے کے بانیوں نے ادارے کے نام کے ساتھ ان مقدس شخصیتوں کے نام کو شامل کرلیا، اس لیے ان حضرات کا یہ حق بنتا ہے کہ وہ ہماری اصلاح اور تربیت کے لیے جو جو کمی ہم میں محسوس کر رہے ہیں، یا مستقبل کے عزائم کی بنیاد پر ہمارے

حوصلوں کو بڑھا رہے ہیں، ہم ان کے ممنون و مشکور ہیں کہ انہوں نے اس وقت ہمارے سامنے جو باتیں بیان فرمائیں؛ وہ بہت ہی قیمتی باتیں ہیں۔

میری امت کا فتنہ: مال:

عزیز طلبہ! فتنہ کا جو مسئلہ ہمارے سامنے ہے اور اس کی جو بنیاد بتلائی گئی؛ وہ مالیات ہے، ہر زمانہ میں ''میری امت کا فتنہ مال'' (سنن ترمذی: أبواب الزهد، باب ما جاء أن فتنة هذه الأمة في المال) آپ نے فرمایا، شکیل بن حنیف ہو، قادیانی ہو، انگریز نے جن جن فتنوں کو جنم دیا ہے یا پہلے دور کے یہود و نصاریٰ نے خاص کر کے یہود نے مال و حسد کی بنیاد پر فتنے کھڑے کئے لَتُبۡلَوُنَّ فِيٓ أَمۡوَٰلِكُمۡ وَأَنفُسِكُمۡ وَلَتَسۡمَعُنَّ مِنَ ٱلَّذِينَ أُوتُواْ ٱلۡكِتَٰبَ مِن قَبۡلِكُمۡ وَمِنَ ٱلَّذِينَ أَشۡرَكُوٓاْ أَذٗى كَثِيرٗاۚ (آل عمران:۱۸۶) ان کی طرف سے کبھی قرآن مجید کو اور کبھی جناب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی کو ہدف اور نشانہ بنایا جائے؛ لیکن ایسے موقع پر سنجیدگی اور متانت کے ساتھ جواب دینا ہے، اس لیے میں اصل موضوع کی طرف آرہا ہوں، آج کا ہمارا موضوع تحریر کا ہے، تحریری صلاحیت اور تحریری باتیں بہت دیر پا رہتی ہیں۔

جمع حدیث کے لیے علماء کرام کی مشقتیں:

حضرت مولانا مفتی ثناء اللہ صاحب دامت برکاتہم نے ذکر فرمایا: بارہ سو، گیارہ سو سال پرانی کتابیں آج ہمارے سامنے ہیں، آخر وہ امام بخاریؒ کا کیسا اخلاص! امام مسلمؒ، فقہاء مجتہدین، محدثین، متکلمین، صوفیاء کرام، ان سب حضرات کا وہ کون سا کارنامہ! کس درد کے ساتھ انہوں نے یہ چیزیں لکھی تھیں اور آج ہم اس کو اطمینان سے پڑھ رہے ہیں، عزیز طلباء! ہمارے سامنے اچھی سے اچھی کتابیں اس وقت آرہی ہیں، ان بزرگوں کو جب یہ چیزیں لکھنی تھیں جس کی علامہ شبلی نعمانیؒ کو تلاش تھی سیرت النبی کے لیے؛ لیکن وہ کتابیں اس وقت میسر نہیں تھیں اور آج وہ ساری کتابیں انٹرنیٹ کے ذریعہ یا تصنیفی شکل میں ہمارے سامنے آچکی ہیں۔

حضرت امام بخاریؒ جب احادیث مبارکہ کو جمع فرمارہے تھے، ان کے مطالعہ کا جو انداز تھا، حضرات محدثین اور آپ کی سیرت نگاروں نے اس کو لکھا ہے کہ حضرت امام بخاریؒ قلم اور کاغذ ساتھ میں رکھتے تھے، رات میں سوتے وقت بھی یہ چیزیں ساتھ میں ہوتی تھیں، اور رات میں کوئی چیز یاد آ گئی؛ تو نیند سے اٹھے اور پھر اٹھ کر وضوء وغیرہ سے فارغ ہوکر جو آپ کا معمول تھا احادیث لکھنے کا، آپ اٹھ کر احادیث مبارکہ کو لکھتے تھے، ہر وقت متفکر رہتے تھے، سوچ میں رہتے تھے۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے اعلاء السنن لکھی، کئی مراجع آپ کو نہیں مل پائے تو واسطوں کے ذریعہ جو مراجع آپ کو ملے؛ آپ نے اس کو لکھے، غیر مقلدین نے اس پر اشکالات اور اعتراضات کیے، حضرت مولانا نے اعلاء السنن میں احناف کی تائید کے لیے جو روایتیں پیش کی ہیں؛ یہ بلا واسطہ نہیں ہے؛ بلکہ بالواسطہ ہے، یہ ایک قرض تھا جس کو حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے ادا کیا، اور اس وقت اعلاء السنن کا جو نیا نسخہ ہمارے سامنے آیا ہے، اس میں ان واسطوں کو اور ان روایتوں کے مراجع کو آپ نے اصلی مراجع سے تلاش کر کے دنیا کے سامنے پیش کیا، تو یہ تحریری صلاحیت جو ہوتی ہے اس تحریری صلاحیت کے لیے تقریر کے مقابلہ میں محنت زیادہ کرنی پڑتی ہے، لکھی ہوئی چیز ہے، بولی ہوئی چیز میں تو آپ مکر بھی سکتے ہیں کہ میں یہ نہیں بولا، یا تاویل بھی کر سکتے ہیں؛ لیکن لکھی ہوئی چیز کالنقش ہوتی ہے اس سے آپ کو مفر نہیں ہوتا ہے، اس لیے جب آپ کسی تحریر کو لکھیں تو آپ کو اس کے لیے بڑی محنت اور مطالعے کرنے پڑتے ہیں، تحریر کے سلسلہ میں حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب نے بہت قیمتی مواد والی باتیں آپ کے سامنے پیش فرمائیں۔

تحریر وتقریر، نثر ونظم ذرائع ابلاغ ہیں:

عزیز طلبہ! دنیا میں اس وقت تحریر وتقریر، نثر اور نظم، یہ جتنے بھی ذرائع ہیں ابلاغ کے، دوسروں تک اپنی چیز پہنچانے کے، اس میں نثر کو بھی ایک بڑا مقام حاصل ہے اور نظم کو بھی ایک بڑا مقام حاصل ہے، اور نظم تو علماء امت نے پہلے سے اشعار کے ذریعہ اور صوفیاء کرام نے

اپنے پند نامے لکھ کر؛ حضرت شیخ سعدیؒ اور حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ ان سب حضرات نے نظم کے انداز میں جو چیزیں لکھیں اور ہمارے سامنے پیش کیں، ابھی آپ دیکھ رہے تھے حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب دامت برکاتہم صحابۂ کرام کے ان اشعار کو ہمارے سامنے پیش کررہے تھے اور اس کا اردو ترجمہ بھی اشعار میں پیش کر رہے تھے، ہم طلبۂ عزیز کو اپنی تقریر میں بھی اور تحریر میں بھی نثر اور نظم دونوں کا خیال رکھنا چاہیے۔

مقالہ نگاری محنت طلب ہے:

تحریر کے سلسلہ میں اس وقت بہت ساری کتابیں مارکیٹ میں آچکی ہیں؛ ہمیں اپنی تحریر کس طرح درست کرنی ہے، ہوسکتا ہے آپ حضرات نے ان کتابوں کو بھی پڑھا ہو اور ان میں حضرت مفتی ابولبابہ صاحب ہیں، حضرت مولانا جمیل نذیری صاحب ہیں، عرب ملکوں سے عربی زبان میں اور پھر اس کے اردو تراجم بھی کئی آچکے ہیں، اسی طرح علی گڑھ یونیورسٹی، پاکستان کی اسلام آباد کی یونیورسٹی، وہاں کے مقالہ نگار حضرات نے، شعبۂ تحقیق کے حضرات نے مقالے کس طریقہ سے لکھے جائیں؛ تحریر کس طرح لکھی جائے اس پر بہت تفصیلی کتابیں شائع کیں، ہمیں اس کو بھی پڑھنا ہے اور ان تحریری چیزوں میں کس انداز سے کون سی چیز لکھی ہے، آپ کا چھوٹا سا مضمون ہے اور اخبار میں چھپ رہا ہے، تو اس چھوٹے سے مضمون کے لیے آپ کو کتنی تیاری کر کے کیسے عناوین اختیار کرنا ہے، کیسے جملے اختیار کرنا ہے، پھر وہ پرچہ عوام میں جائے گا تو عوام کے ذہنوں کا بھی خیال کرنا ہے، ایک سیاسی اخبار ہے آپ کی لکھی ہوئی بات اس سیاسی پس منظر سے اتفاقی طور پر جڑ جائے، اور آپ کو نشانہ بنایا جائے، اسی طرح افسانہ نگاری ہوتی ہے، نامہ نگاری ہوتی ہے، مضمون نگاری ہوتی ہے، مختلف چیزیں ہوتی ہیں، یہ سب اپنے اپنے اعتبار سے مشکل ہے؛ لیکن ان میں سب سے زیادہ مشکل ان حضرات کے نزدیک اور عملی زندگی میں بھی سب سے مشکل ہے؛ مقالہ نگاری، مقالہ کے اندر تحقیق اور علمی گفتگو ہوتی ہے۔

ابن رجب حنبلیؒ نے علل حدیث پر ایک رسالہ لکھا، اصل متن کی شرح انہوں نے لکھی، اس

پر ایک عرب عالم نے مقالہ لکھا تو انہوں نے ابن رجب حنبلیؒ کی باتوں کو کس انداز سے نقل کیا!
صبح میں ہمارے ایک طالب علم نے مقاصد شریعت پر ایک بہت شاندار مقالہ پیش کیا، مقاصد شریعت میں علامہ شاطبیؒ نے "الموافقات" کی چار جلدوں میں مقاصد لکھے، دوسری جلد کو خاص مقاصد ہی کے لیے منتخب کیا؛ لیکن علامہ عبدالرحمٰن کیلانی صاحب اور شیخ احمد ریسونی نے "نظریۃ المقاصد عند الامام الشاطبی" اور "قواعد المقاصد عند الامام الشاطبی" دونوں نے ایک ہی مصنف کے ایک ہی موضوع کو بنیاد بنایا؛ لیکن ایک نے قواعد مقاصد کو بنیاد بنایا، اور دوسروں نے امام شاطبیؒ کے نظریہ کو آپ کی سوچ کو بنیاد بنایا کہ مقاصد پر آپ کی کیا سوچ ہے؟ ان دونوں بزرگوں نے الگ الگ لکھا ایک ہی مصنف پر، آپ کو اس طرح کی کتابوں کو پڑھنا ہوگا۔

طلبۂ عزیز کے موضوعات:

آپ حضرات نے جن موضوعات کو اختیار کیا ہے، یہ وہ موضوعات ہیں جن سے رات دن صحافتی دنیا میں، تحریری دنیا میں غیروں کے ساتھ مناظرہ اور بحث کے انداز میں، ان مضامین سے مسلمانوں کو سابقہ پڑتا ہے، اس لیے بہت ہی بہترین مضامین کا انتخاب ہوا، میں نے آپ کے حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم سے عرض کیا کہ طلبۂ عزیز کے مقالات دو قسم کے ہیں؛ ایک وہ مقالات ہیں جس نے اسلام کی آفاقیت کو اجاگر کیا اور اسلام نے دنیا کو کس موضوع پر کیا چیز دی؟ اسلام کا نظام مساوات اور اسلام نے آفاقی اعتبار سے دنیا میں کون سی چیزیں پیش کیں؛ جو اور دوسرے لوگ پیش نہیں کر سکے! کچھ وہ باتیں جو دوسرے مذاہب میں بھی ہیں اور اسلام میں بھی؛ لیکن فرق اور امتیاز پیش کرنا ہے۔

دو مضامین:

یہ دو مضامین ہیں؛ اسلام کی آفاقیت والا مضمون اور اسلام پر غیروں کی طرف سے ہونے والے اعتراض۔ یہ وہ موضوع ہیں جو عوام اور ہمارے غیر مسلم بھائیوں تک پہونچنے چاہیے اور دوسرا موضوع ہے جو علمی ہے؛ فرق باطلہ، یا کسی ایک فرقہ کی طرف سے احادیث مبارکہ میں کچھ

گڑبڑ کی گئی؛ آپ نے احادیث کے سلسلہ میں بھی اس کے جواب لکھے، گذشتہ کل کے مقالے تھے وہ عنوان بھی تھا اور آج بھی حدیث شریف کے عنوان پر ایک مضمون آیا "السنة و مكانتها في التشريع الاسلامي" دو جلدوں میں عربی زبان میں چھپ چکی ہے اور پھر اس کا اردو ترجمہ پاکستان سے ہو چکا ہے، حضرت مولانا ادریس صاحب میرٹھی کی نگرانی میں ہوا ہے، آپ اس کو پڑھیے اور دیکھئے اور پھر اس فن میں کئی علماء کی کتابیں ہیں، مقالے لکھے، ان کے مقالوں کو پڑھا جائے۔

اسی طرح وہ طلبہ جو فقہی ذوق رکھتے ہیں، حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے فقہی مقالے، کسی مسئلہ کو کس انداز سے وہ شروع کرتے ہیں، تکمیل تک پہونچاتے ہیں، اس میں دلائل سے گفتگو کرتے ہیں، کس انداز تخاطب اور انداز تکلم سے آپ کو سامنے والے کو مخاطب کرنا یہ وہ چیزیں ہیں جو ہمیں سیکھنی ہے۔

جواہر الفقہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی، جدید مسائل میں ہے، جدید سوالات ہیں، فقہی کتابوں میں اس کا کوئی ذکر نہیں؛ موضوع بالکل ایسا ہے کہ سمجھ میں نہیں آرہا، سب سے پہلے مسئلہ آیا تھا انشورنس کا اور اس طرح آلۂ مکبر الصوت وغیرہ، اور اس کے علاوہ کئی مسائل جس کے لیے حضرت مولانا نے رسالے لکھے، جو جوابات ہیں، ظاہر ہے فقہی کتابوں میں صریح الفاظ میں نہیں ہے، لیکن حضرت مولانا نے اسی انداز سے مقالے کو ترتیب دیا کہ سوالات کے جوابات بھی ہو گئے، اور علمی اعتبار سے ہمارے لیے ایک دستاویزی شکل ہو گئی۔

مقالہ نگاری کے لیے چند باتیں:

طلبۂ عزیز! جب ہم مقالے لکھیں تو سب سے پہلے موضوع کا انتخاب ہو، آج کے موضوع ماشاء اللہ ایسے ہیں جو بہترین موضوع بھی ہیں اور موزون بھی ہیں، لیکن ایک بات میں ضرور عرض کروں گا کہ آپ نے جو مقالے لکھے ہیں اس کو آپ یہ مت سمجھئے کہ اب اس سے آگے اس سلسلہ کے کسی مضمون کی میرے اس مضمون کی تائید کے لیے یا اس پر مزید اضافہ کی

کوئی گنجائش نہیں، ساری کتابوں کو میں نے کھنگال لیا، یہ دعوے ہم کر ہی نہیں سکتے، وَمَآ أُوْتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٨٥﴾ (اسراء: ۸۵) ساری انسانیت کو کہا گیا کہ یہ علم جو تم کو دیا گیا ہے وہ تھوڑا ہے، اس لیے آپ اس موضوع کو پھر بنیاد بنائیں، اور کیا کمی ہے میرے موضوع میں؟ اس کو غور وفکر سے دیکھیں۔

یا اس سلسلے کے جو نئے مضامین ہیں کتابوں میں یا آج کل نیٹ پر بہت ساری کتابیں موجود ہیں، اسی طرح جو موضوع آپ نے منتخب کیے ہیں ان موضوعات کے سلسلہ کی جو کتابیں آپ نے پڑھیں؛ ان موضوعات میں جن کتابوں کو مراجع کی حیثیت دی گئی، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آپ کو جس فن پر مقالہ لکھنا ہے اس فن میں یا اس موضوع پر فن کی کئی کتابیں موجود ہوتی ہیں، بہت سارے مصنفین نے لکھا ہوا ہوتا ہے، اس لئے موضوع منتخب کرنے کے سلسلہ میں علماء نے لکھا ہے کہ آپ کسی موضوع کو منتخب کریں تو آپ کا طبعی ذوق اس کے ساتھ ہو، قلبی میلان اس کی طرف ہو، اس کا مواد آپ کے پاس ہو؛ لیکن بہت زیادہ مواد ہو تو بھی آپ کا ذہن منتشر ہوگا، اور بہت کم مواد ہوگا تو بھی آپ پریشان، اس لیے ایسے موضوع کا انتخاب کیجیے کہ جو متوسط ہو۔

مثلاً ''اسلام کا معاشرتی نظام'' اس موضوع پر آپ کو لکھنا ہے، اب معاشرے کے کتنے پہلو ہیں؟ جب آپ معاشرے کے سلسلہ کی کتابیں اٹھائیں گے تو آپ کا ذہن منتشر ہوگا کہ معاشرہ کے کس پہلو کا میں انتخاب کروں؟ سماجیات کے کس پہلو کو کس طریقہ سے میں لوں؟ یہ اتنا وسیع وعریض ہے، لہٰذا آپ کو اس کا ایک ذیلی عنوان لینا ہوگا، اور اس کے ماتحت آپ کو کام کرنا ہوگا، مثلاً اسلام کا نکاح کا نظام، اسلام کا طلاق کا نظام، اسلام کا وراثت کا نظام، اسلام کا خرید وفروخت کا نظام، جس کو حضرت مولانا تقی صاحب نے دو جلدوں میں پھیلایا ہے، اس لیے آپ کو اپنے عناوین کو منتخب کرنے کے لیے یہ ضروری ہوگا کہ اس عنوان کا انتخاب کریں جس کا مواد آپ کو مل جائے، پھر اس کے بعد اس کا خُطہ تیار کریں، یعنی مجھے اس مقالہ میں کون کون سی چیزوں کو لینا ہے، اپنے مقالہ کے سلسلہ میں لکھنے سے پہلے یہ بات آپ عمومی طور پر یاد

رکھیں کہ بغیر وسیع مطالعہ کے، بغیر گہرے مطالعہ کے مقالہ لکھنا آسان نہیں، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے جو مقالات لکھے ہیں، جن موضوعات کو آپ نے عنوان بنایا، ان کے لیے آپ کا بہت گہرا اور وسیع مطالعہ تھا، اس کے لیے کتنی تقریبات اور تفریحات کو قربان کرنا پڑا۔

جس کو مقالہ کہا جائے، ورقہ نہ کہا جائے، اس کے لیے بڑی محنت کرنی پڑتی ہے، مستقبل میں جب آپ اپنی تحریر کو اور زیادہ نکھار کر پیش کریں گے اور مقالات لکھنے کی آپ کوشش کریں گے، اس وقت یہ چیزیں آپ کو کام آئے گی، سرسری طور پر دو چار مضامین کسی رسالہ سے پڑھ لیے یا مختلف رسائل میں اس سلسلہ کی چیزوں کو پڑھا اور اس کو من وعن نقل کر دیا یا اس میں ترمیم کر دی، ایک لطیفہ ہے ایک مولانا کسی جگہ بیان کے لیے گئے، مطالعہ کی عادت تھی نہیں! ایک مرتبہ بیان کیا پھر دوبارہ بیان کے لیے کہا گیا تو انہوں نے آخری بات کو پہلے کر دیا اور پہلی بات کو آخر میں، اس طرح تھوڑا بہت گھوما پھرا کر بیان کر دیا، خیر یہ ایک لطیفہ ہے، لہٰذا آپ کا مطالعہ وسیع ہو، مجھے آپ کو یہ بتلانا ہے کہ سب سے زیادہ محنت طلب اور سب سے زیادہ مشکل مقالہ لکھنا ہے اور جو آپ نے مضامین منتخب کیے ان مضامین پر الحمد للہ کافی مواد اردو اور عربی زبان میں موجود ہے اور آپ اس پر کام کر سکتے ہیں، اس لیے اپنے اس موضوع کو پھر دوبارہ آپ دیکھیں اور آپ مزید کوشش کریں۔

موضوع کے متعلق آیات واحادیث، اقوال سلف، عصری اسلوب کی کتابیں یا مقالات، نیٹ سے بھی نفس معلومات و مراجع کا پتہ چل جاتا ہے، لیکن تحقیقی محققین کے مضامین بھی لیے جاوے۔

مضمون لکھنے سے پہلے خُطہ تیار کریں، تاکہ اس کے مطابق ذیلی عناوین پر مواد مل سکے، کبھی دوران مطالعہ خطہ بدلتا بھی ہے کیونکہ نئے مضامین یا اہم وغیر اہم کا پتہ چلتا ہے، گہری نظر سے مطالعہ کرے، کتب کے پیچھے مراجع بھی دیکھے تاکہ آپ بھی یہ یا نئی کتب کا اضافہ کرسکیں، خطہ کی وجہ سے غیر متعلق مضامین کا مطالعہ نہیں کرے گا، وقت بچ جائے گا۔

تحقیق کا مسودہ: تحقیق کا مقدمہ بہت اہم ہوتا ہے کیونکہ سامع اس کو پڑھ کر ہی مضمون پڑھتا ہے، خاتمہ بھی مختصر نچوڑ ہوتا ہے، ہر باب کا اختتام خلاصے کے ساتھ کیا جاوے، زبان فصیح، املاء کی رعایت کے ساتھ ہو، فنی اصطلاحات خوب استعمال کرے، تحریر میں طوالت و اختصار سے بچے، کسی ماہر استاذ کی نگرانی ضروری ہے، دلائل پختہ ہوں، باہم ربط ہو، تحقیق میں اعتدال ملحوظ رکھے، مسلکی گروہ بندی اور بے کار بحثوں کو موضوع نہ بنایا جاوے، کسی کی عبارت صحیح نقل کرے، نظر ثانی کرے، علامات تحریر، استفہام، قوسین، تعجب، مربع قوسین، فل اسٹاپ، حوالہ درج کرنے کا طریقہ، مضمون لکھتے رہیئے، اکتاہت نہ کیجئے، لکھتے لکھتے کچھ صحیح لکھا جائے گا۔ وسیع المطالعہ کی تحریر بھی وسیع ہوتی ہے، موضوع کی بھرپور تیاری ہو، ماہر استاذ کی رہنمائی ضروری ہے، مواد کے بعد اس کی صحیح ترتیب، تسوید و تبییض، اسی طرح موضوع سے متعلق ذیلی عناوین کی خاکہ بندی ہو، ماخذ کا مطالعہ اور مفید مواد کا انتخاب ہو، تصنیف کے وقت وضوء، نماز، دعا کا بھی اہتمام ہو، رضائے الٰہی مقصود ہو، تصانیف متقدمین، متأخرین معاصرین، تحریر آسان ہو، متأثر کرنے والی ہو، ایک ہی قسم کی بات نقل کرنا ہو تو ایک کی بات نقل کرے، باقی کا حوالہ لکھے، تمہیدی حصے پر خصوصی توجہ دے، اسی طرح سے اختتام بھی مؤثر ہو۔

تحریر کو پانچ پہلو سے دیکھی جانی چاہیئے، (۱) مواد (۲) مقالہ نگار کی نتیجہ اخذ کرنے کی صلاحیت (۳) نتیجہ کی علمی حیثیت (۴) تعبیر و اظہار کا اسلوب (۵) مضمون کی ترتیب۔

مقالہ لکھنے کی ترتیب:

اس کی ترتیب یہ ہوتی ہے کہ قرآنی آیات سب سے پہلے لکھی جائے، جس موضوع کا آپ نے انتخاب کیا ہے اس سلسلہ کی قرآنی آیات کو لکھیں، ایک تو یہ ہے کہ وہی الفاظ آپ کو ملے قرآن کریم کی آیات میں، اور ایک یہ ہے کہ اس سے مناسبت والا کوئی مضمون کتاب اللہ کی کسی آیت میں ہو۔

چند مثالیں:

میں آپ کو ایک مثال دے کر اس کو پیش کر رہا ہوں، تھوڑے سال پہلے اسلامی فقہ اکیڈمی کی طرف سے ایک مقالہ آیا" حکومت کے حساس شعبوں میں ایک مسلمان کو ملازمت کرنی چاہیے یا نہیں؟ یہ سوال تھا، اس سلسلہ میں کئی کتابیں ادھر ادھر کی دیکھی گئیں؛ لیکن بظاہر سمجھ میں نہیں آیا، اتفاق سے ایک آیت کریمہ علامہ ابن قیمؒ نے ذکر فرمائی کہ سیدنا حضرت موسیٰؑ نے قبطی کو ایک مُکا لگا دیا تھا اور اس پر آپ نے ایک جملہ فرمایا: فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ۝۱۷ (قصص:۱۷) میں مجرمین کا مددگار کبھی نہیں بنوں گا، علامہ ابن قیم جوزیؒ نے اس آیت کے ماتحت لکھا ہے کہ آپ کسی کے لیے کس کس طریقہ سے گناہ کا ذریعہ بنتے ہیں؟ مزید اس پر غور کیا اور احکام القرآن حضرت تھانویؒ والا (حضرت مفتی شفیع صاحبؒ والا) اس کے اندر آپ نے کوئی چیز کسی گناہ کا سبب قریب کیسے بنتی ہے؟ سبب بعید کیسے بنتے ہیں؟ سبب لنفسہ کیسے بنتے ہیں؟ سبب لغیرہ کیسے بنتے ہیں؟ یہ پوری تحقیق حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے احکام القرآن میں ذکر کی، پھر اور سمجھ میں آیا کہ حضرت مفتی صاحبؒ نے کسی اور جگہ پر بھی نقل کیا ہوگا! جواہر الفقہ میں ایک سوال تھا کہ بینک کو اپنا مکان کرایہ پر دے سکتے ہیں؟ حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے وہاں پر پھر اس گفتگو کو اور کھولا اور مبسوط کے حوالہ سے، امام محمدؒ کی عبارتوں کے حوالے سے (امام اعظم ابوحنیفہؒ) کے کئی الگ الگ جزیئے ذکر کیے، پھر انہیں جزئیات میں آپس میں انتشار اور اختلاف تھا، حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے سبب قریب، سبب بعید، لنفسہ لغیرہ؛ یہ تقسیم آپ نے کی اور مبسوط کی عبارتوں کو ان چار موضوعات کے ساتھ مناسبت قائم کر کے پیش کیا تو ایسا لگا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے جب یہ جواب دیا تھا اس وقت بھی سبب قریب اور سبب بعید کا لحاظ کر کے آپ نے دیا تھا۔ معلوم ہوا کہ کسی بھی موضوع پر کام کرنے کے لیے محنت کرنی پڑتی ہے۔

ابھی کچھ دن پہلے بالاکوٹ کا مسئلہ کھڑا ہوا تو دینک جاگرن (દૈનિક જાગરણ) والے نے

ہندی میں ایک مضمون شائع کیا اور بالاکوٹ کے حوالے سے یہ لکھا کہ اس کی تاریخ یہ بتلاتی ہے کہ اس سے پہلے بھی ملک کے ساتھ ان لوگوں (مسلمانوں) نے غداری کی ہے اور غداران قوم میں سب سے پہلا نام حضرت مولانا سید احمد شہیدؒ اور حضرت مولانا سید اسمعیل شہیدؒ کا لیا اور حوالہ دیا پاکستان ہی کی کسی ایک مسلمان لڑکی کے کسی تحقیقی مقالے کا، تاریخی مقالہ تھا بالاکوٹ کے سلسلہ میں، وہ کتاب انگریزی میں تھی؛ نہیں مل پائی؛ لیکن یہ مضمون جب میں نے پڑھا، ایک دو جگہ سے فون بھی آیا کہ اس مضمون کو اور واضح کرتے ہوئے اس کا جواب دیا جائے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ کی ''سیرت سید احمد شہیدؒ '' دو جلدوں میں ہے، میں نے خود اس میں سے مضمون نکالا آپ کا تفصیلی ذکر حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے کیا، اور اس ضمن میں آپ نے یہ لکھا کہ جو یہ سمجھتے ہیں کہ محض انگریز سے مقابلہ کرنے کے لیے حضرت وہاں پہنچے تھے، وہ غلط فہمی کا شکار ہوئے، بلکہ حضرتؒ مسلمانوں پر جو حالات تھے اس وقت خاص کر کے رنجیت سینگھ پورے پنجاب کا راجا تھا، اس کی طرف سے وہاں کے جو مقامی مسلمان تھے، ان پر ظلم و زیادتی کی گئی، اس لیے حضرت نے یہ سوچا کہ سب سے پہلے پنجاب پہنچا جائے اور وہاں سے پھر آگے کام کیا جائے۔

یہی سوال ریشمی رومال کی تحریک کے سلسلہ میں بھی کیا جاتا ہے، وہ حضرات جن حالات سے گذر رہے تھے؛ ہم اور آپ نہیں جانتے، انگریزوں کی سازشوں سے یہ حضرات بخوبی واقف تھے، یہ بزرگان دین سمجھ رہے تھے کہ ہم جو کام کر رہے ہیں، ہمارے پیچھے کئی کئی آدمی کس کس طریقے سے لگائے گیے ہیں، خیر حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے ان دونوں چیزوں کو ذکر فرمایا۔ ہمارے طلبہ سیرت سید احمد شہیدؒ کا بنیادی موضوع جو حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے ذکر فرمایا اور بھی کئی دوسرے مصنفین کی کتابوں ہیں ان کا مطالعہ کریں، معلوم ہوا کہ کسی ایک مضمون کو پڑھ کر جواب دے دینا کافی نہیں۔

دو تین سال پہلے کی بات ہے، گجراتی میں ایک سفاری میگیزن نکلتا ہے، گجرات کے سب

سے اعلیٰ ٹوپ لیول میگیزنوں میں شمار کیا جاتا ہے، اس نے حضرت ٹیپو سلطانؒ کے خلاف غلط مضمون لکھا، ہم نے پہلے تو ان پر مختصر مضمون لکھا کہ آپ نے جو مضمون لکھا ہے: آپ ہمیں اس کے حوالے اور اصلی مراجع بتلائیں، آپ نے تو بیچ کے واسطوں سے لکھا ہے؛ لیکن اصلی مراجع: کس نے کس سے نقل کیا؟ وہ آپ ہمارے سامنے پیش کریں، کوئی جواب نہیں آیا، پھر ہم نے اصلی مراجع تلاش کر کے، جو غلط مضمون حضرت سلطانؒ کے خلاف تھا اور ہندؤں پر جو ظلم اور زیادتی کی باتیں لکھی گئی تھیں، علامہ شبلی نعمانیؒ اور سید صباح الدینؒ نے مسلمان بادشاہوں کی رواداری اور کس طریقہ سے وہ پیش آئے؟ پوری تفصیل سے اس کو نقل کیا ہے، اسی طرح پارلیمنٹ کے ایک ممبر تھے، اور اوڑیسہ کے گورنر بھی رہ چکے تھے، انہوں نے پارلیمنٹ میں جو مضمون پیش کیا تھا حضرت اورنگ زیبؒ کے متعلق، ساتھ میں ٹیپو سلطانؒ کے متعلق بھی کہا، وہ تفصیل سے لکھ کر ان کو بھیجا، آپ مسلسل محنت کرتے رہیں گے، یقیناً آپ کے مضامین میں نکھار پیدا ہوگا۔

مضمون نگاری کے لیے چند باتیں:

عزیز طلبہ! آپ کے اساتذہ سے آپ کا ربط مضبوط ہونا چاہیے، حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا کہ کبھی آپ نے پورا مضمون لکھا اور استاذ نے آپ کو یہ کہا کہ آپ کو اس مضمون کو پیش نہیں کرنا ہے، دوسرا مضمون لکھیے، وہ استاذ بھی اس شعبہ کا ماہر ہے، وہ اس کی لطافتوں کو جانتے ہیں، وہ آپ پر محنت کر رہے ہیں، وہ آپ کو اور آگے بڑھانا چاہتے ہیں تو ایسے موقعوں پر آپ کو اپنے استاذ کی باتوں کو ماننا ہی ہے؛ لیکن انتہائی ادب اور لجاجت کے ساتھ اس سے سبق بھی لینا ہے کہ حضرت میں اشکال کے طور پر نہیں پوچھ رہا ہوں؛ مگر میرے اس مضمون میں آپ کو کیا چیز محسوس ہوئی کہ جس کی بنیاد پر آپ مجھ سے مضمون بدلوا رہے ہیں؟ تو آپ کو دوسرے موقع پر اس طرح کی پریشانی پیش نہیں آئے گی۔

اسی طرح جب آپ کا موضوع متعین ہو گیا، پھر آپ نے ذیلی عناوین کے سلسلہ میں الگ الگ کتابوں سے ان چیزوں کو تلاش کر کے پورا ایک مضمون مرتب کر دیا، اب اس کے

بعد خُطہ بھی تیار کر دیا کہ مجھے کس ترتیب سے لکھنا ہے، ایسے موقع پر دو چیزیں بہت ضروری ہوتی ہے؛ جو آپ کا موضوع ہے اس کی ابتداء میں آپ کی جو مختصر تمہید ہو؛ وہ ایسی جامع اور مانع ہو کہ سامنے والے کو اس کو پڑھنے کا جی چاہے، شاعروں اور ناول نگاروں کے یہاں ہوتا ہے کہ پندرہ بیس صفحے تک کچھ پتہ ہی نہیں چلتا کہ یہ کیا کہنا چاہتے ہیں؛ لیکن جو تحقیقی مقالہ ہوتا ہے اس میں اس طرح کی گنجلک باتیں نہیں ہوتی، مضمون آپ نے کیوں منتخب کیا؟ اور اس موضوع پر کتنی کتابیں تھیں؟ آپ کو یہ مضمون اور یہ تحقیق لکھنے کی کیوں ضرورت پیش آئی؟ اس کی معقول وجہ کیا ہے؟ ورنہ بہت سے حضرات ایک کتاب کے بعد دوسری کتاب لکھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ فلاں مصنف نے لکھا، اس میں یہ کمی تھی اور اس کے بعد میں جب لکھ رہا ہوں تو وہ کمی پوری ہوگئی، عرب علماء کے یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ترتیب سے لکھتے ہیں۔

جیسے ڈاکٹر محمد ریسونی صاحب نے نظریۃ المقاصد لکھی اور انہوں نے ہی علامہ عبدالرحمٰن کیلانی صاحب کی قواعد المقاصد عند الامام الشاطبی کو بھی چھپوایا؛ ایک کتاب چھپ چکی تھی امام شاطبی کے مقاصد پر، پھر یہ دوسری آئی، انہوں نے خود اقرار کیا کہ جو چیز انہوں نے لکھی وہ میرے مضمون میں نہیں آئی، شیخ احمد ریسونی ہی کے پاس تقریظ لکھوائی، عربوں کے یہاں وسعت ہوتی ہے کہ ایک مضمون لکھا ہے؛ دوسرا اسی انداز کا مضمون؛ لیکن اس میں جدت ہوتی ہے، اس لیے آپ کے موضوع کے اندر ایسی جدت ہو، اگلے مضامین کے مقابلہ میں کوئی ایسی بات ہو؛ جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچے، پھر جب آپ اس طرح کا پورا مضمون تیار کرلیں گے، اور عناوین بھی آجائیں گے تو بار بار اپنے مضمون کو ناقدانہ نگاہ سے پڑھنا ہے۔

دوسری بات! یہ جو مضامین آپ حضرات نے منتخب کیے ہیں، یقیناً دوستو اور بزرگو! یہ وہ مضامین ہیں، جو مستشرقین کے اعتراضات کا نشانہ بنے ہوئے ہیں، ولبھ بھائی ودھیانگر کے کالج میں ایک لاکھ سے زیادہ بچے پڑھتے ہیں، ان میں دو ڈھائی ہزار مسلمان بچے پڑھتے ہیں، ان بچوں میں کچھ طلبہ دعوت وتبلیغ سے وابستہ ہیں، یہ بچے سال دو سال میں میرے پاس

آتے ہیں، انہوں نے بتلایا کہ اس وقت کالج میں اسلام پر ہونے والے اعتراضات میں سے سب سے زیادہ اعتراض؛ گوشت خوری کے سلسلہ میں ہمارے پروفیسران کرتے ہیں، تو آپ طلبہ بھی اس سلسلہ میں قرآن کریم کی آیات کو دیکھیں۔

شرعی طریقہ سے جانور کو ذبح کرنے کے فوائد:

حضرت مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحبؒ نے ناگپور میں آر ایس ایس کے مرکز میں جا کر ایک بیان دیا، حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ (مائدہ: ۳) اسی آیت کو پڑھ کر آپ نے بتلایا کہ مسلمانوں کے یہاں کون کون سے جانور کن کن حالات میں حلال ہیں؟ حلال جانوروں میں بھی جو فہرست قرآن کریم نے ذکر کی ہے؛ ''منخنقه، موقوذه، متردیه، نطیحه'' اس کو بھی بیان کیا اور اس وقت سائنس کی دنیا میں یہ چیز ثابت ہو چکی ہے کہ جانور میں یا انسانوں میں سب سے زیادہ جراثیم اور سب سے زیادہ جو بیماریاں ہیں؛ تو وہ خون میں ہیں، اب آپ بتلایئے کہ اسلامی ذبیحہ میں سارا خون جب نکل جاوے تو سارے جراثیم اور ساری بیماریاں جو خون میں ہوتی ہیں وہ نکل جاتی ہیں۔

اسلام نے سب سے پہلے جانور کو ذبح کرنے کا حکم دیا جس کی بنیاد پر سارا خون نکل گیا، آج کی سائنس نے اس کو ثابت کر دیا، خون میں کثرت سے یورک ایسیڈ موجود ہوتا ہے، جو ایک تیزابی مادہ ہونے کی وجہ سے خطرناک زہریلی تاثیر اپنے اندر رکھتا ہے، اور غذا کے طور پر اس کا استعمال سخت مضر ہے، ذبیحہ کا مخصوص طریقہ جو اسلام میں بتایا گیا ہے، اس کی مصلحت بھی یہی ہے، اسلامی اصطلاح میں ذبیحہ سے مراد جانور کو خدا کے نام پر ایسے طریقہ سے ذبح کرنا ہے جس سے اس کے جسم کا سارا خون نکل جائے، اور یہ اس طرح ممکن ہے کہ جانور کی کچھ رگ کو کاٹا جائے، اور کچھ رگوں کو قائم رکھا جائے تاکہ مذبوحہ کے دل اور دماغ کے درمیان موت تک تعلق قائم رہے، اور جانور کی موت کا باعث صرف کامل اخراج خون ہو، نہ کہ کسی اعضائے رئیسہ پر صدمہ کا پہنچنا، کیونکہ کسی اعضائے رئیسہ مثلاً دماغ، دل یا جگر کے صدمہ رسیدہ ہونے

سے فی الفور موت وارد ہوجاتی ہے؛ ایسی صورت میں خون آناً فاناً جسم کے تمام گوشت میں سرایت کرجاتا ہے اور سارا گوشت یورک ایسڈ کی آمیزش کی وجہ سے زہریلا ہوجاتا ہے۔

خنزیر (سور) کی حرمت کی وجہ:

اسی طرح سور کو بھی حرام کیا گیا ہے، زمانۂ قدیم میں انسان کو اس کے بارے میں کچھ زیادہ معلوم نہ تھا، مگر جدید طبی تحقیقات نے بتایا ہے کہ اس کے اندر بہت سے نقصانات ہیں، مثلاً یورک ایسڈ جو ایک زہریلا مادہ ہے اور ہر جاندار کے خون میں موجود رہتا ہے، وہ اور جانداروں کے جسم سے تو خارج ہوجاتا ہے مگر سور کے اندر سے خارج نہیں ہوتا، گردے جو ہر انسانی جسم میں ہوتے ہیں، وہ اس زہریلے مادے کو پیشاب کے ذریعہ خارج کرتے رہتے ہیں، انسانی جسم اس مادے کو نوے فیصد خارج کردیتے ہیں، مگر سور کے جسم کے عضلات کی ساخت کچھ اس قسم کی واقع ہوئی ہے کہ اس کے خون کا یورک ایسڈ صرف دو فیصد ہی خارج ہو پاتا ہے، اور بقیہ حصہ اس کے جسم کا جز و بنتا رہتا ہے، چنانچہ سور خود بھی جوڑوں کے درد میں مبتلا رہتا ہے، اور اس کا گوشت کھانے والے بھی وضع المفاصل جیسی بیماریوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔

اس لیے میں آپ سے عرض کررہا تھا کہ سب سے پہلے کتاب اللہ کی آیات سے استدلال ہو، اس کے لیے ہمارے مضمون میں گہرائی کے لیے مفسرین کی کتابیں ہمیں دیکھنی ہوں گی، دوسرے نمبر پر احادیث مبارکہ تیسرے نمبر پر اقوال سلف اس سلسلہ میں کیا ہے؟ پھر اس کے بعد ائمۂ مجتہدین وغیرہ نے اس سلسلہ میں کیا لکھا ہے؟ یہ تو ہوگیا اسلامی موضوع اور اسلامی دلائل۔

علم میں گہرائی کے ساتھ وسعت ہونی چاہیے:

اس کے بعد آج کل لوگوں کا جو ذہن ہے اس کو بھی مدنظر رکھا جائے، حضرت نانوتویؒ نے جن سادہ انداز کے اندر اسلامی فلسفہ کو سمجھایا ہے، حضرت تھانویؒ نے اشرف الجواب میں اور ''احکام اسلام عقل کی نظر میں'' سمجھایا ہے، حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں ایسے مضامین کو جن کو لوگ حل نہیں کرتے تھے، نئے نئے مضامین کو چھیڑا، حضرات علماء کرام فرماتے ہیں کہ اللہ

پاک نے حضرت شاہ ولی اللہ کے واسطہ سے بتلایا کہ آنے والا جو زمانہ آرہا ہے وہ عقلیت کا زمانہ ہے، اس میں قرآن وحدیث کے دلائل کے ساتھ انہیں دلیلوں کو عقل کی روشنی میں آپ واضح کریں گے، تو یقینی بات ہے کہ سامنے والے کے لیے آپ کا جواب مسکت ہوگا، آپ جب اس انداز میں جوابات دیں گے تو آپ کے گہرے علم کے ساتھ وسیع معلومات کا ہونا ضروری ہے۔

حضرت مولانا مفتی تقی صاحب دامت برکاتہم اسی بات کا رونا رو رہے ہیں کہ ہمارے یہاں علم میں گہرائی تو ہے؛ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وسعت بھی ہونی چاہیے، جو چیز جتنی زیادہ گہری ہے؛ وسیع ہوگی، تو وہ اچھی لگے گی، اور اگر وہ تنگ ہے تو اچھی نہیں لگے گی، اس لیے علمی مطالعہ کے ساتھ ساتھ عصر حاضر کا جو اسلوب ہے، زمانہ جس زبان کو جانتا ہے یا زمانہ میں جو ضروریات اور سوچ وفکر بدلتے رہتے ہیں، اس سوچ وفکر کو بھی آپ کو ذہن میں رکھنا ہوگا، اور جو مضامین اسلامی دنیا میں چل رہے ہیں اس کو بھی ذہن میں رکھنا ہوگا۔

گوشت خوری انسانیت کے لیے عین فطرت ہے:

میں آپ کو مثال دوں، ڈاکٹر ذاکر نائک صاحب کا گوشت خوری کے سلسلہ میں کافی بڑا مضمون ہے جس میں انہوں نے سائنسی اعتبار سے گفتگو کی ہے، تین قسم کی مخلوق ہے، ایک تو انسان ہے، اللہ پاک نے ہمارا جو جبڑا اور دانت اور ڈاڑھیں بنائی ہیں، اس کی ترتیب یہ ہے کہ اس میں دونوں قسم کی چیزیں ہیں؛ لیکن شیر کا جو جبڑا ہے وہ الگ ہے اور گائے اور بھینس کا جو جبڑا ہے؛ وہ الگ ہے، ان کے دانتوں کا نظام اللہ پاک نے ایسا ہی رکھا ہے کہ وہ صرف گھاس ہی کھا سکتے ہیں، اس کے مقابلہ میں شیر کے دانت کا انداز اس طریقہ سے رکھا کہ وہ گھاس نہیں کھا سکتا؛ صرف گوشت ہی کھا سکتا ہے، لیکن انسان کا اللہ پاک نے ایسا جبڑا رکھا ہے، چیرنے والے دانت بھی ہیں، چبانے والی ڈاڑھیں بھی ہیں، یہ سارا نظام اللہ پاک نے رکھا کہ یہ گوشت بھی کھائے گا، سبزی بھی کھائے گا، تو اب یہ ایسی چیزیں ہوتی ہیں جو معترضین کے سامنے پیش کی جائیں۔

دین میں اپنی طرف سے تبدیلی نہیں کی جاسکتی:

ایک اور مثال ہے؛ پرسنل لا اور مطلقہ کے نفقہ کے سلسلہ کا مضمون جو ۱۹۸۵ والا شاہ بانو کیس، ہمارے ایک طالب علم نے اس مضمون کو ذکر کیا، اسی سلسلہ میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ جو مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر تھے، آپؒ راجیو گاندھی کے پاس گئے، اتفاق سے رمضان المبارک کا مہینہ تھا، پرسنل لا بورڈ کے سارے حضرات روزے سے تھے، پانی پیش کیا گیا، گرمی کے دن تھے، گرمی کے روزے تھے، راجیو گاندھی نے دیکھا کہ اتنی شدید گرمی میں دوپہر کے وقت یہ لوگ میرے پاس آئے ہیں، اور پانی نہیں پی رہے ہیں، انہوں نے حضرت مولانا علی میاں ندویؒ سے کہا کہ حضرت مولانا! آپ ایسا بھی تو کرسکتے ہیں کہ اس رمضان کو سردی اور بارش کے دنوں میں لے جائیں، دیکھیے! کتنا شاندار موقع تھا، حضرت مولانا جو بات کہنے جارہے تھے اللہ پاک نے راجیو گاندھی ہی کی زبان سے اس کو نکلوایا، حضرت مولانا نے فرمایا کہ یہی سمجھانے کے لیے ہم آئے ہیں کہ ہمارے دین میں اپنی طرف سے تبدیلی نہیں کرسکتے، اللہ پاک کی طرف سے یہ قانون نازل ہوئے ہیں، جس میں مطلقہ کا عدت کے بعد کا نفقہ اللہ پاک نے متعین نہیں کیا، تو ہم نہیں دے سکتے ہیں، جیسے کہ یہ رمضان کے روزے، اس لیے اسلامی مہینہ چاہے بارش کے دنوں میں آئے چاہے گرمی و سردی کے دنوں میں آئے؛ ہم کو روزہ رکھنا ہے، یہ حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے اس موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے کس طریقہ سے بات کو پیش کیا، قول حکیم کے طور پر آپ نے یہ فرمایا؛ فوراً راجیو گاندھی کی سمجھ میں آگیا اور پھر اس کے بعد بل جاری کیا گیا، پارلیمنٹ کے کانگریس کے ممبروں کو وہیپ جاری کرواکر پارلیمنٹ میں پاس کروایا۔

علم طغیانی کے ساتھ نہیں آتا:

آپ طلبۂ عزیز کو بتلانا ہے کہ یہ جو موضوع منتخب کرکے آپ کو دیئے گیے؛ ان موضوعات پر آپ مزید تحقیق اور غور وفکر کریں، اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے علم میں برکت نصیب فرمائے، اساتذۂ کرام سے آپ کو وابستہ رکھے، جب علم آتا ہے طغیان آتا ہے، سرکشی آتی ہے، اس لیے

کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اپنے اساتذہ کو یا جو نیچے کے درجات کے اساتذہ ہیں انہوں نے ہم کو پڑھایا، انہی کے پڑھانے پر ہم اس قابل ہوئے کہ اپنے آپ کو کچھ لکھنے اور پڑھنے کے قابل بنایا، اس لیے حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ نے اپنے اساتذۂ کرام کے سلسلہ کی ایک کتاب شائع فرمائی، ابتداء فرمائی ہے مکتب کے اساتذۂ کرام سے، اس لیے کہ یہیں سے علم حاصل کرنا شروع ہوا ہے، یہ سبق ہمیں دیا جارہا ہے کہ اپنے اوپر کے درجات کے اساتذہ کا ہم اکرام کرتے جائیں، اور نیچے کے اساتذہ کو اپنے سے کمتر کرتے جائیں؛ یہ ہرگز نہ ہو، یہ علم اس طغیانی کے ساتھ نہیں آتا۔

حضرت یوسفؑ نے خواب کی تعبیر بتلائی اور یہ جملہ فرمایا ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ○ (یوسف:۳۷) یہ وہ چیز ہے جو میرے اللہ نے مجھے سکھلائی، اس کے مقابلہ میں قارون نے کہا اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ط (قصص:۷۸) کہا؛ تو فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ قف (قصص:۸۱) اللہ پاک نے ہلاک کردیا۔ سیدنا حضرت موسیٰؑ نے اعلم الناس فرمایا، اور صحیح تھا؛ لیکن بارگاہ رب العزت میں اپنے محبوب بندوں کا امتحان عجیب قسم کا ہوتا ہے، حضرت موسیٰؑ کو صرف اتنا فرمایا گیا کہ ایک ہمارے بندے ہیں اور ہم نے ان کو اپنی طرف سے علم لدنی عطا فرمایا ہے، حضرت موسیٰؑ نے کہا باری تعالیٰ آپ کے وہ بندے کہاں ہے؟ جن کے پاس میں علم حاصل کرنے جاؤں، تو پھر اللہ پاک نے بتلایا فلاں جگہ پر، پوری تفصیل تفاسیر میں موجود ہے، یہ واقعات ہمیں بتلاتے ہیں کہ ہم علم کے ساتھ ساتھ اپنے اندر تواضع وانکساری پیدا کریں۔

اور عزیز طلبہ! سب سے بڑی چیز ہے ”**اینقص الدین و انا حی**“ حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ نے اسی کو سمجھایا۔ پھر دوبارہ آپ کو مبارک بادی دیتے ہوئے رخصت ہوتا ہوں، اللہ تبارک وتعالیٰ مزید آپ کے علوم کے اندر اضافہ فرمائے، علم کو تقویٰ اور طہارت کے ساتھ آراستہ فرمائے، آمین۔۔۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(۲۱)

انسان کی حقیقت قرآن پاک کی روشنی میں

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین، و الصلاۃ و السلام علی سید المرسلین، و علی آلہ و اصحابہ اجمعین. اما بعد!

قال اللہ تبارک و تعالیٰ فی القرآن المجید.

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ○

قال اللہ تعالی: يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِۙ﴿۶﴾ الَّذِىْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَۙ﴿۷﴾ فِىْۤ اَىِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَؕ﴿۸﴾ (انفطار:۶، ۷، ۸)

و قال تعالی: فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَؕ﴿۵﴾ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍۙ﴿۶﴾ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِؕ﴿۷﴾ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌؕ﴿۸﴾ (طارق:۶-۸)

و قال تعالی: وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴿۷۸﴾ (نحل:۷۸)

و قال تعالی: اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًىؕ﴿۳۶﴾ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰىۙ﴿۳۷﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰىۙ﴿۳۸﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰىؕ﴿۳۹﴾ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ يُّحْیِۦَ الْمَوْتٰى﴿۴۰﴾ (قیامہ:۳۶-۴۰)

صدق اللہ العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علیٰ ذلک لمن الشاھدین و الشاکرین و الحمد للہ رب العالمین.

انسان کی حقیقت:

محترم و مکرم حضرات علماء کرام اور ایمان والے بھائیو! کلامِ پاک کی جن آیات کی تلاوت کی؛ ان تمام آیتوں میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو اپنی حقیقت بتلائی، انسان کیا ہے؟ کیا تھا؟ کس طریقے سے اس کا وجود ہوا؟ اور وہ دنیا میں آ کر کن کن چیزوں کا محتاج ہوا؟ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان آیات میں ہمیں اپنی حقیقت بتلائی، آدمی کا حال یہ ہے کہ وہ دنیا بھر کی چیزوں میں (Research) اور تحقیق کر رہا ہے، دنیا بھر کی سائنس اور ڈسکوریاں (Descovery) اور تحقیق اور ریسرچ (Research) میں دیکھ رہے ہیں، آج ہزاروں لاکھوں قسم کی معلومات انسان اپنے لئے مہیا کرتا ہے، لیکن انسان کی کمزوری ہے کہ اپنی ذات کو ہی نہیں جانتا، اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۝۲۱ (ذاریات:۲۱) تمہاری اپنی ذات میں ہی اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی قدرت کی اتنی نشانیاں رکھی ہیں کہ اگر اسی میں تم غور و فکر کرو تو تمہارے لئے بہت بڑا نمونہ ہے۔

آپ کے سامنے جن آیات کی تلاوت کی؛ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں: يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ۝۶ (انفطار:۶) اے انسان تجھے اپنے کریم اور مہربان آقا سے کس چیز نے دھوکے میں ڈالا ہے؟ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ۝۷ (انفطار:۷) جس ذات نے تجھے پیدا کیا، اور تیرے بدن کے ایک ایک عضو کو الگ الگ طریقے سے رکھا اور پھر ان سب کو فَعَدَلَكَ ہر ایک کو برابر حصہ دیا، جتنی اس کی قد و قامت اور اس کا جتنا حصہ اللہ پاک کو رکھنا تھا بدن کے ایک ایک عضو کا اور جہاں جہاں رکھنا تھا؛ پوری مکمل تعدیل کر کے، انسان کو مکمل بنا کر رکھا فَعَدَلَكَ، اور آگے اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں: فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَاۗءَ رَكَّبَكَ۝۸ جب تمام انسانوں کی تخلیق کا مادہ ایک ہی ہے اور ایک ہی مادے سے سارے انسانوں کو پیدا کیا، تو صورتیں بھی سب کی ایک ہونی چاہئے تھیں، لیکن اللہ پاک فرماتے ہیں: فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَاۗءَ رَكَّبَكَ۝۸ ہم نے جس صورت میں چاہا؛ انسان کو ہم نے تخلیق کیا، اس کو

وجود بخشا، حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: اللہ پاک چاہتے تو انسان کو جانور کی سی شکل دے دیتے؛ لیکن اللہ پاک نے فرمایا: لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ ۫﴿۴﴾ (تین:۴) انسان کو ہم نے بہترین سانچہ میں ڈھالا، ساری مخلوقات میں سب سے افضل مرتبہ کے اعتبار سے، جسم کے اعتبار سے بھی، عقل شعور کے اعتبار سے بھی، ہر اعتبار سے انسان کو ہم نے سب سے اعلیٰ بنایا، یہ تو مخلوق کے مقابلے میں فرمایا، اللہ تعالیٰ خود اپنی ذات کے اعتبار سے انسان کو فرماتے ہیں: نَحۡنُ خَلَقۡنٰکُمۡ فَلَوۡلَا تُصَدِّقُوۡنَ ﴿۵۷﴾ (واقعہ:۵۷) ہم نے تم کو پیدا کیا، پس تم ہماری تصدیق نہیں کرتے ہو، ایک اللہ تعالیٰ کا اقرار نہیں کرتے ہو، اس کی دی ہوئی نعمتوں اور آخرت کا تصور نہیں کرتے، اللہ پاک فرماتے ہیں: اَفَرَءَیۡتُمۡ مَّا تُمۡنُوۡنَ ﴿ؕ۵۸﴾ ءَاَنۡتُمۡ تَخۡلُقُوۡنَہٗۤ اَمۡ نَحۡنُ الۡخٰلِقُوۡنَ ﴿۵۹﴾ (واقعہ:۵۸،۵۹)

انسان کا مادۂ تخلیق:

دوستو اور بزرگو! یہ وہ آیتیں ہیں، اس قسم کی باتوں کو ہم لوگ آپس میں ذکر کرنے میں شرم محسوس کرتے ہیں، لیکن اللہ پاک فرماتے ہیں: اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسۡتَحۡیٖۤ اَنۡ یَّضۡرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوۡضَۃً فَمَا فَوۡقَہَا ؕ (بقرہ:۲۶) اللہ پاک حق بات کو اور واضح بات کو بیان کرنے میں کسی کی شرم محسوس نہیں فرماتے، اللہ پاک فرماتے ہیں: انسان تم دیکھو اَفَرَءَیۡتُمۡ مَّا تُمۡنُوۡنَ ﴿۵۸﴾ (جو مرد اپنی عورت کے ساتھ صحبت کرتا ہے اور اس کے ذریعہ مادہ منویہ جو ٹپکتا ہے، یہ کس نے عورت کی رحم دانی میں ڈالا؟ ءَاَنۡتُمۡ تَخۡلُقُوۡنَہٗۤ اَمۡ نَحۡنُ الۡخٰلِقُوۡنَ ﴿۵﴾ میں اور آپ سب پہلے نہیں تھے، ہَلۡ اَتٰی عَلَی الۡاِنۡسَانِ حِیۡنٌ مِّنَ الدَّہۡرِ لَمۡ یَکُنۡ شَیۡئًا مَّذۡکُوۡرًا ﴿۱﴾ (دھر:۱) انسان پر ایک زمانہ ایسا گزرا کہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا، بچے کا علوق ماں کی رحم دانی میں ہو گیا، ۹ مہینے تک اس کا خارجی کوئی وجود نہیں تھا، لَمۡ یَکُنۡ شَیۡئًا مَّذۡکُوۡرًا ﴿۱﴾ آگے اللہ پاک فرماتے ہیں: اِنَّا خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَۃٍ اَمۡشَاجٍ ٭ۖ نَّبۡتَلِیۡہِ فَجَعَلۡنٰہُ سَمِیۡعًۢا بَصِیۡرًا ﴿۲﴾ ہم انسان کو پیدا کرتے ہیں ملے جلے نطفے سے، مرد اور عورت کے نطفے سے، اور کچھ مفسرین

نے فرمایا کہ انسان کے بدن سے جو مادہ منویہ نکلتا ہے؛ یہ بہت ساری کھانے پینے کی چیزوں کا مجموعہ ہے، کتنی چیزیں کھانے کے بعد مادہ منویہ بنتا ہے، اس میں بھی انسان محتاج اللہ تبارک و تعالیٰ کی دی ہوئی ان نعمتوں کا، تو اللہ پاک فرماتے ہیں ہم نے تم کو مرد اور عورت کے یا مختلف قسم کے مادوں کے ذریعہ مرد اور عورت کو پیدا کیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں فَلۡيَنۡظُرِ الۡاِنۡسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۞ انسان کو چاہیے کہ وہ غور کرے، یہ آیت بتلاتی ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کو اپنی ذات پر غور کرنا چاہئے فَلۡيَنۡظُرِ الۡاِنۡسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۞ انسان کو چاہئے کہ وہ غور کرے کہ وہ کس چیز سے پیدا ہوا؟ خُلِقَ مِنۡ مَّآءٍ دَافِقٍ ۞ اللہ پاک فرماتے ہیں: انسان کو ہم نے اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا کیا يَّخۡرُجُ مِنۡۢ بَيۡنِ الصُّلۡبِ وَالتَّرَآئِبِ ۞ یہ کھانے پینے سے مرد اور عورت کے جسم میں غذا بننے کے بعد مادۂ منویہ کی شکل اپناتا ہے اور مِنۡۢ بَيۡنِ الصُّلۡبِ وَالتَّرَآئِبِ ۞ مرد کی پشت سے اور عورت کے سینے کے اس حصہ سے، اللہ پاک فرماتے ہیں وَالتَّرَآئِبِ مرد کی پشت اور عورت کے سینے سے یہ مادۂ منویہ نکلتا ہے، پھر بچے کی شکل ۹ مہینے بعد مکمل طور پر وجود میں آتی ہے، یہ انسان کو اللہ پاک غور وفکر کرنے کی دعوت دے رہے ہیں مختلف آیتوں میں اَيَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَنۡ يُّتۡرَكَ سُدًى ۞ انسان یہ سمجھ رہا ہے کہ مجھے پیدا کر کے اللہ پاک نے بیکار چھوڑ دیا؟ (نعوذ باللہ) اب اس کے بعد میرے اوپر موت اور آخرت کا حساب نہیں آنے والا، اَيَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَنۡ يُّتۡرَكَ سُدًى ۞ اَلَمۡ يَكُ نُطۡفَةً مِّنۡ مَّنِيٍّ يُّمۡنٰى ۞ اللہ پاک فرماتے ہیں: وہ ایک منی کا قطرہ تھا، ماء مہین تھا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سے انسان کو وجود دیا۔

نجران کے نصاریٰ کو جواب:

هُوَ الَّذِىۡ يُصَوِّرُكُمۡ فِى الۡاَرۡحَامِ (آل عمران: ۶) سورۂ آل عمران میں اللہ پاک نے نجران کے نصاریٰ کا جواب دیتے ہوئے جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا درجہ دے دیا، ابن اللہ، اللہ کا بیٹا قرار دیا، اللہ پاک نے فرمایا كَانَا يَاۡكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ (مائدہ: ۷۵)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام ماں اور بیٹے؛ یہ مخلوق ہے، یہ خالق نہیں ہے كَانَا يَأْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ یہ دونوں کھانا کھاتے تھے، کھانے کے محتاج تھے، یہاں اللہ پاک نے نجران کے نصاریٰ کو جواب دیتے ہوئے فرمایا ھو الذی یصور کم فِي الْاَرْحَامِ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے جو ماں کی رحم دانی میں اس پانی کو، اس ماء مہین کو، اس منی کے قطرے کو اللہ تبارک وتعالیٰ صورت عطا فرماتے ہیں، تصویر عطا فرماتے ہیں۔

تخلیق انسان کے مختلف ادوار:

اللہ پاک فرماتے ہیں يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ (زمر:٦) ہم تم کو تمہاری ماں کے پیٹ سے پیدا کرتے ہیں، فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ اور کس طریقے سے؟ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ ایک حالت سے دوسری حالت، اسی کو سترہویں پارے میں فرمایا: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ؕ (حج:۵) اللہ پاک نے پوری تفصیل بتلائی، اسی طرح اٹھارویں پارے کے پہلے رکوع میں سورۂ مومنون میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ہم نے تمہیں ایک ماء مہین سے پیدا کیا، سب سے پہلے ماں کی رحم دانی میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو رکھا، اس پر بھی اللہ کی ہی قدرت کام کرتی ہے، انسان ہے اولاد سے محروم ہے، ڈاکٹروں نے کہہ دیا کہ کوئی بیماری نہیں یا کبھی کچھ کمی ہوتی ہے مرد میں یا عورت میں، اللہ پاک فرماتے ہیں: یہ جو مادہ منویہ ہے؛ اس مادہ منویہ کو تم ٹپکاتے ہو اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿۵۸﴾ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ (واقعہ:۵۸،۵۹) اگر تم پیدا کرنے پر قدرت رکھتے، اپنی اپنی چاہت سے اولاد ہوتی، تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: تو یہ انسان کی قدرت ہوتی، لیکن ایسا ہرگز نہیں، یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ لڑکا ہوگا یا لڑکی!

اس موقع پر مجھے آپ سے ایک بات عرض کرنی ہے کہ ہمارے پاس جو مسائل آتے ہیں طلاق کے، یا اخبارات میں، نوجوان مسلمان شادی شدہ لڑکوں کے متعلق یا بڑی عمر کے

آدمیوں کے متعلق جو سنتے ہیں کہ ایک کے بعد ایک لڑکی ہوتی ہے، تو وہ عورت کو کوستے ہیں کہ آئندہ مرتبہ لڑکا پیدا نہیں ہوا، تو ہم تم کو طلاق دے دیں گے، اللہ کے بندے تیرے پیدا ہونے میں بھی تیرے ماں باپ محتاج، اور اپنی اولاد کے پیدا کرنے میں بلکہ تم خود محتاج ہو، اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمہیں اتنا کمزور بنایا، اکیسویں پارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ ضُعْفٍ (روم: ۵۴) بچہ پیدا ہوتا ہے، کتنا کمزور، کھانے کا، پینے کا، اپنے وجود کا محتاج، اپنی زندگی کا محتاج، یہ خداوند قدوس ہے جو اس کو سمجھداری دیتے ہیں؛ رونا، بچے کو رونے پر کس نے قدرت دی! یہ اللہ کی قدرت ہے، وہ اپنے کھانے کا، اپنے پینے کا، اپنی تکلیف کا احساس رو کر کرتا ہے اور ماں سمجھ جاتی ہے، باپ سمجھ جاتا ہے اور رشتہ دار سمجھ جاتے ہیں؛ بچے کو کوئی تکلیف ہے، بھوکا ہے، پیاسہ ہے، بدن میں کوئی تکلیف ہے، یہ کیا چیز ہے؟

اعضائے انسانی اللہ تعالیٰ کی بڑی دین:

دوستو اور بزرگو! یہ بھی بڑی عبرت کی چیز ہے، ہم پیدا ہوئے؛ ہم کچھ نہیں بول سکتے تھے، وَّجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ (نحل: ۷۸) اللہ پاک نے کان دیئے، آنکھیں دیں اللہ پاک نے دل و دماغ دیا، یہ سب اس نے دیا اور کس میں دیا؟ فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ تین تین اندھیروں کے اندر انسان جیسی اتنی بڑی مخلوق، دنیا کی ساری چیزیں اجالے میں پیدا ہوتی ہیں، مشینریاں اجالے میں کام کرتی ہیں، یہ لاکھوں کروڑوں اللہ کی قدرت کی نشانیوں والا انسان کس طرح پیدا ہوا!

مجھ سے زیادہ آپ حضرات سائنس کی دنیا جانتے ہیں، پڑھنے لکھنے والے ہمارے Students جانتے ہیں، انسان پر کتنا ریسرچ (Research) ہوا! اس کی آنکھوں پر، اس کے کان پر، کس طریقے سے ہم کھاتے ہیں، زبان پر جو الگ الگ ٹیسٹ آتا ہے؛ یہ کہاں سے آتا ہے! اور جب اس پر بخار یا کوئی بیماری آجاتی ہے، کورونا وائرس میں دیکھ لیا کہ کوئی مزہ نہیں، کھانے پینے کی چیز کا کوئی ٹیسٹ نہیں، آخر وہ کونسی چیز لے لی گئی، کون سی چیز تھی جو اس ٹیسٹ کو

محسوس کر رہی تھی، میٹھی چیز ہے؛ لیکن ہزاروں قسم کے اس کے مزے الگ الگ ہیں، حلوہ ہے فروٹ ہے اور نہ معلوم مختلف قسم کے ذائقے ہیں؛ لیکن سب کا ٹیسٹ کرتے ہی آدمی پہچان لیتا ہے کہ یہ امرود ہے، یہ پپیتا ہے، یہ سیب ہے، یہ کس نے قدرت دی تیری زبان کے اوپر کہ تو اس کو اس طریقے سے محسوس کرتا ہے، تو اللہ پاک فرماتے ہیں: وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ (نحل:۷۸) ہم نے تمہیں کان دیئے، کان سے انسان سب سے زیادہ کام لیتا ہے، دیکھنا بھی ہوتا ہے؛ لیکن کان سے زیادہ کام لیتا ہے، اس لئے سب سے پہلے قرآن کریم نے فرمایا: وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ (نحل:۷۸) تو بچہ رو رہا ہے اور ماں باپ کو اس کی تکلیف کا احساس ہو رہا ہے۔

رونے سے مسائل حل ہوں گے:

اللہ پاک مجھے اور آپ کو بڑے ہونے کے بعد بھی یاد دلا رہے ہیں کہ رونے سے ہی تمہارے مسائل اس وقت بھی حل ہوئے اور اب بھی بڑی عمر میں رونے سے مسائل حل ہوں گے، اللہ کے سامنے اپنے آپ کو گڑگڑاؤ، رات کی تنہائیوں میں، یا دن کے اجالے میں، جس وقت بھی آپ کو موقع ملے کچھ رونا دھونا بنالو، اپنی پریشانیوں اور اپنی تکلیفوں کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کے بجائے اپنے خالق و مالک کے سامنے پیش کرو، یقیناً وہ تمہاری دعاؤں کو سننے والا ہے: اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ (نمل:۶۲) بے چین اور بے قرار کی پکار کو کون سنتا ہے، اللہ پاک فرماتے ہیں: ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی ہے جو تمہاری پکار کو سنے، رات کی تنہائیوں میں مانگو، دن کے اجالے میں مانگو، اندھیروں کی گہرائیوں میں مانگو، حضرت یونس علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ (انبیاء:۸۷) مچھلی کے پیٹ میں سمندر کی گہرائی سے فرمایا، اللہ پاک نے اس کو بھی سن لیا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک مسئلہ کے سلسلے میں آئی اور وہ اپنی شکایت پیش کر رہی تھی، ان کے شوہر کے ساتھ ظہار کا مسئلہ پیش آیا تھا،

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی باتیں سن رہے تھے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں ایک ہی حجرے میں، ایک ہی کمرے میں تھی؛ لیکن وہ کیا کہہ رہی تھی؛ مجھے سنائی نہیں دے رہا تھا، بس اتنا سنائی دیتا تھا کہ وہ کچھ اپنی بات کہہ رہی ہے، لیکن کیا کہہ رہی ہے؛ مجھے اس کا علم نہیں ہوا؛ لیکن اللہ پاک فرماتے ہیں: قَدۡ سَمِعَ اللّٰهُ قَوۡلَ الَّتِیۡ تُجَادِلُكَ فِیۡ زَوۡجِهَا وَتَشۡتَكِیۡۤ اِلَى اللّٰهِ ۖ (مجادلہ:۱) اللہ پاک فرماتے ہیں کہ اس عورت کی آپ سے گفتگو جو تنہائی میں ہو رہی ہے؛ عائشہؓ اس کو نہیں سن رہی ہے؛ لیکن رب العالمین اس کو سن رہا ہے قَدۡ سَمِعَ اللّٰهُ اللہ پاک نے سن لیا، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس ذات بابرکت کی قسم! جس نے ساتوں آسمانوں کے اوپر اس عورت (خولہ) کی آواز کو سن لیا اور میں اس کے سننے سے محروم رہی۔ (ابن ماجة: کتاب الطلاق، باب الظهار)

انسان کا وجود قابل غور وتدبر:

خیر تو اللہ پاک ان آیات میں ہمیں بتلاتے ہیں اَللّٰهُ الَّذِیۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ ضُعۡفٍ (روم: ۵۴) اللہ پاک نے انسان کو پیدا فرمایا کمزور، تین تین اندھیروں میں، یہ ساری مشینری باریک سے باریک چیزیں اور لطیف سے لطیف چیزیں انسانوں کی، اللہ پاک نے تین تین اندھیروں میں پیدا کی، یہ قرآن کریم میں فرمایا، من نطفة سب سے پہلے مادۂ منویہ ہے اور پھر اس سے آگے بڑھ کر علقه اللہ پاک اس کو چپکا دیتے ہیں، خون بستہ ہوتا ہے یا اور کوئی شکل ہوتی ہے، عصر حاضر کے مفسرین نے علقہ کی تفسیر کچھ اور بھی فرمائی ہے؛ لیکن پچھلے مفسرین نے فرمایا خون بستہ؛ جمع ہوا خون۔

ڈاکٹر مورس بوکائی اور دوسرے حضرات نے کہا کہ قرآن کریم میں لفظ علقہ فرمایا اور علقہ کے بہت سارے معنی ہے، اسی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ مادۂ منویہ عورت کی رحم دانی میں چپک جاتا ہے، تب بچہ کا علوق اس کے بعد ہوتا ہے، اور علقہ کے معنی ہی ہے چپکنے والی چیز، تو اللہ پاک نے انسان کو مرد اور عورت کے ملنے کے بعد اس پانی کو وجود بخشا، نطفے کے بعد علقہ بنایا، پھر اس کے بعد گوشت کا ٹکڑا بنایا، ثُمَّ مِنۡ مُّضۡغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيۡرِ مُخَلَّقَةٍ گوشت کا لوتھڑا

تو بنایا؛ لیکن اس کے بعد اللہ پاک کا حکم ہوتا ہے کہ اس کے اندر روح ڈالی جائے تو اس میں روح ڈالی جاتی ہے، اور اگر اللہ پاک کا حکم نہیں ہوتا تو پھر اس میں روح نہیں ڈالی جاتی، اور روح ڈالی جانے سے پہلے بھی اللہ پاک کی قدرت ہوتی ہے کہ اس کو آگے بڑھایا جائے یا نہ بڑھایا جائے، کبھی اسقاط ہو جاتا ہے؛ بچہ گر جاتا ہے، کسی بھی وجہ سے، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ اللہ پاک کی طرف سے یا تو مکمل ہو جاتا ہے یا نہیں! اور پھر اس کے بعد آگے فرمایا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا (مومنون: ۱۴) اللہ پاک نے گوست پر ہڈی چڑھا کر اس کو بچہ بنا دیا، بخاری شریف کی روایت ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیان فرمایا کہ چالیس دن اپنی ماں کے پیٹ کے اندر وہ نطفہ ہوتا ہے، پھر اس کے بعد والے مرحلے میں علقہ ہوتا ہے، پھر مضغہ گوشت کا ٹکڑا ہو جاتا ہے۔ (بخاری: کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکۃ، کتاب القدر) مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ اللہ پاک فرماتے ہیں: وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ ما نشاء (حج: ۵) بچے کو ماں کے پیٹ میں ہم رکھتے ہیں جس طرح ہم چاہیں مَا نَشَآءُ، کون اس پر قدرت رکھتا ہیں؟ اندر کے کھول کو، اندر کی اس چیز کی حفاظت کون کرتا ہے؟ اس کو غذا کون دیتا ہے؟ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی اس کو غذا دیتے ہیں، انسان کو بتلایا تو کتنا کمزور ہے۔

پیدائش کے بعد بھی انسان خداوند قدوس کا محتاج:

اس کے بعد جو آیات میں نے آپ کے سامنے پڑھی تھی، اللہ پاک فرماتے ہیں کہ تو اپنی زندگی کے لئے بھی اللہ کا محتاج، اور ہر وقت تیرے اوپر ہم نے موت کے خطرے کو رکھا، کس وقت کس کی موت آ جائے؟ بچہ ہے تو بھی، جوان ہے تو بھی، بوڑھا ہے تو بھی، ہر حال کے اندر موت کا خطرہ رہتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: ہم نے تجھ کو پیدا کیا، پیدا کرنے کے بعد تجھے جن چیزوں کی ضرورت ہے؛ ان کو بھی ہم نے پیدا کیا، آگے جو آیت میں اللہ پاک فرماتے ہیں أَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ۞ (واقعہ: ۶۸) جو پانی پیتے ہو؛ لا سکتے ہو تم اس کو؟ اور اگر اس کو اللہ پاک کھارا بنا دے تو کون اس کو میٹھا بنانے پر قادر ہے؟ یہ اللہ پاک نے

فرمایا، اِنۡ اَصۡبَحَ مَآؤُكُمۡ غَوۡرًا (ملک:۳۰) پانی اندر چلا جائے انسان اس کو نکالنے پر قادر نہیں اَفَرَءَيۡتُمۡ مَّا تَحۡرُثُوۡنَ﴿۶۳﴾ (واقعہ:۶۳) دیکھ رہے ہیں، کھیتی باڑی اگائی ہے، بارش رک گئی ہے، کاشت کار پریشان ہیں، اللہ پاک فرماتے ہیں: یہ کون ہے؟ ءَاَنۡتُمۡ تَزۡرَعُوۡنَهٗۤ اَمۡ نَحۡنُ الزّٰرِعُوۡنَ﴿۶۴﴾ (واقعہ) ان آیتوں میں بتلایا کہ انسان اپنی محنت کرتا ہے، اس کی طرف تو اشارہ کیا؛ لیکن یہ بتلایا کہ محنت تو کی جائے؛ لیکن اس محنت کے نتیجے میں جو ہو رہا ہے میری اپنی کوشش سے؛ یہ نہ سمجھا جائے، جب تک اللہ پاک کی قدرت اس کے ساتھ کارفرما نہیں ہوتی؛ تم کچھ نہیں کر سکتے، اس لئے بچے کے سلسلے میں بھی پہلے فرمایا ءَاَنۡتُمۡ تَخۡلُقُوۡنَهٗۤ اَمۡ نَحۡنُ الۡخٰلِقُوۡنَ﴿۵۹﴾ (واقعہ) تم پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرتے ہیں، تم نے اسباب اختیار کئے؛ لیکن جب تک اللہ پاک کی طرف سے حکم نہیں ہوگا؛ ان میں سے کوئی چیز اپنے اختیار سے وجود میں نہیں آئے گی، یا وجود میں آنے کے بعد بھی وہ کام نہیں کرے گی، جس کی تمہیں ضرورت ہے، ان سب پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی اپنی قدرت کارفرما ہے۔

اللہ تعالیٰ کا پیار بھرا کلام:

یہ ساری چیزیں ذکر کر کے اصل بتلانا کیا ہے؟ يٰۤاَيُّهَا الۡاِنۡسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الۡكَرِيۡمِ﴿۶﴾ (انفطار:۶) اے انسان اپنے پیارے اور معزز مہربان رب سے کس چیز نے تجھے دھوکے میں ڈالا؟ تو رات دن اس کی نعمتوں کو استعمال کرتا ہے، ہر لمحے تو اس کا محتاج ہے، نعمتوں میں بھی محتاج اور ان نعمتوں کے باقی رکھوانے میں بھی تو اس کا محتاج، تو اللہ پاک فرماتے ہیں انسان تکبر کرتا ہے، وہ یہ کہتا ہے سورۂ یس میں اللہ پاک نے فرمایا مَنۡ يُّحۡىِ الۡعِظَامَ وَهِىَ رَمِيۡمٌ﴿۷۸﴾ (یس:۷۸) ایک بوسیدہ ہڈی لی ایک مشرک نے اور اس ہڈی کو ہاتھ سے مسل ڈالا، ریزہ ریزہ کر دیا وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِىَ خَلۡقَهٗ ؕ اللہ پاک فرماتے ہیں: یہ ہاتھ سے مسل کر کہہ رہا ہے مَنۡ يُّحۡىِ الۡعِظَامَ وَهِىَ رَمِيۡمٌ﴿۷۸﴾ اس ہڈی کو کون زندہ کرے گا؟ یعنی (نعوذ باللہ) مرنے کے بعد کوئی زندگی نہیں وَهِىَ رَمِيۡمٌ یہ تو بالکل بوسیدہ ہو چکی ہے، اللہ

پاک پہلے فرماتے ہیں وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلْقَهٗ ؕ ہمیں اشارہ دے رہا ہے کہ اس کو کون زندہ کرے گا؟ اگر تو اپنی ذات پر غور کرتا کہ تو کیا تھا؟ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلْقَهٗ ؕ اپنی پیدائش کو تو بھول گیا ہے کہ تو کیسے وجود میں آیا؟ تو کتنا محتاج تھا اور کن کن طریقوں سے ہم نے تجھے ترقی دی؟ اور ایک مضبوط انسان بنایا، اللہ پاک نے قرآن کریم میں دوسری آیت میں فرمایا: یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّیَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ﴿۴۹﴾ اَوْ یُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَیَجْعَلُ مَنْ یَّشَآءُ عَقِیْمًا ؕ (شوری: ۴۹، ۵۰) کسی کو لڑکے ہی لڑکے دیئے، کسی کو لڑکیاں ہی لڑکیاں دیں اور کسی کو لڑکے اور لڑکیاں دونوں دیئے اور کسی کو دونوں ہی سے محروم رکھا، اللہ پاک فرماتے ہیں: یہ کون کرتا ہے؟ یہ اللہ پاک کی اپنی قدرت اور اپنی طاقت ہے!

انسان کی محتاجگی:

دوستو اور بزرگو! اللہ تبارک و تعالیٰ ساری دنیا کے انسانوں کو ان آیات میں خطاب فرماتے ہیں؛ اس لئے جب اللہ پاک سارے انسان کو خطاب کرتے ہیں تو لفظ ناس فرماتے ہیں، یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ (حج: ۵) اگر تم مرنے کے بعد دوبارہ زندگی سے شک کے اندر ہو، تم انکار کرتے ہو تو اللہ پاک فرماتے ہیں میں نے اس اس طریقے سے تم کو پیدا کیا، بار بار اس قسم کی مثالیں دے کر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں بتلایا کہ ایک مؤمن اور ایک مسلمان ہر وقت اپنی ذات کو اللہ پاک کی طرف متوجہ کرتا ہے، اپنے ہر کام میں اپنی محتاجگی کو ظاہر کرتا ہے، میں کمزور ہوں، کتنا کمزور ہے انسان! میں اور آپ رات دن جانتے ہیں، ذرا سا بخار آ گیا ہو، ہلکہ سا جھٹکا لگا اور بدن میں لقوہ ہو گیا، سارے اعضاء جواب دینے لگے، یہ تو حضرت انسان کی قدرت اور طاقت ہے، اللہ پاک فرماتے ہیں کہ پہلے ہم نے تجھے کمزور پیدا کیا اور پھر اس کے بعد قوت والا بنایا اور ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَّشَیْبَةً ؕ (روم: ۵۴) جوانی کے بعد پھر بڑھاپا آیا، انسان جوانی میں تکبر کرتا ہے، نام ہی اس کا جوانی ہے، رہنے والی نہیں ہے؛ وہ جانے ہی والی ہے، اللہ پاک نے اشارہ فرمایا: مَنْ

اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ (فصلت:۱۵) لوگوں نے دعوے کئے کہ ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے؟ اللہ پاک نے فرمایا: وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ (سبا:۴۵) عادوثمود اتنی مضبوط اور قوت والی تھی؛ لیکن ہم نے ان کو بھی فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ۝۸ (حاقہ) کسی کو نہیں چھوڑا، سب کو ختم کیا، اللہ پاک مکہ کے مشرکین کو کہہ رہے ہیں: تم تو ان کے دسویں حصہ میں بھی قوت و طاقت میں نہیں ہو، کتنی قوت والی عادوثمود تھی! جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ۝۹ (فجر:۹) پہاڑوں میں تراش کر مکان بناتے تھے؛ لیکن سب کے سب ہلاک کردئے گئے، اللہ پاک فرماتے ہیں هَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ۝۸ کوئی آواز آرہی ہے ان کی؟ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا۝۹۸ (مریم:۹۸) کوئی ذرہ برابر آہٹ بھی محسوس نہیں ہورہی ہے، وہاں سے ہم گزریں کہ بڑی بڑی مضبوط قومیں تھی؛ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس طریقے سے نیست ونابود فرمادیا۔

مصیبت کی تعریف: بیماری، دکھ اور افلاس یہ بذات خود مصیبت نہیں ہے بلکہ دل کا ان سے اثر لینا مصیبت ہے گویا یہ اسباب مصیبت ہوسکتے ہیں۔ یہ تو واقعات وحوادثات ہیں اور حوادثات کا مٹانا یہ ہمارے بس میں نہیں ہے؛ لہٰذا انہیں طبیعت کے مطابق بنایا جائے، آج کی دنیا حوادثات کو ختم کرنے کی فکر میں اسباب اختیار کرتی ہے وہ بھی حوادثات کا مجموعہ ہوتا ہے لہٰذا مصائب میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔

اس کی آسان شکل یہ ہے کہ نظر کو حوادثات سے ہٹا کر مسبب الاسباب کی طرف پھیرا جائے، وہ ہی لامحدود حکمتوں سے عالم اضداد کو پیدا کرنے والے ہیں، تو اس ذات سے رشتۂ عبودیت، محبت وتسلیم ورضاء قائم کرلیں، اب عاشق اس کو یہ سمجھے گا کم سے کم میرے محبوب نے مجھے یاد تو کیا، مجھے مصیبت میں تو قابلِ معاملہ سمجھا۔

خیر! مصیبت خلاف طبع کا نام ہے، خلاف طبع کو بدلنے کے بجائے خالق عالم کی طرف توجہ کریں، ورنہ دفعیہ حوادث کے لیے کسی بھی تدبیر میں منفعت کے ساتھ مضرت ہوگی۔
خالق کی طرف توجہ حکمتیں کھولیں گی اور عشق کی سرشاری لذت محسوس کرائے گی۔

دنیا امتحان گاہ ہے، بندہ یہ نہ کہے کہ مجھے جانچ لیا ہوتا، امتحان بطریق نعمت، مصیبت، اطاعت، معصیت بھی ہوتا ہے، مصائب کی جانچ زیادہ ہوتی ہے، پیدائش سے ہی رونا طلب تھی، کھانے کی نعمت سے فال تھا، اس لیے ملنے پر چپ ہوگیا، تمنائیں جلدی موت کو دعوت دینے والی ہیں، جنت میں صرف عیش و آرام ہوگا، اور جہنم صرف تکلیف کی جگہ ہے، اور دنیا دونوں سے ملی جلی۔

غلام سے پوچھا کیا کھائے گا اور کیا پیئے گا تو غلام نے کہا کہ جو آقا کھائے گا اور پیئے گا میری کوئی مرضی ہے ہی نہیں، جو ہر قلب کا امتحان ہوتا ہے، کپڑے کی طرح نفس کو رگڑا جاتا ہے، مصائب کی بھٹی میں تاکہ صاف ستھرا ہو جائے۔

مصائب کا کفارہ اصلاح اخلاق بھی ہوتا ہے، عیش میں مالک کو کم یاد کرتا ہے۔ لیکن دیکھا جائے یہ فانی چیز کی طرف دوڑ دھوپ ہے جو صرف اور صرف آنکھ کھلی ہے وہاں تک پھر سب کچھ ختم۔

نرم پٹھوں سے جوڑ لگے ہیں روزانہ حرکت کے باوجود کبھی گھستے نہیں ہے، اس کے بالمقابل لوہے کے کڑے کو بدلنا پڑتا ہے۔

انسان کی غفلت دور کرنے کے لیے اس کا وجود اور وجود کے بقاء کے لیے اسباب [حرث، ماء اور نار] سے استدلال کیا کہ تو ان کا محتاج ہے، اور ان کے حصول میں بھی ہمارا محتاج ہے، مادہ منویہ کو باپ کی پشت اور ماں کے صلب میں غذاؤں سے بنایا اور قابل اولاد بنایا، پھر نو مہینے نطفہ، علقہ، مضغہ فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ (مومنون: ۱۴) الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۝ (انفطار: ۷) قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۲۳ (ملک: ۲۳) کان، آنکھ اور دل دیا، کان سے زیادہ سننا ہوتا ہے لہٰذا اس کو مقدم کیا، اندھیری کوٹھری میں حیض کے خون سے غذا حاصل کرنے والا تکبر کرے، من یحی العظام کا دعوہ کرے، نو مہینے تک کچھ پتہ نہیں، ڈی این اے ٹیسٹ نے مزید واقف کرایا، تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُۨ ۝۱ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ

لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۝ (ملک:۱،۲) اپنے وجود میں بھی اس کے محتاج، موت کا بھی وہ مالک ہے کوئی دوسری مخلوق بنادے۔

انسانی عصبی نظام:

ٹیلی فون کی لائن میں تاروں کا پیچیدہ نظام دیکھ کر ہمیں حیرت ہوتی ہے، ہم کو تعجب ہوتا ہے، جب ہم دیکھتے ہیں کہ لندن سے ملبورن (Melborn) کے لئے ایک کال (call) چند منٹ میں مکمل ہو جاتی ہے، مگر یہاں ایک اور مواصلاتی نظام ہے جو اس سے کہیں زیادہ وسیع اور اس سے کہیں زیادہ پیچیدہ ہے، یہ ہمارا اپنا عصبی نظام (Nervous System) ہے جو قدرت نے قائم کر رکھا ہے، اس مواصلاتی نظام پر رات دن کروڑوں خبریں ادھر سے اُدھر دوڑتی رہتی ہیں، جو دل کو بتاتی ہیں کہ وہ کب دھڑکے، مختلف اعضاء کو حکم دیتی ہیں کہ وہ کب حرکت کریں، پھیپھڑے سے کہتی ہیں کہ وہ کیسے اپنا عمل کرے، اگر جسم کے اندر یہ مواصلاتی نظام نہ ہو تو ہمارا پورا وجود منتشر چیزوں کا مجموعہ بن جائے جن میں سے ہر ایک الگ الگ اپنے راستے پر چل رہا ہو۔

اس مواصلاتی نظام کا مرکز انسان کا بھیجا ہے، آپ کے بھیجے کے اندر تقریبا ایک ہزار ملین عصبی خانے (Nerve Cells) ہیں، ہر خانے سے بہت باریک تار نکل کر تمام جسم کے اندر پھیلے ہوتے ہیں جن کو عصبی ریشہ (Nerve Fibers) کہتے ہیں، ان پتلے ریشوں پر خبر وصول کرنے اور حکم بھیجنے کا ایک نظام تقریباً ستر (۷۰) میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑتا رہتا ہے، انہیں اعصاب کے ذریعہ ہم چکھتے ہیں، سنتے ہیں، دیکھتے ہیں، محسوس کرتے ہیں اور سارا عمل کرتے ہیں، زبان میں تین ہزار ذائقے خانے (Taste Buds) ہیں، جن میں ہر ایک اپنے علٰیحدہ عصبی تار کے ذریعہ دماغ سے جڑا ہوا ہے، انہیں کے ذریعہ وہ ہر قسم کے مزوں کو محسوس کرتا ہے، کان میں ایک لاکھ کی تعداد میں سماعت خانے ہوتے ہیں، انہیں خانوں سے ایک نہایت پیچیدہ عمل کے ذریعہ ہمارا دماغ سنتا ہے، ہر آنکھ میں ۱۳۰ /ملین (Light Receptors)

ہوتے ہیں جو تصویری مجموعے دماغ کو بھیجتے ہیں، ہماری تمام جلد میں حسیاتی ریشوں کا ایک جال بچھا ہوا ہے، اگر ایک گرم چیز جلد کے سامنے لائی جائے تو تقریباً ۳۰/ ہزار ''گرم خانے'' اس کو محسوس کر کے فوراً دماغ کو اس کی خبر دیتے ہیں، اسی طرح جلد میں دو لاکھ پچاس ہزار خانے ایسے ہیں جو سرد چیزوں کو محسوس کرتے ہیں، جب کوئی سرد چیز جسم سے ملتی ہے تو دماغ اس کی خبروں سے بھر جاتا ہے، جسم کانپنے لگتا ہے، جلد کی رگیں پھیل جاتی ہیں، فوراً مزید خون ان رگوں میں دوڑ کر آتا ہے تاکہ زیادہ گرمی پہونچائی جا سکے، اگر ہم شدید گرمی سے دوچار ہوں تو گرمی کے مخبرین دماغ کو اطلاع کرتے ہیں، اور تین ملین پسینہ کے غدود (Glands) ایک ٹھنڈا عرق خارج کرنا شروع کرتے ہیں۔ (ریڈرز ڈائجسٹ اکتوبر ۱۹۵۶ء دیکھئے)

انسان کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے قرآن کریم نے مختلف طریقوں سے انسان کی پیدائش کو ذکر کیا، کتنے ہم محتاج ہے ہم اپنی پیدائش کے اندر، رات دن اس کو دیکھ رہے ہیں، نئی نئی بیماریاں، بچہ ماں کے پیٹ سے نکلا نہیں اس سے پہلے بیمار! نکلنے کے بعد بھی ایک ایک انجکشن سولہ کروڑ، سترہ کروڑ روپیہ کا، یہ کیا ہے؟ اللہ پاک اپنی قدرت اور طاقت کے کرشمے بتلاتے ہیں کہ کس کس طریقے سے ہم نے تمہارے اعضاء بنائے، وَاللّٰهُ اَخۡرَجَكُمۡ مِّنۡۢ بُطُوۡنِ اُمَّهٰتِكُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ شَيۡـًٔـا ۙ اللہ پاک فرماتے ہیں: کچھ نہیں تھا ماں کے پیٹ سے جب نکلے وَّجَعَلَ لَـكُمُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَالۡاَفۡـِٕدَةَ یہ ساری چیزیں رات اور دن مجھے اور آپ کو اللہ کی نعمتوں کی طرف متوجہ کر رہی ہے، اس کا شکریہ بجا لانے کی ہمیں دعوت دیتی ہے، اللہ پاک مجھے اور آپ کو اور سب کو ہر وقت اپنی ان نعمتوں کا استحضار کر کے شکر بجا لانے کی توفیق نصیب فرمائے اور ناشکری سے اللہ پاک ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔۔۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(۲۲)

استغفار کی فضیلت واہمیت

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین، و الصلاۃ و السلام علی سید المرسلین، و علی آلہ و اصحابہ اجمعین. اما بعد!

قال اللہ تبارک و تعالیٰ فی القرآن المجید.

أَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ○

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ﴿۱۰﴾ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ﴿۱۱﴾ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ﴿۱۲﴾ (نوح:۱۰)

وقال اللہ تعالی: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾ (انفال:۳۳)

و قال النبي صلى الله عليه وسلم: مَنْ لَزِمَ الاِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللّٰہ لَهُ مِنْ كُلِّ ضِيقٍ مَخْرَجًا وَمِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لاَ يَحْتَسِبُ. (أبوداود: كتاب الصلاة، باب في الاستغفار)

صدق اللہ العظیم، و صدق رسولہ النبی الکریم، و نحن علیٰ ذلک لمن الشاھدین و الشاکرین، و الحمد للہ رب العالمین.

محترم ومکرم حضرات علماء کرام اور ایمان والے بھائیو! کلام پاک کی جن آیات کی آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اپنی طرف متوجہ فرما رہے ہیں، توبہ اور استغفار کی دعوت دے رہے ہیں، سیدنا حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ ذکر کرتے

ہوئے اللہ پاک نے فرمایا فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۗ کہ میں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم اپنے پروردگار سے استغفار کرو، اپنے گناہوں کی معافی اور مغفرت چاہو، اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝١٠ بیشک وہ بہت زیادہ بخشنے والا مغفرت کرنے والا ہے، يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝١١ یہ تمہارے اوپر آسمان سے بارش لگاتار اور مسلسل برسائے گا وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ اور مال کے ذریعہ اور اولاد کے ذریعہ اللہ پاک تمہاری مدد فرمائیں گے وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝١٢ اور تمہارے لئے باغات اور نہریں جاری فرمائیں گے۔

استغفار ساری پریشانیوں کا حل:

اس آیت کی تشریح کے سلسلے میں حضرات مفسرین نے ایک قصہ لکھا ہے کہ حضرت حسن بصریؒ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے قحط سالی کی شکایت کی، بارش نہ برسنے کی شکایت کی کہ بارش نہیں ہو رہی ہے، تو آپ نے فرمایا: استغفار کرو، تھوڑے دنوں کے بعد ایک اور شخص آیا، اس نے یہ کہا: میں غریب ہوں، فقروفاقہ سے گزر رہا ہوں، مال میں برکت نہیں ہوتی ہے، حسن بصریؒ نے اس کو بھی فرمایا: استغفار کرو، تھوڑے دنوں کے بعد ایک اور شخص آپ کے پاس آیا اور اس نے اولاد کے متعلق درخواست کی کہ مجھے اولاد نہیں ہے، آپ میرے لئے اولاد کے سلسلہ میں دعا کیجیے، حسن بصریؒ نے اس کو بھی فرمایا: استغفار کرو، یہ حسن بصریؒ کے اس طرح کے جواب سے کہ سوال الگ الگ ہے اور جواب ایک ہی دیا جا رہا ہے، آپ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت! مختلف لوگ آپ کے پاس اپنی الگ الگ حاجتیں اور ضرورتوں کے سلسلہ میں دعا کے لئے اور رہنمائی کے لیے آئے اور آپ نے سب کو ایک ہی جواب دیا کہ استغفار کیجئے، اپنے گناہوں کی اللہ پاک سے معافی اور بخشش مانگئے، ہر ایک کے مسئلہ کے حل کے لیے آپ نے استغفار کو بنیاد بنایا، حسن بصریؒ نے فرمایا: یہ میری اپنی بات نہیں ہے، اللہ پاک نے اپنے پاک کلام میں سیدنا حضرت نوح علیہ السلام کے ذریعہ لوگوں کو یہ بتلایا کہ استغفار میں تمہاری ساری پریشانیوں اور ساری تکلیفوں کا حل ہے، يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝١١ قوم نوح پر

بارش نہیں ہورہی تھی، اللہ پاک نے نوح علیہ السلام کے ذریعہ فرمایا کہ؛ استغفار کرو؛ بارش ہوگی، وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ مال واولاد کی کمی ہے، اللہ پاک اس میں بھی مدد فرمائیں گے اور آگے فرمایا وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ﴿۱۲﴾ باغات اور چشمے اور نہریں پانی کی، یہ سب اللہ تعالیٰ استغفار کی برکت سے عطا فرمائیں گے۔

استغفار کی برکات:

آپ کے سامنے میں نے ایک روایت پڑھی، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روایت میں فرمایا مَنْ لَزِمَ الاِسْتِغْفَارَ جس شخص نے استغفار کو لازم کرلیا، زبان سے بھی پڑھنا ہے اور دل سے بھی اللہ پاک کی طرف متوجہ ہونا ہے، مَنْ لَزِمَ الاِسْتِغْفَارَ جس نے بھی استغفار کو لازم پکڑا یعنی اپنی زندگی کا ایک جز بنا دیا، نمازوں کے بعد، اپنے مختلف اوقات میں، اپنی تنہائیوں میں اللہ پاک سے اپنے گناہوں کی معافی چاہی، چاہے وہ گجراتی زبان میں ہو، عربی میں ہو، اردو میں ہو، جس زبان میں بھی آپ اپنے اللہ سے توبہ اور استغفار کر سکتے ہیں؛ آپ اپنے اللہ کی طرف متوجہ ہوجایئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: مَنْ لَزِمَ الاِسْتِغْفَارَ جس نے توبہ اور استغفار کو لازم کرلیا جَعَلَ اللّٰهُ لَهُ مِنْ كُلِّ ضِيقٍ مَخْرَجًا، وَمِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا. اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے لئے ہر پریشانی اور ہر تکلیف کو دور فرمائیں گے مِنْ كُلِّ ضِيقٍ مَخْرَجًا اور ہر تنگی اور پریشانی سے نکلنے کی راہ بتلائیں گے، یہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے استغفار کی برکتیں بتلائیں اور تیسری چیز آپ نے فرمائی وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لاَ يَحْتَسِبُ. اللہ پاک اسے ایسی جگہ سے روزی عطا فرمائیں گے جس کا اس کو وہم وگمان نہیں ہے۔

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت پر شفقت:

دوستو اور بزرگو! ہم اور آپ رات دن کسی نہ کسی گناہ میں مبتلا رہتے ہیں؛ لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کہ جن کی ذات معصوم ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمادیا: لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا

مُّسْتَقِيمًا (فتح:۲) اللہ پاک کی طرف سے آپ کے سارے گناہوں کو معاف فرما دیا گیا اور آپ کو معصوم بنایا، نبی کا گناہ ہی کیا ہوتا تھا، امت کے لئے نبی کو اپنے مرتبہ سے نیچے اترنا پڑتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَوْ لا أَنْ أَشُقّ علی أُمَّتِي لَأَمَرْتُهم بالسِّواكِ. (بخاری: کتاب الجمعة، باب السواک یوم الجمعة) اگر مجھے اپنی امت پر مسواک کے فرض ہونے کا خطرہ نہ ہوتا تو ہر نماز اور ہر وضو کے وقت میں مسواک کرتا، امت کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسواک کبھی کیا، کبھی چھوڑ دیا، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی عمل کو اگر لگاتار کرتے اور بالکل نہ چھوڑتے تو وہ امت پر فرض یا واجب ہو جاتا، امت پر رحم کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسواک چھوڑ دیا، تراویح کی نماز ایک دن پڑھی، دوسرے دن پڑھی اور امت پر فرض نہ ہو جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے گھر میں ادا کیا اور لوگوں کو اس طرح جمع ہونے سے منع فرمایا، کیا وجہ ہے؟ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے حجرے میں ایک چٹائی رکھی تھی اور اس چٹائی سے رات کو آڑ کر دیتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھتے تھے۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اتفاق سے کچھ لوگ جمع ہو گئے، دوسرے دن بھی جمع ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجرۂ مبارکہ سے نہیں نکلے، روایت میں ہے کہ کچھ لوگوں نے کمرے کے پاس چھوٹی چھوٹی کنکریاں ماری آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو باخبر کرنے کے لیے کہ ہم لوگ آ چکے ہیں، تھوڑی دیر کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہوئے اور فرمایا کہ میں جان بوجھ کر اپنے حجرے سے باہر نہیں نکلا؛ اس لئے کہ اگر میں لگاتار کرنے لگوں تو تم لوگوں پر فرض ہو جائے۔ (بخاری: کتاب صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان، مسند أحمد، مسند عائشة بنت صديق، رقم: ۲۶۳۰۷) تو یہ ہوتی ہے نبی کی شفقت!

انبیاء کرامؑ کا استغفار:

اللہ پاک نے آپ کے اس قسم کے عمل کو جو نبی کو امت کے لئے اوپر سے نیچے اترنا پڑا اپنے مرتبہ سے، اللہ پاک نے اس کے لئے فرمایا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا

تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ؕ اللہ پاک نے آپ کو بخشے بخشائے فرمایا؛ لیکن حدیث شریف میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایک دن میں ستر (۷۰) سے زیادہ مرتبہ اللہ پاک سے استغفار کرتا ہوں۔ (بخاری: کتاب الدعوات، باب استغفار النبی ﷺ فی الیوم واللیلۃ) اللہ کے نبی ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے استغفار ایک دن میں ستر سے زیادہ مرتبہ، انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات قرآن کریم میں اللہ پاک نے بتلائے، اس میں ان کی دعاؤں کا ذکر فرمایا اور ان دعاؤں میں فرمایا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا حضرت موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ (اعراف:۱۵۱) اے میرے پروردگار! میری اور میرے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی آپ مغفرت فرمائیے، انبیاء کرام علیہم السلام ہیں اور اللہ تعالیٰ سے بخشش اور مغفرت مانگ رہے ہیں۔

عذاب الٰہی نہ آنے کے اسباب:

آپ کے سامنے میں نے قرآن کریم کی ایک دوسری آیت بھی پڑھی تھی، اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مکہ کے مشرکین کے متعلق فرمایا وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ مکہ کے مشرکین نے اللہ پاک سے ایک دعا کی تھی اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۞ (انفال:۳۲) اگر یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچا دین لیکر ہمارے پاس آئیں فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ تو آپ ہمارے اوپر آسمان سے پتھر کی بارش برسائیے، دعا یہ مانگنی چاہئے کہ جب یہ اللہ کے نبی سچے ہیں، تو آپ ہمیں ایمان کی توفیق دیجیے؛ لیکن انہوں نے اللہ پاک سے یہ کہا کہ یہ حق ہے، یہ سچے ہیں، تو آپ ہمارے اوپر پتھر کی بارش آسمان سے برسائیے، یہ انہوں نے اللہ پاک سے دعا کی، اس کے بعد ان کو احساس ہوا، تو سوال کرتے ہوئے رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا مانگنے لگے، ایمان تو لائے نہیں، بس اتنا ہی کہا اے ہمارے اللہ! ہماری مغفرت کر دے، اللہ پاک نے اس کے جواب میں یہ آیت نازل فرمائی وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ

مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۝۳۳ کہ ان کو عذاب دینے سے دو چیزوں نے روکا ہے، ایک تو فرمایا وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ط اے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اللہ پاک ان کو عذاب نہیں دیں گے جب تک آپ ان کے درمیان ہیں، آپ مکہ مکرمہ میں ہیں، اللہ پاک ان پر عذاب نازل نہیں کریں گے، اور فرمایا وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۝۳۳ اور اللہ پاک ان کو عذاب دینے والے نہیں ہے جب تک یہ لوگ استغفار کرتے رہیں گے اور دونوں چیزیں موجود تھیں، اس لئے جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں رہے ان پر کوئی عذاب نہیں آیا، جب آپ نے ہجرت فرمائی اور ان کی طرف سے ستانا زیادہ ہو گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دعا فرمائی تھی اللھم اجعلھا سنین کسنی یوسف. (بخاری: کتاب الجهاد والسیر، باب الدعاء علی المشرکین بالھزیمة والزلزلة) اللہ پاک جیسے یوسف علیہ السلام کے زمانے میں سات سال کی قحط سالی آئی آپ ان پر بھی اس طرح کی چیز ڈال دیں، اللہ پاک نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کو قبول فرمایا اور پھر اللہ پاک کی طرف سے ان کے لئے قحط سالی ایسی آئی کہ حدیث شریف کی کتابوں میں ہے: یہ لوگ ایسی چیزیں کھانے لگے جو عام طور پر انسان کھاتا نہیں، پھر ابوسفیان جو ابھی اسلام نہیں لائے تھے: مکہ سے آئے مدینہ منورہ، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا، آپ کی قوم قریش کا یہ حال ہے کہ یہ بھوکے مرجائیں گے اگر آپ ان کے لئے دعا نہیں کریں گے، وہی نبی جن کو ستایا آج ان کے پاس وہ دعا مانگنے کے لیے آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اللہ پاک سے دعا کی اور اللہ پاک نے عذاب ان سے ہٹا دیا۔ (بخاری: کتاب الاستسقاء، باب اذا استشفع المشرکون بالمسلمین عنہ القحط) تو اللہ پاک اس آیت میں فرماتے ہیں: اللہ کے عذاب سے بچنے کی دو شرطیں ہیں، ایک نبی کا ان میں موجود ہونا اور دوسرا ان کا استغفار کرنا۔

یہ آیت کا شان نزول اور آیت کا بیک گراؤنڈ ہے: وہ تو مکہ مکرمہ کے مشرکین کے سلسلے میں ہے؛ لیکن حضرات مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں دوسرا بھی ایک مطلب بتلایا ہے اور یہ کہا اور اس کی بھی وجہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک روایت جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا اَنزل اللہ علیَّ اَمانَیْن لامتی۔ ’’ومان کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم ومان کان اللہ معذبھم وھم یستغفرون۔‘‘ فاذامضیت ترکت فیھم الاستغفار الی یوم القیامۃ۔ (ترمذی:أبواب تفسیر القرآن، باب من سورۃ الأنفال) ترمذی شریف میں روایت ہے، آپ ﷺ فرماتے ہیں: اللہ پاک نے میری امت کے لئے ان کی امن وسلامتی، چین وسکون اور امن وعافیت کے لئے میرے اوپر دو چیزیں نازل فرمائی اورآپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہ آیت کریمہ پڑھی، معلوم ہوا کہ اس امت کو بھی اگر عذاب سے، وبا سے، طاعون سے، پلیگ سے، مختلف قسم کی جو بیماریاں آرہی ہے اور دشمنوں کی طرف سے جو ہمارے اوپر مختلف قسم کے حملے ہورہے ہیں؛ یہ آیت کریمہ فرماتی ہے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے یہ فرمایا کہ میں جب اس دنیا سے چلا جاؤں گا، تو اللہ پاک نے میری امت کے لئے قیامت تک استغفار رکھا، اگر میری امت کو امن اور سلامتی کے ساتھ رہنا ہے تو اپنے اللہ کو راضی کرنا ہوگا، اپنے گناہوں کی معافی مانگنی ہوگی، یہ اتنی قیمتی چیزیں ہے۔

عبادت کے بعد استغفار:

دوستو اور بزرگو! انبیاء کرام علیہم السلام کی دعاؤں میں اس کو شامل کیا، حضرت یونس علیہ السلام، حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام سارے انبیاء کی دعائیں قرآن کریم میں اللہ پاک نے ذکر فرمائی، اللہ پاک نے اپنے نیک اور صالح بندوں کا ذکر فرمایا اوران کے متعلق اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۝۱۸ (ذاریات:۱۸) رات بھر اللہ پاک کی عبادت کرتے ہیں، روتے ہیں اور صبح کرتے ہیں، وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۝۱۸ اور سحری کے وقت میں، فجر سے پہلے کے وقت میں وہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے استغفار کرتے ہیں، حضرات مفسرین فرماتے ہیں کہ رات بھر عبادت اور پھر استغفار کیسا؟ جو جتنا زیادہ قریب ہوتا ہے اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ سے ڈر، خوف اور خشیت اتنی ہی زیادہ ہوتی ہے، اسی لیے حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انی

لاخشکم للہ و أتقکم۔ (بخاری: کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح) میں تم میں سب سے زیادہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں، اللہ پاک کا خوف کرنے والا ہوں، اس لیے کہ اللہ پاک کی معرفت اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت اور طاقت کے مظاہر ان کے سامنے ہیں، نبیوں نے اللہ پاک کی قوت اور قدرت کا استحضار کیا۔

حضرت علامہ آلوسیؒ تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں کہ اللہ پاک نے انسانوں کی پیدائش سے پہلے شیطان کو اور جنات کو اس دنیا میں پیدا فرمایا تھا، ان لوگوں نے اللہ کی عبادت کی تھی اور فرشتوں کے ساتھ رہ کر شیطان بہت آگے بڑھ گیا تھا؛ لیکن جب سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا اور شیطان نے کہا خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ﴿۱۲﴾ (اعراف: ۱۲) آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا۔ یہ انا کا جو لفظ ہے؛ تکبر اور بڑائی، یہ اللہ پاک کو بالکل پسند نہیں، اس نے بھی یہ جملہ کہا اور فرعون نے بھی کہا فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴿۲۴﴾ (ذاریات: ۲۴) میں ہی سب سے بڑا ہوں، یہ دو جملے قرآن کریم نے نقل فرمائے اور دونوں کا انجام بھی اللہ پاک نے بتلایا، انبیاء کرام علیہم السلام کے سامنے یہ شیطان کا قصہ موجود تھا کہ اتنا عبادت گزار ہونے کے باوجود جب اللہ پاک کے دربار عالی سے تکبر کرنے کی بنیاد پر مردود کر دیا گیا اور اس کے مقابلے میں حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کی سنت ہمارے سامنے ہے، حضرت شیخ سعدیؒ بوستاں میں یہی فرماتے ہیں: اللہ پاک نے تجھے مٹی سے پیدا کیا اور مٹی کی صفت جھکنا ہے، نیچے گرے گی، پتھر اوپر ڈالیں گے نیچے آئے گا، آگ کو نیچے جلائیں گے؛ لیکن شعلے اوپر آئیں گے، یہ شیاطینی قوتیں تکبر اور عناد کرتی ہیں اور مؤمن اللہ کا مخلص بندہ ہو جاتا ہے۔

مؤمن کی مثال:

ایک حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت شاندار مثال بیان فرمائی کہ مؤمن کی مثال اس پودے جیسی ہے، آپ دیکھتے ہیں بڑے تناور درخت ہوتے ہیں، ہواؤں کا وہ ڈٹ کر مقابلہ

کرتے ہیں، مگر آہستہ آہستہ وہ گر جاتے ہیں اور ایک پودہ ہوتا ہے اور اس کے اوپر ہوا آتی ہے، وہ نرم ہے، جھک جاتا ہے، ادھر سے ہوا آئی ادھر جھک جاتا ہے، جب یہ جھک جاتا ہے تو بچ جاتا ہے، اور بڑے بڑے مضبوط درخت اکھڑ جاتے ہیں، اس لئے کہ وہ سیدھا مقابلہ ہے۔ (بخاری: کتاب المرضی، باب ماجاء فی کفارة المرض) یہ بات تو احکم الحاکمین کے آگے جھکنے کی ہے۔

حضرت ذوالنون مصریؒ کی تواضع:

حضرت ذوالنون مصریؒ مصر میں ہیں، قحط سالی ہوئی، لوگ پریشان ہیں، آپ کو پتہ چلا کہ قحط سالی سے لوگ پریشان ہیں، آپ مصر سے نکل گئے، لوگوں نے کہا کہ حضرت آپ کیوں چلے گئے؟ فرمایا کہ ہوسکتا ہے کہ میری وجہ سے یہ عذاب آیا ہو، اللہ پاک کی طرف سے جو قحط سالی ہے؛ بارش نہیں ہورہی ہے؛ ہوسکتا ہے کہ میری کسی نحوست اور میرے کسی گناہ کی وجہ سے اللہ پاک نے اس کو روک لیا ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا واقعہ:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں قحط سالی آئی، استسقاء کی نماز کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے امتیوں کو لے کر نکلے، اللہ پاک کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی کہ تمہاری امت میں ایک شخص ہے، اس کے گناہ کی وجہ سے میں بارش نہیں برساتا ہوں، موسیٰ علیہ السلام نے اعلان فرمایا، اس شخص نے توبہ کرلی، بارش ہوگئی، موسیٰ علیہ السلام نے اللہ پاک سے پوچھا کہ باری تعالیٰ آپ مجھے اس کا نام بتلایئے، اللہ پاک نے فرمایا: موسیٰ! جب میں لوگوں کو غیبت سے روکوں، برائی سے روکوں اور میں خود اس کا نام تمہارے سامنے لوں، تمہارے اس کہنے پر اس نے توبہ اور استغفار کرلیا، اس لئے اب میں نے بارش برسادی، حالانکہ اللہ تبارک وتعالیٰ خالق ومالک ہے، وہ ہمارے سارے اندرونی راز کو جانتے ہیں، وہ سب کچھ جانتے ہیں، ان کو حق ہے تمام چیزوں میں؛ لیکن ہمیں فرمایا لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا﴿۱۴۸﴾ لوگوں کی عیب اور لوگوں کی برائی مت

بتلاؤ، پھر وہ شخص جس پر ظلم ہوا ہو اور وہ عدالت کے سامنے رپورٹ کروانے کے لئے مجبوراً کسی کی عیب کو کھول دیتا ہے؛ اللہ پاک اس آیت میں فرماتے ہیں اِلَّا مَنۡ ظُلِمَ ؕ اس کو اجازت ہے، اس کو گنجائش ہے، اس کے علاوہ اور دوسروں کو اجازت اور گنجائش نہیں۔

دوستو اور بزرگو! اس وقت دونوں طرف سے حالات ہیں امت پر، ایک تو پریشانی غیروں کو جو مسلط کیا گیا ہے، ہمیں دعاؤں میں سکھلایا گیا **و لا تسلط علینا من لا یرحمنا۔** (ترمذی: أبواب الدعوات، رقم: ۳۵۰۲) اے ہمارے پروردگار! آپ ہمیں ان لوگوں کے لیے آزمائش نہ بنایئے؛ جو آپ کے نافرمان ہیں، وہ یہ کہے کہ تمہاری مدد کے لیے تمہارا خدا کیوں نہیں آتا؟ یا ہمارے دل میں یہ بات آجائے کہ ہم مؤمن ہیں؛ پھر بھی ہم پر مصیبتیں کیوں آتی ہیں؟ مفسرین نے دونوں وجہ اس آیت کی بتلائی ہے رَبَّنَا لَا تَجۡعَلۡنَا فِتۡنَةً لِّلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَاغۡفِرۡ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ۝۵ (ممتحنہ) کہ خود ہمارے اوپر امتحان آجائے؛ ہم آپ کی بارگاہ عالی سے ناامید ہوجائیں۔

ایک قصہ:

مولانا رومؒ نے قصہ لکھا ہے کہ ایک شخص بادشاہ کے دربار میں آیا، مرد تھا لیکن عورتوں کا لباس پہن کر عورت بن کر رہتا تھا، اتفاق یہ ہوا کہ بادشاہ کی رانی کا ہار گم ہوگیا، تو جتنی بھی عورتیں حرم میں تھیں، اس کے محل میں، ان سب کے کپڑے نکالنے کی بات آئی، ہار مل نہیں رہا تھا، یہ ہار تو اس نے چوری نہیں کیا تھا؛ لیکن لباس جب اتارا جائے گا اور یہ مرد تھا اور عورت بن کر رہ رہا تھا، تو اس کی بھی سزا موت ہے، اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ میں نے اب تک غلط کیا، اللہ پاک سے اس نے توبہ واستغفار کیا، سچی اور پکی توبہ کرلی، جب آدمی مصیبت میں ہوتا ہے اَمَّنۡ يُّجِيۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاهُ (نمل: ۶۲) جب انسان اضطرار کی کیفیت میں ہوتا ہے تو اندر سے دعا نکلتی ہے اور یہی اللہ پاک کو پسندیدہ ہے، الفاظ کے ذریعے دعا پہنچتی ہے دل تک، اس لئے الفاظ سے بھی استغفار کریں، لیکن تھوڑا اپنے آپ کو الفاظ سے معانی کی طرف بھی لے جائیں،

اپنے گناہوں کو یاد کریں، اللہ پاک کی شان غفاریت، شان رحیمیت کو یاد کریں اور اپنے گناہوں سے معافی مانگیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعاء سن لی اور اس کی باری آنے سے پہلے ہی ہار مل گیا، اس کی عزت بچ گئی۔

آج ہم نے اچھے کپڑے پہنے، عطر لگایا، نہایا دھویا، صابون وغیرہ استعمال کیا، یقیناً یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی پسند ہے، لیکن ہمارے بدن میں جسم اور روح ہیں، اور سب جانتے ہیں کہ روح اصل ہے اس سے زندگی ہے، ورنہ جب آدمی مرجاتا ہے تو سب اعضاء سلامت ہے پھر بھی نعش ہے، جب اس میں سے روح نکل گئی، عزیزو! آج کا نہانا دھونا، صفائی، آرائش و زیبائش کا تعلق جسم سے تھا، روح کے بغیر گھر والے ۲۴ گھنٹے بھی نہیں رکھیں گے، بدبو آئے گی، جسم فانی ہے اور روح باقی ہے، روح کی بھی صفائی ہوتی ہے، غسل ہوتا ہے، اس کا لباس یٰبَنِیٓ اٰدَمَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکُمۡ لِبَاسًا یُّوَارِیۡ سَوۡاٰتِکُمۡ وَرِیۡشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقۡوٰی ۙ ذٰلِکَ خَیۡرٌ ؕ (اعراف:۲۶) جسم کے لباس کے ساتھ روح کا بھی ذکر کیا اور تقویٰ کے لباس کو اعلیٰ لباس قرار دیا، اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ ہم نے دوسرے کی کتنی تیاری کی، عزیزو! اس جسم کی صفائی کا خیال رکھا جو سڑنے گلنے والا ہے، سچی توبہ اور گناہوں سے معافی یہ روح کی صفائی ہے، **كل بني آدم خطاء**۔ (ترمذی: أبواب صفة القيامة، رقم: ۲۴۹۹)، خطا ہوجانا ہماری میراث ہے، ؛ لیکن حضرت آدمؑ کی توبہ کا بھی ذکر ہے تاکہ ہم کو سبق ملے توبہ کا، اللہ والوں سے غلطی ہوتی ہے تو معافی سے درجات بلند ہوتے ہیں، جیسے حضرت آدمؑ، مجدد صاحبؒ کے خلیفہ خواجہ میر نعمان نے خط لکھا کہ بڑھاپا آگیا لیکن گناہ ہوتے ہیں، مجدد صاحب نے لکھا کہ ہر ایک کو کہنے کا نہیں ہوتا لیکن بہت سے بندے ہیں جن کی ترقی اس طرح ہوتی ہے، وہ گناہ کے بعد روتے، بلبلاتے ہیں اس کے نتیجہ میں معافی ہی نہیں بلکہ درجات بلند ہوتے ہیں، خیر! روح کا غسل توبہ ہے، اور آئندہ اس گناہ کے نہ کرنے کا عزم مصمم ہو، گناہ کے بعد ندامت ہو، روایت میں آتا ہے، **التائب من الذنب كمن لا ذنب له**۔ (ابن ماجة: كتاب الزهد، باب ذكر التوبة)

دوروح ہیں: (۱) حیات قائم ہے ڈاکٹروں کا موضوع ہے، (۲) انسانیت برقرار ہے، اس کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، **فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سٰجِدِينَ﴿۲۹﴾** (حجر:۲۹) رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا: **الارواح جنود مجندہ.** (بخاری: كتاب أحاديث الأنبياء، باب الأرواح جنود مجندة) بجلی پاور ہاؤس سے نکل کرسب اسٹیشن میں جمع ہوکر پھرتار کے ذریعہ ادھرادھر پہونچتی ہے، روح کا سرچشمہ بھی ذات خداوندی ہے، اسی کی بدولت انسان عزت پاتا ہے، شاہ ولی اللہؒ نے کھڑکی سے روح کوتعبیر کیا ہے، نظر نہیں آتی ہے، لیکن انکار کی گنجائش نہیں، زندگی میں عقل وحواس کی رہنمائی کبھی جواب دے دیتی ہے، رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے، یہ اللہ کی یادوذکراسی روح کی غذااورقوت پہونچانے کے لیے ہے، یادالٰہی کی مختلف شکلیں روح کواپنے پاور ہاؤس سے ربط کرکے سکون دیتی ہے، **ألا بذکر اللہ تطمئن القلوب.** (رعد:۲۸) (۱) نمازمختلف شکلوں میں بندگی کا مظاہرہ کرتی ہے، قراءت وتسبیحات سے ہم کلامی وسرگوشی ہوتی ہے، **اقم الصلاۃ لذکری** (طٰہٰ:۱۴)، **ان احدکم اذاقام فی صلوٰتہ فإنما یناجی ربہ.** (بخاری: کتاب الصلاۃ، باب إذابدرہ البزاق فلیأخذ بطرف ثوبہ)، نماز کی اصل تین ہیں، عظمت وجلال کے مشاہدے کے وقت دل میں خضوع (۲) زبان سے عظمت وجلال کو بیان کرنا (۳) اعضاء وجوارح قلب کی موافقت۔ زکوٰۃ کے سرچشمہ سے ربط واتصال پیدا کرنے میں مال ودولت کی حرص، دنیا کی محبت، خودغرضی، حق تلفی رکاوٹ ڈالتے ہیں اس کوزکوٰۃ سے پاک کرتے ہیں، اورایثاروقربانی ہمدردی وغیرہ کی پرورش ہوتی ہے، گویا نمازوزکوٰۃ کی روشنی روح کے لیے مثبت ومنفی دوتارہیں، ایک ربط کے لیے دوسرااس کوٹوٹنے سے بچاتا ہے، اسی لیے نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکرکیا ہے۔

تقویٰ اس فکر کے ساتھ زندگی گذارنا ہے کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے، اور بعدالموت تمام زندگی کا حساب دینا ہے، اس کے بعد بھی گناہ ہوسکتا ہے، پھر رونے دھونے سے معافی اور ترقیٔ درجات ہوتا ہے، نماز، روزے، زکوٰۃ اور حج کی ادائیگی پھر حقوق العباداولاد، ماں باپ، بیوی،

رشتہ دار، پڑوسی تمام کے حقوق بلکہ جانوروں کے بھی حقوق ذکر کیے ہیں اللہ تعالیٰ اپنا حق معاف فرماتے ہیں لیکن بندہ کا حق معاف نہیں کرے گا، خاص کر کے آخرت میں جب کہ ہر ایک کو نیکی کی حاجت ہوگی، لہٰذا حق تلفی، ایذاء رسانی سے معافی ضروری ہے۔

ان في الجسد مضغة. (بخاری: کتاب الإیمان، باب فضل من استبرأ لدینه) بدن، لباس، دکان، گاڑی بستر کی صفائی کا خیال ہے؛ لیکن قلب کی صفائی کا خیال نہیں، قلب کی اصلاح، عبادات اربعہ، ذکر وفکر اعمال، اعضاء سے صادر گناہوں پر توبہ، مخلوقات میں غور وفکر کرنا **اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ﴿۱۷﴾** (غاشیہ:۱۷) دن بھر کے اعمال کا محاسبہ، **حاسبوا أنفسکم قبل ان تحاسبوا.** (ترمذی: أبواب صفة القيامة، رقم: ۲۴۵۹)۔ اصلاح کی دعا، طول امد سے فساد قلب، **فطال علیهم الامد فقست قلوبهم.** (حدید:۱۶)

دل میں خیال آتا ہے، اس سے ارادہ ہوتا ہے، اور پھر عمل ظاہر ہوتا ہے، قلب کی پاکی ذکر اللہ، نماز وغیرہ میں ہے، یاد خداوندی سے خوف کا استحضار رہے گا، گناہ سے بچے گا، ذکر اللہ کے بجائے غفلت سے معاصی کی کثرت ہوگی۔

اس کے بالمقابل دوسرے مذاہب مثلاً ہندو دھرم میں تناسخ -آوا گون کے ذریعہ انسان کو درندہ، جانور کی شکل میں سزا بھگتنے پر مجبور کیا، جس کے ہوتے ہوئے انسان کا ارادہ وخود مختاری کا تصور نہیں ہوتا ہے، اور عیسائیت نے پیدائشی طور پر انسان کو گنہگار بنا کر حضرت عیسیٰ کو گناہوں کا کفارہ بنا کر عیسائیوں کو بدظنی اور رحمت سے مایوس کر دیا۔ جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عالم مایوسی میں توبہ کی اہمیت وفضیلت بتائی، گناہ عارضی ہے، شیطانی ونفسانی بہکاوے سے ہوتا ہے پھر ندامت اس کی فطرت ہے، گناہوں سے توبہ کا عزم حضرت آدم کی میراث ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توبہ کی فضیلت تفصیل سے بتائی، آپ کا نام نبی توبہ ہو گیا، توبہ اضطراری وسیلہ نہیں، بلکہ افضل ترین عبادت اور قرب الٰہی کا مختصر راستہ بتایا، اور توبہ کرنے والوں کی قدردانی کی، **یعبادی** کے ذریعہ خطاب کیا، **التائبون** سے نورانی صفات کی ابتدا کی۔

حضرت ابراہیمؑ کے مہمان کا بغیر بسملہ کے کھانہ کھانے پر آپ کا بھگا دینا، پھر ندائے غیبی سے بلانے کا حکم، بت برست کا اپنے معبود کو پکارنے کے ساتھ یہ کہنا کہ اگر میری حاجت پوری نہ کی تو مسلمانوں کے خدا سے مانگوں گا، اسی پر حاجت پورا ہو جانا اور غیرت خداوندی جوش میں آ گئی کہ خالق ومخلوق کا فرق بتا دیا، یاصنم کی آواز لگاتے ہوئے یا صمد کی آواز نکلنے پر ایمان کی توفیق ہو جانا۔

(۹۹)افراد کے قاتل کی توبہ:

حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم سے پہلے لوگوں میں ایک شخص ایسا تھا جس نے ننانوے خون کئے ہیں۔ پھر اس نے روئے زمین کے سب بڑے عالم کے متعلق لوگوں سے معلوم کیا تو لوگوں نے اسے ایک عابد شخص کو بتلایا اس کے پاس جا کر اس نے بتلایا کہ اس شخص نے ننانوے افراد کو قتل کر دیا ہے، تو کیا اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ تو اس عابد نے جواب دیا کہ نہیں ہو سکتی۔تو اس شخص نے اس عابد کو بھی قتل کر کے سو(۱۰۰) پورا کر دیا۔ پھر لوگوں سے روئے زمین کے سب سے بڑے عالم کے متعلق معلوم کرنے لگا تو لوگوں نے ایک عالم شخص کے متعلق بتلایا۔اور اس شخص نے اس عالم سے جا کر کے اپنا کارنامہ بتلایا کہ اس نے سو آدمیوں کو قتل کر دیا ہے، تو کیا اس کے لئے کوئی توبہ کی راہ ہے تو عالم صاحب نے جواب دیا کہ جی ہاں ہو سکتی ہے۔اس کے اور اس کی توبہ کے درمیان کون حائل ہو سکتا ہے چنانچہ عالم صاحب نے فرمایا کہ تم فلاں جگہ جاؤ وہاں کچھ اللہ کے بندے اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ان کے ساتھ مل کر تم بھی عبادت کرو۔اور اپنے پرانے علاقہ میں پھر لوٹ کر بھی نہ آنا۔اس لئے کہ یہ علاقہ تمہاری برائی کی جگہ ہے۔تو وہ شخص وہاں جانے لگا جب نصف راستہ طے ہو گیا تو اس کی موت آ گئی، پھر اس کی روح لے جانے میں رحمت کے فرشتے اور عذاب کے فرشتوں کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا۔رحمت کے فرشتے کہنے لگے کہ یہ سچے دل سے تائب ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف جا رہا ہے۔اور عذاب کے فرشتے کہنے لگے کہ اس

نے کبھی کوئی اچھا کام نہیں کیا ہے، تو اس اثناء میں دونوں طرف کے فرشتوں کے پاس ایک اور فرشتہ آدمی کی صورت میں آیا اور دونوں طرف کے فرشتوں نے اس فرشتہ کو فیصل بنایا تو اس فرشتہ نے فیصلہ کیا کہ دونوں طرف کی زمین کو ناپو جس طرف یہ قریب ہو اس کو وہاں والوں ہی میں شمار کر دینا، چنانچہ زمین کو ناپا تو اس طرف کی زمین تھوڑی ہی قریب ثابت ہوئی جہاں یہ جا رہا تھا لہٰذا فیصلہ ہوا کہ رحمت کے فرشتے اس کی روح لیکر جائیں گے۔(بخاری: کتاب أحادیث الأنبیاء، رقم: ۳۴۷۰)

بندوں کی توبہ سے اللہ تعالیٰ کا خوش ہونا:

اللہ تعالیٰ بندہ کی توبہ سے اس آدمی سے زیادہ خوش ہوتا ہے جس کی سواری گم ہوگئی ہو اور وہ جنگل بیابان میں ہو، سواری پر کھانا پینا ہو، وہ ناامید ہو کر درخت کے پاس آجاتا ہے اور موت کا منتظر ہوتا ہے کہ اس کی سواری آجاتی ہے اور وہ انتہائی خوشی کے عالم میں یہ کہتا ہے کہ **اللھم انت عبدی و انا ربك أخطأ من شدة الفرح**.(مسلم شریف: کتاب التوبة، باب فی الحض علی التوبة والفرح بها)

اکثر بڑے کام جمعہ کے دن ہوئے، آدم کی پیدائش، نزول آدمؑ بھی جمعہ کے دن، قیامت بھی جمعہ کے روز قائم ہوگی، جمعہ سے یہود و نصاریٰ کا امتحان ہوا کہ کوئی دن عبادت کے خاص کرو، سنیچر اور اتوار کو انہوں نے منتخب کیے، ہم نے جمعہ کو پسند کیا، جمعہ کے دن ایک گھڑی اللہ تعالیٰ نے قبولیت کی رکھی ہے۔(ابن ماجه: کتاب إقامة الصلاة، باب فی فضل الجمعة)

دعاء کے آداب: غفلت کے ساتھ نہ مانگی جائے، مال حرام اور اکل حرام سے بچے، مانگنے میں تنگی سے کام نہ لے۔

عبادت کے معنیٰ غایت تذلل ہے، دعاء میں غایت تذلل ہوتا ہے، وہ عزت میں انتہاء پر ہے، ہم ذلت میں انتہاء پر ہے، دینا اسی کو زیب دیتا ہے لہٰذا سوال بھی اسی سے کرو۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا سے زیادہ کوئی چیز مکرم نہیں، **لیس شیئ اکرم علی اللہ من**

الدعاء۔ (ترمذی: أبواب الدعوات، باب ماجاء فی فضل الدعاء) جو اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتا اللہ تعالیٰ اس پر غصہ ہوتے ہیں، **من لم یسئل اللہ یغضب علیہ۔** (ترمذی: أبواب الدعوات، رقم: ۳۳۷۳) اللہ تعالیٰ کریم ہے، جب ہاتھ اٹھتا ہے اس کے سامنے تو خالی ہاتھ نہیں لوٹاتا، اللہ تعالیٰ کو شرم آتی ہے بندہ کو خالی ہاتھ لوٹانا۔ اپنی ہر حاجت اللہ تعالیٰ کے سامنے کرنی چاہئے، حتی کہ جوتے کا تسمہ کا سوال بھی اللہ تعالیٰ سے ہی کرے، (ترمذی: أبواب الدعوات، رقم: ۳۶۰۴) ہاں البتہ کسی گناہ کا سوال نہ کرے۔

بندہ کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے قبول ہونے کی مختلف شکلیں ہیں، (۱) مانگا مل جاتا ہے۔ (۲) دعا کی برکت سے کوئی مصیبت ٹل جاتی ہے۔ (۳) آخرت میں ذخیرہ ہوتا ہے۔

مظلوم کی دعا آسمانوں پر اٹھتی ہے، اسی لیے مظلوم کی بددعا سے بچنے کا فرمایا گیا ہے۔ **اتق دعوۃ المظلوم فانہ لیس بینھا و بین اللہ حجاب۔** (بخاری: کتاب المظالم، باب الإتقاء والحذر من دعوۃ المظلوم) اسی طرح والدین کی دعا اولاد کے حق میں جلدی قبول ہوتی ہے اور مسافر کی دعا۔ (ابن ماجہ: کتاب الدعاء، باب دعوۃ الوالد و دعوۃ المظلوم)

مصیبت میں اللہ تعالیٰ کو پکارنے میں پکار جلدی سن لی جاتی ہے۔ اسی طرح نیک عمل کے وسیلہ سے دعا کرنا بھی فائدہ سے خالی نہیں۔ جیسے غار والے تین حضرات کا واقعہ؛ جس کی تفصیل مسلم شریف میں کچھ یوں ہے:

ابن عیاض ابوضمرہ موسیٰ بن عقبہ سے نافع سے اور وہ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تین آدمی چل رہے تھے کہ انہیں بارش نے گھیر لیا تو انہوں نے پہاڑ میں ایک غار کی طرف پناہ لی، ان کے غار کے منہ پر پہاڑ سے ایک پتھر آکر گر گیا، جس سے اس غار کا منہ بند ہو گیا، ان میں سے ایک نے کہا اپنے اپنے نیک اعمال کو دیکھو جو خالص اللہ کی رضا کے لئے کئے ہوں، اور اس کے ذریعہ اللہ سے دعا مانگو، شاید اللہ تم سے اس مصیبت کو ٹال دے، تو ان میں سے ایک نے عرض کیا: اے اللہ میرے والدین بہت بوڑھے تھے

اور میری بیوی بھی تھی اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی تھے اور میں (جنگل میں مویشی) چرایا کرتا تھا، جب میں ان کے پاس شام کو واپس آتا تو دودھ نکالتا تو میں اپنے والدین سے ابتدا کرتا اور انہیں اپنے بچوں سے قبل پلاتا، ایک دن جنگل کے دور ہونے کی وجہ سے مجھے تاخیر ہوگئی اور میں رات کو آیا، تو میں نے اپنے والدین کو سویا ہوا پایا، میں نے پہلے کی طرح دودھ دوہا اور دودھ کا برتن لے کر ان کے سرہانے کھڑا ہوگیا، میں انہیں ان کی نیند سے اٹھانا ناپسند کرتا تھا اور مجھے ان سے پہلے اپنے بچوں کو پلانا بھی پسند نہ تھا اور بچے میرے قدموں کے پاس چلا رہے تھے، مگر میں نے انہیں دودھ نہیں دیا اور صبح ہونے تک میرا (اور میرے بچوں اور والدین) کا معاملہ یونہی رہا، پس تو جانتا ہے کہ میں نے یہ عمل صرف اور صرف تیری رضا کے لئے کیا تھا، تو ہمارے لئے کچھ کشادگی فرمادے جس سے ہم آسمان کو دیکھ سکیں، پس اللہ نے ان کی لئے اتنی کشادگی فرمادی کہ انہوں نے آسمان دیکھا۔

اور دوسرے نے عرض کیا: اے اللہ! میری ایک چچازاد بہن تھی جس سے میں محبت کرتا تھا، جس طرح مردوں کو عورتوں سے سخت محبت ہوتی ہے، میں نے اس سے اس کی ذات کو طلب کیا یعنی بدکاری کا اظہار کیا تو اس نے ایک سو دینار لانے تک انکار کردیا، میں نے بڑی محنت کر کے سو دینار جمع کئے اور اس کے پاس لایا پس جب میں اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان بیٹھ گیا، تو اس نے کہا، اے اللہ کے بندے اللہ سے ڈر، میں اس سے کھڑا ہوگیا یا اللہ تجھے یقینا علم ہے کہ میں نے یہ عمل صرف تیری رضا کے لئے کیا ہے، پس ہمارے لئے اس غار سے کچھ کشادگی فرما دے، پس ان کے لئے (ذرا اور) کھول دیا گیا اور تیسرے نے عرض کیا: اے اللہ! میں نے ایک مزدور کو ایک فرق چاول مزدوری پر رکھا، جب اس نے اپنا کام پورا کرلیا تو کہا، میرا حق مجھے دے دو، میں نے اسے فرق دینا چاہا تو وہ منہ پھیر کر چلا گیا، پس میں اس کے پیچھے زراعت کرتا رہا، یہاں تک کہ اس سے گائے اور ان کے چرواہے میرے پاس جمع ہو گئے، پس وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا اللہ سے ڈر اور میرے حق میں مجھ پر ظلم نہ کر، میں نے کہا وہ گائیں اور ان

کے چرواہے لے جاؤ، اس نے کہا، اللہ سے ڈر اور مجھ سے مذاق نہ کر، میں نے کہا میں تجھ سے مذاق نہیں کر رہا، وہ بیل اور ان کے چرواہے لے جاؤ اس نے انہیں لیا اور چلا گیا، اگر تیرے علم میں (اے اللہ!) میرا یہ عمل تیری رضامندی کے لئے تھا تو ہمارے لئے باقی راستہ بھی کھول دے تو اللہ نے باقی راستہ بھی کھول دیا۔ (مسلم شریف: کتاب الرقاق، باب قصة أصحاب الغار الثلاثة)

استغفار؛ ساری پریشانیوں کا حل:

دوستو اور بزرگو! جب قرآن کی آیت نے یہ کہہ دیا کہ استغفار ساری پریشانیوں کا حل ہے، جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرمادیا من کل ضیق مخرجا. الفاظ کو دیکھئے! ہر تنگی سے نکلنے کی راہ! دینی ہو یا دنیوی ہو، اپنی طرف سے آئی ہو، دوسروں کی طرف سے آئی ہو، ایمان والے کی طرف سے آئی ہو، غیر ایمان والے کی طرف سے آئی ہو، بیماری ہو، اولاد کی کوئی تکلیف اور پریشانی ہو، ہر قسم کی تکلیف ہو، **من لزم الاستغفار** جس نے اللہ کی طرف اپنے آپ کو متوجہ کرلیا، وہاں سے تو صدائیں بلند ہوتی ہیں، ہے کوئی ہم سے مانگنے والا؟ **هل من مستغفر**؟ (مسلم شریف: کتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب الترغیب فی الدعاء و الذکر فی آخر اللیل)

دوستو اور بزرگو! ساری باتیں ہماری زبانی ہوتی ہیں، یہ کرنا اور وہ کرنا یہ امت بولنے کے لئے نہیں بھیجی گئی؛ کرنے کے لیے بھیجی گئی ہے، اس لئے یہ امت جس پریشانی سے گزر رہی ہے، اس وقت جو بیماری پھیلی ہے، اس میں بھی جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روایت میں بتلا دیا **مِنۡ كُلِّ ضِيقٍ مَخۡرَجًا، وَمِنۡ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا، وَرَزَقَهُ مِنۡ حَيۡثُ لاَ يَحۡتَسِبُ.** (أبو داود: کتاب الصلاة، باب فی الاستغفار) ہر پریشانی اور غم جو دل پر چھایا ہوا ہے، جس نے دماغ کو پریشان کر رکھا ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اللہ پاک اس کو آسان فرمادیں گے اور وَيرزقهُ مِنۡ حَيۡثُ لَا يَحۡتَسِبُ ط (طلاق: ۳) ایسا رزق ملے گا کہ جس کا اس کو گمان بھی نہیں ہوگا۔

مایوسی کے بعد رحمت:

سیدنا حضرت عمر ابن الخطابؓ کے زمانے میں بھی بارش نہیں ہو رہی تھی، لوگ پریشان تھے، کسی نے آ کر حضرت عمرؓ سے کہا کہ حضرت امیر المومنین یہ حال ہے، فرمایا کہ اگر تم اللہ کے سامنے اپنے ذاتی اسباب سے ناامید ہو جاؤ اور اللہ کی طرف سو فیصد متوجہ ہو جاؤ، بس اللہ یہی چاہتے ہیں کہ بندہ دوسروں کو چھوڑے اور میری طرف آ جائے۔**من بعد ما قنطوا وینشر رحمته**. (شوریٰ:۲۸) حضرت عمرؓ نے آیت پڑھی کہ اللہ پاک خود فرماتے ہیں کہ بندے جب مایوس ہو جاتے ہیں مخلوق سے، اسباب سے، اور متوجہ ہوتے ہیں اللہ کی طرف تو اللہ تعالیٰ کی مدد ضرور آتی ہے۔حضرت شاہ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک یہی چاہتے ہیں، اس لئے جتنے بھی اسباب ہوتے ہیں، سب ناامید ہو جاتے ہیں، مسلمانوں نے اس پارٹی پر اس پارٹی پر سب پر بھروسے کئے؛ لیکن کسی سے ہمیں چین اور سکون نہیں ملا، ہر ایک نے دھوکہ دیا، ستر سال سے ہم مختلف جماعتوں اور تنظیموں سے دھوکہ کھا رہے ہیں، اللہ پاک فرماتے ہیں کہ غیروں پر امید مت رکھو، میرے دروازے پر آؤ، مجھ سے مانگو، تمہاری ساری پریشانیاں اور تکلیفوں کو میں دور کر دوں گا، اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کو کہی سنی باتوں پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔استغفار کی توفیق عطا فرمائے۔

ایک گذارش:

اسی طرح کھنبھات کے احوال گزشتہ جمعہ کو بھی میں کہہ چکا ہوں، مسلمانوں کا مالی اور جانی نقصان بہت زیادہ ہوا ہے، جہاں لوگ گئے، جا کر دیکھا اور جو احوال بتلائے؛ بڑے پریشان کن حالات ہیں، اس لئے ہماری طرف سے جو کچھ ہو سکے؛ ہم ضرور اپنے ایمان والے بھائیوں کی مدد کریں، ہمارے اپنے مسلمان بھائیوں کو ایمان کی بنیاد پر ستایا گیا ہے وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِۙ﴿۸﴾ (بروج:۸) اس عظیم وحمید رب کی مخلوق کو ستایا گیا ہے، اس کے بندوں کو ستایا گیا ہے، ہم ان کی تھوڑی کچھ بھی مدد کریں گے، قرآن کریم میں

اللہ پاک نے فرمایا: وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ (نساء:۷۵) کہ اے مولا! ہمیں اس ظالم بستی سے نجات دے، یہ بیچارے اس ظلم کا شکار ہوئے ہیں، اللہ پاک نے فرمایا وَمَا لَكُمْ تمہیں کیا ہوگیا ہے، تم مقابلہ نہیں کرتے ہو، تم ان کی مدد نہیں کرتے ہو، ہم ان کی مدد مال سے تو کر سکتے ہیں، کسی کا مکان اجڑ گیا ہے، لاری والا آدمی ہے، غریب تنگ دست اور مسکین آدمی کی لاری کو بھی نہیں چھوڑا، گھر کی چھوٹی - چھوٹی چیزوں کو بھی نہیں چھوڑا، تو ہمارے بھائی جو پیچھے کھڑے رہنے والے ہیں، وہ آپ حضرات سے یہی تمنا رکھتے ہیں کہ ہم میں سے ہر آدمی ایک دوسرے کا تعاون کریں وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى (مائدہ:۲) اللہ پاک ہم سب کو دامے، درمے، سخنے؛ جتنا ہو سکے ان کی مدد کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(۲۳)

خشیت الٰہی اور جنت کی نعمتیں

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين والصلاة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله واصحابه اجمعين. اما بعد!

قال اللہ تعالیٰ:

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۙ﴿۱﴾ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۘ﴿۲﴾ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۙ﴿۳﴾ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ۙ﴿۴﴾ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۙ﴿۵﴾ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ۙ﴿۶﴾ وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ؕ﴿۷﴾ (واقعہ: ۱-۷)

و قال اللہ تعالیٰ: وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۙ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ؕ﴿۴۱﴾ (نازعات: ۴۰، ۴۱)

وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: حفت النار بالشهوات وحفت الجنة بالمكاره. (مسلم شریف: کتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها، رقم: ۲۸۲۲)

صدق الله العظيم، وصدق رسوله النبی الكريم، ونحن على ذلك لمن الشاهدين والشاكرين، والحمد لله رب العالمين.

آیات قیامت کی مختصر توضیح:

محترم ومکرم حضرات علماء کرام اور ایمان والے بھائیو! کلام پاک کی جس سورۃ کی آپ کے سامنے تلاوت کی اس میں اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱﴾ جب واقع

ہونے والی چیز واقع ہوگی یعنی قیامت، لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۞ اس کے واقع ہونے میں کوئی جھوٹی بات نہیں، کوئی جھوٹ نہیں، اللہ پاک قیامت کے منکرین کو جو حضرات مرنے کے بعد دوبارہ حساب کتاب ہونے والا ہے؛ اس کو نہیں مانتے ہیں، ایسے لوگوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ اس کو جھوٹی سمجھ رہے ہیں؛ لیکن حقیقت میں یہ واقع ہوگی، دوسری ایک آیت میں فرمایا: اَلْحَاقَّةُ ۞ مَا الْحَاقَّةُ ۞ ثابت ہونے والی یقینی چیز، اللہ پاک نے اس کو رکھا ہے اور پھر آگے اس کے بعد اللہ پاک نے اس کا ذکر فرمایا، تو اس آیت میں بھی اللہ پاک نے فرمایا لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۞ آگے فرمایا خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۞ کچھ لوگوں کو یہ پست کرے گی ذلت والا بنا کر اور کچھ لوگوں کو بلند کرے گی عزت والا بنا کر، جو اس کا اقرار کرنے والے ہیں اور پھر اس کے مطابق اللہ پاک کا خوف اور خشیت رکھنے والے ہیں؛ ان کے درجات کو تو یہ بلند کرے گی اور جو آخرت کے منکر ہیں اور اعمال صالحہ سے دور رہتے ہیں، اللہ پاک نے فرمایا خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۞ یہ ایسوں کے لئے پست اور ذلت والی ہوگی، اور آگے اللہ پاک نے اس کے منازل بیان فرمائے۔

پورے قرآن مجید میں سب سے زیادہ مضمون اگر ہے تو جنت اور جہنم کا، جنت کی نعمتوں کا اور اسی طریقے سے جہنم میں پہنچنے والی تکلیف کا، اور اسی کے ساتھ آخرت کے بعد ہی چونکہ حساب کتاب ہوگا، اور آخرت کا یقین اور میدان محشر میں حاضری، یہ سب چیزیں اس کے ساتھ لگی ہوئیں ہے، قرآن کریم کا ایک بہت بڑا حصہ ان ہی مضامین پر مشتمل ہے، شامل ہے، اللہ پاک نے آگے یہ فرمایا کہ زمین کا کیا حال ہوگا؟ پہاڑوں کا کیا حال ہوگا؟ یہی جو بڑے بڑے پہاڑ مضبوط اور اپنی جگہ پر باقی رہنے والے؛ لیکن ان ہی پہاڑوں کو وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا ۞ (نازعات: ۳۲) ایک جگہ پر فرمایا، تو دوسری جگہ پر وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۞ (قارعۃ: ۵) فرمایا اور ایک آیت میں فرمایا کہ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْبَثًّا ۞ (واقعہ: ۶) اڑتی ہوئی ریت ہوتی ہے، ہواؤں کے جھونکے آتے ہیں اور ریت اور چھوٹے سے چھوٹے مٹی کے ذرات ادھر ادھر اڑ جاتے ہیں، پتہ بھی نہیں چلتا، اللہ پاک فرماتے ہیں کہ ایسے مضبوط پہاڑ

بھی اس طریقے سے اڑ جائیں گے، زمین ہلے گی، مختلف آیتوں میں اللہ پاک نے فرمایا۔

اِنَّ زَلۡزَلَةَ السَّاعَةِ شَیۡءٌ عَظِیۡمٌ ۝۱ (حج) قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے، دنیا کے زلزلے جب آتے ہیں رات دن دیکھتے ہیں ہم، یہ اللہ پاک کا ایک نظام ہے، یہ زلزلے کیوں آتے ہیں؟ قیامت کے زلزلہ کی یاددہانی کے لئے، اس لئے کہ سائنس نے آج تک کوئی ایسا طریقہ ایجاد نہیں کیا کہ زلزلہ آنے سے پہلے پتہ چلے کہ ابھی فلانی جگہ پر زلزلہ آئے گا؛ پانچ منٹ دس منٹ پہلے، ایک سیکنڈ پہلے کا بھی پتہ نہیں! یہ آج بھی اللہ پاک کی طرف سے آخرت کے استحضار کے لئے قیامت کے مناظر کی ہمارے سامنے اس کی بالکل کھلی تصویر کرنے کے لیے اللہ پاک نے یہ فرمایا، اوراس لئے سورۃ اِذَا الشَّمۡسُ كُوِّرَتۡ ۝۱ (کورت) اِذَا السَّمَآءُ انۡفَطَرَتۡ ۝۱ (انفطار) ان سورتوں کے متعلق حدیث شریف میں فرمایا کہ جس کو قیامت اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھنی ہو بالکل صاف اور واضح انداز کے اندر، جنت اور جہنم کے مناظر جس کو دیکھنا ہو؛ وہ ان سورتوں کو پڑھے اوران میں غور کرے، سورج کو کیسے لپیٹا جائے گا؟ سمندر کا کیا حال ہوگا؟ زمین کا کیا حال ہوگا؟ اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَهَا ۝۱ وَاَخۡرَجَتِ الۡاَرۡضُ اَثۡقَالَهَا ۝۲ (زلزلۃ) یہ ساری جو کیفیتیں ہیں؛ اللہ پاک نے اس کو ذکر فرمایا، سورۂ واقعہ میں اللہ پاک نے اس کو ذکر فرمایا، اس کے بعد فرمایا وَّ كُنۡتُمۡ اَزۡوَاجًا ثَلٰثَةً ۝۷ (واقعہ:۷) اور تم تین گروہوں میں تین جماعتوں میں ہوں گے۔ سورۂ رحمٰن (اس سے پہلے والی جو سورۃ ہے) میں فرمایا: وَلِمَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۝۴۶ (رحمٰن:۴۶) وَمِنۡ دُوۡنِهِمَا جَنَّتٰنِ ۝۶۲ (رحمٰن:۶۲) دو جنتوں کا تذکرہ کیا یعنی جنت کے دو گریڈ ہے؛ اس کا تذکرہ فرمایا، ایک طرف قرآن کریم میں فرمایا؛ مقربین، سابقین، انبیاء کرام علیہم السلام، ان کا تو بڑا اعلیٰ درجہ ہوگا، اور اس کے بعد اصحاب الیمین؛ جن کے داہنے ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا اور تیسرے وَاَمَّاۤ اِنۡ كَانَ مِنَ الۡمُكَذِّبِيۡنَ الضَّآلِّيۡنَ ۝۹۲ (واقعہ:۹۲) گنہگار، سورۂ رحمٰن میں بھی ذکر فرمایا فَبِاَىِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۱۳ نعمتیں بھی ذکر فرمائیں اور ترغیبی چیزوں کو بھی سورۂ رحمٰن میں ذکر فرمایا، سورۂ

رحمن ہی میں اللہ پاک فرماتے ہیں یُرۡسَلُ عَلَیۡکُمَا شُوَاظٌ مِّنۡ نَّارٍ ۬ۙ وَّ نُحَاسٌ فَلَا تَنۡتَصِرٰنِ ﴿۳۵﴾ (رحمن:۳۵)

اب کوئی یہ سوال کرے کہ آیت میں جہنم کی کیفیتوں کا ذکر ہے، ان سب کو ذکر کرنے کے بعد آگے اللہ پاک فرماتے ہیں فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۱۳﴾ یعنی زحمتوں کا، مصیبتوں کا اور تکلیفوں کا ذکر آرہا ہے اور اس میں بھی اللہ پاک فرماتے ہیں کہ میری کون کون سی نعمتوں کا انکار کروگے، یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ڈرنے کی چیزوں سے ہم نے تم کو ڈرایا، اگر نہ ڈراتے اور اچانک عذاب آجاتا تو تم یہ کہتے کہ ہمیں تو پتہ ہی نہیں ہے کہ اس طرح کا عذاب آئے گا، یہ بھی اللہ کی نعمت ہوئی کہ اللہ پاک نے ہمیں ڈرایا۔

جنت کا حصول کیسے ہو؟

آپ کے سامنے میں نے جو روایت پیش کی، اس میں بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **حفت النار بالشہوات** جہنم کو گھیر لیا ہے شہوات سے، ویسے کوئی جہنم میں جانا ہی نہیں چاہے گا؛ لیکن دنیا دار الامتحان ہے، ہم (Exam) امتحان کی دنیا سے گزر رہے ہیں، اس لئے اللہ پاک کی طرف سے یہاں خواہشات رکھی گئیں اور پھر اس کو کنٹرول کرنے کے لیے انبیاءِ کرام علیہم السلام کی تعلیمات آئی اور اخیر میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مکمل کر کے دنیا کے سامنے رکھ دیا، تو آدمی گناہوں سے بچے، گناہوں کی شکلیں اچھے طریقوں سے انسان کے سامنے آتی ہیں، نفس اور شیطان اس کو مختلف طریقوں سے ورغلاتا ہے؛ لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہنم ان شہوات ہی سے گھیر لی گئی ہے، شہوات میں مبتلا ہوں گے تو جہنم میں جائیں گے اور اس کو چھوڑ دیں گے، اپنے آپ کو اس سے بچالیں گے تو **حفت الجنة بالمکارہ** جنت ناپسندیدہ چیزوں سے گھیر لی گئی ہے، دنیا میں ان کاموں کو کرنا ہے جو نفس اور شیطان نہیں چاہتا، تھوڑا بوجھ اور مشقت برداشت کرنی ہے، قرآن کریم کی ایک آیت میں اللہ پاک نے فرمایا کہ انسانوں پر اللہ پاک کی طرف سے جو تکالیف

اور مصیبتیں آتی ہیں، مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا (بقرہ:۲۱۴) یہ تکالیف اور مصیبتیں آتی ہیں، اس طریقے کے حالات آئیں گے مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا (بقرہ:۲۱۴) جسمانی اعتبار سے بھی مال و دولت کے اعتبار سے، اولاد کے اعتبار سے، انسانی اعتبار سے، حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ پاک یہ اشارہ فرمانا چاہتے ہیں کہ جنت پریشانی کے بعد آتی ہے، تکلیفیں اور مصیبتیں دنیا میں برداشت کروگے؛ اس برداشتگی کے بعد جنت ملے گی، ایک تو یہ ہے کہ مصیبت آرہی ہے، تو اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کریں، اور کچھ اللہ پاک کی طرف سے یا تو ہمارے گناہوں کے سبب سے یا تو درجات کو بلند کرنے کے لیے، یہ اللہ پاک کا ایک تکوینی نظام ہے کہ کچھ نہ کچھ تکلیف اور پریشانی آتی ہے، اس لئے وہ یہ فرماتے ہیں کہ جب آیت کریمہ میں یہ فرمایا ہے کہ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا (بقرہ:۲۱۴) یہ دلیل ہے اس بات کی، اور پھر اس پر ایک ایسی روایت پیش کی حفت النار بالشھوات و حفت الجنة بالمکارہ اللہ پاک نے آیت میں بھی فرمایا اور حدیث شریف میں بھی جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ذکر فرمایا۔

مؤمنین کی تین جماعتیں:

قرآن کریم میں سورۃ واقعہ میں اللہ پاک نے پہلے اجمالاً فرمایا مختصر طور پر کہ تم تین جماعتوں میں تقسیم ہوں گے، پھر تینوں جماعتوں کا اس سورت میں ذکر فرمایا، اعلیٰ درجہ کے جنت والے حضرات مقربین فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿٨٩﴾ (واقعہ:۸۹) ان کے لیے اللہ پاک کی طرف سے عمدہ اور شاندار نعمتیں ہوں گی، سورۃ رحمٰن میں بھی فرمایا ان کے لیے وَلِمَنْ سے جو ایک صفحے میں اللہ پاک نے جنت کی نعمتوں کا ذکر کیا؛ یہ ان کے لیے، یہ سب سے اعلیٰ نعمتیں انبیاء کرام علیہم السلام وغیرہ کے لئے اور دوسرے صفحے میں اللہ پاک نے فرمایا وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿٦٢﴾ (رحمٰن:٦٢) پہلے والی جو جنت ہے اس سے کم درجے کی جنت، اور پھر ان جنت کی نعمتوں کا ذکر فرمایا لیکن ہمیں ان سب میں اللہ پاک کا خوف و خشیت یاد دلائی،

جناب نبی اکرم ﷺ جن کو اللہ پاک نے یہ فرمایا مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (فتح:۲) جو کچھ بھی آپ سے لغزشات ہوسکتی ہے؛ ہم نے پہلے سے اس کو معاف کر دیا؛ لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ کے متعلق روایت میں آتا ہیں؛ آپ یوں فرماتے ہیں کہ میں ایک دن میں ستر (۷۰) سے زیادہ مرتبہ استغفار کرتا ہوں، (بخاری: کتاب الدعوات، باب استغفار النبی ﷺ فی الیوم واللیلۃ) دوسری روایت جو ریاض الصالحین میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک دن میں سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں، (ترمذی: أبو اب تفسیر القرآن، باب و من سورۃ محمد ﷺ) قرآن کریم میں اللہ پاک نے اپنے نیک اور صالح بندوں کا ذکر کیا کہ رات بھر عبادتوں میں مشغول ہوتے ہیں اور **وبالاسحار هم يستغفرون**. (ذاریات:۱۸) صبح کے وقت میں سحری کے وقت کے اندر وہ استغفار کرتے ہیں **ما عبدناک حق عبادتك**. (مستدرک حاکم: ۴/۵۸۶) **وماعرفناك حق معرفتك** ہم نے عبادت کا جو آپ کا حق ہے؛ وہ ادا نہیں کیا، ہم نے آپ کی معرفت اور آپ کی پہچان کا جو حق ہے؛ وہ ہم ادا نہیں کر سکے۔

اس طریقے سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں آیت میں بتلایا وَاَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفۡسَ عَنِ الۡهَوٰى ۝۴۰ (نازعات:۴۰) اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے جو بندہ ڈر گیا، صاف بات ہے کھڑے ہونے سے ڈرنے کا مطلب کیا ہے؟ جن چیزوں سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے منع فرمایا؛ چاہے وہ عقائد کی لائن سے ہو، اعمال کی لائن سے ہو، معاشرت اور سماجیات کی لائن سے ہو، معاملات اور کاروبار کی لائن سے ہو۔ دین مکمل ہے؛ اس لئے ہر چیز میں ہر چیز کو کس طرح کرنی ہے؟ کس طرح اس کو نہیں کرنا ہے؟ سب قرآن اور حدیث میں بتلایا، اب اللہ پاک فرماتے ہیں: وَاَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ (نازعات:۴۰) اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈر گیا، کتنا شاندار جملہ فرمایا وَنَهَى النَّفۡسَ عَنِ الۡهَوٰى ۝۴۰ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خواہشات سے اپنے آپ کو بچاتا ہے، اپنے نفس کو خواہشات سے بچاتا ہے فَاِنَّ الۡجَـنَّةَ هِىَ الۡمَاۡوٰى ۝۴۱ جنت اس کا ٹھکانہ ہے۔

دوسری آیت کریمہ میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا، یہ جو آیت پڑھی اس میں بھی صرف خوف نہیں بتلایا؛ خوف کا اثر کیا ہوتا ہے؟ بندہ اس گناہ والے کام سے ڈر جاتا ہے، بچ جاتا ہے، اس لئے وَاَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ (نازعات:۴۰) صرف نہیں فرمایا، وَلِمَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ﴿۴۶﴾ (رحمٰن:۴۶) یہ تو اعلیٰ درجے کے حضرات ہیں، وہ پوری پوری رات عبادت کرنے کے بعد اللہ پاک سے استغفار کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں حزب الاعظم، مناجات مقبول میں اور حصن حصین اور اس طرح کی دوسری کئی کتابوں میں ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ دعائیں جو امام ترمذی اور امام بخاری نے نقل فرمائی اس میں آپ یہ فرماتے ہیں کہ **و بمعافاتك من عقوبتك**. (مسلم: کتاب الصلاۃ، باب مایقال فی الرکوع والسجود) آپ ہمیں معاف کردیجیے آپ کی سزا سے، اسی طریقے سے ہم آپ کے غضب سے ڈرتے ہیں، ہم خوف کرتے ہیں آپ کے غضب سے، تو اللہ پاک کی جن حضرات کو جتنی زیادہ پہچان ہوئی، معرفت ہوئی، محبت اور تعلق ہوا، وہ اتنا ہی اللہ تبارک وتعالیٰ سے ڈرنے لگا۔

خشیت الٰہی کی برکات:

دوستو اور بزرگو! ہمارے آج کل کے جو حالات ہیں، گناہ اور برائیاں ہمارے سامنے رات دن مختلف شکلوں میں آتی ہیں، پہلے اتنی گناہوں کی شکلیں نہیں تھیں، شیطانی قوتوں نے انسان کو اس طریقے سے کردیا ہے، نظر اٹھاؤ تو گناہ، نیچی کرو تو بھی گناہ، میں آپ کو کہہ چکا ہوں موبائل میں نیچے ہی نگاہ ہوتی ہے؛ لیکن پوری دنیا پر نگاہ ہوتی ہے، تو اب کہاں سے کس کس طریقے سے اپنے آپ کو بچائیں! حلال اور حرام کی کمائی میں کاروبار کی کتنی شکلیں حرام کی نکالی اور ایسے گھما پھرا کر سود کو لے آئے، ایسی گھما پھرا کر اس میں جواسٹہ بازی کو لے آئے کہ آدمی جب اس کاروبار کی لائن میں غور کرتا ہے، تو عمومی طور پر نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ شریعت مطہرہ سے یہ ثابت نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے کاروبار سے منع فرمایا ہے۔

اللہ پاک فرماتے ہیں وَلِمَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ﴿۴۶﴾ (رحمٰن:۴۶) اللہ پاک سے

خوف اور خشیت کا تقاضا یہ ہوگا کہ آدمی کا روبار کرتا ہے تو یہ تصور ہوگا کہ دنیا کی زندگی چند روزہ ہے، مرنے کے بعد ہمیشہ کی زندگی ہے اور پھر وہاں حساب و کتاب ہوگا، سینگ والی بکری کو بے سینگ والی بکری سے جو کچھ اس نے معاملہ کیا ہوگا؛ پل صراط پر اس کا فیصلہ ہوگا، ایسی مخلوق جو مکلف نہیں ہے؛ لیکن سینگ والی بکری نے سینگ مارا ہوگا تو اس سے بھی بدلہ لیا جائے گا، پھر ان کا تو حساب ختم ہو جائے گا؛ لیکن ہمارا کیا حال ہوگا؟

فَاَمَّا مَنۡ طَغٰىۙ﴿۳۷﴾ وَاٰثَرَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَاۙ﴿۳۸﴾ فَاِنَّ الۡجَحِيۡمَ هِىَ الۡمَاۡوٰىؕ﴿۳۹﴾ (نازعات: ۳۷-۳۹) جس نے آخرت کی زندگی کے مقابلے میں دنیا کو ترجیح دی، طغیان اور سرکشی کی، اور اپنے نفس کو شہوات میں مبتلا کیا، اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں: جہنم ان کا ٹھکانہ ہے، خوف اور خشیت؛ قرآن کریم نے یہ مضامین کثرت سے ذکر کیے ہیں، جنت کی نعمتیں اتنی کثرت سے ذکر کی اور جنتیوں کا ذکر فرمایا کہ انہوں نے یہ کیا۔ فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوۡا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرۡعَوۡنَ سُوۡٓءُ الۡعَذَابِۚ﴿۴۵﴾ (غافر: ۴۵) رجل مؤمن؛ جنہوں نے فرعونیوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق ڈرایا، وہ خود بھی اسی خاندان کے، فرعون کے رشتہ دار ہے؛ لیکن جب ان کے دل کے اندر اللہ پاک کا خوف اور خشیت آ گئی تو انہوں نے اپنی قوم کے سامنے جو وعظ فرمایا؛ قرآن کریم کی سورۃ کا نام ہی مؤمن ہے، اس رجل مؤمن کی نسبت سے سورۃ کا نام مؤمن ہے اور انہوں نے اپنی قوم کو یعنی فرعونیوں کو جو نصیحتیں فرمائیں، انہوں نے سب کچھ کہا؛ لیکن قوم نے نہیں مانا؛ اللہ پاک فرماتے ہیں: فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوۡا تقوی اور خوف اور خشیت الٰہی کی یہ برکت ہوتی ہے۔

سورۃ طلاق میں اللہ پاک نے تقوی کے پانچ انعامات ذکر فرمائے کہ اگر تقوی اور اللہ سے ڈر اور خوف مؤمن کو پیدا ہو جائے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے سارے مسائل کو حل کر دیتے ہیں، اور مِنۡ حَيۡثُ لَا يَحۡتَسِبُ ؕ (طلاق: ۳) ایسی جگہ سے اس کو رزق ملے گا؛ جس کا اس بندے کو تصور نہیں، اللہ پاک سارے مسائل حل کر دیں گے، جملہ مختصر ہے، یہ

ساری زندگی کے جتنے مسائل آسکتے ہیں اللہ پاک نے ان تمام کو اس میں ذکر کیا۔

دوزخ پر خواہشات نفسانی کا پردہ ہے اور جنت پر ناگواری و مشقت کا پردہ ہے۔(مسلم شریف: کتاب الجنۃ و صفۃ نعیمھا و أھلھا) دنیا دارالامتحان ہے، دوزخ اور جنت سامنے ہوتی تو امتحان نہ ہوتا، دونوں کو ڈھانپ لیا۔

مکروہ اور ناپسندیدہ چیزیں جیسے صبح جلدی اٹھ کر نماز پڑھنا، گناہ سے رکنا، زنا، ٹی وی دوزخ کے انگارے خریدنا ہے، یہ خواہشات کے پردہ میں نظر نہیں آتا، نفس کو عبادات اطاعات پر لگانا جنت کا راستہ ہے۔

حدیث میں خواہشات سے روکا گیا، خواہشات کبھی پوری نہیں ہوتی، دنیا میں کوئی بھی سو فیصد راحت میں نہیں، لہٰذا نفس کو راحت کی جگہ تھوڑی مشقت میں لگاؤ، اللہ تعالیٰ کو راضی کرو، خواہشات پوری نہ ہونے کا غم نہ کرو، نفس لذتوں کا خوگر ہے، لذت کی طرف دوڑتا ہے، خواہشات کے تقاضے پیدا کرتا ہے، نفس کی ہر بات ماننے سے انسان جانور ہو جاتا ہے، پھر خواہشات کو سکون نہیں، کبھی سیر نہ ہوگا، ایک لذت کے بعد دوسری کی طرف آمدہ کرے گا، یورپ نے لذت و لطف کے لیے پرائیویٹ لائف کو آزاد رکھا، نہ مذہب، نہ قانون، نہ اخلاق، نہ معاشرت کوئی رکاوٹ نہیں، اباحت پسندی لہٰذا خواہش پوری نہیں ہوتی، اعلانیہ زنا یورپ میں عام ہے، حدیث کا مفہوم ہے کہ قیامت سے پہلے زنا اتنا عام ہوگا کہ نیک آدمی وہ ہوگا جوان کو یہ کہے گا کہ درخت کی اوٹ میں زنا کرو، وہ منع تو نہیں کرے گا، یورپ میں یہ سب کچھ ہو رہا ہے، بلکہ رضا بالزنا والے مزے سے اکتا گئے تو اب زنا بالجبر کی کثرت ہونے لگی، کہ اس کی لذت بھی دیکھیں، یہ استسقاء کی بیماری ہے کبھی سیر نہ ہوگا، گناہ کی لذت خارش کی کھجلاہت کی طرح ہے، کھجانے سے فارغ ہونے کے بعد سوزن اور درد کا احساس ہوتا ہے، اسی طرح گناہ کی لذت عارضی ہے، ذکر و فکر کی لذت دائمی ہے، لہٰذا تھوڑی سی مشقت برداشت کرلیں، ٹی وی، غلط نظر وغیرہ۔ نفس کمزور پر شیر ہے اگر مقابلہ کرے تو نرم ہو جائے گا، علامہ بوصیریؒ قصیدہ بردہ

میں فرماتے ہیں کہ نفس دودھ پیتے بچے کی طرح ہے دودھ چھڑانے کے لیے محنت کرنی پڑتی ہے، اگر رونے پر چھوڑ دیا جائے تو جوانی تک دودھ پیتا رہے گا، لیکن ماں باپ پھر بھی چھوڑاتے ہیں، ساری عمر دودھ پیئے گا روٹی نہ کھائے گا، نفس کے منھ کو بچے کے منھ کی طرح گناہ کی چاٹ لگ گئی ہے، نظر غلط، زبان سے غیبت، سوچ گناہ والی، رشوت، سود یہ سب نفس کی لٹ ہے۔

سکون صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر میں ہے، آج روپیہ ہے نیند نہیں۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾ (رعد:۲۸) وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۶۹﴾ (عنکبوت:۶۹) مجاہدہ کے بعد مدد آئے گی، ماں اپنے بچے کی راحت کے لیے رات کو بھی اپنی نینداور سردی کی پروہ کیے بغیر اس کے پیشاب کو سکھاتی ہے، نفس کو پامال کرتی ہے، محبت تکلیف کو ختم کرتی ہے۔

ملازم کو کتنی تکلیف ہوتی ہے، صبح سویرے اٹھ کر رات کو گھر واپس آنا، کیا ملازمت چھوڑ دیگا، اس کو محنت میں بھی مزہ آئے گا، اگر ملازمت چھوٹ جائے تو سفارش کرائے گا، تکلیف میں بھی لطف ہے۔

نفس کو لذت چاہئے، اس کو عبادت کی لذت سے آشنا کرو۔

سفیان ثوریؒ کا قول ہے کہ ہماری راحت بادشاہ دیکھ لے تو لڑنے پر آمادہ ہو، سستی کا مقابلہ (اطاعت) کرنا تصوف کی حقیقت ہے، اسی سے تعلق مع اللہ میں برکت ہوگی، وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ (رحمٰن:۴۶) برائی کا خیال آیا خوف سے اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ سے گناہ کے ترک کا ارادہ کرلیا تو دو جنت ہے، اسی کا نام تقویٰ ہے کہ تنہائی میں خوف سے گناہ چھوڑ دے، خوف اصل ہے، جنت جہنم اصل نہیں ہے، عظمت سے خوف آتا ہے، ناراضگی اصل ہے۔

چھوٹے گناہ کی عادت بڑے گناہ کرواتی ہے، چنگاری چھوٹی ہو یا بڑی کوئی الماری میں نہیں رکھے گا، گناہ کے تقاضے کے وقت بڑے کا تصور (باپ، استاذ، شیخ) گناہ سے بچانے میں مدد کرتا ہے، جوانی میں خوف بڑھاپے میں امید ہو، خوف سے ہی دنیا کا نظام قائم ہوتا ہے،

ملازم، طالب علم، کلارک سب کو بڑے افسر کا خوف ہو تو ہی کام ہوتا ہے۔

روزہ کا تقویٰ پانی فریج میں ہوتے ہوئے بھی نہ پینا، ہر موقع پر خوف ہو، عبادت کے بعد استغفار ہو۔ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۚ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿١٦﴾ (سجدہ:۱۶) كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ﴿١٧﴾ (ذاریات:۱۷)

حضرت حنظلہؓ کی فکر آخرت:

حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالی عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! نافق حنظلة، حنظلہ تو منافق ہو گیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ کیسے منافق ہو گئے؟ انہوں نے فرمایا کہ جب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں بیٹھتا ہوں تو اس وقت تو آخرت کی فکر لگی ہوتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنت اور جہنم کو اپنی آنکھوں سے اپنے سامنے دیکھ رہے ہیں، اور اس کی وجہ سے دل میں رقت اور نرمی پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالی کی اطاعت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، لیکن جب آپ کی مجلس سے اٹھ کر بیوی بچوں کے پاس گھر جاتے ہیں تو اس وقت دل کی یہ کیفیت باقی نہیں رہتی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں تو منافق ہو گیا، اس لئے کہ آپ کے پاس ایک حالت ہوتی ہے اور گھر جا کر دوسری حالت ہو جاتی ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اطمینان دلایا اور فرمایا کہ اے حنظلہ! یہ وقت وقت کی بات ہوتی ہے، (مسلم شریف: كتاب التوبة، باب فضل دوام الذكر والفكر في أمور الآخرة) کسی وقت انسان پر ایک حال کا غلبہ ہو جاتا ہے اور دوسرے وقت دوسری حالت کا غلبہ ہو جاتا ہے، اس لئے پریشان نہ ہوں، بلکہ جو کام اللہ تعالی نے بتائے ہیں ان میں لگے رہو، ان شاء اللہ کامیاب ہو جاؤ گے۔ لہذا یہ فکر کہ میں کہیں منافق تو نہیں ہو گیا، یہ آخرت کی طلب ہے جو بے چین کر رہی ہے۔

حضرت فاروق اعظمؓ اور فکر آخرت:

آپؓ کا یہ حال تھا کہ آپ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کو قسم دے کر پوچھتے کہ اے حذیفہ! خدا کے لئے یہ بتاؤ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کی جو فہرست تمہیں بتائی

ہے، ان میں کہیں میرا نام تو نہیں ہے؟ (مصنف ابن أبی شیبۃ: کتاب الفتن، باب من کرہ الخروج فی الفتنۃ وتعوذ عنها) یہ فکر اور طلب لگی ہوئی ہے۔

جہنم کا سب سے ہلکہ عذاب پاؤں کے تلوے نیچے دو چنگاریاں ہوگی جس سے دماغ کھولے گا، (مسلم شریف: کتاب الإیمان، باب أهون أهل النار عذاباً) محشر میں پسینے میں اور جہنم میں آگ میں ڈوبا ہوا، جہنم کی گہرائی کا اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ۷۰ سال کے بعد ایک پتھر اس کی تہہ تک پہنچے گا۔ (مسلم شریف: کتاب الجنة وصفة نعیمها وأهلها ،باب فی شدة حر نار جهنم)

تقویٰ اور صبر میں کامیابی:

دوستو اور بزرگو! اللہ پاک نے اپنے پاک کلام کے اندر جنت کا تذکرہ اسی لئے کیا ہے کہ ان نعمتوں کی رغبت ہو اور ہم اپنے آپ کو گناہ سے بچائیں، جہنم کا تذکرہ کیا؛ وہ بھی اسی لئے ہے کہ اس سے ہم ڈر جائیں، واقعات قرآن کریم نے تقوی کے ذکر کئے، سیدنا حضرت یوسف؈ کا قصہ، شیطان اور زلیخا نے اپنی طرف سے جتنی بھی کوششیں ہوسکتی تھیں؛ ان سب میں حضرت یوسف علیہ السلام کو مبتلا کرنا چاہا؛ لیکن آپ نے اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کیا، اللہ پاک نے آپ کو بچا لیا، اور قرآن کریم میں اللہ پاک نے حضرت یوسف؈ کے اس جملے کو انسانوں کے لئے نچوڑ کے طور پر ذکر فرمایا کہ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ﴿۹۰﴾ (یوسف:۹۰) جو صبر کرے گا اور تقویٰ اختیار کرے گا؛ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو کامیاب فرمائیں گے، یہ حضرت یوسف علیہ السلام کے پورے قصہ کا خلاصہ ہے، سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام دعائیں مانگ رہے ہیں اور اس میں اللہ پاک سے یہ فرماتے ہیں کہ مجھے آپ سے خوف ہے، آپ کے عذاب سے مجھے بچایئے فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۣ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ (یوسف:۱۰۱) حضرت یوسف علیہ السلام دعا فرماتے ہیں، تو اللہ تبارک وتعالیٰ کا خوف اور خشیت بہت بڑی چیز ہے۔

معاشرتی جرائم کا سد باب:

حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں ماں اور بیٹی کا دودھ کا واقعہ، ماں کہتی ہے دودھ میں پانی ڈال دے، بیٹی کہہ رہی ہے کہ اماں! یہ اچھی چیز نہیں ہے، ماں نے کہا کہ عمر کہاں ہے کہ دیکھنے آئیں گے؟ بیٹی نے کہا کہ عمر نہیں دیکھ رہے ہیں؛ لیکن عمر کا رب تو دیکھ رہا ہے۔ (عیون الحکایات: ص ۲۹/۲۸)

دوستو اور بزرگو! دنیا اس وقت گناہوں کی سب سے بڑی آماج گاہ بن چکی ہے، کریمینل کیسیس جو پوری دنیا میں ہو رہے ہیں، عجیب وغریب انداز میں انسانیت کو شرم سار کرنے والے، شرمندہ کرنے والے، رات دن چھوٹی چھوٹی دو چار سال کی بچیوں کے ساتھ زنا بالجبر، پھر ان کو قتل کرنا اور نہ معلوم کتنی قسم کے گناہ، قرآن کریم میں ایک ہی جملہ فرمایا وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ؀ (بقرہ: ۴) آخرت کے اوپر جو یقین رکھتے ہیں، یہ بیٹی نے ماں کو یہی کہا کہ عمر نہیں دیکھ رہے ہیں؛ لیکن عمر کا خدا تو دیکھ رہا ہے، جب یہ تصور کسی مؤمن کے دل میں آجائے گا تو رات کی تنہائیوں میں بھی وہ گناہ نہیں کرے گا، یا گناہ کیا تو توبہ اور استغفار اللہ پاک سے کرلے گا۔

خوف خدا اور فکر آخرت؛ ایک واقعہ:

ایک صحابیؓ سے گناہ کا کام ہوگیا، حضرت ماعز اسلمیؓ، اسی طرح ایک عورت غامدیہؓ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے، کہا: ہم سے یوں گناہ ہوگیا، آپ نے منہ پھیرلیا، دوسری طرف پھر گئے، آپ نے ادھر چہرہ کیا، تو وہ ادھر آگئے، تین تین چار چار مرتبہ اپنے گناہ کا اقرار کر رہے ہیں، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف متوجہ ہوکر پوچھ رہے ہیں کیا پاگل پنا تو تم میں نہیں ہے؟ ایک جنون؟ کچھ تمہارے اندر پاگل پنا ہے؟ کچھ سمجھ ہے؟ کہا کہ نہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم؛ میں سب کچھ ہوش وحواس میں بول رہا ہوں اور مجھ سے یہ گناہ ہوا ہے، آپ مجھے اس سے پاک کردیجیے۔ (بخاری: کتاب المحاربین من أهل الکفر و الردة، باب لا یرجم المجنون و المجنونة)

غامدیہؓ ایک عورت ہے، ہوگیا گناہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا کہ ان کے پیٹ میں بچہ ہے، آپ نے کہا، اتنی مدت کے بعد آنا، (مسلم : کتاب الحدود، باب من اعترف علی نفسه بالزنی) اس مدت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی رجسٹرڈ کے اندر کوئی گناہ کرائم ان کا رجسٹر میں درج نہیں ہوا، حضرت عمرؓ کے زمانے سے یہ کرائم کا پورا نظام دنیا میں حضرت عمرؓ نے اسلامی نقطۂ نظر سے قائم فرمایا؛ عدالتیں قائم فرمائی؛ گناہ کرنے کے بعد یہ عورت چلی گئی، پھر بچہ لیکر آئی؛ لیکن بچہ ابھی بہت چھوٹا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابھی اس کو تمہارے دودھ کی ضرورت ہے، جب تک وہ کھانے کے قابل نہ ہو جائے تمہارے لئے سزا مؤخر ہے، حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ اتنی مدت میں ماں کی ممتا بار بار اپنے بچے کو دیکھ کر، اور اس کی بنیاد پر کہ اب اس گناہ کی کیا سزا ہے؟ یہ بھی معلوم ہے، دنیا سے جانا ہے؛ لیکن اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان سے کوئی محاسبہ بھی نہیں کیا، ایک دن وہ عورت آئی، گود میں بچہ ہے اور ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا ہے، یہ بتلانے کے لئے کہ اللہ کے رسول! اس کو اب میری ضرورت نہیں رہی، یہ آخرت کی فکر اللہ پاک کے خوف اور خشیت کی بنیاد پر ہوتی ہے۔

دوسرا واقعہ:

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں جنگل میں چرواہا تھا، آپ نے اس سے کہا کہ ایک بکری مجھے دے دو، میں تمہیں کچھ پیسے دے دیتا ہوں، تمہارے مالک کو پتہ نہیں چلے گا، اس نے کہا **فاین اللہ تعالیٰ** (صفة الصفوة: ۱۸۸/۲) اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ چاہے میرا مالک نہیں دیکھ رہا ہے؛ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ تو دیکھ رہے ہیں اور حساب و کتاب تو وہاں دینا ہے، مالک کا حساب تو دنیوی اعتبار سے اور اس کا حساب بھی وہاں دینا ہے، بندوں کے حقوق میں بھی جو کچھ گڑبڑ کی ہوگی؛ اس کا بھی جواب دینا ہے۔

تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا وَاَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفۡسَ عَنِ الۡهَوٰى ۝۴۰ (نازعات: ۴۰) اپنے نفس کو خواہشات سے بچانا؛ یہ آسان نہیں ہے، اس کے

لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر، اللہ پاک کی یاد، اللہ پاک کی پہچان، اس کی طاقت اور اس کی قوت کا دماغ میں استحضار کرنا، جب یہ چیزیں آتی ہیں تو پھر انسان ڈرتا ہے، ایک معمولی سا گناہ کیا تو آدمی کو معمولی سا ڈر ہوتا ہے، بڑا گناہ کرتا ہے دنیوی حکومتوں کے اعتبار سے، وہ اس بڑے گناہ کی سزا کا تصور کر کے اس سے ڈرتا ہے، چھوٹا آدمی ہو یا بڑا آدمی، جب گناہ کی سزا کا پتہ چلتا ہے تو اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ یہی فرماتے ہیں وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۰﴾ (نازعات:۴۰) خوف اور خشیت اللہ پاک کی جب دل کے اندر آئے گی تو یہ تقاضا کرے گی اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے کا، اس لئے تقوی اور یہ پرہیز گاری کا حکم ہے۔

دنیوی مصائب آخرت میں سکون کا ذریعہ:

حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ نے جنت کا تذکرہ فرمایا اور یہ کہا کہ جب جنت سارے جنتیوں سے بھر جائے گی، اس کے بعد جنت کے اندر کچھ خلا کچھ حصہ باقی رہے گا، جنت اللہ پاک سے عرض کرے گی کہ اتنا حصہ میرے اندر باقی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ ایک مخلوق پیدا کریں گے اور پھر ان کو جنت سے بھر دیں گے، یہ حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ نے ذکر کیا تو حضرت تھانویؒ جو ان کے شاگرد ہیں؛ حضرت تھانویؒ نے عرض کیا کہ حضرت! جن لوگوں کو اللہ نے پیدا فرمایا، جن کو دنیوی اعتبار سے کوئی تکلیف اور مشقت نہیں آئی اور سیدھے وہ جنت میں چلے گئے، یہ ان کے لیے تو بہت اچھا ہے، اس کے جواب میں حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ نے فرمایا کہ ان کو کیا مزہ! مزہ تو اس کو آتا ہے، جس پر محنت اور مشقت، تکلیف اور آزمائش آئی اور اب اس کے بعد جنت کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ نے نعمتوں سے نوازا۔

اسی بنیاد پر کہا جاتا ہے جنت کے اندر یہ دنیا والی جو ہماری بیوی، اور ہماری عورت ہے؛ یہ نماز اور عبادت کرنے والی ہے، اس کے مقابلے میں جنت کی حوریں جو ہوں گی؛ یہ اللہ پاک کی طرف سے اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿۳۵﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿۳۶﴾ (واقعہ:۳۵،۳۶) اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو پیدا

فرمائیں گے ،وہ دنیوی مشقتیں اور تکلیفوں والی نہیں ہوں گی۔اب جو مزہ دنیوی عورت کو وہاں آئے گا اورا پنے شوہر سے جو تعلق ہوگا ان حوروں کا اس سے کم ہوگا، اللہ تبارک وتعالیٰ سے فرشتوں نے کہا کہ کیا آپ نے ہمیں اس طریقے سے کیا، تو آخرت ہمارے لئے کر دیجیے، ہم نے آپ کا گناہ نہیں کیا، اللہ پاک فرماتے ہیں کہ نہیں! جن کو میں نے اپنی طرف سے پیدا کیا، حضرت آدم علیہ السلام کی طرف نسبت فرمائی خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ط (ص:۷۵) جن کے اندر وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ میں نے اس میں اپنی روح پھونکی ،اس لئے یہ دنیوی تکلیفیں اور مصیبتیں کل قیامت کے دن بہت ساری نعمتوں کی شکل میں آئیں گی ،جنت والی چیزیں لے کر آئیں گی۔

خوف خدا کیسے حاصل ہو؟

اس لئے دوستو اور بزرگو! جتنی بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں توفیق دی، اصل چیز ہے اللہ پاک کا خوف اور خشیت دل میں لانا، یہ کیسے آئے گا؟ یا تو اللہ والوں کی صحبت سے آئے گا یا نیک لوگوں کی باتیں سن کر آئے گا کہ انہوں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ کیسا معاملہ کیا، قرآن اور حدیث میں ان چیزوں کو ذکر کر کے ہمیں متوجہ کیا جا رہا ہے کہ اس طریقے سے اگر زندگی گزارو گے تو زندگی میں چین اور سکون آئے گا، تکلیف اور مصیبت تو جو اللہ پاک نے مقدر میں رکھی ہے؛ ملک کا سب سے بڑا سربراہ ہوگا؛ اس کو بھی آئے گی ، بادشاہ اور بڑے تاجر کو بھی آئے گی ،اور چھوٹے غریب کو بھی آئے گی ، ہر ایک کی مصیبت اور تکلیف الگ الگ اعتبار سے ہے۔

اس دنیا میں کوئی بھی بے غم نہیں :

ایک لمبا قصہ ہے، اللہ کی نعمتیں دوسروں کے پاس دیکھ کر آدمی پریشان رہتا ہے، آپ جانتے ہیں حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا ایک جملہ ہے کہ جب تک میں مالداروں میں بیٹھا تب تک چین وسکون نہیں ملا، اس لئے کہ وہاں باتیں ہو بنگلہ کی ،وہاں باتیں ہو بڑی بڑی گاڑیوں کی ، اور ہمارے پاس کچھ نہ ہو، تو سوائے افسوس کے آدمی کیا کرے گا! اپنے سے نیچے والوں کے پاس آدمی جب جائے گا تو وہ بیچارے تو چھوٹی باتیں کریں گے، تو انسان کو شکریہ کا احساس ہوگا کہ اللہ تعالیٰ

نے مجھے ان سے زیادہ دیا ہے، تو خیر! اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کو تھوڑا بے چین اور پریشان رکھا، اللہ پاک کی طرف سے آواز آئی کہ جاؤ، دیکھو انسانوں میں، جو تم کو سب سے زیادہ خوش نظر آئے، ہم تم کو وہ خوشی عطا کریں گے، وہ نعمتیں دیں گے، یہ بہت گھومے پھرے، بہت سوں سے پوچھا؛ لیکن ہر ایک نے کوئی نہ کوئی تکلیف کا اظہار کیا، ایک مرتبہ ایک باغیچہ میں وہ گیا، وہاں ایک مرد اور ایک عورت اور بچے آرام سے بیٹھے ہوئے ہیں، ہنسی خوشی اور مذاق کررہے ہیں، اس کو یہ محسوس ہوا کہ شاید اس سے زیادہ کوئی خوش نہیں ہوگا، تو اس نے کہا کہ باری تعالیٰ فلاں جیسا کردے، فرمایا کہ پہلے اس کو جاکر پوچھ، جب اس سے پوچھا گیا تو اس نے پورا واقعہ بتلایا؛ وہ مناسب نہیں ہے کہنا، اس کی بیوی اور اس کا مسئلہ تھا، اس کی بیوی بیمار ہوئی، محبت کے اندر اس نے اپنی شرمگاہ کو کاٹ دیا یعنی بیوی نے کہا کہ میرے مرنے کے بعد تم دوسری شادی کرلوگے، کہا کہ نہیں! بیوی نے کہا کہ تم کروگے، تو اس نے اپنے اس آلہ کو ہی کاٹ دیا تاکہ بیوی کو اطمینان ہو، اتفاق یہ ہوا کہ بیوی تندرست ہوگئی اور اب یہ کسی کام کا نہیں رہا، اب یہ عورت دوسرے کسی سے تعلق قائم کرتی ہے، تو یہ مرد بہت پریشان ہے، اب یہ ظاہر میں خوش ہے، اسی کو شاعر کہتا ہے ؎

دریں دنیا کسے بے غم نہ باشد   اگر باشد بنی آدم نہ باشد

(ترجمہ: اس دنیا میں کوئی بھی بے غم نہیں ہے- اگر ہے تو وہ آدمی نہیں ہے)

اس دنیا میں اللہ پاک نے کسی کو غم اور پریشانی کے بغیر رکھا ہی نہیں ہے، یہ دنیا ہے، آخرت کی زندگی جنت ہی ہے فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيمٍ ﴿٨٩﴾ (واقعہ: ۸۹) ہر طرح کا سکون، چین، امن و عافیت وہیں ملنے والا ہے، اس لئے اس تھوڑی سی زندگی کی بنیاد پر، تھوڑی سی لذت کی بنیاد پر اللہ پاک کی ناراضگی سے ہم بچیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہی سنی باتوں پر ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔۔۔۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(۲۴)

عقیدۂ توحید کی حفاظت کیجئے

الحمد لله رب العالمین و العاقبة للمتقین، و الصلاة و السلام علی سید المرسلین، و علی آله و اصحابه اجمعین. اما بعد!

قال اللہ تبارک و تعالیٰ:

أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ○ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ○

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ۝۱۳۶ (نساء:۱۳۶)

وقال تعالیٰ: مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۲۴ (ھود:۲۴)

وقال النبی صلی اللہ علیه وسلم: ذاقَ طَعْمَ الإيمانِ مَن رَضِيَ بالله رَبّاً، وبالإسْلامِ دِينًا، وبِمُحَمَّدٍ رَسولًا. (مسلم: کتاب الایمان، باب من رضی بالله ربا وبالاسلام دینا وبمحمد رسولا)

صدق اللہ العظیم، و صدق رسوله النبی الکریم، و نحن علیٰ ذلک لمن الشاهدین و الشاکرین، و الحمد لله رب العالمین.

محترم ومکرم حضرات علماء کرام اورا یمان والے بھائیو! کلام پاک کی جس آیت کی آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی ،اس میں اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اٰمَنُوۡۤا اٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ اے وہ لوگو! جو ظاہر میں ایمان لے آئے اٰمَنُوۡۤا اٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ جو ظاہر میں ایمان لے آئے اٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ. اللہ کی ذات پر ایمان لاؤ اور اس کی صفات پر ایمان لاؤ وَالۡکِتٰبِ الَّذِیۡ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ (نساء:۱۳۶) اس کتاب پر جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اور وَالۡکِتٰبِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ مِنۡ قَبۡلُ ؕ وہ کتاب جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نازل ہوئی، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حکم فرمایا اثباتی انداز میں، آگے اس کے بعد فرمایا وَمَنۡ یَّکۡفُرۡ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ اور جو شخص انکار کرے گا کفر کرے گا اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کے ساتھ، اس کی صفات میں، اس کی آسمانی کتابوں پر، اس کے فرشتوں سے کفر کرے گا، انکار کرے گا فرشتوں کا، اس کی آسمانی کتابوں کا انکار کرے گا فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیۡدًا ﴿۱۳۶﴾ اللہ پاک فرماتے ہیں: یہ بہت دور کی گمراہی میں مبتلا ہوگا۔

دوستو اور بزرگو! آپ کے سامنے جو روایت پڑھی، اس میں بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اس شخص نے ایمان کا مزہ چکھ لیا، جیسے ہم لوگ کھانے پینے کی چیزوں کا ٹیسٹ لیتے ہیں، مزہ لیتے ہیں، ایمان کا بھی اپنا ایک مزہ ہے، اسی کو اس روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس شخص نے ایمان کا مزہ چکھ لیا جس نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو اپنا مربی اپنا رب حقیقی سمجھ لیا اور قرآن کریم کو اللہ پاک کی کتاب سمجھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ پاک کا رسول اور نبی سمجھا، یہ بنیادی عقائد قرآن کریم کی مختلف آیتوں میں اللہ پاک نے ذکر فرمائے، اور احادیث مبارکہ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایمان اور کفر کو بہت واضح انداز میں پیش کیا۔

ایمان والی زندگی:

اللہ پاک نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا اَوَمَنۡ کَانَ مَیۡتًا فَاَحۡیَیۡنٰہُ (انعام:۱۲۲) ایک وہ شخص جو مردہ ہے، مرا ہوا ہے فَاَحۡیَیۡنٰہ پھر ہم نے اس کو زندہ کیا، وَجَعَلۡنَا لَہٗ نُوۡرًا یَّمۡشِیۡ بِہٖ فِی النَّاسِ اور ایک نور اور ایک روشنی ایک راستہ عنایت فرمائیں، جس روشنی کے اندر اپنی زندگی پوری کرے اَوَمَنۡ کَانَ مَیۡتًا فَاَحۡیَیۡنٰہُ ایمان والی زندگی کو اللہ پاک نے

زندگی سے تعبیر فرمایا۔

کفر کی مثال:

اللہ پاک نے قرآن کریم کی ایک آیت میں مثال بیان فرمائی یَاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ (حج:۷۳) اے لوگوں ایک مثال بیان کی جاتی ہے، اس کو دھیان سے سنو، پوری انسانیت کو اس آیت میں اللہ پاک نے ذکر فرمایا، قرآن کریم صرف مسلمانوں پر نازل ہونے والی کتاب نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ پوری دنیائے انسانیت کی ہدایت کے لئے ہے، جو قبول کرتے ہیں، ان کو زندہ سے تعبیر کیا اور جو قبول نہیں کرتے ہیں وہ مردہ ہیں، مَثَلُ الْفَرِیْقَیْنِ کَالْاَعْمٰی وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِیْرِ وَالسَّمِیْعِ ؕ (ھود:۱۱) اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں ان دو جماعتوں کی مثال، دو فریق کی مثال؛ جن میں سے ایک کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے آنکھوں کی روشنی دی، کان کی شنوائی کی صفت عطا فرمائی اور وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے، اللہ پاک نے دل عطا فرمایا لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ بِهَا ۫ وَلَهُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِهَا ۫ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ (اعراف:۷۹) اللہ تبارک وتعالیٰ اس آیت میں فرماتے ہیں کہ اللہ پاک نے مثال صاف بیان فرمائی کہ ایک شخص جو آنکھوں سے دیکھ رہا ہے اور ایک بے چارہ نابینا ہے، دونوں برابر نہیں ہو سکتے، ایمان والے کو اللہ پاک نے بینا اور روشنی والا بتلایا، اور اللہ کی نافرمانی اور شرک کرنے والے کو، اللہ پاک کی ذات عالی اور صفات میں اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک ماننے والے کو اندھا بتلایا، اللہ پاک نے فرمایا ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ (حج:۷۳) ایک مثال بتلائی جاتی ہے جس کو دھیان سے سنو، جو لوگ اللہ کے علاوہ غیر کی عبادت کرتے ہیں لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا جس کی عبادت کی جاتی ہے اس نے ایک مکھی پیدا نہیں کی بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اللہ پاک فرماتے ہیں وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْـًٔا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ مکھی اگر اس پر بیٹھی ہوئی ہو؛ وہ خود اتنی صلاحیت نہیں رکھتا ہے کہ اس مکھی کو اپنے اوپر سے اڑا سکے، تو جو اتنی قدرت نہیں رکھتے ہیں مکھی کو اڑانے کی؛ وہ تمہارے نفع و

نقصان کے کیسے مالک ہو سکتے ہیں؟ وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ○ ایک اور آیت میں اللہ پاک نے فرمایا، یہ مخلوق تو اللہ کی پیدا کی ہوئی ہے، نفع ونقصان ان کے ساتھ کیسے وابستہ ہو سکتا ہے؟ یہ چند مثالیں ہیں جو قرآن کریم نے کھول کر ہمارے سامنے بتلائیں۔

ایک اور آیت میں سورۃ العنکبوت میں اللہ پاک نے فرمایا وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴿۴۱﴾ (عنکبوت:۴۱) مکان ہوتے ہیں انسانوں کے، جانوروں کے، درندوں کے، ان میں سب سے کمزور اگر کسی کا مکان ہے؛ تو وہ مکڑی کا جالا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کفر کو مثال دے کر سمجھا رہے ہیں کہ کفر کی مثال مکڑی کے جالے کی طرح ہے، خش وخاشاک میں وہ اڑ جائے گا پتہ ہی نہیں چلے گا، ایک جھاڑو عورت نے لگا دیا اور وہ اس کو صاف کر دے گی، اللہ پاک فرماتے ہیں بس یہی کفر اور شرک کی مثال ہے، پورا قرآن کریم مختلف مثالوں سے، مختلف واقعات سے، مختلف عبرتناک انجاموں سے آگاہ کر کے یہ بتلاتا ہے کہ زندگی اگر کسی کی ہے تو وہ ایمان والے کی ہے، جس ذات نے اس کو پیدا کیا؛ اسی خالق اور مالک کو اگر نہیں پہچانتا ہے تو اس سے زیادہ ناشکرا دنیا میں کوئی نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں:

بھائیو اور دوستو! اس وقت امت میں یہ بیماری عام ہونے جا رہی ہے، اس لئے میں نے آپ حضرات کے سامنے یہ آیت پڑھی يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ زبان سے ایمان لائے ہو تو اپنے اعمال کے ذریعہ، اپنے عقیدے کے ذریعہ، دل کی تصدیق اور سچائی کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ پر ایمان لے آؤ، اللہ پاک کی ذات عالی پر بھی ایمان لے آؤ کہ وہ ایک اکیلا ہے لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ﴿۳﴾ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴿۴﴾ (اخلاص) اس کے جیسا کوئی نہیں۔ دوسری اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو چیزیں ذکر فرمائی، اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات کا مختلف احادیث میں ذکر فرمایا، قرآن کریم کی مختلف آیتوں میں اللہ پاک نے مختلف واقعات کے ضمن میں اپنی مختلف صفات کو مناسبت سے ذکر فرمایا، ذات میں بھی وہ ایک، صفات میں بھی

وہ ایک، وہی نفع پہنچانے والا، کائنات کی کوئی طاقت نفع نہیں پہنچا سکتی، وہی نقصان پہنچانے والا، کائنات کا کوئی ہمیں نقصان نہیں پہنچا سکتا مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ (فاطر:۲) اللہ پاک کسی بندے پر کوئی رحم کرنا چاہے تو کائنات کی کوئی طاقت اس کو روک نہیں سکتی، اگر روکتے تو انبیاء کرام علیہم السلام تنے تنہا تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام اکیلے ہیں اور فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا○ (عنکبوت:۱۴) سارے نوسو سال تک آپ اپنی قوم کے درمیان رہے اور اسّی (۸۰) سے زائد کچھ لوگ ایمان لائے، حضرت نوح علیہ السلام نے اتنی لمبی مدت جو اللہ کے دین کی دعوت دی، سورۂ نوح میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس پورے منظر کو بیان کیا کہ نوح علیہ السلام نے چپکے سے، زور سے، مجمع میں، انفرادی، مختلف طریقوں سے، ان کو ڈرایا، اللہ پاک فرماتے ہیں وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ (یونس:۷۱) اے لوگو! میرا تمہارے درمیان ٹھہرنا تمہارے لئے دشوار ہورہا ہوہے، تمہیں بوجھ معلوم ہورہا ہے، تو تم سب کے سب مل کر مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کرو اور فَاَجْمِعُوْٓا میرے مقابلے میں سب جمع ہوجاؤ اور اپنا کید، اپنا مکر، اپنی تدبیر جو چلانا ہو، وہ چلاؤ؛ لیکن تم میرے اوپر وہ مکر نہیں چلا سکتے جو اللہ نے نہیں چاہا۔ یہ مختلف آیتوں کے ذریعہ بتلایا۔

دوستو اور بزرگو! سب سے بنیادی چیز ہے ایک اللہ کی ذات پر ایمان لانا، اس کے بعد نماز ہے، روزہ ہے، زکوٰۃ ہے، حج ہے، معاشرت، معیشت، اقتصادیات (Economic) کے سارے جو مسائل زندگی کے آتے ہیں؛ یہ سب بعد کے ہیں۔

اس لئے آپ کے سامنے میں نے آپ ﷺ کی روایت پڑھی، جس میں آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ **ذاق طعم الایمان**... اس شخص نے ایمان کا مزہ چکھ لیا **من رضی باللہ ربا**۔ جو اللہ پاک کو اپنا مربی سمجھ لے، ایک چھوٹا سا بچہ اپنے باپ کو، اپنی ماں کو، اپنا سب کچھ نفع ونقصان کا مالک سمجھتا ہے، اپنی ساری شکایتیں ان کے پاس پہنچاتا ہے، ان کے ساتھ وہ ناز

کے انداز میں رہتا ہے، بچہ اگر بیمار ہو جائے تو ماں باپ خود اس کو شفاء نہیں دے سکتے، سیدنا حضرت ابراہیمؑ نے جب ایک اللہ کی پہچان اپنی قوم کو کروائی تو ساتھ میں یہی فرمایا وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ ﴿٨٠﴾ (شعراء: ۸۰) جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفاء دیتا ہے، اسباب سارے اختیار کئے جائیں؛ لیکن ان چیزوں میں تاثیر جب تک اللہ پاک نے نہیں رکھی ہے؛ یہ ہمیں کوئی اثر نہیں کر سکتی، نہ اچھا اثر اور نہ برا اثر؛ لیکن چیزوں کو اللہ پاک نے پیدا فرمایا وہ اس کی مخلوق ہے، اس نے اپنے بندوں کے نفع کے لئے، بیماریوں سے شفاء مختلف چیزوں میں رکھی ہیں، یہ بھی اس کا احسان ہے، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی توحید کو قرآن کریم نے بار بار ذکر فرمایا رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ (ابراہیم: ۳۶) ان معبودوں نے انسانیت کی ایک بہت بڑی جماعت کو بہت بڑے گروہ کو گمراہ کیا۔

تقدیر کا عقیدہ؛ تفویض نہ کہ تجویز:

ہمارا افعال خداوندی پر راضی ہونا، پھر تقدیر پر راضی ہونا، بچہ ماں کے مارنے کے باوجود اس کی طرف ہی لپکتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ نفع اسی سے وابستہ ہے، بندہ کو اسیطرح ہر فعل پر راضی ہونا چاہئے، بندہ کو نعمت دی جاتی ہے وہ اس کا گناہ میں استعمال کرتا ہے، وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فَأَخَذْنَاهُم بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ ﴿٤٢﴾ (انعام: ۴۲) ذات خداوندی سے تو سب راضی ہے، معاملات، تقدیرات پر راضی ہونا اصل ہے۔

ظفر آدمی اس کو نہ جانئے گو ہو کیسا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

مومن ہر حال میں راضی ہوتا ہے، میری مصلحت سے ہی ایسا ہوگا اللہ پاک تو معلل بالاغراض نہیں ہے، میرے ہی فائدہ کے لیے ہے، اس کا کوئی فائدہ نقصان نہیں۔ اتقی قلب، اور اشقی قلب سے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

صاحب نسبت اسی کو کہتے ہیں کہ بندہ تمام افعال میں راضی برضا رہے۔

حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! خدا تعالیٰ آپ کی خواہش پوری کرنے کے ساتھ ہے، یعنی نفس رضاء الٰہی میں فانی ہے، مرضی الٰہی کے خلاف کوئی فعل نہیں ہونا تھا، نفس فنا ہو چکا، مجتہد کو اسی لیے دہرا ثواب ملا خطا کرنے پر بھی اجر ملا کہ مرضی پر چلا ہے۔

عمران بن حصین ؓ کو دنیا میں رضاء کا انعام؛ فرشتے ملاقات کو آتے تھے، ۳۲ سال بھگندر کی بیماری رہی، (مسلم شریف: کتاب الحج، باب جواز التمتع) حضرت عثمان ؓ نے تبوک میں ۱۰۰ اونٹ مع سامان دیئے، آپ ﷺ نے فرمایا: **ما ضر عثمان ما عمل بعد الیوم مرتین.** (ترمذی: أبواب المناقب، رقم: ۳۷۰۱) اس کا یہ مطلب نہیں کہ گناہ کرے تو بھی راضی بلکہ نفس مطمئنہ ہوگیا، رضاء کا اعتبار بشاشت سے ہے مجبوری سے نہیں، **الصبر عند صدمة الاولیٰ،** (بخاری: کتاب الجنائز، باب زیارة القبور) آخرت کا انعام **فادخلی فی عبادی.** (فجر: ۲۹) اب تیری رضا و چاہت پوری کی جائے گی۔

وَأُفَوِّضُ أَمْرِيْٓ إِلَى اللّٰهِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ (غافر: ۴۴) تفویض میں راحت ساری پریشانی تجویز کی ہے۔

رضا معلوم کرنے کی کسوٹی اپنے خدا کے ساتھ ہونے والے معاملات، تعلق کو دیکھ لے اپنے خدا کے ساتھ کے معاملات دیکھ لے، ملازم خدمت کرتا ہے؛ لیکن دل سے نہیں تو آقا راضی نہیں ہوگا، اس کے برعکس خدمت میں رضا کا جذبہ ہے تو آقا ضرور خوش ہوگا۔

ارْجِعِيْٓ إِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً (فجر: ۲۸) مومن کی روح واپس آتی ہے، ہمارا تھا اور ہم سے قریب ہوگیا، کافر کی روح کو پٹخ دیا جاتا ہے تحت الثریٰ میں، آسمان سے نیچے کا سب جہنم ہے، اوپر کا سب جنت ہے گویا ہم جہنم میں ہے، خدا تعالیٰ نے ایک رسی دی ہے، **وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا** (آل عمران: ۱۰۳)

مومن کو واپس بلایا جائے گا، کافر کو دنیا میں ہی رکھا جائے گا، ارجعی کی حکمت یا علت "راضیہ مرضیہ" ہوگی۔

جو بندگی سے انکار کرے اللہ تعالیٰ اس کو بندہ بنانا نہیں چاہتا، رابعہ بصریہؒ **من ربک** کے جواب میں فرشتے کو فرماتی ہے کہ ان کو پوچھو کہ وہ مجھے بندی بنانا چاہتے ہیں میں تو رب مانتی ہوں؛ لیکن وہ نہ چاہے تو میرے چاہنے سے کیا ہوگا؟

سہاگن وہ جسے پیا چاہے، شوہر چاہے تو دلہن کا سنگار اچھا ہے، لوگ تعریف کرے اس سے کیا مطلب؟ کام جس کے لیے کر رہے ہیں وہ راضی ہو تو فائدہ ہوگا، لوگ عالم، مجاہد، مبلغ کہے اس کے دربار میں قبول نہ ہو تو کیا فائدہ؟

بندہ کا تقدیر پر راضی ہونا ہی اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی دلیل ہے، ورنہ وہ بندہ کو رضا کی صفت سے متصف نہ کرتا اور توفیق ہی نہ دیتا۔

فی عبادی: مخلص نیک بندوں کی صحبت دنیا میں بھی چاہئے اور آخرت میں بھی۔

وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ○ (شعراء)

جنتی: اپنی طرف نسبت رضا کا مقام ہے، یہ خطاب دو وقت ہوگا، موت کے وقت پھر قیامت کے دن۔ **عن عبداللہ بن عباس: لمّا دخل رسولُ اللهِ ﷺ علی الأنصارِ فقال: أمؤمنون أنتم فسکتوا فقال عمرُ: نعم یا رسولَ اللہ قال: ما علامةُ إیمانِکم قالوا: نشکرُ علی الرَّخاءِ، ونصبِرُ علی البلاءِ، ونرضی بالقضاءِ فقال ﷺ: مؤمنون وربِّ الکعبةِ۔** (تخریج الإحیاء للعراقی: ۴/۶۷)

اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کو فرمایا کہ میری رضا میری قضا پر راضی رہنے میں ہے۔

حضرت رابعہؒ نے حضرت سفیان کے یہ کہنے پر کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہو جائے کہا کہ آپ خواستگار ہو اس کی رضا کے اور خود راضی نہیں ہو، بندہ خدا سے تب راضی ہوتا ہے کہ مصیبت میں بھی اسی طرح خوش ہو جیسے نعمت کے وقت۔

بشر حافیؒ نے ایک جذامی کے سر کو گود میں لیا اور دعا کرنے لگے تو اس نے جوش میں آکر کہا کہ کون فضولی ہے میرے اور خدا تعالیٰ کے درمیان دخل دیتا ہے، اگر وہ بوٹی بوٹی کر دے تو بھی

میں خوش ہوں میری محبت میں اضافہ ہی ہوگا۔

مصیبت زدہ عافیت پر شکر ادا کرتا تھا حضرت عیسیٰؑ نے پوچھا کیا عافیت ہے؟ اس کہا کہ مجھے معرفت تو نصیب ہے، ایک عورت نے کہا اگر بلائیں نہ ہوتی تو قیامت میں مفلس ہوتے، دوسری عورت نے کہا کہ ٹھوکر لگنے پر ثواب کی لذت نے درد کو دور کر دیا۔

ایک شخص نے کھیڑا کھانا چاہا، کڑوا نکلا، خادم کو دیا اس نے کھالیا تو سوال کیا مالک نے کہ کیسے کھالیا؟ کہا کہ روزانہ آپ کے انعامات سے فائدہ اٹھاتا ہوں، ایک دن کڑوا ہی سہی۔ اس نے اس بات پر اس کو آزاد کر دیا۔

شاہ عبدالقادر جیلانی کا قول ہے کہ حالات گناہوں کا کفارہ، ترقی درجات کا سبب ہوتے ہیں اور عذاب گناہوں کی سزا۔

اس طرح مومن کو بھی حالات کی بھٹی میں ایمان کا نکھار پیدا ہوتا ہے، صحت و مرض، دولت وفقر، عزت وذلت قادر مطلق کی طرف سے ہے ایمان سب سے بڑی چیز ہے، دوکاندار شام کو سامان وغیرہ سمیٹ لیتا ہے اور کم جگہ میں لے آتا ہے لیکن سب کو گھر نہیں لے جا سکتا، البتہ کام کی کنجی کی حفاظت کرتا ہے وہ ہر وقت ساتھ رکھتا ہے تو ایمان بھی کنجی ہے اس کو ہر وقت ساتھ رکھنا ہے۔

کفر والحاد:

یہ اس وقت پوری دنیا میں چل رہا ہے، شرک اپنی مختلف شکلوں کے ساتھ ہمارے سامنے آرہا ہے، اور گزشتہ ایک دو سال سے پورے ہندوستان میں کثرت سے یہ واقعات ہو رہے ہیں کہ ہماری بہنیں جا رہی ہیں غیر مسلموں کے ساتھ، ہمارے مسلمان نوجوانوں میں بہت سارے ایسے ہیں جو ظاہر میں نام کے مسلمان ہیں، ہندوستان میں جو Education ہے وہ دو طرح کے ہیں، ایک Education تو وہ ہے جس کا تعلق سائنس اور یورپی تہذیب اور یورپی کلچر سے ہے، وہاں سے جو چیزیں آتی ہے وہ اللہ پاک کے انکار پر آتی ہے، فرائدمین، آئزک نیوٹن، کارل مارکس، ڈاروین؛ ان سب لوگوں کی جو محنت تھی؛ وہ ایک اللہ کے انکار کی تھی، ہمارے بچے اسکول اور کالج میں یہ سب

چیزیں پڑھتے ہیں، یہ اللہ پاک کی ذات کا انکار اور اس کی صفات میں گڑ بڑ ہے۔

دوسرا: جس ملک میں ہم آباد ہیں ؛ یہاں کا کفر اور شرک اتنی بڑی جمعیت کے ساتھ اور اتنے سارے معبودوں، اتنے زیادہ منظم کفر اور شرک کو مختلف انداز میں پیش کرنا، دنیا کے کسی اور ملک میں نہیں ہے، یہ کفر اور شرک کا اس اعتبار سے گہوارہ ہے، اللہ پاک نے اپنے نیک اور صالح بندوں کو یہاں پہنچایا اور انہوں نے اللہ کے بندوں کو دین کی دعوت دی اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس ملک کے لئے اسلام کا فیصلہ فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تب بھی شرک اور کفر اپنی مختلف رعنائیوں کے ساتھ زندہ تھا اور مذہبی تقدس کے ساتھ انسانی فطرت اور عقیدہ بن چکا تھا، اللہ پاک نے سورۂ ص میں فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اللہ کی دعوت دی، مکہ کے مشرکین جو بہت سوں کی عبادت کرنے والے تھے، بہت سوں کو نفع و نقصان کا مالک سمجھنے والے تھے؛ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَٰهًا وَاحِدًا ۖ إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ﴿٥﴾ (ص: ۵) کہ ایک ہی خدا سب کا مالک ہو؛ وہی سب کے لیے نفع و نقصان والا؛ زندگی کا ہر مسئلہ اس سے وابستہ؛ یہ ان کو سمجھ میں نہیں آرہا تھا، تو آپ دیکھ رہے ہیں اس ملک میں جن کی عبادت کی جاتی ہے؛ اتنی بڑی تعداد میں معبود دنیا کے کسی ملک میں، کسی قوم اور کسی تہذیب اور کلچر میں نہیں ہے، انہوں نے کہیں نفع کا مالک الگ سمجھ لیا، نقصان کا الگ سمجھلیا، روزی کا الگ سمجھا، تعلیم کا الگ سمجھا، مال و دولت کو لکشمی دیوی، سرسوتی دیوی علم کے لیے، یہ جو کچھ چیزیں ہیں جو اللہ پاک کی صفات ہے، اللہ پاک نے قرآن کریم کی ان آیات میں بہت کھول کھول کر ایسی چیزیں بتلائی ہے؛ اس لئے کہ قرآن کریم تو ساری دنیائے انسانیت کے لیے ہے۔

اللہ پاک نے درخت سے مثال دی ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ (ابراہیم: ۲۴) اور وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ کفر کو خبیث کہا، جیسے ایک غلط قسم کا دانہ زمین میں ڈالا جائے اور وہ اگے نہیں یا اگے تو تھوہر کانٹے دار ہو، کوئی انسانوں کو فائدہ نہیں، اور ایک وہ درخت ہے جو ہر موسم میں اپنا پھل دیتا ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ نے مؤمن کی

مثال دی کھجور کے درخت کے ساتھ كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ اس کی جڑ اندر گہرائی میں ہوتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو چیز ذکر فرمائی، اس میں یہ بھی فرمایا کہ ایمان میں آنے کے بعد وہ اس بات کو ناپسند سمجھے کہ اب کفر کی طرف جائے، چاہے اس کو سخت سے سخت سزا اور تکلیف دی جائے؛ لیکن وہ ایمان کو نہ چھوڑے! یہ کیفیت جب ہوگی تو یہ ایمان کی کیفیت ہے، حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، امت کا پہلا گروہ یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یقین کی کیفیت سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے مالا مال فرمایا اور وہ دنیا پر غالب آئے۔

حضرت ربعی بن عامرؓ رستم کے دربار میں:

بڑی بڑی سپر پاور طاقتوں کے سامنے انہوں نے دعوت دی، کسریٰ جو ایران کا راجہ تھا اس کا سپہ سالار رستم تھا، صرف کسریٰ کے ماتحت ایران ہی نہیں تھا؛ ایران کے علاوہ اس وقت جو سینٹرل ایشیاء کے مما لک از بکستان ہیں؛ قزاکستان، تاجکستان یہ جتنے بھی مما لک ہیں یہ سب بھی کسریٰ کے ماتحت تھے، اتنے بڑے حصہ پران کا قبضہ، اتنی بڑی سپر پاور طاقت کا سپہ سالار جب یہ پوچھ رہا ہے کہ آپ لوگ ہمارے پاس کیوں آئے؟ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ربعی بن عامرؓ فرماتے ہیں اللہ ابتعثنا اللہ پاک نے بھیجا، ہم خود نہیں آئے لنخرج من شاء من عبادة العباد الیٰ عبادة اللہ تعالیٰ۔ (البداية والنهاية: ۹/۶۲۲، فصل فی غزوة القادسية) بندوں کی پرستش سے نکال کر ایک اللہ کی طرف بلایا جائے؛ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس امت کو پیدا فرمایا ہے، یہ امت خود دوسروں کے دست نگر بن جائے، دوسروں کے فلسفے کو، دوسروں کے کلچر کو، دوسروں کی تہذیب کو، دوسروں کے مذہبی رواج کو، جو اللہ تعالیٰ کو پسندیدہ نہیں ہے، اس میں سمجھوتا نہیں ہوتا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (نساء)

دوطرفہ حملے:

دوستو اور بزرگو! ہم جیسے دوسرے مسائل اپنی اولاد کو سکھلاتے ہیں، بنیادی چیز سکھلانے کی ہے ایمان، اللہ پاک کی طاقت اور قدرت، اللہ پاک نے مختلف مثالوں اور واقعات

ہمارے سامنے کرکے دکھلائے، پورا قرآن کریم بھرا پڑا ہے، کیسے کیسے ناخوش گوار واقعات آئے اور اللہ پاک نے ایمان کی بنیاد پر ان کو کامیاب کرکے بچالیا، یہ ساری چیزیں قرآن کریم کی آیات اور احادیث میں اس بات کی طرف متوجہ کرتی ہے کہ جیسے ہم اپنی اولاد کو دوسری چیزیں سکھلاتے ہیں، ایمانیات بھی سکھلائیں، ایک تو عام Normal جگہ ہے، جہاں کفراور شرک سے بچایا گیا اور ایک ایسا ملک اور ایسی تہذیب اور کلچر کے بیچ میں ہم رہ رہے ہیں کہ جہاں ہر وقت ان کی سوچ وفکر، ان کی تجارت، ان کے شادی بیاہ، ان کی زندگی کے ہر مسئلہ میں خوشی اور غمی کے موقع پر شرک نہ ہو؛ تو ان کی وہ تقریب اور رسم پوری نہیں ہوتی، ایسوں کے بیچ میں ہم رہیں گےتو یہ ہماری ننھی مُنّی اولاد اسکول میں جائے گی، بچپن میں ان کو کفراور شرک کی یہ باتیں بتلائی جائے گی اور جب بڑی ہوگی، اسکول اور کالج یونیورسٹی میں جائے گی تو یہ یورپی تہذیب اور کلچر کے ضمن میں جو مادیات اور الحاد آیا ایک اللہ کا انکار کرنے کا، یہ دوطرفہ حملے ہماری اولاد کے اوپر ہوئے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فرمایا **ذاق طعم الایمان** جولوگ ایمان کا مزہ چکھ لیتے ہیں، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے واقعات ہمارے سامنے ہیں۔

جادوگروں کے دل میں نورِ ایمان چمک اٹھا:

سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ کتنا کھلا ہوا ہے، جادوگروں کو فرعون اور اس کے بڑے لوگوں نے بلایا پورے ملک سے، بڑے بڑے مشہور جادوگروں کو بلایا اور سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مکالمہ بھی ان کا ہوتا ہے، آپ ڈالتے ہیں یا ہم ڈالیں، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم ہی اپنا جادو ڈالو، ان کی رسیاں جب سانپ بن گئیں، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا آپ اپنا عصا رکھئے، اللہ پاک نے اس عصا کو اژدہا کی شکل دے دی اور تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ؕ (طٰہٰ:۶۹) جو کچھ انھوں نے بنایا تھا اس کو تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ؕ نگل رہا ہے، جادو جادو کو توڑ تو سکتا ہے ؛لیکن ختم نہیں کرسکتا ہے، یہاں ختم کردیا، جادوگر سمجھ گیے فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ۟ۙ (شعراء:۴۶) اللہ پاک فرماتے ہیں فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ دل میں وہ کیفیت

ہوگئی کہ یہ جادو نہیں ہے موسیٰ علیہ السلام کا، یہ کوئی بڑی چیز ہے، ہم سب شکست نہیں کھا سکتے ہیں، جو نبی کا مقابلہ کرنے آئے تھے اپنے علم اور فن سے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی کے معجزے کے ذریعہ جب ان کے علم اور فن کو کاٹ دیا تو یہ سمجھ گئے، اس لئے قرآن کریم کی مختلف آیتوں میں اس قصہ کو ذکر کیا گیا عجیب وغریب انداز میں کہ تھوڑی دیر پہلے مقابلے کے لیے آئے اور اب خود بخود سجدہ میں گر گئے، فرعون دھمکی دیتا ہے کہ ہم تمہارے ہاتھ اور پیر کو الٹی سمت سے کاٹ دیں گے، انہوں نے فرمایا: تو جو کرنا چاہے کر، تو ہمیں دنیوی زندگی میں کچھ نقصان پہنچا سکتا ہے؛ لیکن آخرت کے اعتبار سے ہم کامیاب ہیں۔

اپنی اولاد کو توحید کی تعلیم دیں:

دوستو! اس وقت بھی دونوں چیزیں یاد رکھنی ہے، ایک طرف تو ہماری اولاد کی تعلیم و تربیت کے لیے توحید کو خود ہمیں سمجھانا ہے، افسوس یہ ہے کہ ہم دنیا بھر کی معلومات رکھتے ہیں؛ اپنے خداوند قدوس کے متعلق نہیں جانتے، اس کی ذات و صفات کے متعلق نہیں جانتے، قرآن اسی لیے آیا ہے کہ انسانیت کو قرآن کی روشنی میں توحید ملے گی، اللہ پاک جن مثالوں کے ذریعہ سمجھائیں گے، دنیا کی کوئی مخلوق نہیں سمجھا سکتی، اس لئے حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم پڑھ کر کوئی آدمی کوئی اور چیز نہ کرے؛ لیکن قرآن پڑھنے کے بعد وہ شرک کرے یہ نہیں ہوسکتا، اتنی عقلی دلیلوں کے ساتھ اور اتنی حسی اور مشاہدتی مثالوں کے ساتھ اللہ پاک اپنے پاک کلام میں ذکر فرماتے ہیں۔

شرک کی نحوست اور ایمان کا فائدہ:

چنانچہ اللہ پاک فرماتے ہیں ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ (زمر:۲۹) اللہ پاک فرماتے ہیں کہ دو آدمی ہیں، ایک کئی آدمیوں کے یہاں کام کرتا ہے اور ایک وہ ہے جو ایک ہی کے یہاں کام کرتا ہے، جو کئی لوگوں کے یہاں کام کرتا ہو؛ اس کو سب کو راضی کرنے کی فکر ہوگی اور سب آپس میں

رسا کشی کریں گے مُتَشٰكِسُوْنَ آپس میں جو شریک ہے، اورا یک ہے: سَلَمًا لِّرَجُلٍ ایک ہی جوایک اللہ کے آگے جھکتا ہے، اس کو کسی اور کے آگے جھکنے کی ضرورت نہیں اور جو یہاں نہیں جھکتا؛ اللہ پاک اس کو اپنی مخلوق کے تابع کر کے ان کے پاس جھکاتا ہے، یہ شرک کی نحوست ہے اور ایمان کا فائدہ ہے کہ جب اللہ کے سامنے جھک جاتا ہے تو اوروں سے اللہ پاک بچا لیتے ہیں۔

دوستو اور بزرگو! ایک مسلمان اور ایک غیر مسلم کے درمیان سب سے بڑا فرق؛ یہ توحید کا ہے، جس وقت قرآن نازل ہو رہا تھا، مشرکین آپس میں صلح کے لیے آئے کہ آپ ایک مہینے ہمارے معبود کی عبادت کیجیے، ایک مہینے ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے، قرآن کریم نے فرمایا قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝۱ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝۲ (سورۂ کافرون: ۱) تم جس کی عبادت کرتے ہو؛ میں اس کی عبادت نہ کرتا ہوں اور نہ کروں گا وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝۳ اور میں جس خدا کو مانتا ہوں اس کی طرف تم نہیں آؤ گے، ابتداء اسلام میں یہ آیتیں نازل ہوئیں، یہ اس بات کو بتلانے کے لیے کہ کفر اور ایمان میں سمجھوتا نہیں ہوسکتا۔

صلح کے موقع پر آپ ﷺ نے صلح فرمائی، آپ کو اللہ کا رسول مانا گیا، انہوں نے کہا کہ نہیں؛ محمد بن عبداللہ ہی لکھیے، آپ ﷺ نے لکھوایا، کہا کہ جو مسلمان اسلام قبول کر کے مکہ سے مدینہ آئے گا اس کو واپس کرنا ہوگا اور جو مدینہ سے مرتد ہو کر اگر آجائے تو ہم اس کو واپس نہیں کریں گے، (بخاری: کتاب الصلح، باب کیف یکتب ھذا ما صالح فلاں بن فلاں) اللہ کے رسول ﷺ نے ان سب چیزوں میں بیت اللہ کی عظمت کے پیش نظر ان سب چیزوں کو قبول کر لیا؛ لیکن کفر کے سلسلے میں آیت آئی، کئی سال پہلے کی ہے قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝۱ ابتدائی سورتوں میں سے اور جو واقعہ صلح حدیبیہ کا ہوا وہ سن ۶ ہجری کا ہے، اتنا بڑا فاصلہ، وہاں صلح کے موقع پر یہ چیزیں بتلائی گئیں اور توحید کے موقع پر اتنی سخت تاکید فرمائی، یہ آیات ہمیں بتلاتی ہیں کہ ہم میں سے ہر ایک کی ذمہ داری ہے اپنی اولاد کی اصلاح و درستگی، اپنے بھائیوں اور اپنے بہنوں کی ایمان سے ہماری دعوت جانی چاہیے غیروں تک کہ دیکھئے ایک اللہ کا سورج ہے جس سے ہم

سب فائدہ اٹھاتے ہیں، ایک اللہ کا پانی ہے اس سے ہم فائدہ اٹھاتے ہیں، ایک اللہ نے صاف آکسیجن وغیرہ دی اور بھی کتنی گیسیں دی جو انسانوں کے فائدے کے لیے ہیں، یہ سب ایک اللہ نے دی، تو جب اس میں وہ اکیلا ہے، تو اور دوسری چیزوں میں دوسروں کو کیوں شریک کیا جائے؟ عبادت میں اس کے ساتھ اس کو شریک کیوں کیا جائے؟

قرآن کریم میں اللہ پاک اتنی بڑی چیزوں سے شروع کرتے ہیں مضمون کو۔ آسمان وزمین کی تخلیق کا، اس کو پیدا کرنے کا ذکر فرماتے ہیں۔ دوسری بڑی بڑی مخلوقات کا ذکر فرماتے ہیں لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ (غافر:۵۷) آسمان وزمین کو پیدا کرنا انسانوں کے پیدا کرنے سے بہت بڑی چیز ہے؛ لیکن یہ سمجھانے کے لیے فرمایا، اللہ پاک کے لیے آسمان، زمین وغیرہ کسی چیز کا پیدا کرنا مشکل نہیں ہے، لیکن قرآن نے فرمایا وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ۭ (روم: ۲۷) آسان ہے، یہ اس طرح کی تمام چیزیں سمجھا کر ہمیں اس ملک میں ایمان کے ساتھ رہنا ہے۔

حضرت یعقوبؑ کی بوقت وصال اپنی اولاد کو نصیحت:

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنی اولاد سے فرماتے ہیں مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ۭ (بقرہ: ۱۳۳) دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں جن کی چار چار پشتوں میں رسالت ہے، ابراہیم و اسحاق واسماعیل ویعقوب و یوسف علیہم السلام، اتنے نبیوں کا خاندان اوران کے والد یعقوب علیہ السلام پوچھ رہے ہیں کہ میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟

فتنۂ ارتداد کی روک تھام:

دوستو اور بزرگو! ہم کیسے بھروسہ کر سکتے ہیں اپنی اولاد پر، ہم خود ان کو توحید نہیں سکھلاتے ہیں، اس وقت اتنا منظم پروگرام کر کے شرک کی اس ملک میں کوششیں ہو رہی ہیں، لگاتار محنتیں ہو رہی ہیں، لالچیں دی جاتی ہیں، اور ابھی ہفتے پہلے ایک مسلمان لڑکی شیعہ برادری سے تعلق رکھتی ہے، دیشا کے قریب کوئی گاؤں ہے، وہاں وہ مرتد ہو گئی، ہماری جو بہنیں

جارہی ہیں؛ وہ کیا ہے؟ ایمان پر تو رہتی نہیں! اسی طریقے سے ہمارے نوجوانوں کا ایک بہت بڑا طبقہ وہ ہے جو دل سے اللہ پاک کو نہیں مانتا، ذہنی طور پر مرتد ہو چکے ہیں؛ لیکن سماج اور معاشرے کی وجہ سے وہ ساتھ میں چلتے ہیں، کبھی کبھی ان کی زبان سے تسلیمہ نسرین اور رشدی جیسے الفاظ نکل جاتے ہیں، تب پتہ چلتا ہے کہ یہ کون ہے؟ یہ سب کیوں ہوا؟ ہم نے توحید کی اہمیت کو نہیں سمجھا، قرآن کریم میں خندق والوں کا قصہ اللہ پاک نے ذکر فرمایا، کتنی ان کو اذیتیں دی گئیں؛ لیکن وہ اس سے باز نہیں آئے بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ کوئی گناہ نہیں ان کا وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝ (بروج:۸) اس لئے یہ بھی یاد رکھا جائے کہ ایمان باللہ کے بعد تکلیف نہ آئے؛ ایسا نہیں ہوسکتا؛ لیکن یہ ۶۰ سالہ ۷۰ سالہ زندگی ہے، اس میں سے ہم کتنی تو پاس کر چکے ہیں اور کورونا نے موت کتنی قریب ہے؟ یہ بھی بتلا دیا اور انسانی تعلقات کیسے ہوتے ہیں؟ یہ بھی بتلا دیا، یہ سب چیزیں اللہ پاک نے کھول کر بتلا دی کہ میرے علاوہ **لا ملجأ و لا منجأ منک الا الیک**۔ (بخاری: کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ: أنزلہ بعلمہ والملائکۃ یشھدون) اللہ پاک کی ذات عالی کے علاوہ بڑے بڑے ڈاکٹروں نے ہاتھ اونچے کر دئے، خود ڈاکٹر ہی تشریف لے گئے، یہ کیا ہے؟ اللہ پاک نے چیلنج کیا، انسان خود کیا کر سکتا ہے؟ اور تیری کیا بساط ہے ہماری قوت کے مقابلے میں!

ایمان کی حلاوت پانے والوں کے جذبات:

دوستو! اتنی بڑی عظیم ذات کے مقابلے میں ہم ان کی طرف جائیں؛ اور پھر دوسری بات بڑی افسوس کی ہے کہ غیر مسلم لڑکیاں اور لڑکے کثرت سے اسلام میں داخل ہو رہے ہیں اور وہ جب اسلام میں آتے ہیں، اس کے بعد ان کے جو جذبات ہوتے ہیں اور وہ جو کفر وشرک کو چھوڑ کر ایمان میں آئے ہیں، ان کو جو **ذاق طعم الایمان**۔ ان کو جو ایمان کا مزہ ملتا ہے؛ مجھے اور آپ کو وراثتی ملا ہے، کوئی روکنے والا نہیں ہے، ایمان پر چلنے سے، وہاں گھر میں چھپ چھپ

کر نماز پڑھنی پڑتی ہے، سماج اور برادری سے بچ کے رہنا پڑتا ہے، اس کے باوجود لڑکیاں کثرت سے اس ملک میں ایمان میں داخل ہورہی ہیں، یہ کیا ہے؟ اللہ پاک فرماتے ہیں مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ (مائدہ: ۵۴) اللہ پاک کو کسی کی ضرورت نہیں، تم اگر ایمان نہیں لاؤ گے تو ہم دوسری قوم تیار کردیں گے، اللہ پاک نے پوری تاریخ انسانی میں اس طرح کے احوال بتلا کر ہمیں بتلایا کہ اللہ تبارک وتعالی کی ذات ہی پر ہمارا بھروسہ ہو، اسی پر ہمارا یقین ہو۔

ہماری ذمہ داریاں:

دوستو اور بزرگو! ہم سب اس بات کو دل سے سمجھیں کہ ایمان اور کفر کا اتنا بڑا فرق قرآن میں کیوں بتلایا؟ تو اس پر عمل کرتے ہوئے ہم اپنے گھروں کو آباد کریں، اپنے بھائیوں کی طرف توجہ دیں اور دیکھیں کہ وہ بیچارے کس طرح کفر اور شرک کی طرف جارہے ہیں، مال کی محبتیں ہیں، سیاسی دنیا میں جاتے ہیں، ہاتھ اونچا کر کے کہیں نہ کہیں وہ کسی کے آگے رسم ادا کرتے ہیں، یہ سب چیزیں کیا ہے؟ یہ ایمان کی کمزوری کی دلیل ہے، حضرت خبیبؓ کو پھانسی کے پھندے پر چڑھایا گیا اور اسی وقت ان کو پوچھا گیا کہ تمہیں چھوڑ دیا جائے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمہاری جگہ رکھا جائے، فرمایا ان کو کانٹا چبھے؛ یہ بھی مجھے پسند نہیں، (دلائل النبوۃ: ۳/۳۲۶) ایسی میری سوجانیں ان پر قربان، تو یہ چیزیں ہمارے سامنے ہیں، اپنی اولاد کے بارے میں بار بار غور وفکر کر کے ان سے توحید اور ایمان کی باتوں کا مذاکرہ کیا جائے، یہ سب چیزیں جب تک نہیں ہوگی، تعلیم نہیں ہوگی گھروں میں، تو یہ سب چیزیں آئے گی، اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کو کہی سنی باتوں پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(۲۵)

موت اور آخرت

الحمد لله رب العالمين و العاقبة للمتقين، و الصلاة و السلام علی سید المرسلین و علی آله و اصحابه اجمعین. اما بعد!

قال اللہ تعالیٰ:

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ز وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۙ﴿١﴾ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۙ﴿٢﴾ (ملک:۱، ۲)

وقال تعالى: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۠ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۟ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٢٤٣﴾ (بقرہ: ۲۴۳)

وقال النبي صلى الله عليه وسلم: الكيس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت. (ترمذی: أبواب صفة القيامة والرقائق والورع، رقم: ۲۴۵۹)

صدق اللہ العظیم، و صدق رسوله النبی الکریم، و نحن علیٰ ذلک لمن الشاهدین و الشاکرین، و الحمد لله رب العالمین.

محترم و مکرم حضرات علمائے کرام اور ایمان والے بھائیو! کافی دنوں کے بعد بلکہ مہینوں کے بعد پہلی مرتبہ حاضری ہو رہی ہے، ان آٹھ مہینوں میں ہم سب جانتے ہیں؛ پوری دُنیا کے جو حالات جس طریقے سے کروٹ لے رہے ہیں، اور اِس بیماری کی بنیاد پر کتنے اللہ کے بندے ہمارے ساتھ تھے اور وہ رخصت ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ ہی موت وحیات کا مالک ہے:

کلامِ پاک کی جس آیت کی میں نے آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی، اُس میں اللہ تبارک وتعالیٰ اِرشاد فرماتے ہیں:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُۨ ۝١ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۝٢ (ملک:۱،۲)

بابرکت ہے وہ ذات جس کے قبضے میں اِس پوری کائنات کا ذرہ ذرہ ہے، اللہ پاک کی ذاتِ عالی ہی ہے جس نے زندگی کو بھی پیدا فرمایا اور موت کو بھی پیدا فرمایا، کیوں پیدا فرمایا؟ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا تا کہ اللہ تعالیٰ تمہارا امتحان لیں کہ تم میں کون عمل کے اعتبار سے اچھا ہے؟ احسن اعمال اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا، تھوڑا عمل ہو، سنت کے مطابق ہو، اخلاص کے ساتھ ہو، یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے، وہ اس عمل سے جس میں اخلاص نہ ہو، جس میں ریاکاری شامل ہوجائے، جس میں دکھلاوا شامل ہوجائے؛ یہ پسندیدہ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ حسن عمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں میں ہی ہوسکتا ہے، وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۝٢ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات زبردست ہے، بخشنے والی ہے، جس نے موت وحیات کو پیدا کیا، دنیا کی کسی مخلوق کے ہاتھ میں یہ دو چیزیں نہیں رکھی ؛اس لئے فرمایا الْعَزِيْزُ وہ زبردست ہے، قدرت والے ہیں، الْغَفُوْرُ اور اپنے بندوں پر رحم کرنے والے ہیں، ان کی مغفرت کرنے والے ہیں، اس آیت کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں بتلایا کہ موت اور حیات کی کشمکش اور یہ جو چکر ہے؛ یہ صرف اور صرف اس خالق کائنات کے ہاتھ میں ہے، کسی اور کے اختیار میں نہیں ہے کسی کی موت اور کسی کی حیات۔

سورج و چاند گرہن اور اسلامی عقیدہ:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سورج گرہن ہوا اور جاہلیت میں لوگ یہ سمجھتے تھے کہ یہ کسی بڑی ہستی کے انتقال پر ہوتا ہے، کسی بڑے واقعہ کے رونما ہونے پر ہوتا ہے، اللہ کے

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا، آپ نے صحابۂ کرامؓ کے درمیان خطاب فرمایا اور اس میں فرمایا: **ان الشمس و القمر آیتان من آیات اللہ**. سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے **لا ینخسفان لموت احد و لا لحیاتہ**. (بخاری: کتاب الکسوف، باب الدعاء فی الخسوف) یہ کسی کی زندگی اور کسی کی موت سے ان میں گرہن نہیں لگتا؛ بلکہ سورج اور چاند کی عبادت کرنے والوں کو یہ چیلنج دیا جا رہا ہے کہ تم جس کو اپنے نفع ونقصان کا مالک سمجھ رہے ہو، اللہ تعالیٰ نے گرہن لگا کر بتلایا کہ سورج کی روشنی اپنی ذاتی روشنی نہیں ہے، اللہ کی دی ہوئی روشنی ہے، جب وہ چاہتے ہیں سلب کر لیتے ہیں، یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ موت اور حیات کا نظام اللہ پاک کے اختیار میں ہے، اس کی قدرت میں ہے، **وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ** (اعراف: ۳۴) جب کسی کا وقت آتا ہے تو نہ ایک گھڑی آگے اور نہ ایک گھڑی پیچھے، اصل تو پیچھے کو بتلانا ہے کہ وقت سے پہلے بھی موت نہیں آسکتی ہے اور وقت کے بعد بھی نہیں، اللہ پاک نے جو مقرر کیا ہے اور جس طریقے سے مقرر کیا ہے وہ ہی ہونے والا ہے، اس کے علاوہ کائنات کی کوئی طاقت اللہ پاک کی ان صفات کو اپنے اختیار میں نہیں لے سکتی، اسباب کے درجے میں بندے سب کچھ کرتے ہیں؛ لیکن مسبب الاسباب جب چاہتے ہیں تب ہی ہوتا ہے۔

دوبارہ زندہ ہونے والے: ایک قرآنی واقعہ:

دوسری آیت میں نے آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی، اس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ** (بقرہ: ۲۴۳) کہ آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا؟ قصہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بنی اسرائیل کے یہود کا اور ان کے علاقہ میں ہوا ہے؛ لیکن اللہ پاک فرماتے ہیں کہ آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا؟ یعنی واقعہ اتنا قطعی اور پختہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور

امت محمد یہ اس وقت حاضر نہیں ہے؛ لیکن اللہ پاک فرماتے ہیں کہ کیا آپ نے نہیں دیکھا؟ یعنی یہ ایک ایسی چیز ہے جو یقینی ہے، علمی ہے، **الم تعلم** کے معنی میں ہے، کچھ لوگ نکلے اپنے گھروں سے اور وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے، موت سے بھاگتے ہوئے ایک جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ پر گئے۔ اللہ پاک نے فرمایا کہ تم مرجاؤ، اللہ پاک کی طرف سے موت کا فیصلہ ہو گیا، پھر اللہ پاک نے ان کو زندہ کیا، بیشک اللہ پاک لوگوں پر فضل کرنے والے ہیں؛ لیکن انسان اللہ تعالیٰ کا شکرادا نہیں کرتا۔

ان آیات میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ بنی اسرائیل کے ایک علاقے میں طاعون (پلیگ) کی بیماری پھیل گئی، ان لوگوں نے اس جگہ کو چھوڑ دیا اور پہاڑوں کے بیچ میں جو کھلی جگہ تھی؛ وہاں چلے گئے، ایک دو آدمی نہیں تھے! الوف عربی زبان میں ہزار کی جمع ہے، کم سے کم تین ہزار کی تعداد، مفسرین فرماتے ہیں کہ کم ازکم؛ دس ہزار انسان تھے۔ کیوں بھاگے؟ موت سے بچنے کے لیے، **فقال لهم الله موتوا**. موت مقدر میں تھی ان کے لیے، اللہ پاک کا حکم آگیا اور فرشتوں نے ان تمام کی روح قبض کرلی، مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ کے ایک نبی حضرت حزقیل علیہ السلام اس علاقے سے گزر رہے تھے اور آپ نے دیکھا کہ اتنے ہزاروں انسانوں کی ہڈیاں اور ان کے بدن کے اعضاء گرے پڑے ہیں، آخر کیا ہوا؟ انہوں نے اللہ پاک سے دعا کی کہ باری تعالیٰ جو کچھ ان کا گناہ ہوا؛ آپ ان کو معاف فرمادیجئے اور ان کو زندہ کردیجئے، اللہ پاک کی طرف سے یہ معجزہ کا ظہور حضرت حزقیل علیہ السلام کے ذریعہ ہوا، آپ کو اللہ پاک نے فرمایا کہ یہ جو بوسیدہ ہڈیاں پڑی ہیں؛ آپ ان کو اعلان کرو (بلاؤ) اور یہ کہو کہ اے بوسیدہ ہڈیاں! سب کی سب اپنے اپنے اعتبار سے الگ ہوجاؤ اور پھر اس کے بعد تم زندہ ہوجاؤ، اللہ پاک نے ان سب کو زندہ کیا، یہ قصہ اور کہانیاں نہیں ہے! اس خالق و مالک کی باتیں ہیں ؛جس نے موت اور حیات اپنے قبضہ میں رکھی ہے، وہ یہ فرمارہے ہیں **ثم احیاهم** اللہ پاک نے ان کو زندہ کیا۔

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ وَّهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ۖ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰی حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَی الْعِظَامِ كَیْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۵۹﴾ (بقرہ:۲۵۹)

یا (تم نے) اس جیسے شخص (کے واقعے) پر (غور کیا) جس کا ایک بستی پر ایسے وقت گزر ہوا جب وہ چھتوں کے بل گری پڑی تھی؟ اس نے کہا کہ: اللہ اس بستی کو اس کے مرنے کے بعد کیسے زندہ کرے گا؟ پھر اللہ نے اس شخص کو سو سال تک کے لیے موت دی، اور اس کے بعد زندہ کردیا۔ (اور پھر) پوچھا کہ تم کتنے عرصے تک (اس حالت میں) رہے ہو؟ اس نے کہا: ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصہ۔ اللہ نے کہا: نہیں بلکہ تم سو سال اسی طرح رہے ہو۔ اب اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو کہ وہ ذرا نہیں سڑیں۔ اور (دوسری طرف) اپنے گدھے کو دیکھو (کہ گل سڑ کر اس کا کیا حال ہوگیا ہے) اور یہ ہم نے اس لیے کیا تاکہ ہم تمہیں لوگوں کے لیے (اپنی قدرت کا) ایک نشان بنادیں، اور (اب اپنے گدھے کی) ہڈیوں کو دیکھو کہ ہم کس طرح انہیں اٹھاتے ہیں، پھر ان کو گوشت کا لباس پہناتے ہیں۔ چنانچہ جب حقیقت کھل کر اس کے سامنے آگئی تو وہ بول اٹھا کہ: مجھے یقین ہے اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

سو برس تک مردہ رہے، پھر زندہ ہوگیے:

قرآن کریم کی اس آیت میں حضرت عزیرؑ کا قصہ سن چکے ہیں، آپ کو سو سال تک موت دی، آپ کا گدھا بھی آپ کے ساتھ جس پر سواری کر رہے تھے؛ وہ بھی مر چکا ہے؛ لیکن اللہ پاک فرماتے ہیں کہ وہ کھانا، سو سال کے بعد بھی نہیں بگڑا، انسان لمبی مدت گذارتا ہے جب کہ کھانا سالن روٹی چار دن تک رہتا ہے، پھر اس کے بعد بگڑ جاتا ہے؛ لیکن اللہ پاک نے اس کو تو صحیح سالم رکھا اور حضرت عزیر علیہ السلام اور آپ کے گدھے کو موت دی اور اس کے بعد زندہ فرمایا۔

دوستو اور بزرگو! ان واقعات میں ہمیں دو چیزوں کی طرف متوجہ کیا، ایک تو یہ کہ انسانی طاقت اور انسانی قدرت اسباب کے درجہ میں رہ کر سب کچھ کرے؛ لیکن جب تک مسبب الاسباب نہیں چاہتے؛ کسی کی موت نہیں آتی، سبب بناتے ہیں کسی چیز کو؛ لیکن اختیار تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، دوسری چیز؛ یہ تو رات دن ہم نے دیکھا ہمارے بھائیوں کو ہمارے سامنے جاتے ہوئے، اس کے ساتھ اللہ پاک نے ایک مؤمن کو آنے والی مصیبتوں اور تکلیفوں پر جو انعامات کے وعدے فرمائے ہیں، یہ انعامات کے وعدے مؤمن کے علاوہ اور کسی کے لیے نہیں ہے۔

طاعون کی بیماری سے مرنے والا شہید ہے:

حضرت عائشہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا طاعون کے سلسلے میں تو آپ نے فرمایا کہ یہ اللہ پاک کی طرف سے ایک عذاب ہے؛ جو پچھلی قوموں پر اللہ پاک نے نازل فرمایا، **یبعث اللہ من یشاء** قیامت تک جس کے لیے چاہیں گے اللہ تعالیٰ؛ اس چیز کے ذریعہ ان کو عذاب کی شکل میں موت دیں گے؛ لیکن فوراً آگے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی مؤمن جب اس میں مبتلا ہوتا ہے اور صبر اور اجر کی امید کے ساتھ وہ اپنی جگہ پر رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس ٹھہرنے کی بنیاد پر چاہے اس کی اس بیماری میں موت نہیں آتی؛ لیکن صبر اور احتساب کے ساتھ، صبر کے ساتھ اور اللہ سے اجر کی امید کے ساتھ رہا تو اللہ تعالیٰ اس مؤمن بندے کو شہادت کا ثواب دیتے ہیں، (بخاری: کتاب أحادیث الأنبیاء، رقم: ۳۴۷۴) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ بخاری شریف کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اللہ پاک نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ یہ فرمایا کہ صبر اور احتساب کے ساتھ رہنے والا؛ چاہے زندہ رہے تب بھی اس کو شہید کا ثواب ملے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ مر جائے اور ثواب ملے بلکہ **صابرًا محتسبًا** صبر اور اللہ سے امید کی بنیاد پر وہ رہتا ہے تو اللہ پاک اس کو شہید کا ثواب عطا فرماتے ہیں، تو اس دور سے ہم گزرے اور گزر رہے ہیں، ایک مؤمن اور ایک مسلمان اس قسم کے حالات سے گھبراتا نہیں ہے۔

مؤمنین آزمائے جائیں گے:

لَتُبْلَوُنَّ فِيٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۗ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۚ (آل عمران:۱۸۶) اللہ پاک فرماتے ہیں کہ ضرور بالضرور آزمائش ہوگی تمہاری، تمہاری جان میں، مال میں، تجارت میں، کاروبار میں، کھیتی باڑی میں، سماجی زندگی میں ہزاروں قسم کی اللہ پاک کی طرف سے۔ لتبلون ضرور بالضرور تم آزمائے جاؤ گے، تاکید کے ساتھ فرمایا، اس لیے یہ چیزیں تو آنے والی ہے؛ لیکن اس پر اللہ پاک کی طرف سے جو اجر اور ثواب ملتا ہے اور اس کی بنیاد پر آخرت کی طرف اس کی توجہ جاتی ہے، سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ دنیا کی زندگی کی بے ثباتی اور دنیا کی محبتیں اور تعلقات کی بھی بے ثباتی، جو لوگوں نے آنکھوں سے دیکھ لیا، کل کے اخبار میں آیا کہ بڑی عمر کے ایک آدمی کا انتقال ہو گیا، ان کی اولاد میں سے کوئی ان کو جلانے کے لئے حاضر نہیں ہے، حکومت کے جو آدمی تھے ان کو ہی یہ سب کرنا پڑا، یہ اس قسم کے لوگ ہیں! اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں **عجبا لامر المؤمن ان امره كله له خير.** (مسلم: کتاب الزهد و الرقائق، باب المؤمن أمره كله خير) مؤمن کا معاملہ عجیب ہے؛ اس کے سارے معاملات اس کے لئے خیر اور بھلائی والے، اگر اسے تکلیف پہنچی اور صبر سے کام لیا تو بھی اجر، اور اگر تکلیف نہیں پہنچی؛ اللہ پاک کی طرف سے نعمتیں ملیں اور شکر ادا کیا؛ یہ بھی اس کے لیے بہتر۔

دوستو اور بزرگو! شکر کی کمی ہے، اللہ پاک نے جتنی نعمتیں دی ہے ہمیں، دوسرے بندے کو دیکھ کر اس کی قدر ہوگی، اس لئے کبھی کبھار بیماروں کی عیادت کے لیے ہسپتال جانا چاہیے؛ تاکہ یہ یاد آئے کہ وہ آدمی بیچارہ کتنا پریشان ہے اور اللہ پاک نے مجھے کتنی راحت سے نوازا ہے، تو شکریہ کی توفیق نصیب ہوگی۔

موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونا: ایک اور واقعہ:

دوستو! اللہ پاک نے پہلے ان لوگوں کو موت دی، پھر زندہ کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے

ساتھ بھی طور پہاڑ والا واقعہ پیش آیا اور ان کو موت دے دی، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا باری تعالیٰ! یہ کہیں گے کہ موسیٰ علیہ السلام طور پہاڑ پر لے گئے اور ان کو موت کے منہ میں پہنچا دیا، اللہ پاک نے وہاں بھی زندہ فرمایا، اللہ پاک کی طرف سے نبیوں کے لیے یہ معجزات ظہور پذیر ہوئے۔

مؤمن کے لیے مصیبت پر اجر وثواب:

اللہ پاک فرماتے ہیں: **کل نفس ذائقة الموت**۔ (آل عمران:۱۸۵) ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے، لیکن مؤمن کی موت جب ہوگی تو اللہ پاک کے فرشتے موت سے پہلے استقبال کریں گے، بیہقی میں ایک روایت ہے، اگرچہ محدثین کے نزدیک ضعیف ہے؛ لیکن فضیلت کی روایت ہے، ایک انصاری صحابیؓ کا انتقال ہوا، فرشتہ ان کی روح قبض کرنے کے لیے آیا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب فرمایا کہ یہ میرا صحابی ہے، ذرا ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنا، اس فرشتے نے فرمایا کہ میں تمام مومنین کی روح اسی طرح قبض کرتا ہوں، ایک اور روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **مایصیب المسلم من نصب و لا و صب و لا هم و لا حزن و لا اذى و لا غم حتى الشوكة يشاكها إلا كفر الله بها من خطاياه** (بخاری: کتاب المرض، باب ماجاء فی کفارة المرض) مسلمان جب بھی کسی پریشانی، بیماری، رنج، تکلیف اور غم میں مبتلا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اگر اسے کوئی کانٹا بھی چبھ جائے تو اللہ تعالی اسے اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے، دوستو اور بزرگو! یہ فضیلتیں میں آپ کے سامنے اس لئے کہہ رہا ہوں تاکہ دنیا کے ساتھ جو ہماری محبتیں وابستہ ہوتی ہیں اور اس کی بنیاد پر آخرت والے کاموں میں ہمیں تاخیر ہو جاتی ہے، ادا نہیں کر پا رہے ہیں، دنیا کی محبتیں ہیں، مال کی محبتیں ہیں، اور دوسری چیزوں کی محبتیں ہیں، جس کی بنیاد پر شریعت کے جو تقاضے ہیں اس کو پورے نہیں کر پا رہے ہیں، ان حالات اور واقعات نے ہمیں بتلایا کہ دنیا کی محبتیں ساری کی ساری وقتی اور عارضی ہے، آنکھوں سے ہم نے مشاہدے کر لیے ایک دوسرے سے دور بھاگنے کے، ایک دوسرے کو سلام نہیں کرتے، اللہ پاک نے ہمیں اس دنیا میں رہتے ہوئے یہ بتلا دیا۔

مصیبت کے موقع پر آخرت کو یاد کریں:

حضرت تھانویؒ نے ایک رسالہ لکھا ہے "شوق وطن" وطن سے مراد دنیا نہیں ہے، اس میں جو روایتیں آپ نے ذکر فرمائی ہے، مؤمن کو تکلیف پریشانی اور اس کے بعد اللہ پاک کے یہاں اصل نعمتیں تو وہاں ملنے والی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ بڑھاتے ہیں نماز کے اندر، صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہوا؟ فرمایا کہ میرے سامنے جنت پیش کی گئی، مختلف پھل اور فروٹ میرے سامنے پیش کئے گئے، اگر میں اس کو توڑ لیتا تو قیامت تک یہ نعمت ختم نہ ہوتی، (بخاری: کتاب الکسوف، باب صلاۃ الکسوف جماعۃ) دنیا کی چیزیں استعمال کرنے سے ختم ہو جاتی ہے؛ لیکن جنت کی نعمتیں، جنت کو بھی بقا اور جنت کی نعمتوں کو بھی بقا؛ وہ کبھی ختم نہیں ہوگی، تو حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے جب حالات ہوں، پریشانیاں ہوں، تکلیفیں ہوں تو ایسے موقع پر آخرت کی یاد کے لئے یہ چیزیں آتی ہے، اس لیے سب سے بڑا جو مسئلہ ہے؛ میں نے آپ کے سامنے جو روایت پڑھی، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا **الكيس من دان نفسه.** کہ عقلمند آدمی وہ ہے جو اپنے نفس کو پہچانے، **وعمل لما بعد الموت.** (ترمذی: أبواب صفة القيامة والرقائق والورع، رقم: ۲۴۵۹) اور موت کے بعد والی زندگی کی تیاری کرے، اس میں ہمیں اللہ پاک کی طرف متوجہ کیا، قرآن کریم میں فرمایا **كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝۱۸۵** (آل عمران: ۱۸۵) جس کو جنت میں داخل کر دیا گیا اور جہنم سے بچا لیا گیا وہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

دنیوی زندگی صرف دھوکے کا سامان:

دنیا میں بڑے بڑے بادشاہ گذرے، موت سے پہلے کے ان کے جملے ہم سنیں؛ سکندر کا قصہ تو مشہور ہے کہ ہاتھ خالی کروایا، عبدالملک بن مروان اسلامی سلطنت میں بنی امیہ میں بہت بڑے بادشاہ بہت بڑے علاقے پر اور لمبی مدت تک انہوں نے حکومت کی، اور بڑے

عالم تھے، ان کے زمانے میں تین بڑے عالم تھے، ایک حضرت حسن بصریؒ، دوسرے عبدالملک بن مروان اور تیسرا حجاج بن یوسف، یہ عبدالملک بن مروان قرآن اور حدیث کو جاننے والا، وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ میں نے حکومت کے لئے ساری کوششیں اور ساری کارروائیاں کی اور اللہ تعالیٰ نے مجھے خلیفہ بنایا، برسوں تک حکومت کی دنیا کے ایک بہت بڑے حصے پر، سندھ میں جو محمد بن قاسم آئے جن کو حجاج بن یوسف نے بھیجا تھا، یہ سب اسی عبدالملک بن مروان کے دور حکومت میں اور اسی کے یہ گورنر تھے حجاج بن یوسف ،تو یہ عبدالملک بن مروان موت سے پہلے کہہ رہے ہیں کہ یہ دنیا کی نعمتیں ملی ،اس لئے میں نے چاہا تھا کہ مجھے راحت اور آرام ملے ،نعمتیں تو ملی ؛لیکن راحت اور آرام وہ مکمل نہیں مل سکا ،جس کا میں متلاشی تھا،اس نے مجھے دھوکا دیا اور دھوکا دینے والی دنیا کے متعلق بتلادیا۔

قرآن مجید نے جو فرمایا **وما الحیاۃ الدنیا الا متاع الغرور**۔ (حدید:۲۰) جن سے محبت ہوتی ہے،جن سے تعلق ہوتے ہیں ؛وہ چھوڑ کر چلے جاتے ہیں،ان کے ہاتھ میں نہیں ہوتا،اولاد ماں باپ کو چھوڑ کر چلی جاتی ہے،الگ رہتی ہے،کتنی تمناؤں سے جن کو پالا اور پوسا اور زندگی کے آخری لمحوں میں جن کو سہارا سمجھا؛وہی بے سہارا کر کے چلے جاتے ہیں، یہ دنیا کی محبتیں دنیا کی چیزوں نے ان تمام شکلوں کو ہمارے سامنے لاکر کھڑا کر دیا کہ اس دنیا کی کیا حقیقت ہے،کبھی پڑھا جاتا تھا،سنا جاتا تھا اور ایک یہ زمانہ ہے کہ آنکھوں سے مشاہدہ ہوتا ہے، ہم سب اس دور سے گزریں گے اور ابھی گزر رہے ہیں، کیسے کیسے لوگ چھوڑ کر چلے گئے ، نیپولین بوناپارٹ : فرانس کا صدر تھا، کتنے بڑے بڑے علاقے پر اس نے فتح حاصل کی :لیکن دنیا سے جاتے وقت یہی کہہ کر گیا کہ دنیا کی حقیقت اگر یہی ہے تو مجھے افسوس ہے کہ اس دنیا کے لئے میں نے اتنی محنت کی ،اللہ تعالیٰ نے فرمادیا:وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾ صرف دھوکے کا سامان ہے۔

اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَۃٍ ط (نساء:۷۸)

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ (بقرہ:۱۹۵)

توکل اور تقدیر پر رضا لازم ہے:

إذا سَمِعْتُمْ بالطّاعُونِ بأَرْضٍ فلاتَدْخُلُوها، وإذاوقَعَ بأَرْضٍ وأَنْتُمْ بهافلا تَخْرُجُوا مِنْها. (بخاری: کتاب الطب، باب مايذكر في الطاعون) **وبرواية: الطّاعُونُ رِجْزٌ، أَوْ عَذابٌ أُرْسِلَ على بَنِي إسْرائِيلَ، أَوْ على مَن كانَ قَبْلَكُمْ، فَإِذا سَمِعْتُمْ به بأَرْضٍ، فلاتقدموا عليه، وإذا وَقَعَ بأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بها، فلا تَخْرُجُوا فِرارًا منه.** (مسلم شريف: كتاب السلام، باب الطاعون والطيرةوالكهانةونحوها)

حدیث میں ہے: طاعون عذاب ہے، بنی اسرائیل کے ایک گروہ پر بھیجا گیا تھا جب تم کسی زمین میں اس کی خبر سنو تو وہاں نہ جاؤ اور جب تم وہاں موجود ہوں اور آ جائے تو بھاگنے کی غرض سے وہاں سے مت نکلو۔ طاعون سے بھاگنا یہ امر الٰہی کی مخالفت ہے، ۲۴ ہزار بڑے بڑے اسرائیل مر گئے، جانے سے منع فرمایا کہ **لا تلقوا بايديكم الى التهلكة.** (بقرہ:۱۹۵) نکلنے سے منع فرمایا کہ توکل اور تقدیر پر رضا لازم ہے، نیز گناہوں والے عذاب سے بھاگنا اس کو نہیں دور کر سکا، بلکہ توبہ واستغفار ہی دور کر سکتا ہے، بھاگنا طوعون سے ہو تو ناجائز ہے، ورنہ ضرورۃً نکلنے کی گنجائش ہے، بھاگنا گناہ کبیرہ ہے کہ معافی مانگے، **الفار من الطاعون كالفار من الزحف.** (مسند أحمد: ۲۲/۳۶۵، رقم: ۱۴۴۷۸) کی ممانعت آئی، یہ حکمت الٰہیہ پر دال ہے جو ہم سے مخفی ہے۔

قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٦﴾ (احزاب:۱۶)

فالطاعونُ شهادةٌ لأُمَّتي، ورحمةٌ، ورِجس على الكافر. (مسند أحمد: ۳۴/۳۶۶، رقم: ۲۰۷۶۷)

طاعون شہادت ہے، متقیوں کے لیے طہارت اور رحمت اور بدکاروں کے لیے عذاب

ہوتا ہے، فحش اور زنا کاری کے عام ہونے سے طاعون آتا ہے، کثرت موت زنا کی وجہ سے ہوتا ہے، زنا پوشیدہ تو دشمن بھی پوشیدہ، عذاب تو نیک و بد دونوں پر آتا ہے، پھر نیت کے مطابق اٹھائے جائیں گے، نیک لوگوں کے لیے طہارت یا نہی عن المنکر سے کترانے کی وجہ سے بھی آتا ہے، حدیث شریف میں ہے کہ نیک لوگوں کی بستی پر بھی عذاب آتا ہے، (بخاری: کتاب الفتن، باب إذا أنزل الله بقوم عذاباً) مومن کے لیے طہارت، شہادت و رحمت اور کافر کے لیے عذاب ہے، ہاں حقوق العباد ساقط نہیں ہوتے ہیں، طاعون سے مرنے والا، توکل علی اللہ والا شہید کے برابر ثواب پاتا ہے، عذاب قبر سے محفوظ رہتا ہے، مسلمان کے لیے عبرت کہ گناہوں سے توبہ کرے، موت کو یاد کرے، اور حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرے۔

حضرت عمرؓ کا شام کے ارادے سے نکلنا اور ابوعبیدہؓ وغیرہ صحابہ کا طاعون فی الشام کی خبر دینا، جس سے حضرت عمرؓ مہاجر و انصار صحابہ سے مشورہ کرتے ہیں کہ آیا شام جایا جائے یا سفر کو ملتوی کر دیا جائے، سفر کو ملتوی کر دینے کی رائے آئی، حضرت عمرؓ نے واپسی کا اعلان کیا تو ابوعبیدہؓ نے حضرت عمر سے عرض کیا کہ اے عمرؓ تقدیر الٰہی سے بھاگتے ہو! حضرت عمرؓ کو برا لگا اور فرمایا تقدیر الٰہی سے بھاگتا ہوں تقدیر الٰہی کی طرف، بتاؤ! تمہارے اونٹ وادی کے دو کنارے پہونچے ایک خشک ہو، دوسرا سرسبز ہو دونوں میں چرانا تقدیر سے ہوگا یا نہیں؟ پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف آئے اور انہوں نے حدیث سنائی کہ **فلا تقدموا عليه، و إذا وَقَعَ بأَرْضٍ وَ أَنْتُمْ بها، فلا تَخرُجُوا فِرارًا منه.** یہ سن کر حضرت عمرؓ خوش ہو گئے۔

طاعون امم سابقہ کے لیے عذاب تھا، اس امت کے لیے رحمت و شہادت ہے۔

مکڑی کے زہر سے موت:

حافظ ابن کثیر نے ایک عبرت ناک واقعہ لکھا ہے، کہ پہلی امتوں میں ایک عورت تھی، اس کو جب وضع حمل کا وقت شروع ہوا اور تھوڑی دیر کے بعد بچہ پیدا ہوا، تو اس نے اپنے ملازم کو آگ لینے کے لئے بھیجا، وہ دردازہ سے نکل ہی رہا تھا کہ اچانک ایک آدمی ظاہر ہوا اور اس نے

پوچھا کہ یہ عورت کیا جنی ہے؟ ملازم نے جواب دیا کہ ایک لڑکی ہے، تو اس آدمی نے کہا کہ آپ یاد رکھیئے، یہ لڑکی سو مردوں سے زنا کرے گی، اور آخر ایک مکڑی سے مرے گی، ملازم یہ سنکر واپس ہوا، اور فوراً ایک چھری لے کر اس لڑکی کا پیٹ چاک کر دیا، اور سوچا کہ اب یہ مرگئی ہے تو بھاگ گیا، مگر پیچھے لڑکی کی ماں نے ٹانکے لگا کر اس کا پیٹ جوڑ دیا، یہاں تک کہ وہ لڑکی جوان ہوگئی، اور خوب صورت اتنی تھی کہ اس شہر میں وہ بے مثال تھی، اور اس ملازم نے بھاگ کر سمندر کی راہ لی، اور کافی عرصہ تک مال و دولت کماتا رہا، اور پھر شادی کرنے کے لئے واپس شہر آیا، اور یہاں اس کو ایک بڑھیا ملی، تو اس سے ذکر کیا کہ میں ایسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں جس سے زیادہ خوب صورت اس شہر میں اور کوئی نہ ہو، اس عورت نے کہا کہ فلاں لڑکی سے زیادہ کوئی خوب صورت نہیں ہے، آپ اسی سے شادی کرلیں، آخر کار کوشش کی اور اس سے شادی کر لی، تو اس لڑکی نے مرد سے دریافت کیا کہ تم کون ہو؟ اور کہاں رہتے ہو؟ اس نے کہا کہ میں اسی شہر کا رہنے والا ہوں، لیکن ایک لڑکی کا میں پیٹ چاک کر کے بھاگ گیا تھا، پھر اس نے پورا واقعہ سنایا، یہ سنکر وہ بولی کہ وہ لڑکی میں ہی ہوں، یہ کہہ کر اس نے اپنا پیٹ دکھایا جس پر نشان موجود تھا، یہ دیکھ کر اس مرد نے کہا کہ اگر تو وہی عورت ہے تو تیرے متعلق دو باتیں بتلاتا ہوں، ایک یہ کہ تو سو مردوں سے زنا کرے گی، اس پر عورت نے اقرار کیا کہ ہاں مجھ سے ایسا ہوا ہے، لیکن تعداد یاد نہیں، مرد نے کہا تعداد سو ہے، دوسری بات یہ کہ تو مکڑی سے مرے گی۔

مرد نے اس کے لئے ایک عالی شان محل تیار کرایا جس میں مکڑی کے جالے کا نام تک نہ تھا، ایک دن اسی میں لیٹے ہوئے تھے کہ دیوار پر ایک مکڑی نظر آئی، عورت بولی کیا مکڑی یہی ہے جس سے تو مجھے ڈراتا ہے؟ مرد نے کہا ہاں! اس پر وہ فوراً اٹھی، اور کہا کہ اس کو تو میں فوراً مار دوں گی، یہ کہہ کر اس کو نیچے گرایا اور پاؤں سے مسل کر ہلاک کر دیا۔

مکڑی تو ہلاک ہوگئی لیکن اس کی زہر کی چھینٹیں اس کے پاؤں اور ناخنوں پر پڑ گئیں جو اس کی موت کا پیغام بن گئیں۔ (ابن کثیر)

یہ عورت صاف ستھرے شاندار محل میں اچانک ایک مکڑی کے ذریعہ ہلاک ہوگئی، اس کے بالمقابل کتنے ایسے آدمی ہیں کہ عمر بھر جنگوں اور معرکوں میں گزار دی وہاں موت نہ آئی۔

زندگی اور موت کا نظام قادر مطلق نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے:

حضرت خالد بن ولید جو اسلام کے سپاہی اور جرنیل معروف ومشہور ہیں، اور سیف اللہ ان کا لقب ہے پوری عمر شہادت کی تمنا میں جہاد میں مصروف رہے اور ہزاروں کافروں کو تہہ تیغ کیا، ہر خطرے کی وادی کو بے خوف وخطر عبور کیا، اور ہمیشہ یہی دعا کرتے تھے کہ میری موت عورتوں کی طرح چار پائی پر نہ ہو، بلکہ ایک نڈر سپاہی کی طرح میدان جہاد میں ہو، لیکن آخر کار ان کی موت بستر پر ہی ہوئی، اس سے معلوم ہوا کہ زندگی اور موت کا نظام قادر مطلق نے اپنے ہی ہاتھ میں رکھا ہے، جب وہ چاہے تو آرام کے بستر پر ایک مکڑی کے ذریعہ ماردے اور بچانا چاہے تو تلواروں کی چھاؤں میں بچائے۔

اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں میں سے وقت سب سے قیمتی نعمت ہے، انسانی زندگی کا تصور اس کے بغیر نہیں ہوسکتا، اس کے ختم ہونے کا نام موت ہے، روزانہ صبح کو یہ نعمت بغیر کسی جدوجہد کے ملتی ہے، زندگی بھر ملتی رہتی ہے، اس کی تیز رفتاری کا اندازہ گھڑی کی سیکنڈ کی سوئی سے لگا سکتے ہیں کہ سیکنڈ کی ہمارے نزدیک کوئی قیمت نہیں، لیکن ایک سیکنڈ میں روشنی ۱ لاکھ ۸۶ ہزار مل کا فاصلہ طے کرتی ہے، رات دن کی آمد ورفت زمین کی گردش، سورج چاند، ستارے کی گردش اسی وقت کی کرشمہ سازی کا نمونہ ہے، وقت کی یہ سپلائی اگر لمحہ کے لیے بھی بند ہوجائے تو کائنات کا ایک ایک ذرہ اپنا وجود کھودیگا، اللہ تعالیٰ کی سب سے پہلی قیمتی حیرت انگریز تخلیق ہے اسی لیے کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی حمد ثنا کرتا ہے، فَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ حِيۡنَ تُمۡسُوۡنَ وَحِيۡنَ تُصۡبِحُوۡنَ﴿۱۷﴾ (روم: ۱۷) وقت ایسی دولت ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ نہ کوئی چھین سکتا ہے نہ چرا سکتا ہے، سب کے لیے یکساں ہے،

یک لحظہ غافل بودم   صد سالہ راہم دور شدم

ہر نعمت اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہے، مگر ان کے لیے کچھ محنت کوشش کرنی پڑتی ہے، اس کی

ناقدری، بربادی، غلط استعمال کے نتائج بھی بڑے ہولناک ہوتے ہیں، اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ (فاطر:۳۷) وقت کی بڑی اہمیت کے پیش نظر اسلام کے سارے احکام کو وقت کا پابند بنایا گیا، اس کو وقت مقررہ پر ادا نہ کرے تو عنداللہ اس کی کوئی اہمیت نہیں، اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۝۱۰۳ (نساء:۱۰۳)۔ نماز، روزہ، حج دوسرے اوقات میں ادا کرنا چاہے تو وہ مقبول نہیں ہوتا، قرآن کریم نے ان قوموں کو بار بار تنبیہ کی ہے جن کو لمبی عمریں دی گئی، حق کو نہیں پہچانا، باطل میں پڑے رہے گویا انہوں نے وقت کو ضائع کیا۔

حدیث میں ہے کہ اگر قیامت تمہارے سر پر کھڑی ہو اور تمہارے ہاتھ میں کوئی پودا ہو تو تم اسے جلدی سے زمین میں لگانے کی کوشش کرو، (مسند أحمد: ۲۵۲/۲۰، رقم: ۱۲۹۰۲) یعنی جو وقت میسر ہے اس کو کام میں لگاؤ۔

وقت کی اہمیت:

صحابہ کرام نے فیض صحبت سے وقت کی اہمیت کو خوب سمجھا تھا، وہ جب ایک دوسرے سے جدا ہوتے تو پہلے والعصر سناتے تھے، جس میں زمانہ کے غلط استعمال پر تنبیہ کی گئی۔ امام رازیؒ نے بزرگ کا قصہ لکھا جنہوں نے برف بیچنے والے کو دیکھا وہ آواز لگاتا تھا رحم کرو اس شخص پر جس کا سرمایہ گھلا جارہا ہے، اس کی بات سن کر انہوں نے کہا کہ والعصر کی تفسیر سمجھ میں آئی۔

حضرت عمر کسی کو بیکار بیٹھنے سے روکتے تھے درہ لگا کر بھگاتے کہ میں تم میں سے کسی کو بیکار دیکھنا پسند نہیں کرتا نہ دنیا کے کام میں لگو نہ آخرت کے کام میں یہ اچھی چیز نہیں۔ وقت کی قدردانی تھی کہ امام طبری، نووی، رازی، غزالی، ابن تیمیہ، ابن حجر، علامہ سیوطی، ابن کثیر دن میں ۲۵، ۳۰ صفحے پڑھتے لکھتے۔

علّامہ شبلی نعمانیؒ کا ایک سفر کا واقعہ:

علّامہ شبلی نعمانی نے ایک سفرنامے میں اپنے ایک انگریز معاصر پروفیسر سَر تھامس واکر آرنلڈ سے متعلق ایک دل چسپ واقعہ رقم کیا ہے۔ یہ بات ہے مئی ۱۸۵۲ء کی جب وہ عدن

کے سفر کے دوران سمندری جہاز میں سوار تھے۔وہ لکھتے ہیں۔عدن سے چونکہ دل چسپی کے نئے سامان پیدا ہو گئے تھے،اس لیے ہم بڑے لطف سے سفر کر رہے تھے،لیکن دوسرے ہی دن ایک پُرخطر واقعہ پیش آ گیا جس نے تھوڑی دیر تک مجھ کو پریشان رکھا۔۱۰ امئی کی صبح کو میں سونے سے اٹھا تو ایک ہم سفر نے کہا کہ جہاز کا انجن ٹوٹ گیا ہے، میں نے دیکھا تو واقعی کپتان اور جہاز کے ملازم گھبرائے پھرتے تھے اور اس کی درستی کی تدبیریں کر رہے تھے، انجن بالکل بیکار ہو گیا تھا اور جہاز آہستہ آہستہ ہوا کے سہارے چل رہا تھا، میں سخت گھبرایا اور نہایت ناگوار خیالات دل میں آنے لگے۔

اس اضطراب میں اور کیا کر سکتا تھا، دوڑا ہوا مسٹر آرنلڈ کے پاس گیا، وہ اس وقت نہایت اطمینان کے ساتھ کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے، میں نے ان سے کہا کہ کچھ خبر بھی ہے؟ بولے ہاں، انجن ٹوٹ گیا ہے، میں نے کہا کہ آپ کو کچھ اضطراب نہیں؟ بھلا یہ کتاب دیکھنے کا کیا موقع ہے؟ فرمایا کہ اگر جہاز کو برباد ہی ہونا ہے، تو یہ تھوڑا سا وقت اور بھی قدر کے قابل ہے اور ایسے قابلِ قدر وقت کو رائیگاں کرنا بالکل بے عقلی ہے۔ان کے استقلال اور جرأت سے مجھ کو بھی اطمینان ہوا۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ مغربی قوموں نے ہمارے علم وفن سے فائدہ اٹھایا ہے اور انہوں نے وقت کی قدر دانی کو جزءِ زندگی بنایا۔

آخرت کے نقطۂ نظر سے دنیوی زندگی کی قیمتی گھڑیوں پر نظر ڈالے تو معلوم ہوگا کہ یہاں کا ایک ایک لمحہ آخرت کے نہ جانے کتنے سالوں کے برابر ہوگا، یہاں کا ایک دن وہاں کے ۵۰۰۰۰ ہزار سال کے برابر ہے۔(مسلم شریف : کتاب الزکاۃ، باب إثم مانع الزکاۃ) یا تو اس کو عبادت خداوندی میں لگائیں، یا خدمت خلق میں۔امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اگر لوگ صرف اسی سورت (عصر) میں تدبر کر لیتے تو یہی ان کے لیے کافی تھا، حق تعالیٰ نے ہر انسان کو زندگی کا سرمایہ لے کر تجارت میں لگایا ہے کہ عقل وشعور سے کام لے کر نفع بخش کام میں لگائے تو منافع کی کوئی حد نہیں اور اگر نقصان دہ کاموں میں لگایا تو نفع کی کیا امید رأس المال بھی ضائع ہوگا

بلکہ جرائم کی سزا بھی عائد ہوگی۔

حدیث میں ہے :**كل الناس يغدو فبائع نفسه فمعتقها أو موبقها.** (مسلم شریف: كتاب الطهارة، باب فضل الوضوء) ایمان وعمل صالح انسان کی تجارت ہے۔

قیامت کے دن ایک سوال عمر کا بھی ہوگا، **فيم افناه،** (ترمذی: أبو اب صفة الجنة، باب في القيامة) ورنہ جہنم۔

صبح کی دعا **اللّٰهم انی اسئلك خير هذا اليوم وخير مابعده واعوذبك من شر هذااليوم وشر مابعده.** (حلية الأولياء: ۵ر۲۷)

عبداللہ ابن مبارک دن رات کھیل کود میں مست رہتے، ہر کام میں لا پرواہی برتتے، ہر وقت برائیوں میں پھنسے رہتے، گانا بجانا اور عیش اڑانا ہی ان کا دن رات کا مشغلہ تھا، اور جوانی میں تو یار دوستوں کے ساتھ پینا پیلانا بھی شروع ہوگیا۔ رات بھر دوستوں کی محفلیں جمی رہتیں، ستار بجتے، گانا ہوتا اور شراب کا دور چلتا۔

اللہ کی رحمت نے عبداللہ ابن مبارک کا ہاتھ پکڑا، ایک رات عبداللہ کے سارے دوست جمع تھے گانے بجانے کی محفل خوب گرم تھی۔ شراب کے دور پر دور چل رہے تھے اور ہر ایک نشے میں مست تھا۔ اتفاق سے حضرت عبداللہ کی آنکھ لگ گئی۔ جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ وہ ساز گود میں ہے اب دوبارہ بجانا شروع کیا تو وہ بج نہیں رہا دوبارہ مرمت کی اور بجانے کی کوشش کی لیکن نہیں بجا، پھر دوبارہ تار وغیرہ درست کیے اور بجانے کی کوشش کی تو اب اس میں سے موسیقی آواز کے بجائے قرآن کی ایک آیت کی آواز آرہی تھی اَلَمۡ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُہُمۡ لِذِکۡرِ اللّٰہِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الۡحَقِّ ۙ (حدید:۱۷)

ایک روایت میں ہے کہ ان کے قریب درخت کی ایک ٹہنی پر ایک پیاری سی چڑیا بیٹھی ہوئی ہے۔ اور اپنی سریلی میٹھی آواز میں قرآن شریف کی یہ آیت پڑھ رہی ہے) اَلَمۡ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُہُمۡ لِذِکۡرِ اللّٰہِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الۡحَقِّ ۙ (حدید:۱۷)

ملک الموت سے شکایت:

ملک الموت سے ایک آدمی نے شکایت کی کہ دنیا کا معاملہ تو یہ ہے کہ پہلے نوٹس بھیج کر بتایا جاتا ہے کہ آپ کے خلاف یہ مقدمہ قائم ہوا ہے تم اس کے لئے تیار رہنا، اور ایک آپ ہیں کہ بغیر نوٹس کے چلے آتے ہیں، اور روح قبض کر لیتے ہیں، تو فرشتے نے جواب دیا کہ میں تو اتنے نوٹس بھیجتا ہوں کہ دنیا میں کوئی اتنے نہیں بھیجتا، لیکن میں کیا کروں، تم میرے نوٹس پر نوٹس نہیں لیتے، اس کی پرواہ نہیں کرتے، بخار، بیماری، بال سفید ہونا، تمہارے پوتے وغیرہ وغیرہ یہ نوٹس ہی تو ہے مگر تم اس کی پرواہ ہی نہیں کرتے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا دو رکعت پڑھنا:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سفر پر تھے، راستے میں ایک قبر کو دیکھا تو وہاں پر سواری سے اتر کر دو رکعت نفل پڑھی، اور روانہ ہو گئے، کسی نے پوچھا حضرت کیا بات ہے؟ تو جواب دیا کہ جب یہاں سے میں گزرا تو میرے دل میں خیال آیا کہ جو لوگ قبروں میں پہنچ گئے ہیں ان کے عمل کا سلسلہ تو کٹ چکا ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ لوگ قبروں کے اندر اس بات کی حسرت کرتے ہیں کہ کاش کہ ہمیں اتنا موقع مل جائے کہ ہم دو رکعت پڑھ لیں، لیکن اس حسرت کے باوجود نفل پڑھنے کا موقع نہیں ہوتا تو مجھے خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تو یہ موقع دے رکھا ہے اس لئے چلو میں جلدی سے دو رکعت نفل پڑھ لوں۔

حافظ ابن حجرؒ کتاب لکھتے لکھتے جب قلم کا قط خراب ہو جاتا تو اس کو چاقو سے درست کرتے وقت بھی تیسرا کلمہ پڑھتے تھے تاکہ اتنا سا وقت بھی ضائع نہ ہو جائے۔

کسی کام کو کل پر ٹالو مت، ورنہ ٹلتا ہی جائے گا اور وہ کام پھر ہو گا نہیں۔

ڈاکٹر عبدالحیؒ فرمایا کرتے تھے عبادت کے وقت سستی ہو رہی ہے تو نفس کی ذرا تربیت کیا کرو اور نفس سے کہو کہ اگر بادشاہ وقت کسی بات کے لیے اپنے پاس بغیر تاخیر کے بلاتا تو کیا سستی کرتے؟ نہیں کرتے بلکہ بھاگتے کہ مجھے بادشاہ نے بلایا ہے۔

حالاں کہ دیکھا جائے تو بادشاہ تو عاجز ہے اور وہ بلا رہا ہے اور تم بھاگ کھڑے ہوتے ہو تو اللہ رب العزت تو احکم الحاکمین ہے، جس کے قبضہ وقدرت میں پوری کائنات ہے اور تم اس کے دربار میں حاضری سے سستی کررہے ہو؟ اس تصور سے ان شاء اللہ اہمیت پیدا ہوگی اور وہ وقت جو بیکار جارہا تھا وہ کام میں لگ جائے گا۔

زبان کی حفاظت کا طریقہ:

ایک مرتبہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب میاں اصغر حسین صاحبؒ کے پاس گئے تو حضرت نے فرمایا کہ مولوی شفیع آج ہم آپس میں عربی میں بات کریں گے؟ مفتی محمد شفیع صاحب حیران ہوگئے کہ آج تک تو کبھی ایسا ہوا نہیں، اور آج کیا ہوگیا تو پوچھ لیا کہ کیا وجہ ہوئی بتایئے؟ تو فرمایا کہ ہم آپس میں بیٹھتے ہیں تو بعض اوقات فضول، ادھر ادھر کی باتیں ہوجاتی ہیں، اور زبان قابو میں نہیں رہتی، رہی عربی کی بات تو وہ بے تکلف بولی نہیں جاتی تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ صرف ضرورت کی ہی بات ہوگی۔

وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ﴿۴﴾ (بقرہ: ۴) متقین کی صفت ثانیہ ہے، آخرت سے مراد دارآخرت ہے، جس کو قرآن نے دارالقرار، دارالحیوان، اور عقبیٰ کے نام سے ذکر کیا، اور پورا قرآن اس کی ہولناکی سے بھرا پڑا ہے، اجزاء ایمان میں عقیدۂ آخرت اس حیثیت سے سب سے اہم ہے، مقتضائے ایمان پر عمل کا جذبہ اسی کے اثر سے پیدا ہوتا ہے، اسلامی عقائد میں یہی وہ عقیدہ ہے جس نے دنیا کی کایا پلٹ دی اور مسلمانوں کو اولاً اعمال واخلاق ثانیۃً دنیا کی سیاست میں اقوام عالم کے مقابلے میں امتیازی مقام عطا کیا۔

جن لوگوں کے سامنے دنیوی زندگی، عیش وعشرت انتہائی مقصد ہے اسی کی تکلیف کو تکلیف اور راحت کو راحت سمجھے، موت، اعمال کا حساب جزاء سزاء کو نہ مانے وہ جھوٹ و سچ، اور حلال وحرام کی پروا نہیں کرتے، حکومت کے قوانین کسی کو ارتکاب سے نہیں روک سکتے شریف انسان کبھی جلوت چھوڑ کر خلوت میں گناہ کرلیتا ہے جبکہ عقیدۂ آخرت جلوت وخلوت

میں یکساں اثر کرتا ہے۔ مکان کے بند دروازہ اور رات کی تاریکی میں کبھی اس کو گناہ سے باز رکھتا ہے، اسی عقیدہ سے اول دور میں پاکباز معاشرہ وجود میں آیا کہ ان کی صورت، چال چلن سے لوگ مسلمان ہو گئے۔

یو قنون سے صرف تصدیق مراد نہیں بلکہ یقین کہ آخرت میں سزا جزاء ضروری ہے، اسی کے نتیجے میں ہدایت اور کامیابی کا انعام دیا گیا ہے، أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝٥ (بقرہ:۵)

اخروی نتیجہ کو سامنے رکھیں:

دنیوی زندگی کے بعد دوسری زندگی دائمی آنے والی ہے، جہاں ہر ایک کو برائی بھلائی کا بدلہ ملے گا، وہ دائمی ہے لہٰذا اس کی زیادہ فکر کرنی چاہئے، آخرت کی فکر تمام فکروں پر غالب ہوں، ہر عمل اور اقدام میں آدمی خیال رکھے کہ اس کا انجام آخرت میں کیا ہوگا؟ اگر کوئی منفعت یا عزت (دنیا میں) آخرت میں عذاب کی شکل لانے والی ہو تو اکثر ایمان والا اس کے حصول کی کوشش نہیں کرے گا، اپنے کو اس سے دور رکھے گا۔ دنیوی منفعت اور عزت کے لیے کسی سے لڑائی جھگڑا نہیں کرے گا، اخروی نتیجہ کو دنیوی سے مقدم کرے گا۔

موت کا خطرہ سب کے لیے یکساں:

دنیا میں موت ہی ایک ایسا خطرہ اور اندیشہ ہے جو سب کے لیے یکساں ہے، موت ایسی تلخ حقیقت ہے، جو ہر ایک کو تسلیم کرنی پڑتی ہے، دنیا کے ہر اندیشہ سے آدمی بچنے کی فکر کرتا ہے، آمدنی والا آمدنی بڑھانے کی، مریض علاج کی، کمزور طاقت کی، موت سے بھی بچنے کی لوگوں نے کوشش کی ہے، لیکن کامیاب نہ ہو سکے، امریکہ کے ایک آدمی نے موت کا سبب بڑھاپا سمجھا، بڑھاپے کا اصل سبب معلوم کیا کہ ہماری شریانوں اور وریدوں میں فاسد مادہ جمع ہونے لگتا ہے جس کو کولسٹرول کہتے ہیں اس کی وجہ سے خون کی نالیوں کی قدرتی لچک ختم ہو کر سختی پیدا ہو جاتی ہے، نتیجہ پر پہونچا کہ اگر جسم کے اعضاء پر تناؤ اور ڈھیل کا عمل شروع کر کے شریانوں

اوروریدوں میں جمع شدہ مادہ کونکال دیا جاوے تو دوبارہ شباب کی واپسی ممکن ہے، اس مقصد کے لیے اس نے ورزش شروع کی، ۲۵ سال تک قبل از وقت بڑھاپے کو جوانی کی طرف لوٹانے کی کوشش کرتا رہا، اس کے شاندار نتائج اپنی کتاب (بڑھاپا اور اس کا سد باب) میں لکھے، لیکن ۷۵ سال کی عمر میں اس نے وفات پائی، اسی طرح بہت سے لوگوں نے موت سے بچنے کے لیے بلند محلات، پہاڑ، ڈاکٹروں کی فوج، بہترین غذائیں وغیرہ استعمال کی، لیکن موت سے کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوئی، موت کے بعد کی زندگی یقینی ہے، احادیث وواقعات اس پر شاہد ہے۔

حضرت صعب بن جثامہ کا واقعہ:

حضرت صعب بن جثامہ اور عوف بن مالک کے درمیان دینی تعلق سے گہری دوستی تھی انہوں نے آپس میں طے کیا تھا ہم ایک دوسرے کو اپنے احوال سے آگاہ رکھے گا، حضرت صعب کا انتقال ہو گیا، حضرت عوف بن مالک نے خواب میں صعب کو دیکھا پوچھا کیا گذری؟ جواب دیا کہ میری بہت سی خطائیں بخش دی گئیں، لیکن حضرت عوف بن مالک نے ان کی گردن پر ایک سیاہ نشان دیکھا تو پوچھا یہ کیا ہے؟ فرمایا کہ فلاں یہودی سے دس دینار قرض لیے تھے جو دینے کے باقی ہیں وہ فلاں ترکش میں میں نے رکھے ہیں تم وہ دینار اس یہودی کو پہنچا دینا یہ نشان اسی قرض کی وجہ سے ہے، عوف بن مالک مذکور جگہ پر پہونچے تو وہ دینار وہاں پائے اور انہوں نے مذکور یہودی کو بلا کر اس کے دینار واپس کیئے تو یہودی دینار دیکھ کر کہنے لگا یہ وہی دینار ہے جو مجھ سے لیے تھے۔ (کتاب الروح)

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کا واقعہ:

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ایک شخص نے انہیں خواب میں دیکھا کہ وہ اس سے کہہ رہے ہیں کہ جب کل مجھے قتل کر دیا گیا تو ایک شخص میری نعش کے قریب سے گزرا، میرے سینہ پر ایک نفیس زرہ تھی، وہ اس نے اتار لی ہے، اس شخص کا مکان لشکر کے بالکل آخری سرے پر فلاں جگہ واقع ہے اور اس کے سامنے ایک لمبا تڑنگا گھوڑا بندھا ہوا ہے۔ اس شخص

نے میری زرہ پر ایک ہانڈی اوندھی کر دی ہے اور اس ہانڈی پر اونٹ کا کجاوہ ڈال دیا ہے، تم خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ وہ میری زرہ اس شخص سے واپس لے لیں، پھر جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ (یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) کے پاس پہنچو تو ان سے کہہ دینا کہ: میرے ذمہ اتنا قرض ہے اور میں نے اتنا اتنا مال اپنے پیچھے چھوڑا ہے، اور میرے فلاں فلاں غلام آزاد ہیں، حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے خواب ہی میں اس شخص سے یہ بھی فرمایا کہ: تم میری ان باتوں کو خواب کی باتیں سمجھ کر نہ ٹال دینا، بلکہ ان پر عمل کرنا، وہ شخص حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور انہیں خواب سنایا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے آدمی بھیج کر زرہ کے واقعہ کی تحقیق فرمائی تو زرہ اسی پتے کے مطابق مل گئی، اس کے بعد وہ شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور انہیں بھی یہ پورا قصہ سنایا تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان کی وصیت پر عمل کا اہتمام فرمایا۔

فلاح کے اصول:

ہم سب کا عقیدہ ہے کہ دنیا کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا، اس کائنات میں انسان کو جو ملا وہ دوسری مخلوقات کو نہیں دی، دنیا کی رنگینیاں ایجادات وغیرہ انسان ہی کی ترقی پسندی کا نتیجہ ہے، اس قابلیت وصلاحیت کے ذیعہ وہ بھلائی و برائی دونوں میں ترقی کر سکتا ہے، اس کی وجہ سے فرشتوں سے بڑھ سکتا ہے، بصورت دیگر وہ سانپ، بچھو سے بھی پیچھے رہ جاتا ہے، نبوت و رسالت کا سلسلہ اسی لئے جاری کیا کہ بھلائی میں صرف ہو، انبیاء کرام کی تعلیمات سے سمجھا اور جانا کہ انسانی زندگی کی فلاح کے بنیادی اصول جن سے زندگی کی تنظیم وتشکیل ہوگی، اسی کا انہوں نے حکم کیا، (۱) انسان اس پر یقین کرے اور دل سے مانے کہ میرا اور ساری دنیا کا خالق و مالک اللہ رب العزت ہے، جو بلا شرکت غیر کارخانۂ عالم کو چلا رہا ہے، قبضہ اور قدرت اسی کا ہے، جسے چاہے دے اور لے، موت وحیات، مرض وصحت، فراوانی وتنگی میں اسی عقیدہ کا لحاظ کرے، سوچنا اور عمل کرنا اسی بنیاد پر ہو، (۲) مرنے کے بعد اچھے برے عمل کا حساب دینا

ہے، اس کی سزا جزا ملے گی، اچھے اعمال پر لذت ومسرت والی زندگی اور برے واعمال، نافرمانی، بندوں کی حق تلفی پر ذلت ومصیبت والی زندگی ہوگی۔

صحابۂ کرام کا خوف آخرت:

صحابۂ کرام کا خوف آخرت ہمارے لیے نمونہ ہے، حضرت ماعزؓ وغامدیہؓ کا گناہ کی سزا جانتے ہوئے بھی اپنے گناہ کا اقرار کرنا اور سزا نافذ کروانا، (مسلم شریف: کتاب الحدود، باب من اعترف علی نفسہ بالزنی) یہ آخرت کی فکر ہی تو ہے، مدائن سے کسریٰ کے تاج کو صحیح سالم اپنے امیر کے پاس بغیر خیانت کے پہونچایا حالانکہ وہ تاج سونے جواہرات سے بھرا ہوا تھا۔اسی طرح حضرت ربعی ابن عامر کا رستم سے بے خوف ہونا، (البدایة والنهایة:غزوة القادسية) خوف خداوندی کے پیش نظر تھا،اسی طرح حضرت عمرو بن جموحؓ باوجود لنگڑے تھے، ان کو میدان جہاد میں جانے سے منع بھی کیا گیا کہ وہ معذور ہیں؛ لیکن بضد ہوئے کہ نہیں مجھے میدان جہاد میں شہید ہونا ہے،شوق شہادت ان کو میدان تک کھینچ لایا اور اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ اس میں شہید ہوگئے۔(اسد الغابة: ۴/۲۲۱)

کسی دن کے اخبار کے ایک صفحہ کی خبریں پڑھیں، چوری، شوہر نے بیوی کو قتل کیا، چاقو زنی، عشق، عصمت فروشی، چرس، اسمگلنگ، روزانہ خبریں سن کر نگاہ عادی ہوچکی، خبریں پڑھ کر گذر جاتے ہیں، آخر روزافزوں اضافے کی کیا وجہ؟ دانشوروں نے فقر وافلاس، نظم وضبط کا فقدان، ناخواندگی، جتنے منہ اتنی باتیں ذکر کی، تمام اسباب جزوی ہیں اصلی نہیں، مغربی دنیا کے سالانہ جرائم پر نظر دورائیں تو دیکھے امریکہ کی ۱۹۷۲ کی رپورٹ میں ہے ہر ۳۰ منٹ میں ایک قتل، ۱۳ منت میں زنا بالجبر، ۸۱ سیکنڈ میں ڈاکہ پڑتا ہے، ۱۹۷۱ کے مقابلے جرائم میں ۷ فیصد اضافہ ہوا، یہ ہے امریکہ جہاں مذکورہ تمام چیزیں نہیں ہے، معیار تعلیم دنیا بھر میں مثالی، پولس چوکس، سیاسی استحکام، نظم وضبط مکمل پھر بھی مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی، تہذیب وتمدن میں دنیا کی امامت کا بیڑا اٹھانے والے، انسان نے چاند پر کمند ڈالدی ہے

،معلوم ہوا جرائم کا اصل سبب کچھ اور ہے،اصل سبب وہ بیمار ذہنیت ہے جس نے افق تک پھیلی ہوئی دنیا کو سب کچھ سمجھا ہے، مادی دنیا کے اس بار جھانکنے کی صلاحیت سے محروم رکھا۔

زندگی میں گناہ کا بیج کب پڑتا ہے؟

انسانی زندگی میں جرم کا بیج اس وقت پڑتا ہے جب وہ یہ سمجھے کہ نفع وضرر کی ساری کائنات دنیوی زندگی ہے،لذت وراحت ، رنج وغم ،تکلیف کی انتہا قبر کے کنارے ہوگی، لہٰذا یہاں لذت دولت ،شہرت ،آسائش حاصل نہ کی تو محرومی ہوگی ،محرومی کا یہ خوف جرائم کی بنیاد ہے، اس خوف کے پیدا ہونے کی وجہ آخرت سے ناآشنائی ،ابدی زندگی کا عدم یقین ،یہ وہ خیالات ہے جو انسانی نفوس کو نہ مٹنے والی بھوک ،اور نہ بجھنے والی پیاس میں بدل دیتا ہے، پھر انسان کو لذت وراحت کی کسی منزل پر قرار نہیں آتا، دنیا طلبی کے جنون میں صرف اپنی ہوس کی تسکین نظر آتی ہے، لہٰذا جب تک یہ ذہنیت ختم نہ ہو قانون ، پولیس کچھ بگار نہیں سکتی، اگر کوئی مؤثر طریقہ ہے تو وہ خوف خداوندی اور آخرت کی فکر پیدا کرنا ہے،اس کے قلب وذہن میں قبر کا یقین کرایا جاوے، آخرت کی زندگی میں حساب کتاب ہوگا، اگر یہ حقیقت دل ودماغ پر چھا جائے ،تو انسان کے اعمال وافکاررات کی تاریکی اور جنگل کی تنہائی میں بھی گناہوں سے بچا سکتی ہے، کسی قانون کے آگے جب تک خوف خدا، فکر آخرت نہ ہوں تقویٰ کی تاکید نہ ہو، وہ کامیاب نہیں ہوسکتا، جب رسول عربی دنیا میں مبعوث ہوئے تو جزیرۃ العرب بدامنی کا گہوارہ تھا، قتل وغارت گیری کا بازار گرم تھا، لوٹ مار کو بہادری سمجھا جاتا تھا، اپنے جگر کے ٹکڑوں کو زندہ درگور کرکے اترانے والے، دشمنوں سے کیا سلوک کرتے ہونگے۔ بے چینی وبدامنی کے اسی ماحول میں سرکار دوعالم نے یہ خبر دی تھی کہ ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ ایک عورت تن تنہا مکہ مکرمہ سے حیرہ تک سفر کرے گی اور اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا، (بخاری: کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام) دنیا نے دیکھ لیا کہ نفرتوں اور عداوتوں ،جان ومال اور بے امنی والے جزیرۃ العرب میں محبت والفت ،امن وسکون کے پھول کھلنے لگے، یہ

انقلاب پولس، عدالت، سرکاری محکموں کے بل پر آیا؟ یہ کچھ نہیں تھا؟ صرف خوف خداوندی وفکر آخرت، جنت وجہنم ان کے سامنے کر دیا تھا، لہٰذا وہ او لاً جرم کی طرف بڑھتے ہی نہ تھے اور اتفاق ہوتا تو آخرت کا خیال مکمل تلافی کے بغیر چین نہ دیتا، حضرت غامدیہؓ اور ماعزؓ کا مقدمہ پیش آتا ہے، گناہ کی سزا جاننے کے باوجود اصرار سزا ہوتی ہے، آپ نے حمل کی وجہ سے بچہ کی ولادت، رضاعت کی مہلت دی، غامدیہ چلی جاتی ہے کوئی ضامن پولس نہیں، پھر آتی ہے بچہ لے کر، آج بھی گناہوں کی روک وتھام کا راستہ صرف خوف خداوندی اور فکر آخرت ہے۔

(مسلم شریف: کتاب الحدود، باب من اعترف علی نفسہ بالزنی)

دنیا کے جاہ وجلال، عیش عشرت، عزت کے باوجود بڑے بڑے سلاطین کے آخری لمحات پر غور کریں، بنوامیہ کا خلیفہ عبدالملک بن مروان موت سے پہلے کہہ رہا ہے جب سے میں پیدا ہوا مجھے یہ آرزو رہی کہ اپنے آپ کو مسرور کروں، لیکن مجھے کبھی سچی مسرت حاصل نہ ہوئی، میں نے حکومت کا بوجھ اس لیے اپنے سر لیا کہ بادشاہت انسانی ترقی کی معراج ہے لیکن مجھے دھوکہ ہوا، جو راستہ اپنے لیے منتخب کیا وہ سراسر غلط تھا۔

سکندر کے متعلق ہے کہ وہ کہتا ہے: میں دنیا کو فتح کرنا چاہتا تھا لیکن موت نے عین جوانی کے عالم میں مجھے فتح کرلیا، میں سوچ رہا ہوں کہ آج کے دن کے لیے میں نے کتنے انسانوں کا خون بہایا کتنوں پر ظلم ستم کیا آج میں کیا لے جارہاں ہوں۔

مگر مجھ سے زیادہ مایوس انسان دنیا میں کوئی نہیں:

نپولین کہتا ہے، مایوسی میرے یہاں گناہ تھی، مگر مجھ سے زیادہ مایوس انسان دنیا میں کوئی نہیں، میں دنیا میں دو چیزوں کا بھوکا تھا حکومت، محبت، حکومت بڑی جد و جہد سے ملی؛ لیکن ساتھ نہ دے سکی، محبت کو میں نے بہت تلاش کیا مگر اسے حاصل نہ کرسکا جن سے میں نے محبت کی انہوں نے دغا دیا، شاید محبت کا جواب دغابازی ہی ہوتا ہے، اگر کسی انسان کی زندگی کا مقصد یہی رہا جو میرا تھا تو وہ بے معنی زندگی ہے، میرے نزدیک دنیا مایوسی ہے۔اس کے مقابلہ

میں اللہ تعالیٰ کے نیک بندے خوش وخرم دنیا سے گئے۔

عقیدۂ آخرت سے دیانت داری آتی ہے، اعمال کا حساب اور حاضری کا یقین ہوتا ہے یہ ممکن نہیں کہ ایک آدمی سزا جزا کا یقین رکھتا ہو وہ دیانتدار نہ ہو۔

انسان یہاں کی مخلوق نہیں ہے:

دنیا ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں ہے اور حضرت انسان تو ویسے بھی اوپر سے نیچے حضرت آدم علیہ السلام تشریف لائے، اس لئے ایک سائنسدان کہتا ہے کہ تمام مخلوقات میں انسان سب سے کمزور ہے اور اس کی کیفیتیں بھی سب سے الگ ہے، اس کو سردی اور گرمی سے بچنے کے لئے مکان چاہیے اور ہزاروں قسم کی تکلیفیں، آنکھ کی تکلیف سے بچنے کے لئے چشمہ چاہیے، وہ یہ کہتے ہیں کہ ایسا لگ رہا ہے کہ انسان کے علاوہ یہ ساری جو مخلوق ہے؛ ان سب کے لیے یہاں کی آب و ہوا، اس دنیا کی سردی گرمی سب ان کے لئے موافق ہے؛ لیکن انسان کے لئے موافق نہیں! اس لئے کہ انسان یہاں کی مخلوق نہیں ہے يَاأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾ (فجر:۲۷، ۲۸) آیا تھا وہاں سے اور جانا بھی وہاں ہے، دوسری مخلوق کو بھی جانا ہے؛ لیکن انسان کو جو اللہ تعالیٰ نے مختلف سوچ وفکر والا بنایا، انسان سب سے زیادہ حساس، سوچنے اور فکر کی طاقت اس کو دی گئی ہے، بولنے کی طاقت اللہ پاک نے انسان کو دی، باقی مخلوق کچھ کچھ بول لیتی ہے، مافی الضمیر یعنی دل کی بات زبان سے وہ ادا نہیں کر سکتی، حضرت انسان ہے کہ جس کو اللہ پاک نے یہ توفیق دی۔

تو دوستو اور بزرگو! یہ جو حالات ہیں اور یہ جو موت وغیرہ کے واقعات ہوتے ہیں، بعد میں دنیا تعریف کرے یا برائی کرے، اصل تو اللہ پاک کے یہاں ہے، اردو میں کہاوت ہے کہ دلہن کو سنوارا جاتا ہے، تیار کیا جاتا ہے، لوگ کہتے ہیں کہ بہت اچھی تیاری ہم نے کر لی ہے؛ لیکن دلہا کو اگر وہ پسند نہیں ہے تو ساری تیاریاں اور خوشیاں بیکار ہے، اس دنیا سے جا کر آخرت کی دنیا میں سب کو جانا ہے، اب یہ سوچنا ہے کہ کس طریقے سے ہم جائیں؟ اور اگر کچھ گناہ ہم سے

ہوئے ہیں، جو کچھ اللہ پاک کو ناراض کیا ہے، اب ہم ان واقعات اور ان حالات کو دیکھ کر اگر نہیں سدھرے اور ہم نے اپنی اصلاح نہیں کی، تو قرآن کریم نے ذکر فرمایا: اَلَمۡ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُہُمۡ لِذِکۡرِ اللّٰہِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الۡحَقِّ ۙ وَلَا یَکُوۡنُوۡا کَالَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلُ فَطَالَ عَلَیۡہِمُ الۡاَمَدُ فَقَسَتۡ قُلُوۡبُہُمۡ ؕ وَکَثِیۡرٌ مِّنۡہُمۡ فٰسِقُوۡنَ ﴿۱۶﴾ (حدید:۱۶) اللہ کے ذکر کے لئے اور جو حق اور صحیح قرآن اللہ پاک کی طرف سے نازل ہوا کیا ہمارے لئے وقت نہیں آیا؟ کہ ہماری مدت لمبی ہو جائے، کسی کی موت؛ میری تو نہیں آئے گی، کسی کی ہلاکت؛ میری تو نہیں آئے گی، شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ چوں بانگ برآید کہ فلاں نماند، مائک سے آواز سنتے ہیں کہ فلاں کی جنازہ کی تیاری ہے، حضرت فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے پہلے عمل کرلے تا کہ آواز آئے کہ فلاں نہیں رہا، اب جب وہ نہیں رہا تو ختم، ایک ایک سبحان اللہ کا محتاج؛ لیکن نیک عمل کر کے جائیں گے، نیک اولاد چھوڑ کر جائیں گے، وہ ہمارے لئے استغفار کریں گے۔

اولاد صالح بلندئ درجات کا ذریعہ:

حدیث شریف میں بہت کثرت سے فضیلت ہے کہ جب بیٹا بیٹی اپنے ماں باپ کے لئے دعا کرتے ہیں، تو اللہ تبارک وتعالیٰ جنت میں اس کے درجات بلند کرتے ہیں، تو تعجب کرتا ہے کہ میں تو اپنا عمل لیکر آیا اور اس کے مطابق جنت تو مجھے مل ہی چکی ہے، اب یہ کونسی برکتیں ہیں کہ جس کی بنا پر میں آگے بڑھتا ہوں، روایت میں آتا ہے کہ اللہ پاک فرمائیں گے کہ تیرا نیک لڑکا تو چھوڑ کر گیا ہے، اس نے میرے سامنے تیرے لئے استغفار اور توبہ کی، (ابن ماجة: کتاب الأدب، باب بر الوالدین) میں نے تیرے درجات کو اس کی دعاؤں کی وجہ سے بڑھایا، اس لئے حدیث شریف میں دعا بھی سکھلائی، قرآن کریم میں بھی سکھلائی کہ ان دونوں نے بچپن میں میرا خیال رکھا رَّبِّ ارۡحَمۡہُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیۡ صَغِیۡرًا ﴿۲۴﴾ (اسراء: ۲۴) جس طرح بچپن میں انہوں نے میری تربیت کی، مجھ پر رحم کیا، آپ ان پر رحم کیجئے، اس لئے یہ

چیزیں آخرت کی طرف توجہ دلا رہی ہیں۔

دریں دنیا کسے بے غم نہ باشد:

دوستو! مؤمن کو دنیا کی زندگی میں تکلیف اور پریشانی ہے، اس لئے کہ نعمتیں تو اس کو وہاں ملے گی، دریں دنیا کسے بے غم نہ باشد، اس دنیا میں کوئی بے غم نہیں ہے، کسی بادشاہ کو پوچھا جائے، کسی بڑے وزیر کو، کسی بڑے مالدار کو پوچھا جائے، ہر ایک پریشان ہے، البتہ ان کی پریشانی ان کے اعتبار سے ہے، بڑے سے بڑا سرکاری آفیسر کیوں نہ ہو، خودکشیاں کیوں ہو رہی ہیں؟ آخرت کی زندگی کا تصور نہیں ہے، دنیا کی ان زحمتوں کو برداشت نہیں کر پا رہے ہیں، تو پھر خودکشیاں کر لیتے ہیں، ایک مؤمن اور ایک مسلمان کو یہ بتلا دیا کہ خودکشی نہیں ہے، تیرے تو درجات ہی یہاں سے بلند ہونے شروع ہو گئے، اس لئے کہ حالات کو اللہ پاک لاتے ہیں ہماری بخشش اور مغفرت کے لئے، ہمیں اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے۔

اسی کے ساتھ؛ سب جا رہے ہیں اور ایک ایسا بندہ بھی گیا جس نے ہندوستان بھر کے مسلمانوں کی خیر خواہی کا لحاظ کیا اور جس نے پوری زندگی ملک کی ترقی کے لئے، ملک آگے بڑھے اور اس ملک میں چین وسکون اور امن وامان ہو، مختلف قسم کی محنتیں اور کوششیں کی، اللہ کا وہ بندہ بھی تشریف لے گیا، احمد بھائی پٹیل؛ امت مسلمہ پر ان کے مختلف قسم کے احسانات ہیں، ایک بات تو یقینی ہے کہ وہ انسان تھے **کلکم ابن آدم خطاء و خیر الخطائین التوابون۔** (ترمذی: أبواب صفة القيامة، رقم: ۲۴۹۹) اللہ پاک فرماتے ہیں کہ تمام انسان خطا کار ہیں؛ لیکن ان تمام میں بہترین خطا کار وہ ہے جو توبہ کرے۔ اس لئے **ابن آدم خطاء** اپنی جگہ پر ہے، لیکن جو کچھ انہوں نے کیا اس ملک میں بہت سی چیزیں سیاسی پہلو کی ایسی ہوتی ہیں کہ ہم اپنی نظر سے دیکھتے ہیں، وہ اپنی نظر سے دیکھتے ہیں، ان کے سامنے ہم سے زیادہ حالات ہوتے ہیں، وہ ساری کیفیتوں کے بیچ میں سے کیسے کرنا ہے، یہ چیزیں آسان نہیں ہوتی ہے اس ملک کے اندر، حضرت مولانا ابوالکلام آزاد، حضرت مولانا مدنیؒ، حضرت مولانا حفظ الرحمن

سیوہارویؒ ملک کی تقسیم کے موقعہ پر آزادی کے موقع پر بہت کچھ انہوں نے چاہا؛لیکن نہیں ہو سکا،حالات کچھ ایسے تھے،شیخ زکریاؒ نے آپ بیتی میں لکھا ہے،سن ۱۹۴۷ کا واقعہ ہے کہ دہلی کے اندر ایک صاحب نے پولیس والے کو جو دہلی کا بڑا پولیس آفیسر تھا؛اس سے کہا کہ فلانی جگہ ایسا فساد ہوا ہے،اُس نے جواہر لال نہرو وزیر اعظم سے اس وقت زبردستی فون کروایا،تو اس نے اپنے نیچے کے آفیسر کو یہ کہا کہ یہاں کا جواہر لال نہرو میں ہوں،ایسے خراب حالات تھے اس ملک میں،اس وقت بزرگوں نے بہت کچھ چاہا لیکن کچھ چیزیں نہیں ہوئیں۔

دوستو اور بزرگو!اللہ کا وہ بندہ جس کا ہم پر احسان ہے،مدرسوں پر احسان ہے اور امتِ مسلمہ کے انفرادی عمل پر بھی اس نے جو کچھ اس کی طرف سے ہوسکا؛کیا،اللہ پاک قبول فرمائے،ان کے لیے مغفرت کا ذریعہ بنائے،صدقۂ جاریہ بنائے۔آمین۔

ملک کی ترقی کے لیے مسلمان کیا کریں؟

مسلمان اس ملک میں کتنی بڑی آبادی میں ہے،تو ہمیں بھی اس ملک کی سیاست میں حصہ لینا چاہئے، اس ملک کو بچانا ہے،لوگوں کو امانت داری اور دیانت داری کا سبق دینا ہیں، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ آئے اور شہاب الدین محمد غوری بھی آئے،ان بزرگوں نے جو محنتیں کیں یہ ہمیں بتلاتی ہیں؛حضرت مولانا علی میاں صاحب ندویؒ فرماتے تھے کہ مسلمانوں کو ملک کے سیاسی حالات سے واقف ہوکر اس ملک میں جو بداخلاقی ہے؛اس کو دور کرنے کی اپنی طرف سے کوشش کرنی چاہئے، یہی وہ دعوت ہے جو ہمیں ان کے ظلم سے بچا سکے گی،صحیح تعلیم ان کے سامنے پیش کریں، یہ مختلف مرحلوں سے مختلف لائنوں سے آتی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عنایت فرمائیں اور ہمارے مرحومین کی مغفرت فرمائے اور جنت نصیب فرمائے،اور ہم سب کو نیک اعمال کرنے کی توفیق عنایت فرمائے،آخرت کی طرف توجہ کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(۲۶)

روزہ صفات جمالیہ میں سے ہے

(مقام: مسجد نور، اسٹیشن روڈ، بھروچ)

الحمد لله رب العالمين و العاقبة للمتقين و الصلاة و السلام على سيد المرسلين و على آله و اصحابه اجمعين. اما بعد!

قال اللہ تعالیٰ..

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

قال الله تعالىٰ: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ (بقرہ: ۱۸۵)

وقال تعالىٰ: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ (بقرہ: ۱۸۳)

و قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم : اللهم آت نفسي تقواها، و زكها انت خير من زكاها، انت وليها و مولاها۔ (مسلم: كتاب الذكر و الدعاء، باب التعوذ من شر ما عمل و من شر ما لم يعمل)

صدق الله العظيم، و صدق رسوله النبي الكريم، و نحن على ذلك لمن الشاهدين و الشاكرين، و الحمد لله رب العالمين.

محترم ومکرم حضرات علماء کرام اور ایمان والے بھائیو! کلام پاک کی جن آیات کی آپ کے سامنے تلاوت کی؛ یہ آنے والے مہینہ کی فضیلت کے سلسلے میں اور اس میں کیا عمل کرنا ہے؟ اور کس وجہ سے کرنا ہے؟ ان آیات میں اللہ نے ہماری اس کی طرف رہنمائی فرمائی۔

اللہ پاک کی دو صفات:

اللہ تبارک وتعالیٰ کی دو صفات ہیں، صفات جلالیہ اور صفات جمالیہ، اللہ نے اپنی مخلوق کو اپنی صفات ذکر کر کے اپنی پہچان اور اپنی معرفت کروائی، ایک روایت ہے اگرچہ محدثین نے اس پر کافی کلام کیا ہے بلکہ موضوع تک لکھا ہے؛ لیکن علامہ شبیر عثمانیؒ اس پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ پاک فرماتے ہیں: **کنت کنزا مخفیا** کہ میں ایک مخفی اور چھپا ہوا خزانہ تھا **فاحببت ان اعرف** میں یہ چاہتا ہوں کہ میرا تعارف ہو، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے تعارف اور اپنی پہچان کے لیے قرآن کریم کی مختلف آیات میں مختلف صفات کو ذکر فرمایا، انہیں صفات کے سلسلے میں حضرات علماء کرام اور مفسرین اور محدثین نے اللہ پاک کی ان صفات کو دو میں تقسیم کیا کہ کچھ صفات وہ ہیں جس کا تعلق شان جلالیت سے اور کچھ کا تعلق جمالیت سے ہے، یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جو عبادتیں ہم پر فرض فرمائی، جو احکامات ہمارے اوپر نازل فرمائے؛ ان میں یہ دونوں صفات نظر آتی ہے، ایک طرف اللہ تعالیٰ اپنی شان جلالیت کو مختلف طریقوں سے قرآن کریم کے مختلف واقعات اور آیات کے ضمن میں پیش فرماتے ہیں؛ تو کہیں اپنی صفات جمالیہ کو مختلف آیات اور احادیث میں ذکر فرمایا، سورۂ رعد میں اپنی ۳۲ صفات کو ذکر کیا اور اس میں سے ۱۱۶ اثبات میں ہے اور ۱۶ وہ ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کی نفی کی؛ ''سبحان'' اپنی ذات کی پاکیزگی بیان فرمائی، صفات کے ذریعہ اللہ پاک اپنے بندوں کو یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ میری معرفت حاصل کرو، اللہ پاک نے جو عبادتیں فرض فرمائی، خاص طور پر چار عبادتیں جن کو ارکان اربعہ کہا جاتا ہے، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج، اللہ نے ان عبادتوں میں بھی اپنی صفات جلالیہ اور صفات جمالیہ کا اظہار فرمایا۔

نماز اور زکوٰۃ میں شان جلالیت:

نماز اور زکوٰۃ یہ دونوں اللہ پاک کی عظمت اور اللہ پاک کی شان کبریائی پر دلالت کرتی ہے، اس کی طاقت اور اس کی قوت کو بتلاتی ہے اور اس بنیاد پر نماز کا حکم بھی آ گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کے سلسلے میں روایتیں ذکر فرمائی اور نماز نہ پڑھنے کی صورت میں اللہ پاک کی طرف سے جو وعید ہے؛ مختلف آیات میں اور مختلف احادیث میں اللہ نے اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو ذکر فرمایا، یہی حال زکوٰۃ کا ہے، اللہ پاک نے زکوٰۃ کو فرض فرمایا اور اس کے ساتھ جو احکامات ذکر فرمائے: ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ○ (سورہ: توبہ) اللہ پاک فرماتے ہیں کہ جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے ہم ان کے بدن پر داغ دیں گے، گرم گرم داغ دیں گے، ان کی پیشانی پر، ان کے پہلو پر، اور آگے فرمایا کہ یہی مال تھا جس کو تم نے جمع کر کے رکھا تھا اور اس مال سے محبت کرتے تھے، حلال وحرام کی فکر نہیں کرتے تھے، بندوں کے حقوق اس مال میں سے ضائع کرتے تھے اور دوسروں کے حقوق میں کمی کرتے تھے، یہ اللہ پاک نے زکوٰۃ کے سلسلے میں فرمایا، تو معلوم یہ ہوتا ہے کہ نماز اور زکوٰۃ؛ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان جلالیت، اس کی شان کبریائی اور اس کی عظمت پر دلالت کرتی ہے، ناک جیسی قیمتی چیز کو رگڑوایا گیا اور سر جیسی قیمتی چیز کو نماز میں جھکوایا گیا؛ اور سجدہ کی آیت میں فرمایا کہ سجدہ کثرت سے کیا کرو اور اللہ کی نزدیکی حاصل کرو، رمضان المبارک میں بیس رکعت پڑھی جاتی ہے اور ایک رکعت کے دو سجدہ کے حساب سے ۴۰ سجدوں کا ایک مؤمن کے لئے اضافہ ہوتا ہے، یہ رمضان المبارک کا تحفہ ہے جو اللہ کی شان جلالیت کو بتلانا ہے۔

حج اور روزہ میں شان جمالیت:

اس کے مقابلے میں حج اور روزہ؛ یہ دونوں عبادتیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات جمال کو بتلاتی ہے، اس کی شان کریمی اور رحیمی پر دلالت کرتی ہے اور ان دونوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے ہم پر

عجیب انداز سے فرض فرمایا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے ایمان والو! ہم نے تم پر روزے فرض کئے جیسا کہ ہم نے تم سے پہلے والوں پر فرض کئے، روزہ کیوں فرض کیا گیا؟ تا کہ تمہارے اندر تقوی اور پرہیز گاری آئے، اللہ کا خوف اور اس کی خشیت آ جائے، اس کی شان جلالیت اور شان جمالیت دونوں کو پہچانو؛ تا کہ تم امید اور خوف کے درمیان رہو، نہ صرف امید اور نہ صرف خوف؛ بلکہ ایمان خوف اور امید کے درمیان ہوتا ہے، اس لئے اللہ نے ان عبادتوں میں تو نماز اور زکوٰۃ کے ادا نہ کرنے پر سخت وعید بیان فرمائی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو نماز کے لئے ہماری مسجد میں نہ آئے وہ یہودی ہو کر یا نصرانی ہو کر مرے، بعینہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کے متعلق اسی سے ملتا جلتا جملہ ارشاد فرمایا، (ترمذی: أبواب الحج، باب ماجاء فی التغلیظ فی ترک الحج) محبت کی دنیا میں جو چیز ذکر کی جاتی ہے؛ سب سے بڑی چیز کہ تم ہمارے نہیں ہو! یا ہمارا تم سے کوئی تعلق نہیں! یہ جملے بڑے خطرناک ہوتے ہیں محبت کی دنیا میں، یہ آخری جملہ ہوتا ہے۔

حج کی فرضیت:

اللہ تعالیٰ نے حج کی فرضیت ذکر فرمائی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ (آل عمران: ۹۷) اللہ کے لئے لوگوں کے ذمہ حج کو فرض کیا گیا جو وہاں تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہیں، اللہ پاک آگے فرماتے ہیں کہ جو آدمی استطاعت کے باوجود حج ادا نہ کرے وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (آل عمران: ۹۷) میں اس کی سزا جو بتلائی؛ وہ شان محبوبیت والی بتلائی، جمالیت والی بتلائی اور حج مؤمن ہونے کے بعد فرض ہوتا ہے، یہاں کفر مراد نہیں ہے بلکہ ناشکری مراد ہے کہ اللہ نے آپ کو ساری قوتیں دیں، پھر بھی آپ حج کو نہیں گئے تو اللہ اس کو تعبیر فرماتے ہیں کہ ومن کفر یہ ناشکری ہے ہمارے ساتھ۔

روزہ کی فرضیت:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے روزہ میں بھی عجیب انداز اختیار فرمایا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (بقرہ: ۱۸۳) یہ ایمان والوں کو تسلی دی

کہ یہ روزے محض تمہارے او پر فرض نہیں کئے، بلکہ تم سے پہلے لوگوں پر بھی فرض کئے تھے، تو راہ محبت کے تم اکیلے شہ سوار نہیں ہو، محبت کی دنیا میں تم اکیلے مسافر نہیں ہو؛ بلکہ تم سے پہلی امتیں بھی گذریں، اور انہوں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے روزے ادا کئے اور ان کے روزے تھوڑے سخت ہوتے تھے، شروع اسلام میں یہ حکم تھا کہ اگر رات میں ایک آدمی سو گیا صحابیؓ کا واقعہ آتا ہے کہ پورا دن شام تک بھوکا رہنا پڑا، شروع میں اس طرح کے احکام تھے؛ لیکن پھر جب ایمان والوں نے کہہ دیا اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ط (بقرہ:۲۸۵) تو پھر اللہ تعالیٰ نے احکامات میں آسانی فرمائی، یہ امتحان تھا تیاری کے لئے، بتلانے کے لئے، تو اس آیت میں اللہ فرماتے ہیں کہ تم پر روزے فرض کئے گئے اسی طرح جیسے پہلی امتوں پر فرض کئے گئے اور آگے فرمایا لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ کہ تقوی اختیار کرو، حج کے لئے بھی اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ لَمْ یَمْنَعْهُ عَنِ الْحَجِّ حَاجَةٌ ظَاهِرَةٌ، أَوْ سُلْطَانٌ جَائِرٌ، أَوْ مَرَضٌ حَابِسٌ فَمَاتَ وَلَمْ يَحُجَّ، فَلْيَمُتْ إِنْ شَاءَ يَهُودِيًّا، وَإِنْ شَاءَ نَصْرَانِيًّا. (سنن دارمي: كتاب المناسک، باب من مات ولم يحج) کہ جو اللہ کے گھر کی زیارت کی استطاعت رکھتا ہو پھر بھی نہ جائے اگر وہ انتقال کر گیا اور کوئی رکاوٹ بھی نہیں ہے، ظالم بادشاہ بھی نہیں ہے اور کوئی بیماری اور کوئی تکلیف بھی نہیں ہے، پھر بھی نہ جائے تو چاہے وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر، یہ محبت کی دنیا میں بتلانا ہے۔

اخلاص کا انتہائی اعلیٰ درجہ:

اس لئے میں نے آپ کے سامنے دو صفات کا ذکر کیا، صفات جلالیہ اور صفات جمالیہ، نماز اور زکوٰۃ صفات جلالیہ کی طرف اشارہ کرتی ہے اور حج اور روزہ میں صفات جمالیہ کا اظہار ہوتا ہے اور روزہ انتہائی پرہیزگاری اور ریاکاری سے بچانے والا ہے، روزہ میں کرنا نہیں ہے؛ بلکہ رکنا ہے، آپ حج کر رہے ہیں تو نظر آرہا ہے، اسی طرح تلاوت اور نماز بھی نظر آرہا ہے؛ لیکن روزہ میں تین چیزوں سے رکنا ہے اور یہ رکنا بندے اور خدا کے درمیان ہوتا ہے اور یہ

اخلاص کا انتہائی اعلیٰ درجہ ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہر عمل کا بدلہ میرے فرشتوں کے ذریعہ میں دیتا ہوں؛ لیکن روزہ جو میرے لئے ہوتا ہے وانا اجزی به. (بخاری: کتاب الصوم، باب فضل الصوم) اس لئے اس کا بدلہ میں دوں گا۔

روزہ کی یہ فضیلت کیوں؟

آخر روزہ کو یہ فضیلت کیوں دی؟ جس طرح اللہ نے دیگر احکامات پر عمل کرنے کا حکم دیا اسی طرح اللہ نے بعض چیزوں سے رکنے کا بھی حکم دیا، جب بندہ رکتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو یہ زیادہ پسند ہے، اوامر کی نفی نہیں کر رہا ہوں؛ لیکن میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ رات دن دنیا میں ایسا ہوتا ہے، ماں باپ بہت سی باتوں کا حکم دیتے ہیں، لیکن اولاد بعض کرتی ہے اور بعض نہیں کرتی؛ لیکن جب رکنے کا کہے اور نہ رکے تو کہتے ہیں کہ ہم نے تم کو روکا تھا؛ پھر بھی تم نہیں رکے! معلوم ہوا رکنا زیادہ پسندیدہ ہے، تو روزہ اخلاص والا عمل ہے، آدمی اپنے گھر میں اکیلا ہے، فریج میں ٹھنڈا پانی ہے اور افطاری کے وقت بہت پریشان ہے؛ لیکن یہ کسی کے دکھلاوے کے لئے نہیں؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، اس لئے لوگ اس سے بچتے ہیں۔

دوستو اور بزرگو! اللہ تعالیٰ نے روزہ کیوں فرض فرمایا؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ ۝ (بقرہ: ۱۸۳) یہ اس لیے ہے تا کہ ہم میں پرہیز گاری آجائے، تقوی آجائے، تقوی؛ یہ عربی زبان کا لفظ ہے؛ بچنا، تو کس سے بچنا؟ جن چیزوں سے اللہ نے منع فرمایا؛ اس سے بچنا، جس کا حکم دیا اس کو کو پورا کرنا ہے۔

تقویٰ ہی تمام عبادات کی اساس:

دوسری بات؛ تقوی اللہ تعالیٰ نے نماز میں بھی فرمایا اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنۡهٰى عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡكَرِ ؕ (عنکبوت: ۴۵) نماز بری اور بے حیائی کی چیزوں سے روکتی ہے، تو نماز میں وہ تقوی ہے، اللہ نے فرمایا وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكۡرِىۡ ۝۱۴ (طہ: ۱۴) نماز قائم کیجیے میری یاد کے لئے، اسی طریقے سے روزہ میں بھی تقوی فرمایا، حج کی جہاں آیتیں ہے وہاں بھی بیان فرمایا،

قربانی کے لئے بھی تقوی لن ینال اللہ الخ...(حج:۳۷) یہ سارے تقوی اس عبادت کی شکل میں ادا ہوں گے اور اسی میں ملیں گے، ہمارے بہت سارے مسلمان بھائی پڑھے لکھے دوسروں کے بہکاوے میں آکر کبھی کبھار کہتے ہیں کہ قربانی کے دنوں میں کتنے لاکھ جانوروں کی قربانی کی جاتی ہے، اگر یہ روپیہ بچالیا جائے اور کوئی فیکٹری قائم کرلی جائے مسلمانوں کے لئے، یہ سب نظر آتا ہے عبادت کی ادائیگی میں، اپنی شادی بیاہ دھوم دھام سے کرتے ہیں، اس وقت ان کو نظر نہیں آتی امت مسلمہ کی غربت، شادی میں آپ دیکھئے مسلمان کیسے کیسے خرچ کررہے ہیں! اللہ پاک اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناراض کرتے ہیں، کسی کو ناراض کرنا نہیں چاہتے، منت سماجت کرکے سب کو راضی کرتا ہے؛ محض اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناراض کرتا ہے، نماز کا تقوی نماز سے حاصل ہوگا، روزہ کا تقوی روزہ سے حاصل ہوگا، اللہ پاک نے ان عبادتوں کی ادائیگی میں ہمیں تقویٰ بتلایا، قربانی کا تقوی قربانی سے حاصل ہوگا، اس لئے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ان تین دنوں میں خون بہانے کے علاوہ اللہ تعالیٰ کو کوئی چیز پسند نہیں ہے، تقوی ہی وہ چیز ہے کہ جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے قرب حاصل ہوتا ہے۔

دعا میں تقویٰ کو کیوں مانگا گیا؟

آپ کے سامنے میں نے ایک دعا پڑھی، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ پاک سے عرض کرتے ہیں **اللھم آت نفسی تقوھا** کہ اللہ پاک مجھے میرے نفس کو تقوی عنایت فرمایئے، معلوم ہوا کہ تقوی حاصل کرنے کی کوششیں کرنی ہیں؛ ان میں سے دعا بھی مانگنا ہے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا مانگی، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معاف کردیا تھا، اور مجھے اور آپ کو بتلاتے ہیں کہ تقوی کے اسباب بھی اختیار کرو اور اسی کے ساتھ دعا بھی کی جائے؛ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ نفس کا مالک تو نہیں ہے؛ بلکہ اس کا مالک اللہ تعالیٰ ہے، جب لینا چاہے کھینچ لے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو مانگ رہے ہیں کہ اے اللہ مجھے میرے نفس کو تقوی عنایت فرمایئے، اس کی وجہ کیا ہے؟ اللہ پاک نے فرمایا وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا

وَتَقْوٰىهَا ۝۸ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝۹ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝۱۰ (شمس: ۷ تا ۱۰) اللہ نے جن بڑی چیزوں کی قسم کھائی، اس میں نفس کی قسم کھائی، نفس کے پیدا کرنے والی ذات کی قسم کھائی، یہ جو ہمارا نفس ہے اس میں اللہ نے دونوں چیزیں پیدا کی، اگر وہ اچھائی کی طرف گیا، اپنے آپ کو علماء کی صحبت میں رکھا تو اس کا نفس تقوی والا بن جائے گا، اگر اللہ والوں کی صحبت اختیار نہیں ہوئی، اپنے آپ کو عبادت میں نہیں لگایا، تو پھر اس نفس میں برائیاں آتی ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام برائی سے کیسے بچے؟

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے آپ کیحفاظت کی اور ساتھ میں دعا بھی کی تو اللہ پاک نے ان کو عورتوں کے شر سے بچایا، رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۚ (یوسف: ۳۳) جس شر کی طرف یہ بلا رہے ہیں اس سے بہتر میرے لئے قید خانہ ہے، پھر آپ کے لئے قید کا انتظام کیا، یہ اللہ پاک کی حکمتیں تھیں، جب یوسف علیہ السلام کی پاکیزگی کا سب نے اعلان کر دیا، جب بادشاہ نے بلایا تو کہا کہ میں ایسے ہی نہیں آؤں گا، جیل میں مجھ پر ایک الزام لگا ہے، جب تک اس کی صفائی نہ ہو جائے؛ لیکن اس میں بھی آپ نے زلیخا کا نام نہیں لیا، مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ۭ (یوسف: ۵۰) جن عورتوں نے پھل کاٹتے ہوئے اپنی انگلیاں کاٹ دیں ان کا کیا معاملہ ہے؟ اس طرح یوسف علیہ السلام نے اپنی محسنہ جنہوں نے آپ کو کھلایا پلایا ان کا نام نہ لے کر ایک واقعہ کی طرف اشارہ کیا، خیر! اس موقع پر یوسف علیہ السلام کی براءت کے لئے سب عورتوں نے کہہ دیا کہ ان کا کوئی قصور نہیں اور عزیز مصر کی عورت کہہ رہی ہے قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۡ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۵۱ (یوسف: ۵۱) حق بات واضح ہو گئی، میں نے ہی خود حضرت کو پھسلایا تھا اور میں گنہگار ہوں، جیل کے جیلر نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا کہ اتنی خوبصورت عورت، عزیز کی بیوی، شاہی خاندان اور قدرت والی عورت سے آپ کیسے بچے؟ حضرت نے فرمایا: وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ (یوسف: ۵۳) میں اپنے نفس کی پاکیزگی نہیں بتلاتا، کوئی نہیں کر سکتا، اللہ

نے فرمایافَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۔ (نجم:۳۲)تم خود اپنی پاکیزگی بیان مت کرو،کسی نے الزام لگایا ہوتو وضاحت کرسکتے ہو۔

لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے گھر کا گھیرا ڈال دیا،اورآج اس کنوے کے پانی سے روکا جارہا ہے جس کو آپ نے اپنے پیسوں سے خرید کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تھا،اس موقع پر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ پانی کی قلت تھی اس لئے میں نے یہ کیا۔ (ترمذی:أبواب المناقب،رقم:۳۷۰۳)؛یہ فخر کے لئے نہیں تھا،جب الزام ہوتو اس کو دور کرنے کے لئے جواب بھی دیا جائے،حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی الزام کے جواب میں کہا، بتلانا یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام جیسے پاک نفس نبی جن کے والد بھی نبی اوران کے والد کے والد بھی نبی ؛لیکن جیلر سے آپ کہہ رہے ہیں کہ میں اپنے نفس کی پاکیزگی بیان نہیں کرتا۔

ماہ مبارک اور تزکیۂ نفس:

محترم دوستو! یہ رمضان المبارک کا مہینہ ہمیں اسی لئے ملا ہے کہ ہم اپنے نفس کا تزکیہ کرلیں ،اس کو صاف کرلیں،حقوق العباد ہے تو اس کو پورا کیا جائے،یہ مسئلہ بڑا نازک ہے، اللہ پاک کی ذات عالی کا مسئلہ ہے تو وہ تو اللہ پاک معاف فرمادیں گے،جب بندوں کا مسئلہ آتا ہے تو واٹس ایپ پر معافی لکھ دینا کافی نہیں ہے،اگرکسی نے کسی کا حق دبایا ہے یا گالی گلوچ یا ہاتھا پائی ہوئی ہے تو اس سے معافی مانگو،اس موقع پرآپ ان چیزوں کی ادائیگی کی فکر کریں۔ یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو پہچان لیااور جب معاملہ بالکل صاف ہوگیااور یوسف علیہ السلام نے کہہ دیا کہ میں نے تم کو آزاد کردیا،تمہارا کوئی گناہ نہیں،یوسف علیہ السلام کے اس قصہ کوقرآن نے ذکر کیاقَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۔ (یوسف:۹۲)کہ آج کے دن تمہارےاو پر کوئی ملامت نہیں،کہا کہ میں نے تم کو معاف کیا،جو بھائی آپ کا کرتا لے کر گئے تھے وہ بھائی حضرت یعقوب علیہ السلام سے بھی معافی مانگتے ہیں،یعقوب علیہ السلام نے فرمایا میں تمہارے لئے استغفار کروں گا،کررہاہوں؛یہ نہیں فرمایا بلکہ کروں گا،حضرات مفسرین اس

میں فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ حقوق العباد کا تھا، حضرت یعقوب علیہ السلام کو پتہ نہیں تھا کہ بھائیوں نے یوسف علیہ السلام سے معافی مانگی ہے؟ اس لئے جب تک اس کا پتہ نہیں چلا تب تک کہا کہ تمہارے لئے میں معافی مانگوں گا۔

رمضان اور قرآن کریم:

اللہ پاک نے مجھے اور آپ کو رمضان کا مبارک مہینہ عنایت فرمایا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رمضان سے پہلے صحابہؓ کے سامنے ایک لمبا خطبہ دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں فرمایا کہ رمضان آرہا ہے، میں نے آپ کے سامنے آیت پڑھی شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰي مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ١٨٥ (بقرہ: ۱۸۵) رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں اللہ پاک کی جانب سے قرآن کریم نازل ہوا، قرآن کریم میں جہاں رمضان کا ذکر آیا وہاں اللہ پاک نے قرآن کریم کا ذکر کیا اور جہاں قرآن کریم کا ذکر آیا وہاں رمضان کا ذکر کیا اللہ تعالیٰ نے سورۂ دخان میں فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ فرمایا اور سورۃ القدر میں لَيْلَةُ الْقَدْرِ ڏ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝ فرمایا، رمضان کی رات کا ذکر فرمایا، تو دوستو اور بزرگو! اللہ تعالیٰ ہمیں مواقع فراہم کرتے ہیں۔

ایک بزرگ کا فرمانا ہے کہ رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں اللہ نے قرآن کو نازل کیا، تو رمضان کے ایک مہینے کے روزے جو فرض کئے یہ برکت ہے قرآن کریم کی، اس کے لئے روزے فرض کئے، اس لئے آپ دیکھتے ہیں کہ ایمان والوں کو رمضان میں کثرت سے قرآن کریم کے پڑھنے کی توفیق ہوتی ہے، تراویح میں تو سنتے ہی ہیں، اس کے علاوہ بھی پڑھتے ہیں، یہ اللہ کا کلام ہے کلام الملوك ملوك الكلام بادشاہ کا کلام کلاموں کا بھی بادشاہ ہوتا ہے، یہ اللہ کا کلام ہے، اس کی تلاوت ہم کرتے ہیں اور اس کی کوشش بھی کرنی چاہیے کہ رمضان کی

راتوں میں تلاوت، تہجد وغیرہ کاموں میں ہم مشغول ہوں، کچھ لوگ ان مبارک راتوں میں کرکٹ (Cricket) کھیلتے ہیں، یہ راتیں اس کے لئے نہیں ہے۔

۱۹۴۷ میں جب ملک تقسیم ہوا اور لوگ ہجرت کر کے پاکستان جا رہے تھے، حضرت شیخ زکریاؒ نے لکھا ہے کہ اس وقت آواز لگاتے تھے کہ کٹ جائیں گے مر جائیں گے؛ لیکن ملک لے کر رہیں گے، رمضان کی راتوں میں ہی یہ دو ملک آزاد ہوئے، حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ یہ رمضان کی برکت والی راتیں ہیں، اللہ پاک سے سیدھی دعا مانگو کہ اللہ پاک ہمیں ہمارا ملک عطا فرما، یہ کیوں بولتے ہو کہ کٹ اور مر جائیں گے! اللہ سے امید رکھو، اگر بد دعا لگ گئی تو بہت بڑی پریشانی ہوگی، تو دوستو! اللہ کے نبی ﷺ نے یہ دعا مانگ کر ہمیں بتلایا کہ تقوی اس طرح مانگا جاتا ہے، اور یہ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج سے حاصل ہوتا ہے۔

عبادات تقرب الٰہی کا ذریعہ:

امام غزالیؒ تقوی پر بہت تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے بتلاتے ہیں کہ ان ساری عبادتوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے قریب کرنا چاہتے ہیں، یہ بھی اس کا احسان ہے اور نفس میں تو دونوں باتیں آتی ہے، اچھائی اور برائی، بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں کہ انسانی نفس کو اکیلے چھوڑ دیا جائے تو وہ برائی کی طرف جاتا ہے، اللہ نے ان گناہوں سے بچنے کے لئے اور گناہوں کی تلافی او کفارہ کے لئے آنے والا مہینہ ہمیں عنایت فرمایا ہے، اس کی ہم قدر کریں!

روزہ داروں پر انعام کی بارش:

جنت کو سال بھر اس کے لیے سنوارا جاتا ہے آپ جانتے ہیں کہ ہم عید کے دن جب عیدگاہ کی طرف جاتے ہیں تو اللہ پاک فرشتوں کو دروازوں پر کھڑے رکھتے ہیں، پھر اللہ پاک ان سے سوال کرتے ہیں کہ کیا ہوا؟ تو فرماتے ہیں کہ آپ کے بندوں نے روزہ رکھا، اللہ پاک فرماتے ہیں کہ میں ان کے گناہ معاف کرتا ہوں، اتنی بڑی فضیلت رمضان کی اور لیلۃ الجائزہ کی؛ یہ اللہ کی جانب سے انتظام کیوں ہو رہا ہے؟

ایک بہترین دعا:

اللہ کے نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ ہم دعا مانگیں کہ اے اللہ! تو ہمیں تقویٰ عنایت فرما، اس لئے کہ یہ آپ ہی دینے والے ہیں، آپ ہی کی جانب سے جب ہم کو توفیق ملے گی، تو ہم یہ کرنے والے ہیں، وزکھا انت خیر من زکاھا میرے اس نفس کی آپ صفائی کیجئے، اس کی صفائی کیا ہے! یہ روزے اس کی صفائی ہے، نماز اس کی صفائی ہے، بندوں کے حقوق ادا کرنا اس کی صفائی ہے، یہ ساری چیزیں اللہ نے ہمیں دیں ہیں۔

آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ انت ولیھا ومولاھا. آپ ہی میرے ولی اور آپ ہی میرے مولا ہیں، یہ عجیب جملہ ہے، انسان گناہ کرے، نفس اس کا ہے، وہ اس کو برائی کی طرف لے جارہا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمارہے ہیں کہ انت ولیھا ومولاھا میں تو نفس کا مالک نہیں ہوں، آپ نے مجھے دیا ہے؛ لیکن کبھی کنٹرول سے باہر ہو جاتا ہے، تو آپ اللہ پاک سے مانگیے انت ولیھا ومولاھا. آپ ہی ولی ہے اور آپ ہی مولا ہے، یہ جو باتیں رمضان کے سلسلے میں کہی گئی اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم خواب غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے کہ رسول ﷺ نے رمضان المبارک سے پہلے تمام صحابہ کے سامنے لمبا خطبہ دیا تھا۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا قول:

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا قول ہے کہ عید یہ نہیں کہ عمدہ کپڑے پہنے جائے، عمدہ کھانا کھائے، پسندیدہ لباس، لذات وشہوات سے لطف اندوز ہوں، بلکہ عید یہ ہے کہ طاعات میں قبولیت کی علامات، گناہوں کے لیے کفارہ، نور ایمانی سے شرح صدر، قوت یقین سے سکون قلب حاصل ہو۔

بقول امام غزالیؒ: تربیتی کورس مکمل کر کے خواہشات پر قابو پانا، اور صفت صمدیت سے متصف ہونا اور ملائکہ سے مشابہت پیدا کرنا ہے۔

شب قدر کو نبوت کا تاج پہنا کر ۲۰۰۰ سال پرانی امامت بنی اسرائیل سے امت مسلمہ میں منتقل ہوئی۔

روزہ وا فطار دو مختلف تجربے:

روزہ وا فطار دو مختلف تجربے ہیں، دنیا وآخرت کی تمثیل، دنیا میں آدمی پابندیوں اور ذمہ داریوں سے بندھا ہوا ہے، آخرت میں خوشیوں ولذتوں سے محظوظ ہونے کے لیے آزاد کر دیا جائے گا، روزہ دنیا کی علامت اور افطار آخرت کی علامت، رمضان دنیا کا تعارف اور عید (افطار) آخرت کا تعارف ہے، ہر آدمی کو چاہئے کہ روزہ رکھتے وقت روزہ اس کی دنیوی زندگی کی پہچان بنے، اس کی نفسیات یہ ہو کہ کھانے پینے سے میں روکا ہوں اس طرح مجھے خدا تعالیٰ کی تمام منع کردہ اشیاء سے رکنا ہے، دنیا میں مجھے عمر بھر روزہ دار کی طرح زندگی گذارنا ہے، پھر جب شام میں افطار کرے تو یہ احساس ہو کہ وہ آخرت میں پہونچ گیا اس کی وہاں مہمانی کی جارہی ہے، دعا کرے کہ ابدی عید کی لامحدود نعمتوں کے دروازے کھولدے۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ (بقرہ:۱۸۵)

ابھی کل کی بات تھی کہ رحمت مغفرت آگ سے خلاصی کی گھٹا اٹھی تھی، ہمت والوں نے حکم بجالیا اور کم ہمت محروم رہے۔ اعلان تھا **الصوم لی و انا اجزی به**. (بخاری: کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ: یریدون ان یبدلوا کلام اللہ) یہ کون کس سے اعلان کررہا ہے، اعلان تھا روزہ دار کے لیے دوخوشی ہے عام معمول ہے کہ خوشی میں آدمی کچھ خرچ کرتا ہے، صدقۂ فطر اسی کا شکریہ ہے، بندہ اقرار کرتا ہے کہ عبادت کا حق ادا نہ ہوا، اعتراف قصور کرتے ہیں۔ صدقہ کی حکمت: روزے میں جو ناروا حرکت ہوگی، وہ صدقۂ فطر ان فضول باتوں کا کفارہ ہے اور مسکین کی مدد ہوجاتی ہے، وہ بھی مطمئن ہوا کہ عید کی خوشی میں شریک ہونے کے قابل ہوجائے گا۔

اسلام دین فطرت ہے:

اسلام دین فطرت ہے، فطرت انسانی کے تقاضوں کی آخری ممکن حد تک رعایت رکھی گئی ہے، بظاہر خشک مجاہدہ کا مہینہ تھا، پھر نشاط کے لیے عید کا موقع فراہم کیا، لیکن پھر اس میں خدا

فراموشی نہ ہو، لہٰذا عید وخوشی کو بھی عبادت میں بدل دیا، سبحان اللہ یہ اسلامی عید ہے اچھے کپڑے، لذیذ کھانہ پینا اور تفریح کے لیے جائز کھیل کی اجازت دی گئی اسی کے ساتھ صدقہ، نماز، دعا، استغفار، تکبیر ہے، یہ ہے ہماری عید، **ان لکل قوم عیدا و ھذا عیدنا**. (بخاری: کتاب العیدین، باب سنة العیدین لأهل الإسلام) اس دن اللہ پاک اپنے بندوں سے جو رمضان کو عبادت ومجاہدہ میں گذار کر عید کے لیے گھروں سے نکلتے ہیں کتنا خوش ہوتا ہے اور کس لطف وکرم سے ان کی دعا وعبادت کا استقبال کرتا ہے، اس کا اندازہ حدیث سے کیجئے کہ جب تک تم میرا خیال رکھو گے مجرموں کے سامنے رسوا نہیں کروں گا، میری عزت و بزرگی وفضل و بلند مرتبہ کی قسم میں ان کی دعائیں ضرور قبول کروں گا۔ (شعب الإیمان: ۵/ ۲۹۰، رقم: ۳۴۴۴)

مسلمان خوشی میں نہ دھماکے، نہ پٹاخے، نہ ریکارڈنگ کرتا ہے، نہ دھوم دھڑک کرتا ہے، کیونکہ رمضان کی روحانی غذا نے اس سے ساری لغویات بند کروا دی، روزے میں بدن کے اعضاء کو حرام سے بچنے کی مشق کرلی ہے، پھر وہ شادی بیاہ کے موقع پر بھی اسراف وفضول خرچی نہیں کرے گا۔ حضرت موسیٰؑ کی قوم کا گزر کسی قوم کے جشن پر ہوا، عبادت کے دن کھیل تماشہ ہو رہا تھا قوم نے کہا اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ (اعراف: ۱۳۸) حضرت موسیٰ نے فرمایا یہ شیطانی کھیل ہے جو تباہ ہونے والا ہے یہ سب بھی تباہ ہوں گے، اس سے مسلمانوں کو بتایا کہ ان کے جشن اور شادی ایسے نہیں ہوتے۔ مصائب وآفات کو گناہوں کا سبب قرار دیا، نیک لوگوں کے قلوب کو مطمئن کیا جاتا ہے اور وہ مصائب وآفات میں بھی ایسے راضی ہوتے ہیں جیسے بیمار کڑوی دوا یا آپریشن پر راضی ہوتا ہے، بخلاف گنہگار جو بطور سزا ابتلا کئے جاتے ہیں ان کی پریشانی اور جزع فزع کی حد نہیں رہتی، بعض اوقات ناشکری بلکہ کلمات کفر تک پہنچ جاتے ہیں۔ بقول حضرت مولانا تھانویؒ مصیبت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ، گناہوں پر تنبیہ، توبہ واستغفار کی رغبت زیادہ ہو جائے، وہ علامت اس کی ہے کہ یہ قہر نہیں بلکہ عنایت ہے اور جس کی یہ کیفیت نہ ہو بلکہ جزع فزع اور معاصی میں انہماک بڑھ جاوے وہ علامت قہر الٰہی

اور عذاب کی ہے۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۴۱﴾ (روم: ۴۱) وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ ﴿۳۰﴾ (شوریٰ: ۳۰)

کسی لکڑی کی خراش، رگڑ کی حرکت، قدم کی لغزش یا پتھر کا کہیں سے آ کر لگ جانا جو کچھ ہوتا ہے کسی گناہ کی وجہ سے ہوتا ہے، اب ہم اپنے حالات پر غور کریں کہ کس قدر معاصی میں ہر وقت مبتلا رہتے ہیں اور آیات واحادیث کی وجہ سے کتنے عذاب وحوادیث میں مبتلا ہونے چاہیے۔ کتنی نافرمانیاں ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور اضطراب و بے چینی ہوتی ہے۔ یہ تو کلی ارشاد ہے، اب چند عبادات کو دیکھو ایمان کے بعد نماز کا درجہ ہے قرآن کریم میں ۶۰ سے زیادہ آیات اور بے شمار احادیث میں کفر تک پہونچانے والا بتایا ہے، نماز چھوڑنے پر دینی و دنیاوی نقصانات ہیں، لیکن کتنے مسلمان ہیں جو اس اہم فریضے کا اہتمام کرتے ہیں اور اس سے بڑھ کر نہ پڑھنے والوں کو ٹوکنے کی کسی کی مجال نہیں، یہ تو ایک رکن ہوا باقی ارکان میں سے کسی ایک کو لے لو اور پھر دیکھو ان پر عمل کرنے والے کتنے ہیں، دوسری جانب محرمات کو دیکھو، سود، رشوت، جھوٹ، زنا، زکوٰۃ کو ٹیکس سمجھنا، قطع تعلق وغیرہ۔ یاد رکھیں آپ نے جن اعمال پر جس قسم کے عذاب اور پریشانیوں کا ذکر فرمایا ہے وہ ہو کر رہے گا، ان اعمال کو چھوڑ کر ہی نجات ہوگی ورنہ آگ میں کود کر جل جانے پر شور مچانے کا کیا فائدہ؟ عید کے دن شکر ادا کرنا ہے، توفیق اصل ہے اسی کو احادیث میں فرمایا، خوشی کے دن کام بڑھا دیا، یہاں لینے کی جگہ دینا ہے، فطرہ دو، نماز چھ ہوگئی، دنیا آج حقیقی عید سے محروم ہوگئی۔

قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا ﴿۹﴾ وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّاهَا ﴿۱۰﴾ (شمس: ۹،۱۰)

إني خلقتُ عبادي حُنَفاء كلهم، وإنهم أتتهم الشياطين فاجتالتهم عن دينهم... (مسلم: كتاب الجنة وصفته نعيمها، باب الصفات التي يعرف بها في الدينا أهل الجنة وأهل النار)

فلاح کے لئے کیا کریں؟

فلاح کے لیے صلوٰۃ مع الخشوع ،لغویات سے احتراز، ترک شرک، زکوٰۃ کی ادائیگی، نفس کی پاکیزگی ،حفاظت فروج ،امانت کی ادائیگی ،ایفائے عہد،حفاظت صلوٰۃ،امانت میں خیانت نہ ہو،اور وعدہ میں بے وفائی نہ ہو چاہے اللہ کا حق ہو چاہے بندوں کا۔

تقوٰھا: عقل سلیم وفطرت صحیحہ کے ذریعہ بھلائی و برائی میں فرق کرنے کی سمجھ دی، پھر تفصیلی طور پر انبیاء ورسل کی زبانی کھول کھول کر بیان کیا۔

ایک بنیادی اصول:

دَسّٰىهَا: نفس کی لگام شہوات وغضب کے ہاتھ میں دے، عقل وشرع سے نہ کرے قَدۡ اَفۡلَحَ جواب قسم ہے،اس کو قسموں سے مناسبت یہ ہے کہ جیسے سورج کی دھوپ، چاند کی چاندنی، دن کا اجالا ،رات کی اندھیری، آسمان کی بلندی، زمین کی پستی کو ایک دوسرے کے مقابل پیدا فرمایا اور نفس انسانی میں خیر وشر کی متضاد قوتیں رکھیں اسی طرح مختلف اعمال پر مختلف ثمرات مرتب کرنا بھی اس حاکم مطلق کا کام ہے اور خیر وشر کے مختلف آثار کا عالم میں پایا جانا بھی حکمتِ تخلیق کے اعتبار سے ایسا ہی موزوں ہے جیسے اندھیرے اور اجالے کا وجود۔آیت کریمہ میں دین کا ایک بنیادی اصول ارشاد فرمایا ہے جو انسانی پیدائش کی بنیاد وغرض ہے،اس کو سمجھنے کے لیے ایک مقدمہ سنئے کہ ہر انسان میں اللہ تعالیٰ نے دو مادے خیر وشر کے رکھے ہیں۔وہ ملائکہ یا شیاطین ہوتے ہیں اور اسی میں اس کی ترقی کا راز پنہا ہے۔حدیث میں ہے ہر انسان میں ایک ''لمہ'' خیر وشر کا موجود ہے یعنی جذبہ اور داعیہ ہے،قلب کی دائیں جانب فرشتہ بٹھایا گیا ہے جو بندے کو خیر کی طرف اور بائیں جانب شیطان ہے جو برائی پر آمادہ کرتا ہے۔آپ کی برکت نے اس کی ماہیت بدل دی، محرکات خیر وشر کی جنگ کے نتیجے میں اعمال خیر وشر وجود میں آتے ہیں۔

زَكّٰىهَا نفس کی پاکی میں ہی فلاح ہے،قوانین کی سختی سے کچھ نہیں ہوتا، امریکی پارلیمنٹ کی شراب کی بندش میں ناکامی ہوئی اور مدینہ منورہ میں شراب کی حرمت پر نالیاں بہہ گئیں،

حضرت تھانویؒ سے ٹرین کا گارڈ کہہ رہا ہے طے شدہ وزن سے زائد کا ٹکٹ نہ کٹانے کا تو حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ بھئی میرا سفر تو بہت آگے کا ہے اور وہ قبر کے بعد تک ہے اگر وہاں بھی آپ میری جواب دہی کے لیے تیار ہو؟ تو گارڈ سمجھ گیا کہ ان کا سفر تو وہاں تک ہے جہاں میری پہچان کام نہیں لگے گی۔ اسلام نے تزکیہ پر زور دیا تربیت کا مرکزی نقطہ قلب ہے من زکھا برائی چھوڑنے کو نہیں کہا بلکہ دل میں اس سے نفرت آ جائے، دنیا میں ہر چیز کی ایک صورت اور روح ہوتی ہے، روح اصل ہے؛ لیکن ظاہر بھی مقصود ہوتا ہے، لہٰذا قربانی میں جانور ذبح کرنا ضروری ہے، قربانی کی اصل روح تقویٰ ہے، **لن ینال اللہ لحومھا**، (حج:۳۷) روزہ کی اصل بھی تقویٰ، **لعلکم تتقون** نماز کے متعلق ہے **ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر**۔ (عنکبوت:۴۵)

مزاج کو بدلنے کی ضرورت:

خرابی کی جڑ کسی نے بھوک، جہالت، کلچر کو قرار دیا، پہلے پھٹے پرانے کپڑوں میں پاپ ہوتا تھا اب زرق لباس میں ہوتا ہے، علم نے گناہوں کے راستے بتائے، ذہن اس میں چلا۔ جن کو لوہاری کا فن دیا تو تجوری توڑنا سیکھا، پیغمبر دل بدلتے ہیں چوری ظلم دغابازی کا مرکز دل ہے، انبیاء کرام لوگوں کو بھوکا دیکھ کر پریشان ہوتے ہیں لیکن اس کو نتیجہ سمجھتے ہیں جڑ نہیں، وہ اس کو وقتی سمجھتے ہیں، وہ دل کو بدل کر بھوکے کے لیے کھانے کا انتظام کرنے والے ہوتے ہیں، اپنے بچوں کو بھوکا رکھ کر دوسروں کا پیٹ بھرنے والے ہوتے ہیں، ابوطلحہؓ گھر پر مہمان لے کر آئے بیوی نے بتلایا کھانا اتنا نہیں کہ مہمان اور ہم سب کھائے تو ابوطلحہؓ نے بیوی کو کہا ہم بھوکے سو جائیں گے رات کو کھانے کے وقت چراغ درست کرنے کے بہانے چراغ بجھا دینا اور میں کھانے کی شکل بناؤں گا تا کہ مہمان کو میرے نہ کھانے کا احساس نہ ہو بیوی نے ایسا ہی کیا، اور مہمان نے کھانا کھایا لیکن اس کو میزبان کے بھوکے رہنے کا احساس تک نہیں ہوا۔ میدان جہاد میں صحابی پیاسے تڑپ رہے ہیں ان کے پاس پانی پہنچتا ہے تو سن رہے دوسرے صحابی پیاس

کے مارے تڑپ رہے ہیں تو خود پانی نہیں پیتے اپنے ساتھی کو پانی پلانے کی درخواست کرتے ہیں، قرآن میں ہے **ویؤثرون علی انفسھم**، (حشر:۹) وہ تو دنیا سے رخصت ہو گئے لیکن نقش چھوڑ گئے۔ انبیاء کرام نظام نہیں مزاج بدلتے ہیں، آج حکومت کو نظام کی فکر ہے، نظام مزاج کے تابع ہوتا ہے، آج دنیا نہیں بدلی دل بدلے ہیں، انسانیت کا درخت اندر سے کھوکھلا ہے اوپر سے پانی دیا جاتا ہے، کسی ملک میں ایسی قوم ہوجائے جو **یؤثرون** کا نمونہ بن جائے، تو وہ انسانیت کو سدھار سکتی ہے، دنیا کے لیڈروں نے تکلیف کے بعد اپنا کیا، کرسی پر بیٹھے، انبیاء اکرامؑ دنیا سے بے داغ گئے، انہوں نے اعلان کیا نقصان مین شریک، نفع میں نہیں، **نحن معاشر الانبیاء**، دنیا سے جاتے وقت گھر میں چراغ جلانے کا تیل تک نہیں تھا، جزیرۃ العرب کو ایمانی نور سے منور کیا تھا، قرضے کی ادائیگی کی ذمہ داری لی، آپ اور آپ کے ساتھی بے داغ چلے گئے، آج تمام حکومتیں لوگوں کو مطمئن کرنے کی فکر میں ہے، جبکہ ایک فرد کی بھی خواہش پوری نہیں ہوسکتی، خواہش سمندر کا کھارا پانی ہے، جتنا پئے گا پیاس نہیں بھرے گی، لوگوں کی مانگیں پوری کرنے کی فکر نے فساد برپا کررکھا ہے، اپنی اولاد کے بارے میں نفع نقصان کا خیال کرتے ہیں، ان کی ہر ضرورت پوری نہیں کرتے، انبیاء نے خواہش کو لگام دی نہ کہ ابھارا، سائنس نے سب دیا لیکن پاک دل نہیں دیا، انبیاء نے صحیح استعمال کرنے والے ذہن دیے، عقیدۂ آخرت دیا۔

۱۹۱۴ میں یہودی کارخانے کے اسلحہ فروخت کرنے کے لیے لڑائی کے حالات پیدا کیے گئے، آپ ﷺ نے تین باتیں پیش کی، توحید، رسالت اور آخرت کے عقیدے بتائے، نفس کی گندگی دور کرنے والے، اس کے لیے ہجرت کرنی پڑی، فتح مکہ کے وقت تواضع کی شان کہ میں تو ایک مکہ کی قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت کھایا کرتی ہے، فاطمہ آتی ہے تکلیف کی شکایت لے کر تو تسبیح فاطمی بتائی جاتی ہے۔ (بخاری: کتاب فضائل أصحاب النبی، باب مناقب علی بن أبی طالب) وہ سزا میں رعایت نہیں کرتے، قانون کی گرفت میں سب برابر فرمارہے ہیں

اگر بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے گی تو ہاتھ کاٹا جائے گا، (بخاری: کتاب المغازی، رقم: ۴۳۰۴)
آخری حج کے موقع پر جاہلیت کا جو حضرت عباس کا سود تھا معاف کیا، قتل کا بدلہ معاف کیا،
(ترمذی: أبواب تفسیر القرآن، باب من سورۃ التوبۃ) آپ کے بعد آپ کے تربیت یافتہ حضرت
ابوبکر صدیق بھی اسی طرح زندگی گذارتے ہیں، بیت المال سے جو وظیفہ ملتا تھا ایک دن بیوی
نے کچھ رقم بچا کر حلوا بنایا تو اس کے پیسے بیت المال سے کم کروادیے کہ اس سے کم میں گذر بسر
ہوجاتا ہے، (تاریخ الخلفاء: ص: ۶۰)

بیت المقدس کی فتح کے وقت حضرت عمرؓ کے پاس دو سواری نہیں ایک سواری پر غلام اور آپ
خود باری باری سوار ہو رہے ہیں، جب قحط پڑا تو ایک سالن کھاتے تھے، کپڑوں پر پیوند لگے تھے،
حضرت خالدؓ کو معزول کیا تو بھی لڑائی بدستور جاری رکھی، مسلمانوں یہ نفس پرستی کے خلاف تم کو کھڑا
کیا تھا، ایک یہودی جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تھی، تو اس یہودی کو گرا
کر حضرت علیؓ سینے پر بیٹھ گئے، جب وہ سمجھ گیا کہ میرا کچھ بس نہیں چلے گا تو اس نے آپ کے چہرہ
پر تھوک دیا تو حضرت علیؓ نے اس کو چھوڑ دیا جب کسی نے پوچھا سزا کی جگہ آپ نے اس کو چھوڑ
دیا، تو بتایا کہ پہلے میں اس کو سزا دے رہا تھا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں جو گستاخی کی تھی اس کی اور
وہ غصہ گستاخی کا تھا لیکن جب اس نے میرے اوپر تھوکا تو اب میرا غصہ اپنی ذات کے لیے تھا، تو
مجھے خیال آیا کہ اپنی ذات کے لیے انتقام لینا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ ایٹم بم سے خطرناک نفس
پرستی ہے، اس کو کسی نفس نے ہی بنایا، اگر بم سے دنیا درست ہوسکتی تو یورپ پاپ سے پاک ہوتا۔
حضرت عمر ابن العزیزؒ حکومت پر متمکن ہیں، سرکاری چراغ جل رہا تھا جب اپنے کام میں مشغول
ہوئے تو سرکاری چراغ بجھا دیا تب تو شیر اور بکری ایک گھاٹ پر پانی پیتے تھے، ایک دوسرے کو
نقصان نہیں پہنچاتے تھے۔ حضرت معین الدین چشتیؒ نفس پرستی کے خلاف دعوت لے کر آئے
تھے، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن پر چٹائی کے نشان
دیکھے تو صحابہ نے عرض کیا کیوں نہ ہم چٹائی پر کوئی چیز بچھا دیں تو آپ نے ارشاد فرمایا میرا اور دنیا کا

تعلق اتنا ہے جتنا ایک سوار کسی درخت کے سایہ میں ستانے کے لیے ٹھہرے اور پھر اپنے سفر پر چل دے۔ (ترمذی: أبواب الزهد، رقم: ۲۳۷۷)

نفس کی غلامی سے بچو:

آج ہر جگہ نفس کا قبضہ اور خواہشات کا غلبہ ہے اس کی سلطنت میں آفتاب غروب نہیں ہوتا، وقت کا تقاضہ ہے کہ نفس کی خواہش پوری کی جائے، چاہے خون کی ندیاں بہتی ہو، نعشوں پر سے گذرنا پڑے، خواہ آبادی ویران ہوجائے، لیکن اس میں تعجب کی بات نہیں، سیکڑوں برس سے جو تعلیم انسانوں کو دی جارہی ہے تعلیم گاہ سنیما، ادب وشاعری کے ذریعہ من کے راجہ اور نفس کا غلام بنایا جارہا ہے، اس وقت دنیا میں کوئی آواز اس کے خلاف نہیں ہے، یہ تو انبیاء کی جرأت تھی کہ انہوں نے انسانیت کے خلاف بغاوت کو روکا، دنیا کو چیلنج کیا ان کے سامنے لذتیں اور دولتیں لائی گئی مگر سب کو ٹھکرادیا، انسانیت کے درد میں جان کو خطرہ میں ڈالا یہ جماعت دنیا کو دینے کے لیے آئی تھی، لینے نہیں، کوئی غرض نہ تھی، وما اسئلكم ان کی پکار تھی، غیروں کو نفع پہونچایا، اپنوں کو نفع سے محروم رکھا، **نحنُ معشرَ الأنبياءِ لا نورَثُ ما ترَكنا فهو صدقةٌ.** (تفسیر ابن کثیر: ۱۷۳/۶) دوسری طرف مرنے والے کے قرض کی ذمہ داری لی، زکوٰۃ اپنے خاندان کے لیے روک دی، انہوں نے دلوں میں خلش پیدا کی کہ موجودہ زندگی خطرہ میں ہے، نفس کے غلام ان کے خلاف صف آراء ہوئے، کہ نبیوں نے ہمارا عیش مکدر کیا، لیکن گھر میں لگی آگ بجھانے والوں نے ان کی پرواہ نہ کی، ہمارے سامنے سب سے زیادہ واضح نمونہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے، آپ نے ایک اللہ تعالیٰ کا اعلان اس وقت کیا جب کوئی کہنے والا نہ تھا، آج یہ آواز دنیا میں پھیل گئی، آپ کی تعلیم انسانیت کا مشترکہ سرمایہ ہے، ہوا، پانی، روشنی کی طرح آپ کی تعلیم عام ہے، ہر آدمی آپ کی تعلیم سے نفع اٹھا سکتا ہے، دنیا کی تنگ نظری ہے وہ اس کو مسلمانوں کی جاگیر سمجھے، آپ محسن انسانیت تھے، دنیا کا موجودہ عدل آپ کا رہین منت ہے، انسانیت کے مسائل کا حل صرف دل کی تبدیلی سے ہوگا، دنیا لگام دل کے ہاتھ میں ہے،

انبیائے کرام دل سے ہی اپنا کام شروع کرتے ہیں کہ سب قصور اسی کا ہے، اس کے اندر چوری، ظلم، دغا بازی کا جذبہ ہے، لہٰذا اس کو مانجھا جاوے، نظام مزاج کے تابع ہوتا ہے، لہٰذا وہ اس کی درستگی کی فکر کرتے ہیں، آج انسانیت کا درخت اندر سے خشک ہو رہا ہے، لیکن پتیوں کو سرسبز کرنے کی فکر ہو رہی ہے، پیغمبروں نے دلوں کو ایمانی انجکشن دیا۔

تاریخِ دنیا شاہد ہے کہ انسانیت کے علمبرداروں نے بالآخر اپنا انتظام کر لیا، لیکن حضرات انبیاء کرام دنیا سے بے داغ چلے گیے وہ اور ان کے صحابہ جہاں سے گذرے عدل وانصاف سے دنیا کو بھر دیا، عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بیت المقدس کی فتح کے وقت باہر نماز پڑھنا، نصیحت مسلمانوں کے لیے تھی۔

خواہشات کی تسکین سکون کا راستہ نہیں، انبیاء کرام خواہشات میں اعتدال کر کے صحیح صلاحیت عطا کرتے ہیں سائنس نے دنیا کو بہت کچھ دیا لیکن انسانوں کو پاک دل نہیں دیا، انبیاء کرام نے چیزیں ایجاد نہیں کی، لیکن وہ ذہن بنائے جو ان کو صحیح استعمال کریں، خدا کا خوف ویقین پیدا کیا جو لالچ اور خود غرضی کو ختم کرتا ہے، مسلمان اس ملک میں اسی دعوت کو لے کر آئے تھے، حضرت اجمیری رحمہ اللہ اور ان کے شاگردوں نے یہی دعوت اس ملک میں پھیلائی یہی وطن دوستی ہے، ایک زمانے میں سفارش ہوتی تھی کہ ہمارے ملک میں سب کچھ ہے مسلمان نہیں اس وقت افسوس ہمارے ہوتے ہوئے بھی کوئی فرق نہیں، ورنہ حضرت یوسف کی طرح حکومت پر بٹھائے جاتے، طارق بن زیاد نے جہازوں کو آگ لگادی کہ ان کو معبود سمجھنے والے ناامید ہو جائے، ہم ہندوستان تاجر بن گئے جب کہ داعی بن کر آتے تھے، گھر میں اشرفی گر گئی تھی اور سڑک پر تلاش کر رہے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں کہی سنی باتوں پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے، اور سب سے بڑی چیز: رمضان اور قرآن کی عظمت اور اس کا جو حق ہے: اس کو ادا کرنے کی اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں توفیق نصیب فرمائے آمین۔۔۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(۲۷)

سچائی کی فضیلت

(مقام: آبادنگر مسجد، بھروچ)

الحمد لله رب العالمين و العاقبة للمتقين و الصلاة و السلام على سيد المرسلين و على آله و اصحابه اجمعين. اما بعد!

قال الله تعالىٰ..

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١١٩﴾

و قال النبى صلى الله عليه و سلم: عليكم بالصدق، فإن الصدق يهدى إلى البر و إن البر يهدى إلى الجنة، و إياكم بالكذب، فإن الكذب يهدى إلى الفجور، و إن الفجور يهدى إلى النار. (مسلم: كتاب البر و الصلة، باب قبح الكذب و حسن الصدق و فضله)

صدق الله العظيم، و صدق رسوله النبى الكريم، و نحن على ذلك لمن الشاهدين و الشاكرين، و الحمد لله رب العالمين.

محترم ومکرم حضرات علماء کرام اور ایمان والے بھائیو! کلام پاک کی جن آیات کی آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی؛ اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانی زندگی میں اخلاق و آداب کے اعتبار سے سب سے بڑی جو چیز ہے؛ جو ایک مؤمن کی نشانی اور علامت بتلائی گئی، اور منافق کو اس سے دور رکھا گیا؛ یہ ہے سچائی، سچ بولنا اور سچ پر عمل کرنا اور پوری زندگی صداقت وسچائی کے ساتھ لوگوں کے ساتھ معاملات کرنا، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مختلف طریقوں

سے سچائی کی اہمیت کو ذکر فرمایا، آپ کے سامنے جو آیت پڑھی اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ اے ایمان والو! اللہ پاک سے ڈرو! وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴿۱۱۹﴾ اور سچے لوگوں کے ساتھ رہو، یہ عجیب جملہ ہے وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴿۱۱۹﴾ اپنے آپ کو سچے لوگوں کے ساتھ رکھو، ہماری اردو اور گجراتی زبان میں سچائی کا صرف ایک مختصر سا ہم معنی لیتے ہیں؛ کسی سے بات کریں تو سچی بات کریں؛ لیکن قرآن کریم صدق کا لفظ بولتا ہے سچائی کا لفظ جو بولتا ہے اس میں زندگی کا ہر عمل اپنے ساتھ، اپنے رشتہ داروں کے ساتھ، معاملات کرنے والوں کے ساتھ، کسی کے ساتھ وعدہ کرتے ہوئے، کسی کے ساتھ گواہی میں جائیں، اس طریقے سے زندگی کے ہر موڑ پر سچائی آکر سامنے کھڑی رہے گی اور اس پر ہمیں عمل کرنا ہے، دین اور ایمان میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے سچائی کی جو فضیلت ذکر فرمائی؛ قرآن کریم کی یہ آیت صحابہ کرامؓ کے لئے نازل ہوئی اور حضرت کعب بن مالک اور ان کے دوسرے دو ساتھی؛ غزوۂ تبوک میں یہ حضرات شریک نہ ہوسکے، آج جائیں گے، کل جائیں گے، کچھ ایسا مسئلہ پیش ہوگیا کہ جا نہیں سکے۔

اللہ پاک کی حکمت ومصلحت:

حضرت کعب بن مالک؛ بخاری شریف میں آپ کا پورا واقعہ بہت تفصیل سے ذکر فرمایا کہ کس طریقے سے وہ آپ کے ساتھ غزوہ میں نہیں جاسکے، جبکہ ان کے پاس اچھی سواری تھی، سارا انتظام تھا، اس سے پہلے اتنی سہولت نہیں تھی؛ لیکن اتفاق ہوا، ان سے یہ جو واقعہ پیش آیا اور امت کے لئے اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بہت سارے اسباق رکھے ہیں، بہت ساری نصیحتیں رکھی ہیں، اسی لیے حضرت مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ وہ کام جو انبیاء کرام علیہم السلام کے شان کے مطابق نہیں تھے اور قیامت تک اس دین کو اللہ پاک کو باقی رکھنا تھا، کچھ وہ کام جو اسلامی نظام، اور اسلامی حکومت کے اعتبار سے لوگوں کے سامنے آئے؛ وہ معاملات جو لوگوں کے سامنے آئے، تو حضرات صحابہ کرامؓ کی ذات نے اپنے آپ کو پیش کیا، زنا کی سزا

دی گئی، (بخاری: كتاب المحاربين من أهل الكفر والردة، باب لايرجم المجنون والمجنونة) چوری سے ہاتھ کاٹے گئے، یہ انبیاء کرام علیہم السلام کی شان کے مطابق نہیں تھا؛ لیکن قیامت تک اللہ کے دین کو عملی شکل میں بتلانا تھا، تو حضرات صحابہ کرامؓ کے ذریعہ اس طرح کے کام ہوئے جس کے بعد اللہ پاک کی طرف سے نصیحتیں آئیں۔

حضرت کعب بن مالکؓ اور ان کے ساتھیوں کا امتحان:

اس واقعے میں بھی حضرت کعب بن مالکؓ کا جو واقعہ پیش آیا، غزوہ میں وہ نہیں جا سکے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ واپس آئے، تو مدینہ منورہ میں ایک جماعت تھی منافقین کی، جو ظاہر میں کلمہ پڑھتے تھے اور اندر سے ایمان والے نہیں تھے، یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور چونکہ وہ اس غزوہ میں شریک نہیں ہو سکے تھے، تو کوئی نہ کوئی بہانہ ان کو کرنا چاہیے تھا، تو اس بہانے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انہوں نے معافی مانگی، ایسا ہوا، ویسا ہوا، قرآن نے مختلف طریقوں سے ذکر کیا فرمایا، يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ (توبہ:۹۴) اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ آپ کے پاس آئیں گے اور اپنی غیر حاضری کا کوئی نہ کوئی عذر اور بہانہ کریں گے، آپ فرما دیجئے قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا (توبہ:۹۴) ہم تمہیں جان چکے ہیں، گیارہویں پارے میں اور دسویں پارے کے آخری پاؤ پارے میں ان واقعات کو ذکر فرمایا اور سچ اور جھوٹ کے سلسلے کی بہت ساری باتیں اللہ پاک نے ذکر فرمائی، تو بتلانا یہ ہے کہ؛ حضرت کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس میں بھی حاضر ہوا، اس سے پہلے منافقین کو اجازت مل گئی تھی، ان کے عذر کو معاف کر دیا گیا تھا، تو میرے دوسرے دوستوں نے اور رشتے داروں نے مجھے کہا کہ تو بھی جھوٹ بول لینا وہاں جا کر، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں، اور اس مسئلہ کو حل کرنا، حضرت کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میرے نفس میں یہ وسوسے آئے؛ لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچا تو سارا وسوسہ ختم ہو گیا اور دل نے یہ کہا کہ جو سچی بات ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کرے اور پورا اپنا حال بتلا دیا کہ کوئی عذر نہیں تھا، میرا اپنا قصور تھا اور میں حاضر ہو نہ سکا۔ حضرت کعب بن مالکؓ

عربی زبان کے بہت بڑے ادیب اور شاعر اور بہترین عربی زبان جانتے تھے فصاحت و بلاغت کے ساتھ، یہ عرض کرتے ہیں: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان منافقین نے آ کر آپ سے جو عذر کیا؛ مجھے بھی اللہ پاک نے زبان دی ہے، میں اس کا ماہر ہوں، کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے آپ کے سامنے چھوٹ جاؤں؛ لیکن کل اللہ پاک کی طرف سے وحی نازل ہوگی میرے متعلق، اور میرا جھوٹا ہونا ثابت ہوگا، تو میں کسی کام کا نہیں رہوں گا، اس لئے میں آپ کے سامنے اپنی سچی بات پیش کر رہا ہوں اور وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ (توبہ: ۱۱۸) اللہ پاک کی طرف سے ان کا امتحان لیا گیا؛ ان تین صحابۂ کرام کا جو مخلص تھے، اللہ پاک کی طرف سے ان کا امتحان لیا گیا اور خلفوا ان کا معاملہ پیچھے چھوڑ دیا گیا، ان کو معاف نہیں کیا گیا، ان کی سزا چلی؛ پچاس دن تک اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابۂ کرام نے ان سے بولنا بند کر دیا اور قرآن کریم خود یہ فرماتا ہے کہ ان سے جب بولنا بند ہوا تو ان کی کیفیت کیا ہوئی؟ اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ (توبہ: ۹۴) زمین ان پر باوجود کشادہ ہونے کے تنگ ہوگئی، یہ عربی زبان کا محاورہ ہے کہ زمین باوجود کشادہ ہونے کے ان کے لئے تنگ ہوگئی؛ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ؕ (توبہ: ۹۴) اور یہ سمجھ چکے تھے کہ اس مسئلہ کا حل سوائے اللہ پاک کی طرف متوجہ ہونے کے اور کچھ نہیں، اللہ ہی ملجأ و مأوی ہے، وہی سب کچھ پیدا کرنے والا ہے، حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ، حضرت مرارہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ تینوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پچاس دن تک آزمائش اور امتحان ہوا، سچ بولے تھے، سچ پر امتحان ہوا، اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کے سچ بولنے پر ان سے امتحان لیا؛ لیکن پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوئی اور ان کی توبہ کو اللہ پاک نے قبول فرمایا، (بخاری: کتاب المغازی: باب حدیث کعب بن مالک)

اور سورہ کا نام سورۂ توبہ رکھا، یہی ایک نسبت؛ سورہ کا شروع تو اللہ پاک کی طرف سے مشرکین سے ناراضگی پر ہے بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ (توبہ: ۱)، بسملہ بھی نہیں ہے سورہ کے شروع میں، اللہ پاک نے ناراضگی کا اظہار فرمایا؛ لیکن سورہ ختم ہوتے ہوتے اَلتَّآئِبُوْنَ

الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ (توبہ:۱۱۲) فرمایا۔

انبیاء کرامؑ کی سب سے بڑی صفت:

قرآن کریم کی اس آیت میں سب سے پہلے اَلتَّآئِبُوْنَ توبہ کرنے والے؛ اللہ پاک نے اس کو پسند فرمایا، توسچائی توبہ کی توفیق نصیب کرتی ہے۔ الصدق ینجی حدیث شریف میں فرمایا، اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے انبیاء کرام کی سب سے بڑی صفت جو قرآن کریم میں ذکر فرمائی وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۴۱﴾ (مریم:۴۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے صدیق؛ سچے، حضرت ادریس علیہ السلام کے لئے صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۴﴾ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لئے انه کان صادق الوعد. (مریم؛۵۴) اپنے وعدے میں سچے ہیں، حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے قرآن کریم نے فرمایا یوسف ایها الصدیق (یوسف:۴۶) حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے لئے فرمایا وصدقت بکلمات ربه. (تحریم:۱۲) یہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور نیک اور صالح بندے؛ ان کی سب سے بڑی صفت قرآن کریم نے جو ذکر فرمائی؛ وہ صدیق اور سچ بولنے والے؛ من المومنین رجال صدقوا ما عاهدوا الله علیه. (احزاب:۲۳) صحابہ کرامؓ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وعدے کئے تھے اور ان وعدوں کو انہوں نے پورا کیا، اللہ پاک نے اس آیت میں صدقوا ما عاهدوا الله علیه انہوں نے سچ کر کے بتلایا؛ جس کا انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وعدہ کیا تھا۔ تو دوستو اور بزرگو! سچائی کی اتنی بڑی فضیلت ہے اللہ پاک فرماتے ہیں هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ (مائدہ:۱۱۹) یہ وہ دن ہے یعنی قیامت کا دن؛ اس میں سچوں کو ان کا سچ بولنا فائدہ دے گا اور منافقین جو جھوٹے ہوتے ہیں؛ اللہ پاک کی طرف سے ان کو عذاب ہوگا۔

بغیر تحقیق بات کو پھیلانا گناہ ہے:

قرآن کریم کی مختلف آیتوں کے ذریعہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں بتلایا، اب ہم ذرا اپنے اوپر غور کریں! رات دن لوگوں کے ساتھ جو ہمارے معاملات پیش آتے ہیں، جو بات

چیت ہوتی ہے، جھوٹ کو ہم نے مذاق سمجھ لیا اور سب سے بڑی مصیبت جو موبائل میں واٹس ایپ کی آئی ہے؛ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا **كفى بالمرأ كذبا ان يحدث بكل ما سمع.** (مسلم: المقدمة، باب النهى عن الحديث بكل ما سمع) آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے کافی ہے کہ وہ ہر اس چیز کو سچ مان لے جو اس کو بیان کیا جائے، اور پھر وہ لوگوں کے سامنے اس کو بیان کرے، اسلام ہم کو ایک ذمہ دار فرد بنانا چاہتا ہے، یہ نہیں کہ بھئی اس کو صرف مذاق میں کہا، آپ کی بات کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ سن چکے ہیں قصہ آپ؛ شیر آیا شیر آیا شیر آیا ایک مرتبہ لوگوں کو جھٹلایا اور دوسری مرتبہ جب حقیقت میں آیا تو اس کی مدد کے لئے کوئی نہیں گیا۔ یہ بچپن میں اسکولوں میں ہم نے کتابوں میں کہانیاں پڑھی ہیں، یہ سچائی اور دیانت داری، امانت داری کی بات جو پڑھائی جاتی ہے؛ یہ انبیاء کرامؑ کی پوری زندگی کے خلاصے ہیں۔

محبت صالحین سے زندگی پاکیزہ ہوتی ہے:

یہ مہینہ جس سے ہم گزر رہے ہیں اور آخری ایام ہیں، ہمارے بھائیوں نے حضرت شاہ عبد القادر جیلانیؒ کی نسبت سے اس مہینے میں بہت کچھ وہ کام کئے جو شریعت میں نہیں اور بزرگوں کی شخصیت منانے کی نہیں ہوتی ہے؛ ان کی ماننے کی ہوتی ہے، ان کی زندگی کیسے گزری؟ انہوں نے اپنی پوری زندگی میں کس طرح عمل کیا؟ آج ہم ان کے نام لیوا ہیں اور وہ حنبلی مسلک کے ہیں؛ ان کے مسلک میں حنبلی مسلک میں یہ ہے کہ ایک آدمی نماز چھوڑ دیتا ہے؛ اس پر اسلامی حکومت اس کو جو سزا دے گی؛ کفر کی بنیاد پر سزا دے گی یعنی نماز چھوڑنے والا کافر ہو جائے گا، ان کے یہاں یہ ہے، ہمارے امام ابو حنیفہؒ جیل میں ڈالنا فرماتے ہیں، کافر نہیں کہہ رہے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ سزا کے طور پر اس کو مارا جائے، تو جن کو ہم یہ کہیں کہ یہ اتنے بڑے بزرگ ہیں، اور سچائی ہی کی بنیاد پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے جن کو کامیاب فرمایا، حضرت کعب بن مالکؓ کو بھی سچائی کی بنیاد پر اللہ پاک نے کامیاب فرمایا۔

اس میں ایک چیز اور بھی ہے، یہ جو آیت ہے يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُونُوا مَعَ

الصّٰدِقِیۡنَ﴿۱۱۹﴾ (توبہ:۱۱۹) اس سے پہلے بھی غزوہ اور جنگ کا پورا بیان، اس کے بعد بھی اس کا بیان ہے اور بیچ میں یہ آیت اللہ پاک نے فرمادی، اس سے اشارہ فرمایا کہ نیک اور صالح لوگوں کی صحبت میں رہوگے تو سچ بولنے کی، سچ پر عمل کرنے کی توفیق نصیب ہوگی، اس لئے قرآن کریم نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو اشارہ کیا کہ پچاس دن تمہاری اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دوری ہوئی اور منافقین وغیرہ جو مدینہ منورہ میں رہے تھے، یہ تم نے پچاس دن اپنے نبی کی صحبت چھوڑی تو اس کی سزا یہ ملی کہ پچاس دن تک نبی نے تم سے بولنا چھوڑ دیا، چونکہ وہ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے، ان سے اللہ پاک نقد وصول کرتے تھے، نقد وصول ہو جاتا تھا، ان کی عملی تربیت اللہ پاک نے فرمائی، **من كان مستنا فليستن بمن قدمات، فان الحی لاتومن عليه الفتنة، أولئک أصحاب محمد....... اختارهم الله لصحبة نبيه ولا قامة دينه.** (مشكاة: كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں س کو کسی کے طریقے کو اپنانا ہو، کسی کے راستے پر چلنا ہو، تو ان لوگوں کے راستے پر چلو جو دنیا سے رخصت ہو گئے اس لئے کہ زندہ آدمی کے لیے موت تک خطرہ ہے کہ کس وقت وہ بھٹک جائے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ زندہ اور نیک لوگوں کی صحبت اختیار نہ کی جائے؛ بتلانا یہ ہے کہ فیصلہ کب ہوتا ہے؟ آخری کلمہ پر فیصلہ ہوتا ہے، دنیا سے رخصت ہونے پر فیصلہ ہوتا ہے۔

اعمال کا اعتبار خاتمہ پر ہے:

ایک بزرگ تھے بہت بڑے، اور تاتاریوں کا جس وقت حملہ ہوا بغداد پر، اتفاق سے تاتاری لوگ ایرانی مسلمانوں کو منحوس سمجھتے تھے، صبح میں شکار کے لئے تاتاری شہزادہ نکلا اور ایک مسلمان بزرگ کو دیکھا، تو کہا آج کا میرا دن نحوست والا گذرا، شکار کے لئے جا رہا تھا، کتا بھی ساتھ تھا، اس نے کہا اچھا بتاؤ تم بہتر ہو یا یہ میرا کتا بہتر ہے؟ اس بزرگ نے کہا: ابھی اس کا فیصلہ نہیں ہوسکتا، جس وقت میں دنیا سے رخصت ہوں گا اور لا الہ الا اللہ کے ساتھ میرا دنیا سے رخصت ہونا ہوگا، تب تو میں اس کتے سے بہتر ہوں اور اگر میری لا الہ الا اللہ کے ساتھ

رخصتی نہیں ہوئی ،تو یہ کتا مجھ سے بہتر ہے، یہی وہ جملہ تھا جس کی وجہ سے تاتاریوں کو بعد میں ایمان لانے کی توفیق نصیب ہوئی ، یہ ایسا جملہ تھا'' از دل خیزد بر دل ریزد'' فارسی میں کہاوت ہے'' جو چیز دل سے نکلتی ہیں سیدھی دل پر اثر کرتی ہے''۔

حضرت ربعی بن عامرؓ رستم کے دربار میں:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو جو دعوت دی اور صحابہ کرامؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو جو قبول کر رہے ہیں، پھر دنیا بھر کی طاقتیں اور کوششیں ان کے مقابلے میں سامنے آتی ہیں ؛لیکن ذرہ برابر پیچھے نہیں ہٹے۔ رستم کے دربار میں حضرت ربعی بن عامرؓ پہنچے، اس نے پوچھا: تم کو کس نے یہاں بھیجا؟ تم تو عرب ہو! تم پر حکومت کرنے کے لیے کوئی تیار نہیں! ایسے لوگ! اور تم آج ایران جیسی سپر پاور طاقت کے مقابلے میں ہو! صحابیؓ نے فرمایا **الله ابتعثنا**۔ (البداية والنهاية: ۹/ ۶۲۲، فصل في غزوة القادسية) ہم نہیں آئے ؛اللہ تعالیٰ نے بھیجا اور کیوں بھیجا؟ آگے اس کی پوری وضاحت صحابیؓ نے فرمائی۔

سچائی کی بنیاد پر کامیابی:

مجھے یہ بتلانا ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ یہ صحابہ کرامؓ کی جماعت **اختارهم الله لصحبة نبيه** اللہ پاک نے اپنے نبی کی صحبت کے لئے ان کو چن لیا ، **و لاقامة دينه** اور اللہ کے دین کو پورے عالم میں پھیلانے کا صحابہ کرامؓ سے اللہ پاک نے کام لیا، اور دنیا بھر میں اسلام کے پھیلانے کا ذریعہ بنایا **و لا قامة دينه**. یہ سچائی کی بنیاد پر صحابہ کرامؓ ، تابعین اور بزرگوں کو اللہ پاک نے اس توفیق سے نوازا، شاہ عبدالقادر جیلانیؒ سچائی کی بنیاد پر اللہ پاک نے ڈاکوؤں کو سچی پکی توبہ کرنے کی توفیق نصیب فرمائی ،تو ان بزرگوں کے واقعات اور احوال سے ان کی زندگی کا نمونہ ہمیں دیکھنا ہے کہ اللہ پاک نے ان کو کیسے کامیاب کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان فرما رہے تھے اور سیدھے بیٹھے ہوئے تھے، جب ایک اور بات کہنے کی آئی تو آپ ٹھیک بیٹھ گئے اور فرمایا **الا و قول الزور**. (بخاري: كتاب الأدب، باب عقوق الوالدين

من الکبائر) اور سن لو جھوٹی گواہی، یہ اللہ کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام دنیا میں صدق سچائی اور امانت داری اور دیانت داری کا ماحول پیدا کرنے کے لیے آئے اور یہ جو جھوٹ اور اس طریقے کی چیزیں اس میں شامل ہوتی ہیں؛ یہ انسان کو نہ دنیا کا چھوڑتی ہے نہ آخرت کا باقی رکھتی ہے۔

ایک آدمی میں چار بری خصلت موجود تھی، چوری، زنا، شراب، جھوٹ، جھوٹ چھوڑنے پر چار سے نجات ہوگئی، ہرقل کا ابوسفیان سے آپ کے بارے میں صدق کا دریافت کرنا، ابوسفیان کا بھی ظاہری جھوٹ سے بچنے کا ارادہ کرنا، حضرت کعب بن مالک ؓ کا جھوٹ سے بچنا، مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا (احزاب: ۲۳) عبدالقادر جیلانیؒ کا ڈاکوؤں سے سچ بولنا، زبان، عمل اور دل کی سچائی، لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۴﴾ (احزاب: ۲۴) صدق کے مقابلے میں نفاق کو ذکر کیا۔

مذاق میں بھی جھوٹ نہ بولنے والے کو جنت کے وسط میں جگہ ملے گی، **الصدق یھدی إلی البر و إن البر یھدی إلی الجنة... و إن الکذب یھدی إلی الفجور و إن الفجور یھدی إلی النار.** (شعب الإیمان: ۵/ ۲۹۰، رقم: ۴۴۴۳) یہ بھی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے جھوٹ بولو جبکہ وہ تم کو سچا سمجھتا ہو، سچائی سے صدیقیت کا درجہ ملتا ہے، سچا امانت دار تاجر قیامت میں انبیاء و صدیقین کے ساتھ ہوگا، **یا معشر التجار.... فشوبوہ بالصدق.** (أبو داود: کتاب البیوع، باب فی التجارة یخالطھا الحلف و اللغو) مؤمن میں جھوٹ و بے ایمانی کے علاوہ برائی ہوسکتی ہے، بچہ کو بھی جھوٹ نہ بولا جاوے۔

میڈیکل سرٹی، جھوٹی سفارش، بچوں کے ساتھ جھوٹ بولنا، مذاق میں جھوٹ بولنا، خوش طبعی جائز ہے، جیسے ایک عورت کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی وہ رونے لگی تو فرمایا کہ بڑھیا بوڑھی ہونے کی حالت میں جنت میں نہیں جائے گی۔ (شمائل ترمذی: باب ما جاء فی صفة مزاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

ایک دیہاتی آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے ایک اونٹنی دے دیجئے، آپ نے فرمایا کہ ہم تم کو ایک اونٹنی کا بچہ دیں گے، اس نے کہا یا رسول اللہ! میں بچے کو لے کر کیا کروں گا، تو آپ نے اس سے فرمایا کہ تمہیں جو بھی اونٹ دیا جائے گا وہ کسی اونٹنی کا بچہ ہی تو ہوگا۔

(شمائل ترمذی: کتاب البر و الصلۃ، باب ماجاء فی المزاح)

کیرکٹر سرٹی گواہی ہے، جھوٹی گواہی شرک کے برابر ہے، فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ۝۳۰ (حج:۳۰) ضرورت پر جھوٹ کی اجازت بھی دی ہے، (أبو داود: کتاب الأدب، باب فی اصلاح ذات البین) ایک وقت میں توریہ بھی ہتھیار رہا ہے، انسان کی دل کی بات خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا لوگ سچ مانتے ہیں اور وہ جھوٹ سے کام لیتا ہے یہ بڑا گناہ ہے، جھوٹا نبی نہیں ہوسکتا، وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ۝۲۸ (غافر:۲۸) شیطان جھوٹوں کے ساتھ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت عام ہے لیکن جھوٹوں پر لعنت ہے اور یہود و مشرکین مراد ہے، لیکن آیت میں مومن کو بھی لعنت والا کہا، ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ۝۶۱ (آل عمران:۶۱) لعان کی شکل میں بھی جھوٹ کی برائی کا مجموعہ ہے، کذب قولی کی طرح کذب عملی بھی جھوٹ ہے، بھوک کے باوجود انکار کرنا، سنی ہوئی بات نقل کرنا، واٹس ایپ یہ سب جھوٹ ہے۔

اس لیے دوستو اور بزرگو! وہ باتیں جو چھوٹی چھوٹی ہیں؛ جھوٹی بات بنانا، کسی کے سامنے جھوٹ بات کرنا، ہنسی مذاق میں جھوٹ بول دیا؛ یہ کتنی بری چیز ہے، ہم اس کو معمولی سمجھتے ہیں؛ لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایتوں میں اس کو انتہائی سخت فرمایا، قرآن کریم میں ان سچوں کے لئے سچا وعدہ، سچی باتیں، اسی پر تو دنیا چلتی ہے؛ بھروسہ پر، یورپ کے پاس مرنے کے بعد کی زندگی کا تصور نہیں؛ لیکن وہ اپنے کاروبار اور تجارت کو یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کے انسانوں کو ہم پر اطمینان اور بھروسہ ہوتا ہے تو وہ اپنے کاروبار کو سچائی اور امانت داری کے ساتھ چلاتے ہیں۔

تو کب سے مسلمان ہو گیا؛ ایک واقعہ:

انگلینڈ کا ایک قصہ ہے کہ ایک عیسائی نے ایک مسلمان کے پیسے لے لئے، یہ مسلمان ادھر ادھر گیا؛ لیکن وہ دے نہیں رہا تھا، یہ گیا اس کا جو بڑا پادری تھا اس کے پاس، اور وہاں جا کر کہا کہ ایسا مسئلہ پیش آیا، پادری نے کہا کوئی بات نہیں وہ آدمی جو مسلمان کا پیسہ کھا گیا تھا آیا تو اس نے کہا کہ میں نے سنا کہ تم مسلمان ہو گئے! اس نے کہا نہیں! پادری نے کہا: میں نے پکا سنا کہ تم مسلمان ہو، بار بار یہ کہتا رہا، اس نے کہا نہیں! پادری نے کہا تو نے فلاں کے پیسے لے لئے؛ دے نہیں رہا ہے؛ یہ کام تو مسلمانوں کا ہے، انگلینڈ میں یہ قصہ ایک مولانا نے مجھے سنایا تھا، آج ہم اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں، دوستو کہ جھوٹ کے اندر ہم لوگ کتنے ملوث ہیں اور اس میں جھوٹی خبریں پھیلانا رشتے داروں میں، سماجی زندگی میں کرواہٹیں کس لئے آتی ہیں؟ معاملات میں بگاڑ کیسے پیدا ہوا؟ یہ ہی جھوٹے وعدے اور جھوٹی باتوں سے، اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان اخلاقیات پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے، صحابہ کرامؓ نے یہ اخلاق بتلائے تو لوگ ان سے کاروبار کرنے کے لئے دوڑ رہے تھے، مسلمانوں سے لوگ کاروبار کرنا چاہ رہے تھے اور آج جو ہم سے لوگ دور بھاگ رہے ہیں ہم اپنی عملی زندگی میں بھی اپنے لوگوں کے ساتھ کتنا جھوٹ بول رہے ہیں! اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے اور آپ کو ہم سب کو نیک توفیق عطا فرمائے، بولنا میرے لئے آسان ہے؛ لیکن عملی زندگی میں اس کو برتنا ہم سب کے لئے مشکل ہے؛ لیکن اس مشکل کو مشکل سمجھتے ہوئے اگر اس سے دور رہے تو یہ جنت سے دوری کا ذریعہ ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کہی سنی باتوں پر مجھے اور آپ سب کو عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(۲۸)

کھیتی باڑی اور پھلوں میں اللہ پاک کی قدرت ونصیحت

الحمد لله رب العالمين و العاقبة للمتقين و الصلاة و السلام على سيد المرسلين و على آله و اصحابه اجمعين. اما بعد!

قال اللہ تعالیٰ..

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

قال تعالی : اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿۶۳﴾ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿۶۴﴾ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۶۷﴾ (سورۂ واقعہ: ۶۳ تا ۶۷)

وقال تعالی : اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۹۵﴾

وقال تعالی : فَلْیَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖۤ ﴿۲۴﴾ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾ فَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ﴿۲۸﴾ وَّزَیْتُوْنًا وَّنَخْلًا ﴿۲۹﴾ وَّحَدَآىِٕقَ غُلْبًا ﴿۳۰﴾ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ﴿۳۱﴾ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۲﴾ (سورۂ عبس: ۲۴ تا ۳۲)

صدق اللہ العظیم، و صدق رسوله النبی الکریم، و نحن علیٰ ذلک لمن الشاهدين و الشاکرين، و الحمد لله رب العالمين.

محترم ومکرم حضرات علماء کرام اور ایمان والے بھائیو! اس سے دو جمعہ پہلے قرآن کریم کی ان

آیات کی تلاوت کی تھی جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا ذکر فرمایا، ہم اپنے وجود میں پیدائش میں، کن کن مرحلوں سے گزرے اور کس کس طریقے سے محتاجگی کے ساتھ ہم بڑے ہوئے، ماں کے پیٹ سے لے کر باہر نکلنا؛ یہ سارے مرحلے قرآن کریم نے ذکر فرمائے، اس کے ذریعہ ہمیں اپنی حقیقت بتلائی، پھر یہ جو زندگی عطا فرمائی اس زندگی گزارنے میں بھی جن چیزوں کی ہمیں ضرورت ہے؛ اس میں بھی ہم اللہ پاک کے محتاج، اسی میں سب سے بڑی چیز ہے: کھانا پینا، انسان کی غذا اور انسان کے بدن کو قوت دینے والی جو چیز ہے: یہ سبزی، جانوروں کا گوشت اور اسی طریقے سے پانی کی جنس بہت ساری چیزیں؛ ان تمام چیزوں کا اللہ پاک نے ذکر فرمایا۔

کھیتی باڑی میں اللہ پاک کی قدرت:

پہلے انسان کی پیدائش کا ذکر تھا، یہ پیدائش تین تین اندھیریوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے کی گئی جو ہمیں آنکھوں سے نظر نہیں آتی، پیدائش کے بعد جن چیزوں کی ضرورت ہے؛ وہ آنکھوں سے نظر آتی ہے، آیت کریمہ میں فرمایا اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ﴿۶۳﴾ (واقعہ: ۶۳) کیا تم کھیتی کرتے ہو؛ یہ تم اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں؟ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ﴿۶۴﴾ (واقعہ: ۶۴) انسان کا کام اتنا ہوتا ہے کہ دانے کو بیج کو زمین کے اندر ڈالے، انسان زمین کو ہموار کرتا ہے تاکہ یہ بیج اندر سے اوپر آئے؛ لیکن بیج اندر کن مرحلوں سے گزرتا ہے، کس طریقے سے اتنی ٹن و من مٹی سے ایک باریک سی کونپل نکلتی ہے اور نکل کر زمین کو پھاڑ کر وہ اپنا وجود بتلاتی ہے، پھر اس وجود سے لے کر پھل دینے تک، اناج اور غلہ دینے تک ہر گھڑی ہم اللہ پاک کے محتاج، کاشت کاروں سے پوچھ لیجیے کہ بارش نہ ہو تو بھی پریشان، بارش زیادہ ہو تو بھی پریشان اور اس مرحلے میں اور بہت ساری چیزوں سے پریشانی، درمیان میں اچانک بارش آجائے اور سارا تہس نہس ہو جائے، پانی کے سیلاب آجائے اور کھیتی باڑی اجڑ جائے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسی کو فرمایا لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ﴿۶۵﴾ (واقعہ: ۶۵) اگر ہم چاہیں تو اس کھیتی کو اجاڑ دیں، دوسری آیت میں فرمایا: **ھشیم** چورہ چورہ کر دیں؛ اور پھر اس کے بعد تم ہاتھ ملتے رہ

جاؤ فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ﴿۶۵﴾ اور پھر تم کہو اِنَّا لَمُغْرَمُونَ﴿۶۶﴾ (واقعہ: ٦٦) بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ﴿۶۷﴾ (واقعہ: ٦٧) ہماری تو ساری کھیتی اجڑ گئی اور سارا سال روزی روز گار کا جو ہے؛ سب ختم ہو گیا، یہ مختلف اشاروں کے ذریعہ اللہ پاک انسان جس چیز کا محتاج ہے؛ اس کو ذکر فرماتے ہیں۔

ایک آیت میں فرمایا: انسان یہ دیکھے کہ تجھے کس طریقے سے پیدا کیا مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ﴿۱۸﴾ (عبس: ١٨) اور اس کے بعد فوراً فرمایا ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ﴿۲۱﴾ (عبس: ٢١) انسان کی پیدائش کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖ﴿۲۴﴾ (عبس: ٢٤) انسان جو کھانا کھاتا ہے، چاول روٹی جو بنیادی ضروریات کی چیزیں؛ جس کے بغیر انسان کو مفر نہیں ہے؛ اللہ پاک نے جسم کی بناوٹ ہی ایسی رکھی ہے کہ کھانے پینے کے بغیر انسان کو چل نہیں سکتا، تو اللہ پاک فرماتے ہیں تو کتنا تکبر اور اتراہٹ کرتا ہے! تیری پیدائش کو تو تو نے دیکھ لیا؛ لیکن پیدائش کے بعد بھی جن جن مرحلوں سے تجھے گزرنا ہے اسی میں کھانے پینے کی چیزیں بھی ہیں، فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖ﴿۲۴﴾ (عبس: ٢٤) انسان اپنے کھانے کو دیکھے اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا﴿۲۵﴾ (عبس: ٢٥) ہم نے آسمان سے کیسے بارش برسائی ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا﴿۲۶﴾ (عبس: ٢٦) اور زمین کو ہم نے کیسے چیرا اور زمین کے اندر سے تمہارے لئے پھل اور فروٹ کو نکالا، یہ مختلف آیتوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ چیلنج کر کے انسان کو فرماتے ہیں کہ تو کتنا محتاج! اور اللہ پاک کی طاقت اور قدرت کتنی عظیم ہے!

بارش کا نزول؛ قدرت کی عظیم نشانی:

ایک آیت میں اللہ پاک نے فرمایا وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ (فرقان: ٤٨) اللہ تبارک وتعالیٰ بارش کے نازل ہونے سے پہلے ٹھنڈی ہوائیں چلاتے ہیں، ہوا ایک طرف بارش کے آنے کی اطلاع دے رہی ہے اور جب گرمی ہوتی ہے تو انسان کے جسم کو راحت فرحت میسر ہوتی ہے، تو ہوائیں ٹھنڈک دیتی ہیں، ٹھنڈی ہوائیں آکر بارش کی اطلاع دیتی ہیں، قرآن نے اس کو فرمایا اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ رحمت تو بارش ہے ؛

بارش کے آنے سے پہلے پہلے اللہ پاک ہواؤں کو چلاتے ہیں بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ اور آگے اس کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ (انعام:۹۹) کیسی کیسی سبزیاں اگتی ہیں حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ (اعراف:۵۷) اللہ پاک فرماتے ہیں: اللہ پاک بارش برساتے ہیں پہلے ہوائیں چلاتے ہیں، پھر ان بارشوں کو ہوائیں اٹھاتی ہے اور اٹھا کر سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ اللہ پاک فرماتے ہیں مان سون کی ایک ترتیب ہے کہ ابخارات او پر اٹھتے ہیں پھر اللہ پاک پہلے بادلوں کے اندر بھاری بوجھ کے بادل سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ ایسے علاقے میں ہم پہچاتے ہیں جہاں بارش نہیں ہوتی، اس جگہ پر یہ ہماری طرف سے انعام ہوتا ہے، بادل سے بارش برساتے ہیں، سیدھی آسمان سے برستی اور یہ شکل نہ ہوتی تو انسان پریشان ہوجاتا؛ اللہ پاک نے فرمایا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ (نور:۴۳) بادل کے بیچ میں سے اللہ پاک نے پانی کو برسایا، خزانے اللہ پاک کے پاس ہے، اس کے اسباب اللہ پاک کے پاس ہے، ہمیں تھوڑا سا پانی فلٹر کرنا ہو تو کتنی مشینریاں اس کے ساتھ لگی ہوتی ہیں اور پھر میٹھا پانی بنتا ہے، اللہ پاک ہواؤں کے ذریعہ ابخارات اٹھاتے ہیں اور او پر جا کر باپسی بھون (બાષ્પી ભવન) ہے جو آپ جانتے ہیں: بارش برستی ہے، بادل ایک جگہ سے دوسری جگہ ہواؤں کے ذریعہ جاتا ہے، ہمیں اور آپ کو کچھ پتہ نہیں چلتا ہے، بارش ہوتی ہے؛ بس اتنا ہی نظر آرہا ہے۔

یہ پورا پروگرام کیسے چلتا ہے؟ اللہ پاک کی مشینریاں کیسے چلتی ہیں؟ اور کن کن طریقوں سے! اور پھر یہ ابخارات ہم گرم ملکوں میں تو محسوس کرتے ہیں، دھوپ ہوتی ہے؛ لیکن سرد علاقے جو اللہ پاک نے شمالی حصے (ઉત્તર ધ્રુવ) میں رکھے ہیں، یہ وہ جگہ ہے جہاں مسلسل برف رہتی ہے، جہاں مسلسل بادل ہوتے ہیں پورے سال؛ یورپ کے ملکوں میں، وہاں باپسی بھون (બાષ્પી ભવન) کیسے ہوتا ہے؟ وہاں کیسے ابخارات اٹھتے ہیں؟ یہ سب اللہ پاک کا نظام ہے، یہ مشینریوں کو ہم دیکھ نہیں پارہے ہیں؛ لیکن اتنا جانتے ہیں کہ اللہ پاک بارش برساتے ہیں، تو اللہ پاک فرماتے ہیں فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ اس کے بیچ میں سے ہم کس

طریقے سے بارش برساتے ہیں سُقۡنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ (اعراف:۵۷) ایسے دیہات ایسے علاقوں کی طرح ہم پہنچاتے ہیں جو میت ہے۔ بارش سے پہلے زمین بالکل بنجر ہو چکی ہے اور زمین میں دراڑیں پڑ گئیں ہیں، اللہ پاک فرماتے ہیں ثُمَّ شَقَقۡنَا الۡاَرۡضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾ (عبس:۲۶) زمین کو پھاڑتے ہیں اور بارش کا پانی اندر جاتا ہے اور بارش کی شکل میں یہ برس کر ہمارے ان سبزیوں کو ان کھیتیوں کو یہ اگاتی ہے، یہ پوری ترتیب اللہ پاک نے ذکر فرمائی اَفَرَءَيۡتُمۡ مَّا تَحۡرُثُوۡنَ ﴿۶۳﴾ (واقعہ:۶۳) اس میں تمہارا اپنا کیا حصہ ہے۔

یہ سارا پروسیجر اللہ پاک کی طرف سے ہوتا ہے، تو غلہ اور کھانے پینے کی بنیادی ضروریات اس کی خواہش اللہ پاک نے ہمارے دل میں رکھی، اگر خواہش ہی پیدا نہ کرتے تو یہ دنیا میں سرسبزی اور شادابی ہی نہ ہوتی، مختلف قسم کے پھل، فروٹ، کھانے پینے کی چیزیں اور پکوان مختلف قسم کے؛ یہ سب کیوں ہے؟ انسان کے دل میں کھانے کی خواہش رکھی تو اس کی طبیعت مائل ہوئی اور کھانے کی مختلف قسم کی چیزیں، سبزی غلہ اور اناج اگانے کی مختلف ترکیبیں انسان اپناتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں سُقۡنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ مفسرین فرماتے ہیں کہ بارش کھیتوں میں ہوتی ہے، اللہ پاک فرماتے ہیں و سُقۡنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ شہر والوں کو، دیہات والوں کو، آبادی والوں کو؛ وہاں بھی بارش ہوتی ہے اور کھیت میں بھی ہوتی ہے، یہ کھیت سے اگ کر شہروں اور دیہاتوں میں جاتی ہے، اللہ پاک فرماتے ہیں ہم نے اس کو اگایا وہاں بھی بارش ہوئی اور سرسبزی شادابی ہوئی اور اب دیہات اور شہر والوں کے بازار اور ان کے اناج کے گوداؤن بھرے پڑے ہیں۔

اللہ پاک یہ پوری مثال بیان فرمانے کے بعد آگے فرماتے ہیں وَ كَذٰلِكَ نُخۡرِجُ الۡمَوۡتٰى جیسے یہ سبزہ اگا، اس کے ذریعہ انسان کو فائدہ پہنچا، اللہ پاک فرماتے ہیں جو خداوند قدوس اس کو پیدا کرنے پر قادر ہے، وہ تمہیں دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے، قرآن کریم میں جتنی مثالیں اور جتنے نیچر کے واقعات اور حالات کو اللہ پاک نے ذکر فرمایا؛ ان سب میں سب سے پہلی تو

اللہ پاک کی قدرت اور طاقت کو بتلایا کہ اللہ کی قدرت اور طاقت کے آگے مخلوق کی طاقت کچھ نہیں، ہم تمہارا پانی لے لیں تو کون ہے جو تمہیں پانی دینے پر قادر ہو، ہم تمہاری کھیتی کو اجاڑ دیں تو کون ہے جو تمہاری کھیتی کو آباد کرے۔

دو باغ والوں کا قصہ:

قرآن کریم میں سورۂ کہف میں جس کی جمعہ کے دن ہم تلاوت کرتے ہیں دو باغ والوں کا قصہ اللہ پاک نے تفصیل سے ذکر فرمایا وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ (کہف: ۳۲) اور (اے پیغمبر) لوگوں کے سامنے ان دو آدمیوں کی مثال پیش کرو۔ جن میں سے ایک کو ہم نے انگوروں کے دو باغ دے رکھے تھے، اوران کو کھجور کے درختوں سے گھیرا ہوا تھا، اوران دونوں باغوں کے درمیان کھیتی لگائی ہوئی تھی؛ لیکن جب اس نے ناشکری کی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کا سارا پھل اور سارا کھیت برباد کردیا، اللہ پاک فرماتے ہیں: هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلَّهِ الْحَقِّ ۚ (کہف: ۴۴) ساری حکومت وہاں اللہ ہی کی ہے، کھیتی میں بھی، انسانوں میں بھی اور ساری چیزوں میں، یہ مثالیں بیان فرما کر اللہ پاک اپنی قدرت بتلاتے ہیں، اپنی طاقت کو بتلاتے ہیں، انسان کی ناشکری کو بتلاتے ہیں۔

ایک اور قصہ:

قرآن کریم میں ایک اور جگہ ایک اور قصہ ذکر فرمایا إِنَّا بَلَوْنَاهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ ۚ (قلم: ۱۷) ہم نے ان (مکہ والوں) کو اسی طرح آزمائش میں ڈالا ہے جیسے (ایک) باغ والوں کو اس وقت آزمائش میں ڈالا تھا جب انہوں نے قسم کھائی تھی کہ صبح ہوتے ہی ہم اس باغ کا پھل توڑ لیں گے؛ والد محترم کا باغ تھا، ان کا انتقال ہوگیا، وہ اپنے باغ میں سے غریبوں اور مسکینوں کو دیتے تھے، حصے کردئے تھے، جب والد محترم کا انتقال ہوگیا؛ لڑکوں کے دلوں میں یہ خیال آیا کہ یہ تو بیوقوف تھے کہ اتنا سارا دوسروں کو دیتے تھے، ہم پورا غلہ اپنے پاس ہی رکھیں گے، گئے کھیت کے اندر، اور پھر اللہ پاک نے اس کو پورا اجاڑ دیا، کہنے لگے کہ شاید ہم راستہ بھول گئے ہیں بَلْ نَحْنُ

مَحْرُوْمُوْنَ﴿۲۷﴾ (قلم: ۲۷) بلکہ حقیقت میں ہم محروم ہو چکے ہیں اور پھر انہوں نے اس کے بعد اللہ پاک سے دعائیں کی، یہ انسان کی کمزوری اور اللہ پاک کی طاقت کو بتلایا جاتا ہے کہ کس طریقے سے کھیتی باڑی تیار ہو؛ کھلیان میں لے آئے، وہاں بھی اچانک بارش ہو جائے، اچانک تیز ہوا چلے، انسان کیا کرسکتا ہے! اللہ پاک فرماتے ہیں: یہ ساری ہماری قدرت کی نشانی ہے۔

گٹھلی اور دانہ میں اللہ پاک کی قدرت:

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ (انعام: ۹۵) اللہ تبارک وتعالیٰ گٹھلی اور دانے کو چیرنے والے ہیں، اللہ پاک کی صفت بتلائی، ہم زمین میں بیج ڈال دیتے ہیں، اگر وہ بیج اندر سے اگے ہی نہیں، زمین پھٹتی ہی نہیں تو کیسے ہم اناج اور غلہ تک پہنچ سکتے! اس لیے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ دانے کو اور گٹھلی کو پھاڑنے والے یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ ؕ زندہ سے مردہ کو پیدا کرنا اور مردہ سے زندہ کو پیدا کرنا، یہ اللہ پاک کا نظام ہے، انڈے سے مرغی اور مرغی سے انڈا، انسان سے مادۂ منویہ اور اسی مادۂ منویہ سے پھر انسان کی پیدائش، یہ ترتیب اور یہ ایک سلسلہ اللہ پاک نے چلایا، اللہ پاک فرماتے ہیں یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ﴿۹۵﴾ انسان کو خطاب فرماتے ہیں: یہی تمہارا اللہ ہے، اس کو چھوڑ کر فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ﴿۹۵﴾ اور کس کے دروازے پر جاؤ گے؟ کہاں سے تم کو یہ نعمتیں ملے گی؟ اور تمہاری نعمتوں کو چھیننے کا اگر اس نے ارادہ کیا تو کون تم کو بچا سکتا ہے؟ اس لیے ان تمام آیات کے ذریعہ اللہ پاک اپنی قدرت اور طاقت کو بتلاتے ہیں۔

ہم روٹی کا ٹکڑا کھاتے ہیں، چاول کھاتے ہیں، ذرا کھاتے وقت یہ تصور کریں کہ یہ گیہوں کا دانہ کتنے مرحلے پار کر کے روٹی کی شکل میں میرے پاس آیا، کتنی جگہوں سے وہ گزرا ہے، اور کس کس طریقے سے میرے تک آیا! چاول کا ایک دانہ؛ ہم غور کریں کہ ایک دانہ ہمارے پاس اللہ کے دیئے بغیر نہیں آسکتا، کیسے اللہ پاک اگاتے ہیں اور کس طریقے سے انسانوں کو اس سے فائدہ ہوتا ہے، فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ (انعام: ۹۹) ہر چیز کا سبزہ اللہ تبارک و

تعالیٰ نے پیدا کیا، ہم اور آپ صرف اتنا جانتے ہیں کہ زمین میں بیج ڈال دیا اور خود بخود اگ گیا، ہم نے کچھ کھاد ڈال دیا، ہم نے اس کے لئے کچھ دوائیں ڈالیں؛ یہ سارے مرحلے، ہر مرحلے میں انسان اللہ کا محتاج، کتنی ہی دوائیں ڈالی جائے؛ لیکن کیڑے جسے جراثیم کہتے ہیں، یہ اگر جاتے ہی نہیں ہے؛ اتنی مقدار میں اگر پیدا ہو، تو ہم کیا کر سکتے ہیں! بہت سے لوگ کھیتی باڑی والے کہتے ہیں کہ بہت محنت کی؛ لیکن کہاں سے چھوٹے چھوٹے یہ جراثیم آگئے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا، اللہ پاک نے یہ پورا نظام رکھا ہے، اس لیے کہا جاتا ہے کہ کاشت کار سے زیادہ کسان سے زیادہ توکل کرنے والا اللہ پر اور کوئی نہیں، سوکھی زمین ہے اور اس کے اندر بیج ڈالتا ہے اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو لہلہاتا ہوا سبزہ بناتے ہیں، یہ کیسے بنتا ہے؟

بارش کا نظام تو آپ سن چکے ہیں کہ اللہ پاک نے فرمایا کہ اس طریقے سے سُقۡنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنۡزَلۡنَا بِهِ الۡمَآءَ فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖ مِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخۡرِجُ الۡمَوۡتٰى لَعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ۝۵۷ (اعراف: ۵۷) اے ایمان والو! اسی طریقے سے ہم مردوں کو زندہ کریں گے تا کہ تم نصیحت حاصل کرو کہ ایک کھانے کے اندر صرف یہ تمہارا دانہ نہیں ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے آسمان کا نظام، بارش کا نظام، سورج کی گرمی کا نظام رکھا، چاند کی چاندنی کا نظام رکھا، ہوائیں چلی، اس کھیتی کو کھڑا کرنے کے لیے اللہ پاک نے کتنی بڑی بڑی مخلوقات ہماری خدمت کے لئے رکھی، اللہ پاک مختلف آیتوں میں فرماتے ہیں کہ اے انسان! روٹی کا تو کتنا محتاج ہے!

بعث بعد الموت:

ایک اور چیز: اس کے ذریعہ بتلائی کہ مرنے کے بعد کی زندگی کا تصور کرنا، قرآن کریم نے جہاں نیچر اور فطرت کے واقعات ذکر کئے وہاں صرف سائنسی معلومات اللہ پاک نے نہیں ذکر کی؛ بل کہ اس کو اپنی قدرت اور طاقت کی کرشمہ سازی اور دلیل کے طور پر پیش کیا، اس لئے قرآن مستقل اس طرح کی چیزوں کے لئے نہیں نازل ہوا، صرف کھیتی باڑی کو جاننے کے لئے، اناج اور غلہ کیسے اگتا ہے؛ کون کون سی مخلوق وابستہ ہیں؛ اس کے لئے نہیں آیا، اس

کے ساتھ اللہ پاک کی قدرت کو بتلایا جارہا ہے اور ہماری کمزوری کو، پورا قرآن اس کا خلاصہ ہے؛ اللہ پاک کی قدرت اور طاقت سب سے بڑی اور انسان سب سے عاجز **ان الانسان خلق هلوعا** (معارج:۱۹) **لقد خلقنا الانسان فی کبد** (بلد:۴) انسان کو اللہ پاک نے تکلیف اور پریشانی میں رکھا، ماں کے پیٹ سے لیکر قبر کے پیٹ میں جانے تک؛ رات دن دیکھ رہے ہیں ہم؛ اپنی تندرستی کے لئے ہم ہر وقت اللہ تعالیٰ کے محتاج، اپنے کھانے کے لئے محتاج، ہواؤں کے محتاج، یہ بلڈنگ ہے؛ یہ کس وقت گر جائے، اللہ پاک فرماتے ہیں کہ ہم کس طریقے سے زمین میں زلزلے لاتے ہیں، کیسے آسمان سے بجلیاں، کڑک اور گرج ہوتی ہے، ہم کیا کر سکتے ہیں! ذرا دھماکے ہو؛ ہم پریشان ہوجاتے ہیں۔

خیر! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی معمول تھا کہ جب اس طرح تیز آندھی ہوتی، بارش سخت ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت پڑھ کر کے اللہ پاک سے عافیت مانگتے **اللهم انی أسئلك خيرها وخير ما فيها وخير ما أرسلت به، وأعوذبك من شرها وشر ما فيها، وشر ما أرسلت.** (مسلم: کتاب صلاۃ الاستسقاء باب التعوذ عنہ رؤیۃ الریح والغیم والفرح بالمطر) اس میں جو خیر ہے؛ بارش؛ وہ آپ ہمیں عطا فرمادیجئے اور اس میں جو شر ہے؛ اس سے آپ ہماری حفاظت فرمادیجئے، دیکھ رہے ہیں کہ بارش نہیں تھی تو لوگ پریشان تھے، اب ہوگئی اور کچھ علاقوں میں ایک دم اتنی تیز رفتار اور اتنی لمبی چوڑی مقدار کے ساتھ برسی کہ لوگ وہاں پریشان ہوگئے، اللہ پاک اپنی قدرت کے کرشمے بتلاتے ہیں کہ تم کیا کر سکتے ہو! **فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ** (قصص:۸۱) قارون نے اپنے خزانے پر، مال پر تکبر اور غرور کیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں **فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ** اس کو اور اس کے گھر کو؛ دونوں کو ہم نے ایک ساتھ ختم کردیا۔

زمین کے مختلف حصوں میں الگ الگ کھیتیاں:

آگے اللہ پاک فرماتے ہیں **وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِیْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ۭ** (اعراف:۵۸) اللہ پاک فرماتے ہیں کہ خشکی میں جس طرح الگ الگ

زمینیں ہوتی ہیں، الگ الگ حصوں میں وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ (رعد:۴) زمین کے الگ الگ ٹکڑے ہیں، کہیں ایک چیز ہوتی ہے کہیں دوسری چیز ہوتی ہے، آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے علاقے میں جو چیز ہوتی ہے، دوسرے علاقے میں دوسری چیزیں پیدا ہوتی ہے، اسی طرح انسانی ضروریات کی تمام چیزیں پوری روئے زمین کے الگ الگ حصوں میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے رکھی ہے اور ادھر سے ادھر ہمارے پاس آتی ہے، یہاں سے وہاں جاتی ہے، اسی طریقے سے نقل وحرکت کا یہ پورا (ٹرانسپورٹیشن کا) نظام ہے؛ اس کے ذریعہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں بتلاتے ہیں کہ ایک تو آسمان کا نظام ہے؛ ٹرانسپورٹیشن کا، بادلوں کا، ہواؤں کا، دنیا میں، تو اللہ پاک فرماتے ہیں کہ کھیتی باڑی کے سلسلہ میں کہ کچھ علاقے میں کچھ چیزیں اور کچھ علاقے میں کچھ چیزیں، کوئی زمین ایسی ہوتی ہے وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ پاکیزہ زمین، جہاں تھوڑی سی بارش ہو تو بہت زیادہ مقدار میں اگنے لگے، پیداوار بہت زیادہ ہو، اور کچھ علاقے ایسے ہوتے ہیں کہ جہاں کتنی ہی بارش برسے؛ لیکن وہاں کوئی چیز نہ اگے یا اگے تو بہت کم مقدار میں وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا ۖ (اعراف:۵۸) بہت تھوڑی مقدار میں وہاں سے نکلتا ہے۔ اللہ پاک فرماتے ہیں سورۂ انعام میں وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۚ فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ (انعام:۹۹) یہ کچا ہوتا ہے؛ اس وقت یہ کیا فائدہ دیتا ہے؟ پکا ہوتا ہے اس وقت اس کا کیا فائدہ ہوتا ہے؟ اور ایک جگہ فرمایا انظروا الی ثمرہ اذا اثمر وینعه۔ (انعام:۹۹) وہ جب پھل دیتا ہے اور پھر پکتا ہے؛ دیکھو اللہ پاک انسانوں کو فرما رہے ہیں کہ کھیت میں جا کر دیکھا جائے کہ کس طریقے سے یہ چیزیں ہوتی ہیں؟ جیسے قرآن نے فرمایا أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿۱۷﴾ (غاشیہ:۱۷) تم اونٹ کو دیکھو اللہ کی تخلیق کا بہترین شاہکار! اللہ پاک کی بناوٹ کا بہترین نمونہ! اس کو دیکھو!

اونٹ؛ تخلیق خداوندی کا بہترین شاہکار:

سعودی عرب کے ایک بہت بڑے مفتی صاحب تھے، شیخ عبدالعزیز ابن بازؒ، نابینا تھے

آنکھ سے، کسی نے پوچھا کہ اللہ پاک آپ کو بینائی عطا کرے؛ روشنی دے دے آنکھوں کی تو آپ کیا دیکھنا پسند کریں گے؟ تو انہوں نے فرمایا اَفَلَا یَنۡظُرُوۡنَ اِلَی الۡاِبِلِ کَیۡفَ خُلِقَتۡ﴿۱۷﴾ اللہ پاک ہمیں کہتے ہیں کہ اونٹ کو دیکھو اور اللہ کی قدرت پر غور و فکر کرو، سائنسی نگاہ سے دیکھو کہ یہ کیسی عجیب و غریب مخلوق ہے! آپ سن چکے ہیں گجراتی میں بھی شعر ہے(અન્યનું તો એક વાંકુ , આપના તો અઢાર છે. کیا ہے اونٹ؟ اللہ پاک کی قدرت کا بہترین شاہکار ہے، تو ابن باز فرماتے ہیں کہ اگر مجھے روشنی ملی تو میں سب سے پہلے اونٹ کو دیکھوں گا، اس لیے کہ اللہ پاک نے حکم فرمایا۔

نعمتوں کی ناقدری سے بچیں:

دوستو اور بزرگو! میں نے آپ کے سامنے آیت پڑھی، اللہ پاک اس میں فرماتے ہیں:
فَلۡيَنۡظُرِ الۡاِنۡسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖۤ﴿۲۴﴾ (عبس: ۲۴) انسان اپنے کھانے کو دیکھے، اور اللہ پاک کا شکریہ ادا کرے، بہت سارے علاقے ہیں جہاں لوگ جو کی روٹی، گیہوں کی روٹی اور چاول کے محتاج ہیں، آج بھی دنیا میں بہت سارے علاقے ایسے ہیں جہاں لوگ غریبی کی نچلی سطح (BPL) پر زندہ ہیں؛ ان بیچاروں کو کچھ نہیں ملتا، ہم کو مل رہا ہے اور کافی مقدار میں یہ اناج و غلہ ضائع ہوتا ہے، خاص کر کے آج کل کی سسٹم میں تنہا لے کر الگ پلیٹ میں لے کر بوفے سسٹم میں بگاڑتا ہے، اللہ کی ان نعمتوں کی ناقدری نہ کریں، ایک مرتبہ سروے آیا کہ عرب ملکوں میں سب سے زیادہ یہ ہو رہا ہے، مالداروں میں کثرت سے یہ ہو رہا ہے۔

حضرت تھانویؒ چنا کھا رہے تھے، ایک چنا گر، آ گیا پ تلاش کر رہے ہیں؛ مل نہیں رہا ہے، لوگوں نے کہا: حضرت! کیا ہے؟ ایک چنا ہے، اس میں کیا یہ سب تلاش کرنا؟ فرمایا کل اللہ پاک پوچھیں گے کہ ایک چنے کی نعمت میں نے تجھے دی تھی جو تو پیدا نہیں کر سکتا تھا، اس نعمت کی تم نے ناقدری کی، اس کا جواب دو۔

اس لیے قرآن میں اللہ پاک نے فرمایا اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ﴿۷۷﴾ (حجر: ۷۷) اس

میں نشانیاں ہیں ایمان والوں کے لئے۔اللہ تبارک وتعالیٰ ہم ایمان والوں کو اپنی رات دن کی دی ہوئی نعمتوں پر غور وفکر کرنے کی توفیق نصیب فرمائے اوراس کے ذریعہ اس کی طاقت اور قدرت کا استحضار کروائے اور مرنے کے بعد کی زندگی کی تیاری کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

قرآن مجید میں ان دلائل کا حاصل کیا ہے؛ قرآن کا اللہ پاک کی کتاب ہونا، دین وشریعت کا اللہ پاک کی طرف سے نازل ہونا، ان نعمتوں کی قدر کرنے کے لئے ان نعمتوں کا بار بار ذکر کرنا؛ اللہ پاک کی توحید اورآپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر یہ سب چیزیں دلالت کرتی ہیں۔

کائنات کی ہر چیز میں ایک زبردست نظام قائم ہے جس کے سامنے انسانی مشینوں کا بہتر سے بہتر نظام بھی مات ہے، اوراب تو قدرت کی نقل سائنس کا ایک مستقل موضوع بن چکا ہے، اس سے پہلے سائنس کا میدان صرف یہ سمجھا جاتا تھا کہ فطرت میں جو طاقتیں چھپی ہوئی ہیں ان کو دریافت کرکے استعمال کیا جائے، مگراب قدرت کے نظاموں کو سمجھ کران کی میکانیکی نقل کو خاص اہمیت دی جارہی ہے، اس طرح ایک نیا علم وجود میں آیا ہے جس کو بایونکس (Bionics) کہتے ہیں، بایونکس، حیاتیاتی نظام(Biological Systems)اور طریقوں کا اس غرض سے مطالعہ کرتی ہے کہ جو معلومات حاصل ہوں انہیں انجنیر نگ کے مسائل حل کرنے میں استعمال کیا جائے۔

طبیعیاتی سائنس اور ٹکنالوجی درحقیقت نئے تصورات کی نقل قدرت کے زندہ نمونوں سے حاصل کرتی ہے، بہت سے مسائل جو سائنس دانوں کے تخیل پر بوجھ بنے ہوئے ہیں، قدرت ان کو مدتوں پہلے حل کر چکی ہے، پھر جس طرح کیمرہ اور ٹیلی پرنٹر کا ایک نظام انسانی ذہن کے بغیر وجود میں نہیں آسکتا، کوئی ذی ہوش یہ کہنے کی غلطی نہیں کرے گا کہ کیمرہ اتفاق سے بن کر تیار ہوگیا ہے، مگراس کے باوجود دنیا کے بہت سے ہوش مند یہ یقین رکھتے ہیں کہ ''آنکھ محض اتفاق سے وجود میں آگئی ہے'' اسی طرح یہ بھی ناقابل تصور ہے کہ کائنات کا پیچیدہ ترین نظام کسی ذہن کے بغیراپنے آپ قائم ہو، کائنات کی تنظیم قدرتی طور پرایک انجینیر اورایک ناظم کا تقاضا کرتی ہے، اسی کا نام خدا ہے، ہم کو جو ذہن ملا ہے، وہ ناظم کے بغیر تنظیم کا تصورنہیں کرسکتا،

اس لئے غیر معقول بات یہ نہیں ہے کہ ہم کائناتی تنظیم کے لئے ایک ناظم کا اقرار کریں، بلکہ یہ غیر معقول رویہ ہوگا کہ ہم اس تنظیم کے ناظم کو ماننے سے انکار کردیں، حقیقت یہ ہے کہ انسانی ذہن کے پاس خدا سے انکار کرنے کے لئے عقلی بنیاد نہیں ہے۔

کائنات کا منظم انداز میں ہونا خداوند قدوس کی گواہی دے رہا ہے:

زمین پر زندگی کے پائے جانے کے لئے اتنے مختلف حالات کی موجودگی ناممکن ہے کہ وہ اپنے مخصوص تناسب میں محض اتفاقاً زمین کے اوپر اکٹھا ہوجائے ،اب اگر ایسے حالات پائے جاتے ہیں تو لازماً یہ ماننا ہوگا کہ فطرت میں کوئی ذی شعور رہنمائی موجود ہے جو ان حالات کو پیدا کرنے کا سبب ہے۔

زمین اپنی جسامت کے اعتبار سے کائنات میں ایک ذرے کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتی، مگر اس کے باوجود وہ ہماری تمام معلوم دنیاؤں میں اہم ترین ہے، کیونکہ اس کے اوپر حیرت انگیز طور پر وہ حالات مہیا ہیں جو ہمارے علم کے مطابق اس وسیع کائنات میں کہیں نہیں پائے جاتے۔

زمین اپنے محور پر چوبیس گھنٹے میں ایک چکر پورا کرلیتی ہے، یا یوں کہئے کہ وہ اپنے محور پر ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چل رہی ہے،فرض کرو اس کی رفتار دوسو میل فی گھنٹہ ہوجائے اور یہ بالکل ممکن ہے، ایسی صورت میں ہمارے دن اور ہماری راتیں موجودہ کی نسبت سے دس گنا زیادہ لمبے ہوجائیں گے، گرمیوں کا سخت سورج ہر دن تمام نباتات کو جلا دے گا ور جو بچے گا وہ لمبی رات کی ٹھنڈک میں پالے کی نذر ہوجائے گا،سورج جو اس وقت ہمارے لئے زندگی کا سرچشمہ ہے،اس کی سطح پر بارہ ہزار ڈگری فارن ہائٹ کا ٹمپریچر ہے اور زمین سے اس کا فاصلہ تقریباً نو کروڑ تیس لاکھ میل ہے اور یہ فاصلہ حیرت انگیز طور پر مسلسل قائم ہے، یہ واقعہ ہمارے لئے بے حد اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اگر یہ فاصلہ گھٹ جائے، مثلاً سورج نصف کے بقدر قریب آجائے تو زمین پر اتنی گرمی پیدا ہو کہ اس گرمی سے کاغذ جلنے لگے اور اگر موجودہ فاصلہ دوگنا ہوجائے تو اتنی ٹھنڈک پیدا ہو کہ زندگی باقی نہ رہے، یہی صورت اس وقت پیدا ہوگی جب موجودہ

سورج کی جگہ کوئی دوسرا غیر معمولی ستارہ آجائے مثلاً ایک بہت بڑا استارہ ہے جس کی گرمی ہمارے سورج سے دس ہزار گنا زیادہ ہے، اگر وہ سورج کی جگہ ہوتا تو زمین کو آگ کی بھٹی بنا دیتا۔

کائنات میں اس طرح کی حکمت و معنویت کے بے شمار پہلو ہیں، ہماری تمام سائنسوں نے ہم کو صرف یہ بتایا ہے کہ جو کچھ ہم نے معلوم کیا ہے اس سے بہت زیادہ وہ چیزیں ہیں جن کو معلوم کرنا ابھی باقی ہے، تاہم جو کچھ انسان معلوم کر چکا ہے، وہ بھی اتنا زیادہ ہے کہ اس کے صرف عنوانات کی فہرست دینے کے لئے موجودہ کتاب سے بہت زیادہ ضخیم کتاب کی ضرورت ہوگی، اور پھر بھی کچھ عنوانات بچ رہیں گے، انسان کی زبان سے آلاءِ رب اور آیاتِ الٰہی کا ہر اظہار ناقص اظہار ہے، اس کی جتنی بھی تفصیل کی جائے، جہاں زبان و قلم رُکیں گے وہاں یہ احساس ضرور موجود ہوگا کہ ہم نے ''بیان'' نہیں کیا بلکہ اس کی ''تحدید'' کردی، حقیقت یہ ہے کہ اگر سارے علوم منکشف ہو جائیں، اور اس کے بعد سارے انسان اس طرح لکھنے بیٹھ جائے کہ دنیا کے تمام وسائل ان کے لئے مُساعد ہوں، جب بھی کائنات کی حکمتوں کا بیان مکمل نہیں ہوسکتا۔

وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ (لقمان:۲۷)

(ترجمہ) اگر زمین کے تمام درخت قلم ہوں اور موجودہ سمندروں کے ساتھ سات اور سمندر ان کی سیاہی کا کام دیں، جب بھی خدا کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔

جس نے بھی کائنات کا کچھ مطالعہ کیا ہے، وہ بلاشبہ اعتراف کرے گا کہ کتاب الٰہی کے ان الفاظ میں ذرا بھی مبالغہ نہیں، وہ صرف ایک موجودہ حقیقت کا سادہ سا اظہار ہے۔

قدر نعمت بعد زوال:

دوستو اور بزرگو! قرآن کریم ایسی مثال ہم کو دیتا ہے، ہمیں کسی سائنس کی لیبارٹری میں جا کر نہیں دیکھنا ہے، اللہ پاک کی کھلی ہوئی فطرت کی جو کارگری ہے؛ اسی کے اندر ہمیں آنکھوں سے نظر آتا ہے کہ اللہ پاک نے ہمیں نعمتوں سے کیسے نوازا! اس لیے جس وقت نعمت چلی جائے

”قدرِ نعمت بعد زوال اوست“ نعمت کی قدر اس کے ضائع ہونے کے بعد انسان کو ہوتی ہے، بھوکے لوگوں کو پوچھیں کہ کھانا تمہارے نزدیک کتنا عزیز ہے؟ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ جو میونسپلٹی کی جو کچرا پیٹیاں ہوتی ہیں وہیں پر یہ لوگ گھومتے ہیں، جانور بھی بے چارے وہاں گھومتے ہیں، جن کو کچھ کھانے کو نہیں ملتا، اس قسم کی چیزیں بھی انہوں نے استعمال کیں، اللہ پاک کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں دستر خوان پر بیٹھ کر عمدہ سے عمدہ نعمتوں سے نوازا، اس لیے دوستو اور بزرگو! جتنا شکریہ ادا ہوگا، دل میں چین وسکون آئے گا، اللہ پاک کی نعمت کی قدردانی ہوگی، میں اس کا اہل نہیں تھا؛ اللہ نے مجھے دیا، یہ احساس پیدا ہوگا، قارون نے جو احساس کیا کہ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ؕ(قصص:۷۸) فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۫ (قصص: ۸۱) اس کو اور اس کے پورے گھر کو اللہ پاک نے زمین میں دھنسا دیا، یہ اللہ پاک نے ہمارے لئے عبرت کی نشانیاں بنائی، اس طریقے سے اس کھانے پینے میں لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝۲۵ (معارج: ۲۵) کمزوروں کا حق ہے، مانگنے والوں کا حق ہے، ان کو بھی اپنے کھانے میں سے کچھ دیا جائے۔

حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کئی دن سے بیمار تھے، شوق ہوا کہ کچھ انگور منگوا کر کھایا جائے، انگور منگوایا گیا، ابھی پہلا انگور کا دانہ منہ میں رکھا کہ سائل باہر آیا اور اس نے کہا کہ ایک محتاج آیا ہے، آپؓ نے وہی اٹھا کر دے دیا، یہ صحابۂ کرامؓ حضرت حسین ابن علیؓ حضرت زین العابدینؒ کے واقعات بھرے پڑے ہیں، اس طرح سے صحابۂ کرامؓ نے سخاوتیں کیں مال میں، اللہ پاک ہمیں ان نعمتوں کی قدردانی کی توفیق نصیب فرمائے اور اللہ تبارک وتعالیٰ موت تک ایمان پر باقی رکھے آمین۔۔۔۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(۲۹)

ایمان اور اعمال صالحہ پر تین بڑے انعامات کا وعدہ

(مقام: مدینہ مسجد، تاندلجا، بڑودہ، گجرات)

الحمد لله رب العالمين و العاقبة للمتقين و الصلاة و السلام على سيد المرسلين و على آله و اصحابه اجمعين. اما بعد!

قال اللہ تعالیٰ:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴿۵۵﴾ (نور: ۵۵)

و قال تعالى: وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ﴿۵﴾ۙ

وعن مُعاذ بن جبلٍ رضي الله عنه قال: كنتُ رديف النبيِّ صلى الله عليه وآله وسلم على حمارٍ فقال: يا معاذ، هل تدري ما حقّ الله على عباده؟ و ما حق العباد على الله؟ قلت: الله و رسوله أعلم، قال: فإنَّ حقَّ الله على العباد أن يعبدوه و لا يُشركوا به شيئًا، و حقَّ العباد على الله أن لا يُعذِّب مَن لا يُشرك به شيئًا، قلت: يا رسول الله، أفلا أُبشر به الناس؟ قال: لا تُبَشِّرهم فيتَّكلوا. (بخاری: كتاب الجهاد و السير، باب اسم الفرس و الحمار)

صدق الله العظيم، و صدق رسوله النبی الكريم، و نحن علیٰ ذٰلک لمن الشاهدين و الشاكرين، و الحمد لله رب العالمين.

محترم و مکرم، حضرات علماء کرام اور میرے ایمان والے بھائیو! کلامِ پاک کی جن آیات کی آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی؛ اُس میں اللہ تبارک وتعالیٰ ایمان والوں کو چند چیزوں کا وعدہ فرماتے ہیں، ''ایمان اور اعمال صالحہ'' جب یہ دو چیزیں ایمان والے میں جمع ہو جائے گی تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے تین انعام ملیں گے جو اِس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ذکر فرمائے۔

پہلا انعام:

سب سے پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ (نور: ۵۵) اللہ تبارک وتعالیٰ اس روئے زمین کے خلیفہ اور مالک ان کو بنائیں گے؛ جیسا کہ ان سے پہلے والے لوگوں کو اللہ پاک نے ایمان اور اعمال صالحہ کی بنیاد پر روئے زمین کا مالک بنایا، اُس کا خلیفہ بنایا، زمین کے خزانوں کا ان کو مالک بنایا، اللہ پاک فرماتے ہیں: جیسے پچھلے لوگوں کا کیا؛ تمہارے ساتھ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس طرح انعام ہوگا۔

دوسرا انعام:

دوسرے نمبر پر فرمایا: وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ جس دین کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے پسند فرمایا؛ قرآن کریم میں جس دین کے متعلق دوسری آیت میں فرمایا إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ زندگی گزارنے کا طریقہ اللہ پاک کے نزدیک اسلام ہی ہے، وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ○ اسلام کے علاوہ جو بھی طریقہ لے کر جائیں گے؛ کوئی سکہ نہیں چلے گا سوائے اسلام کے، اللہ پاک نے جس دین کے لیے اپنی رضامندی کا اظہار فرمایا؛ اللہ تبارک وتعالیٰ اس دین کو روئے زمین پر غالب کریں گے، حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **لا يبقى على ظهر الأرض من بيت مدر و لا وبر عليهم كلمة الا أدخله الله الاسلام بعز عزيز وبذل ذليل.** (مستدرک حاکم:

۴ر۴۳۰، رقم: ۸۳۲۴) روئے زمین پر کوئی کچا اور پکّا گھر نہیں رہے گا؛ مگر اللہ تبارک وتعالیٰ وہاں اسلام کو داخل کریں گے، کوئی عزت کے ساتھ آنا چاہے تو عزت کے ساتھ اور اگر اس طرح نہیں آئیں گے تو ذلّت کے ساتھ ان کو اسلام میں داخل ہونا پڑے گا، اسلام کے غلبے کو قبول کرنا پڑے گا، یہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اور آیت مبارکہ میں اللہ پاک فرماتے ہیں وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ (نور:۵۵) روئے زمین پر ان کو تمکین اور قدرت حاصل ہوگی، زمین کے خزانوں کے یہ مالک بنیں گے اور روئے زمین پر اللہ پاک کی طرف سے برکتیں اور رحمتیں نازل ہوگی، اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں کتب اللہ لاغلبن انا و رسلی (مجادلہ:۲۱) اللہ پاک نے یہ لکھ دیا ہے؛ یہ فرض فرما دیا ہے کہ میں اور میرے انبیاء کرامؑ روئے زمین پر غالب رہیں گے، اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿۵۱﴾ (سورۂ غافر:۵۱) ہم ضرور بالضرور مدد کریں گے، ہمارے انبیاء علیہم السلام کی اور جو لوگ ان پر ایمان لائے دنیا میں اور قیامت کے دن جب گواہیاں قائم ہوگی، اس وقت بھی ہم ضرور بالضرور مدد کریں گے، تو یہ دوسرا انعام اللہ تبارک وتعالیٰ نے ذکر فرمایا۔

تیسرا انعام:

تیسرا فرمایا: وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا (نور:۵۵) ہم ضرور بالضرور ان کے خوف کو، ان کی تکلیفوں کو اور ان کی پریشانیوں کو امن، چین اور سکون سے بدل دیں گے، روئے زمین پر اللہ تبارک وتعالیٰ کے جو چند بڑے انعامات ہیں اُن میں دو بڑے انعام کا اللہ تبارک وتعالیٰ نے ذکر فرمایا، سورۂ قریش میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے دو چیزیں ذکر فرمائی: اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ (سورۂ قریش: ۴) بھوک سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو نجات دی اور کھانا دیا، وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ﴿۴﴾ (سورۂ قریش: ۴) اور خوف سے امن دیا، انسان جب بے خوف ہوتا ہے، اس کو ظاہری اعتبار سے کسی کا خوف اور خطرہ نہیں ہوتا ہے تو سکون کی زندگی ہوتی ہے، زندگی کے سارے معلمولات اطمینان سے ادا ہوتے ہیں، اور جہاں بے خوفی ہو، بے امنی ہو؛

ہم لوگ عادی بن چکے ہیں؛ جب کرفیو ہوتا ہے اور ملک میں جب ہندو مسلمان کے فساد ہوتے ہیں؛ اُس موقع پر کھانے پینے کی چیزوں کے محتاج ہوتے ہیں۔

آیت کا شان نزول:

اللہ پاک نے فرمایا وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ○ اس آیت کے شان نزول کے متعلق مفسرین فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک صحابی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکّہ کے تیرہ سال کی زندگی میں ہم نے بڑی پریشانی اور تکلیفیں اٹھائی اور اب مدینہ ہجرت کر کے آئے؛ یہاں پھر اور دشمنوں کا خوف محسوس ہوا، تو آیا اس خوف سے ہم کو نجات کب ملے گی؟ اللہ پاک نے اُس کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل فرمائی وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ○ اور کیسا امن!

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے، حاتم طائی جو بڑا مشہور ہے سخاوت میں؛ یہ ان کے بیٹے ہیں، ان کے یہ بیٹے پہلے عیسائی تھے، پھر بعد میں اسلام میں داخل ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ عدی! تم نے حیرہ شہر کا نام سنا ہے؟ انہوں نے کہا کہ اللہ کے رسول! نام تو سنا ہے؛ لیکن دیکھا نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک عورت زیورات سے لدی ہوئی تن تنہا اللہ کے گھر کی زیارت کے لئے، بیت اللہ کی زیارت کے لئے اپنے وطن حیرہ سے آئے گی اور روئے زمین پر اللہ کے سوا اس کو کسی کا خوف نہیں ہوگا، اس کو کسی چور اور لُٹیرے کا خوف نہیں ہوگا، جبکہ یہی جزیرۃ العرب تھا کہ جہاں چور اور لُٹیروں کا اتنا خطرہ تھا؛ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قریش کو فرمایا اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا (سورۂ قصص: ۵۷) حرم کو ہم نے امن والا بنایا؛ جبکہ اس سے پہلے یہ حال تھا اور حرم کے علاقے کو چھوڑ کر باقی علاقے ایسے تھے کہ انسان کو اپنی جان مال کا خطرہ ہر وقت رہتا تھا، اس لیے اُس زمانے میں قافلے ایک ساتھ چلتے تھے، اکیلے سفر لوگ نہیں کرتے تھے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس خوف کو امن سے بدل دیا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا کہ عدی! ایک عورت اس طریقے سے تن تنہا سفر کرے گی۔

دوسرا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ کسریٰ کے خزانے میری امت کے قبضہ میں آئیں گے، حضرت عدی ابنِ حاتمؓ جانتے تھے کہ اُس وقت کی دُنیا کی دو بڑی سپر پاور طاقتیں تھیں؛ ایک رومن ایمپائر، رومی اور یورپ والے اور ایک ایرانی ایمپائر، یہ دو بڑی دنیا کی سپر پاور طاقتیں تھیں؛ اور اتفاق یہ ہوا تھا کہ اس وقت رومن ایمپائر کے مقابلے میں ایرانی سلطنت جو تھی؛ وہ بڑی غالب تھی، اللہ پاک نے سورۂ روم میں اس کا بھی ذکر فرمایا کہ ابھی تو روم والے مغلوب ہو گئے، **غلبت الروم** لیکن اللہ پاک نے فرمایا **بنصر اللّٰہ**! اللہ کی مدد سے ایران والوں پر روم والے غالب آجائیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جب یہ فرمایا کہ اے عدی! کسریٰ کے کنگن اور کسریٰ کے خزانے میری اُمّت کے پاس آئیں گے، تو حضرت عدی نے سوال کیا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ! کیا ایران والا کسریٰ؟ یعنی دنیا کی سپر پاور طاقت؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جی ہاں!

اور تیسرا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: مال و دولت کی اتنی کثرت اور فراوانی ہو جائے گی کہ لوگ مال کی کوئی اہمیت نہیں سمجھیں گے۔

یہ تین نشانیاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس امت کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے فرمائی، حضرت عدی بن حاتم فرماتے ہیں کہ پہلی نشانی میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی؛ ایک عورت اللہ کے گھر کی زیارت کے لئے دور دراز علاقے سے آتی ہے، علاقوں میں امن، چین اور سکون ہو گیا ہے کہ اللہ پاک کے علاوہ کسی کا اُس عورت کو خوف نہیں، یہ زیورات سے لدی ہوئی آتی ہے؛ لیکن کوئی اُس پر نظر اُٹھا کر نہیں دیکھ رہا، دوسری چیز جہاں تک کسریٰ کے خزانے کا تعلق ہے، حضرت عدی فرماتے ہیں کہ میں خود اُس غزوہ میں شریک ہوا، اور میں نے خود کسریٰ کے اُن محلات اور کسریٰ کی اُن دولتوں اور قوتوں کو اپنی آنکھوں سے شکست کھاتے ہوئے دیکھا۔ (بخاری: کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام)

انسانی زندگی پر ایمان واعمال صالحہ کے اثرات:

روایتوں میں آتا ہے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کہ جن کے ہاتھوں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایران کی فتح نصیب فرمائی؛ یہ اپنے خیمے میں بیٹھے ہوئے تھے میدانِ جنگ میں، اور ایک اجنبی آدمی آئے اور اُنہوں نے آکر کہا کہ مجھے ایک جگہ راستے میں سے ایک چیز ملی ہے، بہت قیمتی چیز معلوم ہوتی ہے، میں نے مناسب سمجھا کہ میں آپ کے پاس آکر اس امانت کو آپ کے حوالے کر دوں، اندر سے کھولا گیا تو دیکھا کہ کسریٰ کا وہ تاج جو کروڑوں روپئے کی مالیت کا تھا؛ یہ تاج اس کے اندر لپٹا ہوا تھا، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے فرمایا: تمہارا کیا نام ہے؟ انہوں نے جاتے ہوئے کہا کہ جس اللہ کے لئے میں نے اس کی حفاظت کی؛ وہ میرا نام جانتا ہے، نام بھی نہیں بتلایا، تو ایمان کی بنیاد پر اور اعمال صالحہ کی بنیاد پر اللہ پاک نے فرمایا: **وعد اللہ الذین آمنوا** (نور:۵۵) اور **انّ اللہ لایخلف المیعاد**، (آل عمران:۹) **و من اصدق من اللہ قیلا** (نساء:۱۲۲) اللہ پاک کی ذات سے بڑھ کر کس کی بات سچّی ہوسکتی ہے! اللہ پاک نے ہمیں فرمایا **واوفو بالعھد** (اسراء:۳۴) وعدوں کو پورا کرو، قرار کو پورا کرو، تو اللہ پاک سے بڑھ کر وعدے کو پورا کرنے والا کون ہوسکتا ہے؟

اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے؟

دوستو اور بزرگو! ان تین انعامات کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا **يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا** ط (سورۂ نور: ۵۵) وہ میری تنہا (ایک اللہ کی) عبادت کریں گے، میرے علاوہ کسی کو شریک نہیں مانیں گے، جو روایت میں نے آپ حضرات کے سامنے پڑھی، اُس میں بھی حضرت معاذ بن جبلؓ سے آپ ﷺ نے فرمایا: اے معاذ! انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں، پھر آپ نے فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ انہوں نے عرض کیا؛ اللہ اور اُس کے رسول جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کا حق یہ ہے کہ بندہ اللہ کی عبادت کرے اور اُس کے علاوہ کسی کو اُس کا شریک نہ کرے، اس وقت دوستو اور بزرگو! ہمارے اندر جو کمزوری ہے؛ وہ اللہ پاک کی ذات و

صفات اوراس کی قدرت کے یقین میں کمزوری کا آجانا ہے۔

حضرت سراقہؓ کے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن:

حضرت سراقہ ابن جعشمؓ کا مشہور قصہ ہے،اسیکسریٰ کی نسبت سے کہ جب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ ہجرت فرمارہے تھے،سراقہ ۱۰۰ اونٹوں کے انعام کی لالچ میں آپ کو پکڑنے کے لئے دوڑ گئے،ان کی سواری تین-تین بار زمین میں دھنس جاتی ہے،یہ سمجھ گئے کہ کوئی اور بات ہے،اس نے معافی مانگی اور یہ کہا کہ میں اب واپس جارہا ہوں اور راستے میں جتنے ملیں گے اُن سب کو کہوں گا کہ اس راستے میں کوئی نہیں ہے،آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:سراقہ!کیا حال ہوگا تمہارا؟وہ وقت کیسا ہوگا کہ جب تمہارے ہاتھ میں کسریٰ کے کنگن پہنائے جائیں گے!ہمارے جیسے ہوتے تو یہ کہتے کہ ابھی تو اپنی جان بچانے کے لئے مدینہ ہجرت کررہے ہیں اور بات کررہے ہیں کسریٰ کے کنگن کی!ابھی اسلام نہیں لائے تھے سراقہ؛ لیکن ان کو یقین تھا،بعد میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایمان کی دولت سے مالامال کیا؛چنانچہ ایک مرتبہ یہ سراقہ بن جعشم سخت بیمار ہوئے،اب جائے،تب جائے،یہ حال ہوا؛لیکن یہ کہہ رہے ہیں کہ جب تک میرے ہاتھ میں کسریٰ کے کنگن نہیں پہنائے جائیں گے؛وہاں تک میں دنیا سے رخصت نہیں ہوں گا،مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے ایران فتح ہوااور کسریٰ کے کنگن اور تاج؛اور یہ ساری چیزیں مسلمانوں کے قبضے میں آئیں،حضرت عمر ابن خطابؓ نے ان کو یہ کنگن پہنائے۔(الإصابة:۲/۶۹)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات پر صحابۂ کرام کا یقین:

اور دوسراواقعہ؛خندق کا موقع ہے،مدینہ منورہ میں چہار سمت سے لوگوں نے حملہ کیا،قرآن کریم نے اس سورہ کا نام ہی رکھا سورۂ احزاب،حزب اس کا واحد ہے اور احزاب جمع ہے معنیٰ جماعتیں،مختلف علاقوں سے مشرکین،یہود،غطفان اور دوسرے قبائل؛یہ سارے کے سارے اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ (سورۂ احزاب ۱۰) قرآن کریم نے اس منظر کو ذِکر

فرمایا کہ یہ تمہارے اوپر سے آئے۔ نچلی جگہوں سے آئے، اوپر کے پہاڑی علاقوں سے آئے، چہار سمت سے آئے وَزُلۡزِلُوۡا زِلۡزَالًا شَدِيۡدًا ﴿۱۱﴾ (احزاب: ۱۱) مدینہ منورہ کا حال ایسا ہوا، اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن میں مبالغہ سے کوئی چیز زیادہ کر کے نہیں بتلاتے، وہ حقائق کو بتلاتے ہیں، اللہ پاک خود فرمارہے ہیں کہ صحابۂ کرام پر ایسے حالات آئے کہ وَزُلۡزِلُوۡا زِلۡزَالًا شَدِيۡدًا ﴿۱۱﴾ عربی زبان کے محاورے اور اس کے اندر تاکیدی جملے اور تاکیدی افعال اور مصدر ہوتے ہیں، اللہ پاک نے فرمایا وَزُلۡزِلُوۡا زِلۡزَالًا شَدِيۡدًا ﴿۱۱﴾ اس قدر سخت حالات مدینہ منورہ میں کہ اپنے بچاؤ کے لئے مدینہ منورہ کے باہر خندق کھودنی پڑی اور اس خندق کو کھودتے ہوئے اُس وقت جب کدال مارا گیا اور ایک جگہ صحابۂ کرام نے چٹان دیکھی، آپ ﷺ سے عرض کیا، پھر آپ نے کدال ماری اور ریزے ریزے ہوئے (بخاری: کتاب المغازی، باب غزوۃ الخندق) دوسری حدیث شریف کی کتابوں میں ہے کہ اندر سے آگ نکلی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو بشارت دی کہ میری امت ملک شام فتح کررہی ہے، بُصرہ جو ملک شام کا بڑا شہر تھا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے محلات مجھے نظر آرہے ہیں، دوسرا کدال مارا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم کسریٰ کو فتح کروگے اور مجھے مدائن اور اس کے محلات نظر آرہے ہیں، تیسری کدال ماری اور فرمایا کہ مجھے یمن اور اس کے محلات نظر آرہے ہیں۔ (مسند احمد: رقم: ۱۸۶۰۰، ۱۴/ ۲۴۵) دوستو اور بزرگو! اللہ ورسولہ اعلم کہنے والے صحابۂ کرام تھے، ہم جیسے ہوتے تو اس موقع پر کہتے کہ ابھی تو مدینہ سے باہر نکل نہیں سکتے ہیں، دشمن چہار سمت سے گھیرے ہوئے ہیں، عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لئے پریشان ہیں، ایسے موقع پر کسریٰ کے کنگن اور شام کے محلات اور رومی ایمپائر کی حکومت کا مسلمانوں کے قبضے میں آنا؛ یہ سمجھ میں نہیں آرہا ہے؛ لیکن صحابۂ کرام کو یقین تھا اُن چیزوں پر۔

فرعون کا ظلم اور خدائی تدبیر:

قرآنِ کریم کی دوسری آیت؛ میں نے جو آپ حضرات کے سامنے پڑھی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۂ قصص کی آیات میں ایک بڑے قصے کی طرف اشارہ فرمایا، سیدنا موسیٰ علیہ

السلام کا قصہ، اور یہ قصہ موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کا وہ حصہ ہے جو صرف سورۂ قصص میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ذکر فرمایا، اور دوسرے واقعات جو فرعون کے ساتھ ہوئے؛ مختلف آیتوں میں ذکر کیے؛ لیکن آپ کی پیدائش کا یہ جو تذکرہ ہے اور اس سلسلے میں اللہ پاک نے جو چیلنج فرمایا: وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ (قصص:۵) بنی اسرائیل پر بہت ظلم ہو رہا تھا فرعونیوں کی طرف سے، قرآن نے جس کو مختلف آیتوں میں ذکر کیا وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝۶ (سورۂ ابراہیم:۶) عورتوں کو زندہ رکھا گیا، جوانوں کو قتل کیا گیا، شہید کیا گیا، فرعون نے مسلسل ظلم کیا، موسیٰ کی پیدائش سے پہلے بھی ظلم کیا اور موسیٰ کی بعد بھی ظلم کیا، حضرت موسیٰؑ کا دُنیا میں وجود ہی نہ ہو، اس کے لئے فرعون نے یہ سب کچھ کیا، اللہ پاک اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ جس قوم پر انہوں نے ظلم کیا اور کمزور سمجھا وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ ہم چاہتے ہیں کہ ہم احسان کریں، کن کے اوپر؟ جن کو زمین میں کمزور سمجھا گیا۔

دوستو اور بزرگو! یہ آیت اشارہ فرماتی ہے کہ مستقبل مظلومین کا ہوتا ہے؛ لیکن کون سے مظلومین؟ ایمان باللہ اور ایمان بالرسول والے، اللہ پاک کی ذات و صفات پر یقین کرنے والے۔

حضرت عیسیٰؑ آسمان پر:

اللہ پاک نے بہت بڑے بڑے واقعات قرآنِ کریم میں ذکر کیے؛ جہاں ظاہری احوال میں کوئی امکان نہیں، سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بغیر باپ کے پیدا فرمایا، پھر جب دشمنوں نے چہار سمت سے گھیر لیا، اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ آگے فرمایا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا (نساء: ۱۵۷-۱۵۸) اللہ پاک نے اپنی صفت ذکر فرمائی عزیز اور حکیم، عزیز کے معنی وہ ذات جس سے بڑھ کر کسی کی

قدرت نہیں ہوسکتی، کسی کی طاقت نہیں ہوسکتی، اور صرف طاقت کسی کے پاس ہو؛ اور حکمت نہ ہوتو یہ طاقت غلط جگہ پر استعمال ہوسکتی ہے، جسے انسانوں میں ہم دیکھتے ہیں، اللہ پاک نے آگے اپنی صفت بتلائی حکیم، جب کسی چیز کا فیصلہ ہوتا ہے تو بڑی حکمت کے ساتھ اس کی طرف سے فیصلے ہوتے ہیں، اور وہ ایک طرف عزیز بھی ہے، دوسری طرف حکیم بھی ہے، قرآنِ کریم کا نازل ہونا اور روئے زمین پر پھیلنا آسان نہیں تھا، دشمنوں نے چہار سمت سے حملے کیے، اللہ پاک نے فرمایا تَنۡزِيۡلُ الۡكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَكِيۡمِ ۝۲ (سورۂ احقاف: ۲) ایسی ذات کی طرف سے اترا ہے جو عزیز ہے، جو حضرت عیسی علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کرسکتا ہے، عیسیٰ علیہ السلام کے دشمن چہار سمت سے آئے، اللہ پاک نے ان کو آسمان پر اٹھالیا۔

مشرکین مکہ کی ناپاک سازش اور اللہ پاک کا تکوینی نظام:

جنابِ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہجرت کی رات میں اکیلے ہیں، پورا ماحول ناخوش گوار ہے، قریش کے ایک ایک قبیلے کے ایک ایک نوجوان کو ابوجہل وغیرہ نے تیار کیا تھا، تاکہ پورے مکّہ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو شہید کرنے کا گناہ تقسیم ہو جائے، گجرات میں سن عیسوی ۲۰۰۲ کے جو فسادات ہوئے، اتنی جماعت آجائے کہ کسی کے اوپر وہ کیس ہی نہ ہو؛ یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور صحابۂ کرام کو اور خود آپ کی ذاتِ گرامی کو یہ احوال پیش آئے کہ بنو ہاشم کا قبیلہ پورے مکّہ سے بدلہ نہیں لے سکتا لیکن اللہ پاک نے فرمایا وَجَعَلۡنَا مِنۡۢ بَيۡنِ اَيۡدِيۡهِمۡ سَدًّا وَّمِنۡ خَلۡفِهِمۡ سَدًّا فَاَغۡشَيۡنٰهُمۡ فَهُمۡ لَا يُبۡصِرُوۡنَ ۝۹ (یس: ۹) ان کی آنکھوں کے سامنے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نکل رہے ہیں اور وہ دیکھ نہیں پا رہے ہیں، یہ اللہ پاک کا فیصلہ ہے، افغانستان میں جو حالات چل رہے ہیں ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں کو دُنیا کی سپر پاور طاقتوں پر کیسے غالب کیا، رات کے اندھیرے میں افغانستان سے بھاگنا پڑا، یہ قرآن کریم کی آیتیں ہمیں بتلاتی ہیں کہ اللہ پاک کی ذات عالی ہی پر یقین کیا جائے۔

حضرت موسیٰؑ کی پرورش فرعون کے محل میں:

بنی اسرائیل کمزور تھے، فرعون کا پورا لشکر کہ اُسی کی کوشش کر رہا تھا حضرت موسیٰؑ پیدا ہی نہ ہو؛ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ علیہ السلام کو پیدا فرمایا، اس سورت میں اللہ پاک نے اسی واقعہ کا ذکر فرمایا کہ موسیٰؑ کی والدہ کا دل بے چین تھا فَأَلْقِيهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي ۖ إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكِ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝ (قصص: ۷) اللہ پاک نے کیا فرمایا؟ وہ بچہ جس کی پیدائش سے پہلے ہی پورا لشکر اور حکومت یہ کام کر رہی تھی کہ کسی طریقے سے وہ بچہ وجود میں ہی نہ آئے، جن کی کوششیں قرآنِ کریم نے ذکر فرمائی، خود موسیٰؑ علیہ السلام سے بنی اسرائیل نے کہا: أُوذِينَا مِن قَبْلِ أَن تَأْتِيَنَا وَمِن بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۚ (اعراف:۱۲۹) کہ اے موسیٰ ہمیں تکلیف دی گئی آپ کی پیدائش سے پہلے اور آپ کی پیدائش کے بعد؛ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُم مَّا كَانُوا يَحْذَرُونَ (قصص-۶) جس چیز سے وہ ڈرتے تھے؛ ہم ان کے سامنے موسیٰؑ کو صرف پیدا ہی نہیں فرمائیں گے؛ بلکہ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ ہم بنی اسرائیل کو قدرت عطا فرمائیں گے اور فرعون اور اس کا جو وزیر ہے؛ اس کے جو بڑے بڑے سردار ہیں؛ اُن سب کو یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ جس سے تم ڈرتے تھے؛ اللہ پاک نے اس کے گھر میں موسیٰ علیہ السلام کی پرورش فرمائی، یہ کیسی عجیب وغریب قدرت اللہ پاک نے بتلائی کہ جس فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی پیداش کی بنیاد پر ہزاروں بچوں کو قتل کیا؛ اللہ پاک نے اُس کی آنکھوں میں کیسا پردہ ڈال دیا اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے گھر میں موسیٰ علیہ السلام کی پرورش فرمائی، والدہ کو کہا گیا فَأَلْقِيهِ فِي الْيَمِّ (قصص:۷) آپ اُس کو سمندر میں ڈال دیجئے، وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي (قصص:۷) کوئی خوف کوئی غم نہ کیجئے إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكِ (قصص:۷) ہم موسیٰ کو تمہارے پاس لوٹا دیں گے، یہ اللہ پاک کا وعدہ تھا، اللہ پاک نے اپنا وعدہ پورا فرمایا إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكِ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ اور ان کو ہم رسول بنائیں گے اور یہ مزید اللہ پاک کی طرف سے

بشارت ہے۔

اللہ پاک نے حضرت یوسفؑ کو کیسے بچایا؟

وَ كَذٰلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ (یوسف : ٦) حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے کنویں میں ڈالا، اللہ پاک نے اس وقت تسلّی دی اور فرمایا کہ یوسف! اس وقت تم اس کنویں میں ہو فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ (یوسف : ۱۰) ایسا کنواں جو عام شاہ راہ اور عام راستے سے الگ ہے اور جس کے پانی کے متعلق بھی آتا ہے کہ وہ کھارا پانی تھا، اس لیے قافلے بھی وہاں نہیں جاتے تھے، ایک چھوٹا سا بچہ کنویں کے اندر ڈالا گیا ہو اور جن کو اپنے مستقبل کے متعلق کوئی علم نہیں، اللہ پاک نے حضرت یوسف علیہ السلام کو وعدہ فرمایا وَ كَذٰلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ہم آپ کو اپنا رسول بنائیں گے اور خواب کی تعبیر اور بڑی بڑی چیزوں کا علم ہم آپ کو عطا فرمائیں گے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو وہاں بچایا۔

حضرت موسیٰؑ کی والدہ کی بے قراری:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے پاس ان کو صحیح سلامت پہنچایا، تاکہ ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچے، اور ایک جگہ پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أُمِّ مُوسَىٰ فَارِغًا (قصص : ۱۰) موسیٰؑ کی والدہ کا دل ساری چیزوں سے الگ ہو گیا اور پوری فکر حضرت موسیٰؑ علیہ السلام پر لگ گئی، امام بُخاریؒ فارغاً کی تفسیر فرماتے ہیں کہ سب سے ہٹ کر والدہ کی توجہ حضرت موسیٰؑ علیہ السلام پر ہو گئی ، ایک عورت کا بچہ سمندر میں ڈالا جا رہا ہو، اور مستقبل کا کوئی یقین نہیں کہ کیا ہوگا؟ اس موقع پر اُس ماں کے دل میں کیا گزری ہوگی؟ اور کتنی بے چین اور بے قرار ہوگی؟ اُسی کو دوسرے مفسرین فرماتے ہیں وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أُمِّ مُوسَىٰ فَارِغًا ۖ إِن كَادَتْ لَتُبْدِي بِهِ لَوْلَا أَن رَّبَطْنَا (قصص : ۱۰) حضرت موسیٰؑ علیہ السلام کی والدہ اُس غم کا اظہار شاید کسی کے سامنے کر دیتی اور یہ کہہ دیتی کہ میرا بچہ پیدا ہوا اور میں نے اُس کو

سمندر کے حوالے کر دیا تو یہ بات فرعون تک پہنچ جاتی ،اللہ پاک نے اس کا انتظام فرمادیا کہ وہ اس چیز کو بھول گئی اور انہوں نے کسی کے سامنے اس کا تذکرہ نہیں کیا، اشارے ہیں قرآنِ مجید کے کہ جب اللہ کے لئے إِنَّهُ مَن يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ (یوسف: ۹۰) جوتقوٰی اختیار کرتا ہے،صبر کا دامن تھامتا ہے،صبر؛ یہ گجراتی میں بھی بولا جاتا ہے،اردو میں بھی بولا جاتا ہے اور عربی بھی بولا جاتا ہے؛لیکن قرآنِ کریم کی اصطلاح میں صبر کا مفہوم اتنا مختصر نہیں ہے کہ کوئی تکلیف پہنچائے اور ہم برداشت کر لیں! یہ مراد نہیں ہے بلکہ ’’حبس النفس علی الطاعه‘‘ اپنے نفس کو اللہ کی اطاعت میں لگادیں۔

اعمال صالحہ کی بھی اپنی ایک تاثیر ہے:

جو آیت میں نے آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی اُس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے تین وعدے فرمائے ،اُسی میں آگے فرمایا وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ (بقرہ: ۴۳) تم نماز کو قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو، آگے فرمایا تاکہ تم پر رحم کیا جائے،معلوم یہ ہوا کہ ایمان اور اعمال صالحہ؛ یہ بھی اپنی تاثیر رکھتے ہیں۔دوستو اور بزرگو! یہی سب سے بڑی اِس وقت سمجھنے کی چیز ہے کہ جیسے دنیا کے اسباب اپنی تاثیر رکھتے ہیں؛ ہتھیار ہوتے ہیں ان کو اپنے اوپر بھروسہ ہوتا ہے، اس کو اپنی ذات کے اوپر اطمینان اور بھروسہ ہوتا ہے کہ میرے پاس سب کچھ ہے، میں کسی کا محتاج نہیں ،طاقت وقوت ہوتی ہے، بدن تندرست اور مضبوط ہوتا ہے، مجھے کسی کی ضرورت نہیں؛ اکیلا اپنی ذات کے لیے میں کافی ہوں،اسباب پر اتنے بھروسے ہوتے ہیں کہ کبھی کبھار آدمی دوسروں کو چیلنج کر دیتا ہے؛ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جیسے ان چیزوں میں تاثیر رکھی ہے؛ نماز کی بھی اپنی ایک تاثیر ہے،روزے کی بھی اپنی تاثیر ہے، عبادتوں کی اپنی تاثیر ہے، رات کے نوافل کی، تہجد کی اپنی تاثیر ہے، اچھے اخلاق، اچھے اعمال؛ یہ بھی اپنے اندر تاثیر رکھتے ہیں، دنیا کی سپر پاور طاقتوں کا جس زمانہ میں مسلمانوں کے ساتھ مقابلہ ہوا؛ ان کے اخلاق اور ان کے اعمال نے ہی ان کو ان چیزوں میں آگے بڑھایا۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی اپنے لشکر کو نصیحت :

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ ایک لشکر روانہ فرما رہے ہیں، آپ نے ان سے کہا: **انتم اقل عدداً وعدةً** دشمن کے مقابلہ میں تم تعداد کے اعتبار سے بھی کم ہو، تیاری، لشکر اور ہتھیار کے اعتبار سے بھی کم ہو، جب ایمان کا مقابلہ ان اسباب سے ہوگا تو ایمان غالب ہوگا اور اسباب کا مقابلہ جب اسباب سے ہوگا؛ جس کے پاس اسباب زیادہ ہوں گے؛ وہ غالب آئے گا، یہ اشارہ فرمایا کہ ایمان والے جب اعمال صالحہ اور اخلاق عالیہ سے مستفیض ہوں گے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو دنیا میں بھی کامیابی عطا فرمائیں گے اور آخرت میں بھی کامیاب فرمائیں گے۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں بارش نہیں ہو رہی تھی، ایک صاحب آئے اور کہا کہ کاشت کار لوگ پریشان ہیں، بارش نہیں ہو رہی، جانوروں کو پانی پلانے کے لیے پانی نہیں ہے، لوگ مایوس ہو رہے ہیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اب اللہ پاک کی طرف سے بارش ہوگی، حضرت عمرؓ نے قرآن کریم کی آیت پڑھی مِنۢ بَعۡدِ مَا قَنَطُوۡا وَيَنۡشُرُ رَحۡمَتَهٗ ؕ جب لوگ مایوس ہو جاتے ہیں تو اللہ پاک کی رحمت پھیل جاتی ہے، دیکھ رہے ہیں آپ! لوگ پریشان تھے، اللہ پاک نے بارش برسائی، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی قدرت اپنی طاقت ہی سے ہونے کا یقین بتلاتے ہیں۔

اپنے اعمال واخلاق کے ذریعہ دین کی اشاعت :

قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے انبیاءؑ کے واقعات ہمارے سامنے ذکر کیے، اس ملک میں ہم نہ بالکل کم ہیں، نہ بالکل زیادہ ہیں، ایک تو وہ علاقے ہیں جہاں مسلمانوں کی تعداد بالکل کم ہے؛ وہاں کے بھی احکام ومسائل کتاب وسنت میں ذکر کیے گیے ہیں؛ لیکن ایک ایسا ملک جہاں ہر پانچ میں ایک مسلمان، اتنی بڑی تعداد! اور پھر ملک کا ظاہری نظام سیکولر ہونا؛ یہ ساری چیزیں اس بات کی طرف اشارہ کر رہی ہیں کہ ہمیں اس ملک میں اللہ پاک نے چن لیا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے اعمال اور اچھے اخلاق کے ذریعہ اس دین کی اشاعت کریں، اس ملک میں اپنے اعمال اور اخلاق سے بڑھ کر کوئی دعوت نہیں ہے، اس وقت

جو لوگ کثرت سے ایمان میں داخل ہو رہے ہیں؛ ان میں سے کئی لوگوں نے اپنے انٹرویو (Interview) میں کہا کہ اگر مسلمانوں کو دیکھ کر ایمان لاتے تو شاید ہم ایمان سے واپس چلے جاتے؛ لیکن اللہ پاک نے غیبی نظام یہ فرمایا کہ ان کو اپنی زندگیوں میں بے چینی اور بے قراری پیش آئی، پریشانیاں آئیں، اس کو حل کرنے کے لیے ادھر دوڑے، ادھر دوڑے، سب جگہ دوڑے؛ لیکن اخیر میں مجبور ہو کر اسلام میں داخل ہوئے، ایک صاحب کہہ رہے ہیں کہ میں قرآن اس لیے پڑھ رہا تھا کہ قرآن میں ایسی چیزیں دیکھوں کہ جس کو بنیاد بنا کر مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈے کے طور پر اس کو استعمال کروں، میں تلاش کر رہا تھا؛ لیکن عجیب مسئلہ تھا! میں جتنا آگے بڑھتا گیا؛ قرآن مجھے اپنی طرف کھینچتا گیا اور یہ بتلاتا گیا کہ یہ کوئی عام انسان کا کلام نہیں ہے۔

دو برائیاں:

دوستو اور بزرگو! اللہ پاک نے ایسا پسندیدہ دین اور زندگی گزارنے کا بہترین طریقہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ ہمیں دیا، اس وقت امت کے اندر دو برائیاں پھیلی ہوئی ہیں، ایک تو مشرکانہ اعمال اور دوسری چیز ہے مسرفانہ تقریبات، ہماری تقاریب، ہماری شادیاں اور ہمارے جو پروگرام ہو رہے ہیں؛ ہزاروں لاکھوں روپے برباد کیے جاتے ہیں، ایک ایسی امت جس کے اندر بیوہ عورتوں کی ایسی حالت ہے کہ ان کے بچوں کے پڑھنے کے لیے کتابیں ان کے پاس نہیں ہیں، ہمارے پاس بہترین ہسپتال نہیں ہے، بہترین کالج نہیں ہے، یونیورسٹیاں نہیں ہیں، اور ہم اتنا اپنا روپیہ اسراف کریں، فضول خرچیاں کریں، ہماری شادیاں، ہمارے پروگرام کس طریقے سے ہو رہے ہیں! ذرا سوچا جائے!

ایک مالدار صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سادگی:

مدینہ منورہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک مہاجر صحابی؛ عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، ہجرت کرنے کے بعد انہوں نے اپنا کاروبار شروع کیا، جس صحابی کے ساتھ ان کا معاملہ ہوا تھا بھائی چارگی

کا؛ انہوں نے کہا کہ میری بیویوں میں سے جس کو آپ چاہیں؛ اس کو میں طلاق دوں اور پھر آپ ان سے شادی کر لیجیے، میری جو ملکیت (Property) ہے؛ آدھا حصہ اس کا میں آپ کو دیتا ہوں، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے کہا کہ ہم نے ہجرت اس کے لیے نہیں کی، آپ ہمیں بازار کا راستہ بتلا دیجئے، ہم تاجر لوگ ہیں، بازار میں پنیر، دودھ وغیرہ بیچ رہے تھے؛ اور پھر اللہ پاک نے اس میں برکت عطا فرمائی اور بڑے مالدار صحابی ہو گئے، مشہور ہو گئے، یہ عبدالرحمن بن عوفؓ شادی کر رہے ہیں مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے بعد، دوسرے دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور بدن پر ہلکا سا پیلا کوئی نشان تھا عورت کے کپڑے کا یا کوئی خشبو کا، یہ ان کو لگ گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے شادی کی؟ مدینہ منورہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کی نسبت سے آئے، اللہ کے رسول سے بڑھ کر ان کا کوئی محبوب نہیں؛ لیکن شادی کر رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اطلاع نہیں ہوئی، ہم جیسے ہوتے تو پہلے یہ ہی گمان کرتے کہ ہمیں نہیں بلایا، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ نہیں کہا، بلکہ **اولم ولو بشاۃ.** (بخاری: کتاب النکاح، باب الصفرۃ للمتزوج) ولیمہ کیجئے چاہے ایک بکری کا ہو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ہمیں سبق بتلایا۔

ایک آیت کی تفسیر:

قرآن کریم میں فرمایا **انفقوا** اللہ کی راہ میں خرچ کرو، **ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ** اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو، حضرت ابوایوب انصاریؓ نے اس کی تفسیر فرمائی کہ یہ آیت ہم لوگوں کے لیے نازل ہوئی، ہم نے یہ سمجھا تھا کہ مال و دولت کم ہو جائے گا مسلسل جہاد کی وجہ سے تو ہم نے یہ چاہا کہ کچھ سال تک کھیتی باڑی میں مشغول ہو جائیں۔

امت مسلمہ میں کفر و شرک کی مختلف شکلیں:

دوستو اور بزرگو! یہ رات دن سن رہے ہیں آپ! لاکھوں اور کڑوڑوں روپے اسراف اور فضول خرچیوں میں برباد ہو رہے ہیں، یہاں غربت محسوس نہیں ہوتی، غریب سے غریب آدمی کو

دیکھا جائے! امت کو پنپنے کے یہ حالات نہیں ہے، ہمیں ایک طرف شرک اور کفر کو چھوڑنا ہے، ہمارے یہاں اللہ کو ناراض کرنے والی کفر اور شرک کی جو شکلیں ہو رہی ہیں؛ اس کو چھوڑنا ہے، اللہ پاک کو اس کی ذات کے اعتبار سے بھی ایک ماننا ہے اور صفات کے اعتبار سے بھی اکیلا ماننا، ذرا کسی کے یہاں اولاد نہیں ہو رہی ہے اور کسی باپو نے یا کسی سادھو نے یہ کہہ دیا کہ فلاں جگہ جا کر ایسا کیجیے، ہمارے مرد اور ہماری عورتیں وہاں پہنچ جاتی ہیں، اللہ پاک کی ذات عالی پر کوئی یقین نہیں اور ایسے ایرے غیرے جن کا اپنا ذاتی کوئی ٹھکانہ نہیں؛ ایسوں کو اپنا نفع نقصان کا مالک مسلمانوں نے سمجھ لیا، غیروں کی تو زندگی ہی ایسی ہے؛ لیکن اہل ایمان اور اہل اسلام اپنے کسی کام کے لیے کسی کے پاس جائیں یہ صحیح نہیں ہے، تھوڑی سی بیماری آئی، سمجھ لیا کہ کسی نے کچھ کر دیا ہے۔

امیر تیمور لنگ کا خدا کی ذات پر یقین:

ایک مرتبہ ایک مسلمان بادشاہ امیر تیمور لنگ؛ یہ کسی جگہ پر جا رہے تھے، راستے میں ان کے نجومیوں نے کہا کہ یہ وقت ابھی سفر کا نہیں ہے، ہمارا نجوم اور ہماری جیوتش کا جو علم ہے؛ وہ بتلاتا ہے کہ یہ سفر کا وقت نہیں ہے، اس نے ایک جملہ کہا: **اهل التقديس و التنزيه لا يؤ منو ن بالتثليث و التسديس** کہ جو اہل تقدیس اللہ پاک کی ذات کو ہر عیب سے پاک مانتے ہیں، جو اللہ کی راہ میں نکلے ہیں اور وہ اللہ پاک کی ذات پر یقین کرتے ہیں، وہ تین خداؤں، چھ خداؤں والی دنیا میں نہیں ہیں، وہ ایک ہی اللہ کی مخلوق ہے، وہ اسی کی بات پر چلتے ہیں، صحابۂ کرام ؓ نے اتنا لمبا چوڑا دنیا کا علاقہ کیسے فتح کیا؟ ان کے لئے کوئی راستہ میں پریشانیاں نہیں آئیں؟

صحابۂ کرام کی جرأت ایمانی:

دشت تو دشت دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے * بحر ظلمات میں دوڑا دئے گھوڑے ہم نے

اقبال یہ کہہ رہے ہیں کہ افریقہ کا جنگل ہے اور وہاں جانور رہتے ہیں، صحابہ کرام ؓ نے نیت کی کہ اس جگہ یعنی قیروان میں ایک فوجی چھاؤنی بنائی جائے، تو اعلان کیا؛ آج تک تاریخ نے اس کو محفوظ رکھا، انہوں نے کہا **ایها الحشرات** اے جنگل کے جانورو! **نحن اصحاب**

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام ہیں، انا نازلون اور ہم اس علاقے میں ٹھہرنے والے ہیں، تین دن کے بعد اگر تم میں سے کوئی نظر آیا تو ہم اس کو نہیں چھوڑیں گے، اس طرح کا اعلان کیا، تین دن کی مہلت دی، تاریخ نے اس بات کو ریکارڈ کیا ہے کہ پورا جنگل خالی ہو گیا، شیر بھی اپنے بچوں کو لے کر جا رہے ہیں، (معجم البلدان: حرف القاف، القروان، ۱۰۶/۴، اسد الغابة: عقبة بن نافع، ۶۶-۶۷/۴) یہ کیا چیز ہے؟ اسی کو اقبال نے کہا: دشت تو دشت ہے۔۔۔ افریقہ کا پورا جنگل خالی ہو گیا، اور اسی طرح ''بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ایران کی فتح کے موقع پر جا رہے ہیں، سمندر بیچ میں حائل ہے اور ان حضرات نے اپنے گھوڑے اسی میں دوڑا دیئے، اقبال نے اسی کی طرف اشارہ کیا۔

سپر پاور طاقت کو چند نہتوں نے کیسے شکست دی!

دوستو اور بزرگو! یہ قصے کہانیاں نہیں ہیں، یہ اللہ پاک کی طاقت اور قدرت کی کرشمہ سازی ہے، آج کی اس مادیت کے دور میں جہاں انسانوں پر مادیت سوار ہے، اللہ پاک نے آنکھوں سے ہمیں بتلا دیا کہ سپر پاور طاقتوں کو چند نہتوں نے کیسے شکست دی! یہ آنکھوں کے سامنے مشاہدے ہیں، اللہ پاک نے ہم کمزور ایمان والوں کو ایسی عبرت ناک چیزیں بتلا کر بتلایا کہ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ط اور وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۶۲﴾ اللہ کی سنتوں میں تبدیلی نہیں ہوتی۔

آج بھی ہو جو ابراہیم سا ایمان پیدا　　　آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

آج بھی ابراہیم علیہ السلام والا ایمان ہو تو آگ باغ میں تبدیل ہو جائے، اس لیے قرآن کریم کی ان آیتوں میں یہ ابدی صداقتیں اصول اور ضابطے ہیں، دنیا ادھر سے ادھر ہو سکتی ہے؛ لیکن ان ضابطوں میں تبدیلی نہ ہوگی۔

دوستو اور بزرگو! کوئی سمجھ نہیں پائے! اس وقت کی دنیا سپر پاور طاقت اور بڑے بڑے جو دماغ ہیں یہ پریشان ہیں کہ کیسے انہوں (طالبان) نے ہمیں شکست دی؟ مختلف دنیوی

اسباب بتلاتے رہیں گے، نظر اس طرف نہیں جائے گی کہ یہ ان کے فیصلے نہیں ہے؛ یہ اوپر کے فیصلے ہیں، یہ اس طریقے سے ہوتا ہے، صحابہ کرامؓ کی مٹھی بھر جماعت تھی، اللہ پاک نے فرمایا کہ ایمان اوراعمال صالحہ؛ یہ وہ چیزیں ہیں کہ جس کی بنیاد پر اللہ پاک نے کامیاب فرمایا۔ تو آج ہم بھی ہندوستان میں اپنے آپ کو خوف میں محسوس کر رہے ہیں وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ (نور:۵۵) یہ خوف اس وقت ختم ہوگا جب ہمارے پاس صحابہ کرامؓ جیسا یقین ہوگا اور قرآن کریم کے ان وعدوں پر ایمان لائیں گے اوراعمال صالحہ کرنے لگیں گے۔

دوستو اور بزرگو! مادیت والے مادی اسباب تلاش کرتے ہیں، قرآن اور حدیث نے مادی اسباب اختیار کرنے سے منع نہیں فرمایا؛ لیکن ان کو سب کچھ سمجھ رہے ہیں، یہ جو غلطی ہو رہی ہے، آج کا مسلمان بھی ان چیزوں میں اللہ پاک کی طاقت اور قدرت کو بھول گیا۔

پاسباں مل گیے کعبہ کو صنم خانے سے:

تاتاری آئے، کتنا ظلم وتشدد کیا مسلمانوں پر؛ لیکن اللہ پاک نے انہیں میں سے کچھ کھڑے کر دیے اور کعبہ کو صنم خانے ہی سے اللہ پاک نے افراد دے دئے، شیخ جمال الدین اور شیخ رشید الدین باپ بیٹے کے ایک جملے نے تاتاریوں کو ایمان میں داخل کر دیا اور دنیا کا مشہور مستشرق لکھ رہا ہے کہ مسلمانوں کو مغلوب کرنے والے اسلام کے مغلوب ہو گیے، مسلمانوں کے فاتح اسلام کے مغلوب ہو گئے، مسلمانوں کو شکست دی تاتاریوں نے؛ لیکن اسلام کو وہ مغلوب نہیں کر سکے، عثمانی سلطنت اور اس کے بعد ایک بڑی جماعت ترکی میں جمع ہوئی؛ یہ سب انہیں کی اولاد ہیں، اور یہی سب ہندوستان میں بھی آئے، یہ ترک اور تاتاریوں کو اللہ پاک نے اس صدی میں بھی اتنی سب کچھ تکالیف کے بعد ایمان ہی کی بنیاد پر بچا لیا، اعمال صالحہ اوراخلاق کی بنیاد پر بچایا۔

وہ بزرگ جا رہے تھے جنگل میں، اور شہزادہ تاتاری راستہ سے گزرا، مسلمانوں کو اس نے حقیر سمجھا اور یہ کہا کہ صبح سویرے یہ کیسے آگئے؟ ساتھ میں یہ شکار کا کتا لے جا رہا تھا، اس

نے پوچھا کہ تم بہتر ہو یا یہ کتا بہتر ہے؟ اس بزرگ نے کہا کہ اس کا فیصلہ ابھی نہیں ہو سکتا، میں دنیا سے جاؤں ایمان کے ساتھ تو میں کتے سے بہتر ہوں گا، اور اگر میں دنیا سے کفر کے ساتھ گیا تو یہ کتا مجھ سے بہتر ہے، اتنا کہہ کر چلے گئے۔

از دل خیزد بر دل ریزد

دل سے نکلی ہوئی بات اس کے دل میں اثر کر گئی، یہ شہزادہ تھا، ابھی بادشاہ نہیں بنا تھا، اس کے دل میں لگ گئی بات، ایک مدت گزر گئی، شیخ جمال الدین انتقال کر گئے، رشید الدین جو ان کے صاحب زادے تھے؛ ان کو کہا کہ بیٹے میرے حصہ میں وہ چیز نہیں ہے، اللہ پاک نے تمہارے حصہ میں رکھی ہے، جب یہ شہزادہ بادشاہ بنے تو اس وقت اس کو جا کر تم یہ کہہ دینا کہ میرے والد نے مجھے بھیجا ہے اور یہ کہا ہے کہ تمہارے کتے سے بہتر حالت میں وہ گئے ہیں دنیا سے، یعنی ایمان کے ساتھ دنیا سے گیے، یہ گئے دربار میں، کوئی داخل نہیں ہونے دیتا تھا، انہوں نے باہر پڑاؤ ڈالا اور اذان شروع کی پانچ وقت کی نماز کے لئے، یہ آواز شہزادہ کو اللہ پاک نے پہنچائی، بادشاہ بن چکا تھا اب تو، اس وقت، اس کے محل میں اندر آواز اللہ پاک ہی نے پہنچائی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی آواز لگائی وَاَذِّنۡ فِی النَّاسِ (حج:۲۷) تو اللہ پاک نے دنیا بھر کے انسانوں کو اپنے گھر کے لئے بلایا، خیر شیخ جمال الدین کے صاحب زادے نے جب یہ آواز لگائی تو اس شہزادہ نے کہا کہ یہ کیا آواز ہے؟ لوگوں نے کہا: کوئی فقیر ہے جو اس طرح کی آوازیں لگا رہا ہے، کہا کہ اس کو بلاؤ، ان کو تو جانا ہی تھا وہاں، گئے اور کہا کہ میں فلاں کا بیٹا ہوں، میرے والد سے تمہاری ایک بات ہوئی تھی، وہ ایمان کی حالت میں دنیا سے گئے، اللہ پاک نے اس کے دل میں ڈالا تھا؛ اس کا وزیر بھی ایمان لا چکا تھا، حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں کہ پوری کی پوری قوم ایمان میں داخل ہوگئی، یہ عرب آئے، یہ تاتاری آئے اور یہ افغان آئے، یہ تین قومیں ایسی ہیں جو پوری کی پوری قوم ایمان میں داخل ہوگئیں۔

اللہ پاک نے فرمایا وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ (نصر:۲) فوج در فوج داخل ہوئے، یہ برکت ہے دعوت کی، یہ برکت ہے ایمان اور اعمال صالحہ کی! دوستو اور بزرگو! یہ اللہ پاک کے فیصلے ہیں، یہ اللہ پاک کی صفات ہیں، مجھے اور آپ کو ان چیزوں کو بار بار سننا چاہئے، پڑھنا چاہیے، قرآن مجید کے ان واقعات کو، ان قصوں کو، یہی تو کتاب ہے !للتی ھی اقوم سیدھا اور درست راستہ بتلاتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ جو راستہ میں لے کر آیا ہوں عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ؕ: مجھے بھی اطمینان ہے اور میرے صحابہ کو بھی اس پر اطمینان ہے، ہمیں بھی اس دین پر اطمینان رکھنے کی ضرورت ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ کے وعدوں پر یقین کرنے کے لئے۔ اللہ پاک ہم سب کو ان اعمال کی توفیق عطا فرمائے جو اللہ پاک ذکر فرماتے ہیں۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(۳۰)

اہل اللہ کی صحبت کی برکات

(بمقام مسجد عائشہ، تاندلجا، بڑودہ، گجرات)

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين والصلاة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله واصحابه اجمعين. اما بعد!

قال الله تعالیٰ:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾ (ابراہیم: ۳۴)

وقال تعالیٰ: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ﴿۷﴾

صدق الله العظيم، وصدق رسوله النبي الكريم، ونحن على ذلك لمن الشاهدين والشاكرين، والحمد لله رب العالمين.

محترم ومکرم حضرات علماء کرام اور ایمان والے بھائیو! اللہ تبارک وتعالیٰ کا انتہائی شکر و احسان ہے کہ اس نے آج ہمیں شیخ طریقت، اللہ کے نیک اور صالح بندے، حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب کی مجلس میں حاضری کی توفیق نصیب فرمائی۔

اللہ والوں کی آمدورفت؛ ایک عظیم سعادت مندی:

دوستو اور بزرگو! ایک چھوٹے سے واقعہ سے میں اپنی بات کا آغاز کرتا ہوں؛ چند سال پہلے دار العلوم ماٹلی والا میں حضرت مولانا ابراہیم صاحب دیولوی دامت برکاتہم اور دوسرے اکابرین دعوت وتبلیغ تشریف لائے، ایک صاحب بہت دور سے آئے تھے، عالم تھے، انہوں

نے مجھے کہا کہ مولانا! آپ لوگ کتنے خوش نصیب ہیں کہ آپ کے یہاں اللہ والوں کی آمد مسلسل رہتی ہے، کوئی ایک اللہ والا آیا، وہ گئے تو اس کے بعد دوسرے کوئی اللہ والے تشریف لاتے ہیں، جو اہل علم ہیں، جو اہل صلاح اور اہل تقویٰ ہیں؛ ان کی آمد و رفت؛ ان کا ہمارے یہاں تشریف لانا؛ یہ ہمارے لئے اللہ پاک کی طرف سے بڑی سعادت مندی ہے، قرآن کریم میں اللہ پاک نے جو نعمتیں ذکر فرمائی؛ قاری صاحب نے جو تلاوت کی؛ آسمان و زمین، سورج، کھانے پینے کی جو نعمتیں اللہ پاک نے ان آیات میں ذکر فرمائی اور اس کے ساتھ اللہ پاک نے فرمایا کہ ہماری کتنی نعمتوں کو تم یاد کرتے ہو؛ سیدنا داؤد علیہ السلام سے اللہ پاک نے فرمایا اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ (سبا:۱۳) کہ اے آل داؤد شکریہ ادا کرو، داؤد علیہ السلام نے عرض کیا اے باری تعالیٰ! میں آپ کا شکریہ کیسے ادا کروں؟ یعنی کس کس نعمت کا شکریہ ادا کریں؟ یعنی کتنی نعمتیں ہیں آپ کی! کس کا شکریہ ادا کریں؟ اللہ پاک نے فرمایا: اے داؤد تم نے سمجھ لیا، ہم شکریہ ادا نہیں کر سکتے؛ لیکن دل میں احساسات، اللہ تعالیٰ کی ذات عالی کے ساتھ وابستگی اور تعلق اور اس کی نعمتوں کا استحضار؛ یہ اللہ پاک کو پسند ہے، ان آیات میں بھی اللہ پاک نے یہ ہی فرمایا۔

صوبۂ گجرات کی خصوصیت:

دوستو اور بزرگو! گجرات کی جو خصوصیات ہے ان میں سے ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ مسلسل ہمارے علاقے میں بزرگوں کا آنا جانا ہوا، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ہی آمد و رفت شروع ہوئی اور پھر اس کے بعد سلطنت کا جو زمانہ گجرات میں آیا، محمد تغلق کے زمانے میں جو بغاوت ہوئی، گجرات میں بھی خود مختار حکومت قائم ہوئی اور ۱۸۳ سال تک گجرات کی خود مختار حکومت رہی، پھر اکبر نے آکر اس پر قبضہ کیا اور پھر مغل سلطنت میں شامل ہوئی، ان تمام ادوار میں سب سے بڑی جو خصوصیت محسوس ہوتی ہے؛ وہ یہی کہ گجرات میں ہر زمانہ میں اللہ کے نیک اور صالح بندے آئے، یہاں بود و باش اختیار کی اور پھر اللہ پاک نے ان کی نسلوں میں بھی اہل علم کو پیدا

فرمایا، یہ جتنے اکابرین آئے ؛حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں کہ اتفاق سے ایران میں شیعوں کی حکومت قائم ہوئی ،اور سنی علماء اور سنی حضرات پر زیادتیاں ہونے لگیں ،تو اہل علم کا ایک بہت بڑا طبقہ ہندوستان کی طرف آیا اور اس میں بھی کچھ نے اس گجرات میں بودوباش اختیار کی ۔پٹن ،احمد آباد، بھروچ میں، ان بادشاہوں میں جنہوں نے اہل علم کی قدر کی، کسی کو ملک المحدثین کے خطاب سے نوازا، یمن سے محدث آرہا ہے اور اس کو اتنے بڑے القاب سے خود احمد شاہ بادشاہ نوازرہا ہے۔

اس طریقے سے بادشاہوں کے ذریعہ یہ جتنے حضرات آئے؛ان کی تاریخ پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف ظاہری الفاظ والے نہیں تھے، یہ ظاہر صوفی ہونا تو کسی طرح پسندیدہ ہے، عالم بھی ہو اور اس کے ساتھ اس کا ربط اللہ پاک کی ذات عالی سے بھی ہو، اس لیے اللہ پاک نے خود یہ ارشاد فرمایا اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر:۲۸) حضرات علماء کرام جانتے ہیں کہ کسی چیز کا جو خاصہ ہوتا ہے، وہ اسی میں پایا جائے ؛اس کے علاوہ میں نہ پایا جائے ،خاصیت ابواب میں جو ہم پڑھاتے ہیں اسی میں پایا جائے ؛اس کے علاوہ میں نہ پایا جائے ،حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا میں جو حصر فرمایا، یہ گویا کہ علماء کا خاصہ بتلایا کہ خشیت الٰہی ؛اللہ پاک کا خوف، اللہ پاک سے تعلق ،اللہ پاک کی عظمت، اس کی سلطنت وقدرت کا استحضار؛ جو ہونا چاہیے وہ سب سے زیادہ اس شخص میں ہوتا ہے جس کو اللہ پاک کی معرفت نصیب ہو۔

گجرات اور عربوں کے دعوتی واصلاحی تعلقات

گجرات میں اشاعت اسلام اور صوفیائے کرام کی مساعیٔ جمیلہ

برصغیر میں اسلام کی اشاعت کے سلسلہ میں صوفیہ کی بھی گراں قدر خدمات رہی ہیں، انہوں نے اسلام کو ہر طبقہ اور گروہ میں روشناس کرایا، کہیں اسلامی اخلاق کا مجسم نمونہ بن کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دی، کہیں سماجی ورفاہی کاموں کے ذریعہ لوگوں کے دل جیتے اور کہیں

ہر ایک کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کر کے پسماندہ لوگوں کو اپنا گرویدہ بنالیا۔

برصغیر ہند میں صوفیہ کی جدوجہد کا آغاز پانچویں صدی ہجری سے ہوتا ہے، اگر چہ ان کے طریق تبلیغ متعدد رہے ہیں، بعض صوفیہ نے باضابطہ اسلام کی دعوت دی، بعض نے اصلاح باطن کو اولیت دی اور رسمی تبدیلی مذہب پر زیادہ توجہ نہیں دی، ایسے صوفیہ غیر مسلمانوں کو بھی اپنے حلقہ ارادت میں داخل کرتے تھے اوران کی اسی طرح اصلاح کیا کرتے تھے جس طرح مسلمانوں کی، ان کا عندیہ تھا کہ ذکر الٰہی خود ایک نور ہے اوراس کی برکت سے دل خود بخود اسلام کی طرف مائل ہو جائے گا۔

صوفیہ کے ذریعہ اسلامی مساوات کا جو عملی مظاہرہ ہوا اس نے بھی کچھ لوگوں کو اسلام کے قریب کیا ہوگا، خاص طور پر ایسے حالات میں جب ایک طرف بدھ اس سماجی مساوات کو قائم کرنے کے لئے کوشاں تھے اور دوسری طرف برہمن عدم مساوات کو جبریہ نافذ کرنا چاہتے تھے، گیارہویں صدی کی ایک سنسکرت کتاب جس کے مصنف ایک بدھ عالم تھے، اس میں مسلمانوں کے تصور مساوات کی بڑی تحسین کی گئی ہے، اس کے ایک اشلوک کا ترجمہ یہ ہے:

''ذات پات کے امتیاز آہستہ آہستہ غائب ہو جائیں گے، کیوں کہ ہر ہندو خاندان میں ایک مسلمان موجود ہے۔''

صوفیہ کرام کا ایک اسلوب دعوت یہ بھی تھا کہ وہ افہام وتفہیم یا دعوت وارشاد کے مقابلہ میں خرق عادت کا بھی سہارا لیتے تھے، غالباً اس کی ضرورت سادھوؤں اور جوگیوں کے مقابلہ میں پیش آئی ہوگی، چنانچہ بہت سے جوگیوں کے مقابلہ میں صوفیہ نے بھی اس طرح اعمال کر کے دکھائے، اسی طرح ایسے واقعات بھی ملتے ہیں کہ کہیں دیو کو مار دیا اوراس سے لوگوں کو نجات دلائی وغیرہ، اگر چہ ایسے واقعات کا پایہ استناد محتاج دلیل ہوتا ہے، لیکن ان کی معنویت سے کلی انکار بھی نہیں کیا جاسکتا۔

صوفیہ کرام لوگوں کو ذکر کی برکت یا فیض صحبت یا دعوت کے ذریعہ اسلام کے قریب

کرتے تھے،جس سے بہت سے افراد اسلام کے حلقہ بگوش ہوجاتے تھے۔(برصغیر میں اسلام کی تاریخ: ۲۳-۲۵)

سلاطین اور امراء کی بھی صوفیاء سے وابستگی رہی اور وہ لوگ صوفیاء کے آستانوں پر جھکتے رہے اور **نعم الامیر علی باب الفقیر** کے مصداق بنے۔

صوفیہ سے عقیدت کے اسباب:

سلاطین کے صوفیہ کے آستانے پر جھکنے کے کئی اسباب تھے، ہندوستان میں مسلمانوں کے ابتدائی دور حکومت میں اتنے جلیل القدر صوفیہ گذرے کہ وہ خواص وعوام دونوں کے دلوں پر چھائے رہے،ان کی درویشی میں شہنشاہی تھی،ان کی قلندری میں شان سکندری تھی،سلاطین کے دربار میں عجم کا ''حسن طبیعت'' دکھائی دیتا تو ان بوریا نشینوں کی خانقاہوں میں ''عرب کا سوز دروں'' ملتا تھا،ان کی حکمت ملکوتی اور علم لاہوتی سے لوگوں کے درد کا درماں ہوتا رہتا تھا،وہ شبنم بن کر جگر لالہ میں ٹھنڈک پیدا کر سکتے تھے تو طوفان بن کر دلوں کو دہلا بھی سکتے تھے،اسی لئے وہ عوام وخواص کے مرجع بن گئے تھے،سلاطین بھی ان کا دامن پکڑنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے تھے۔

اس کے علاوہ بعض سلاطین علماء کی سخت گیریوں سے گھبرا جاتے تو ان کو صوفیائے کرام کے روحانی دامن میں پناہ ملتی تھی،صوفیائے کرام ظواہر کی پابندی میں سختی کرنے کے بجائے سلاطین میں اسلام کے اخلاقی اور باطنی روح پیدا کرنے کی کوشش کرتے،اس سے کبھی کبھی شریعت کی گرفت تھوڑی ڈھیلی ضرور ہوجاتی،لیکن اسلام کے باطنی مزاج کا استیلاء ان پر قائم رہتا جس سے غیر شعوری طور پر حکومت وسلطنت کو فائدہ پہونچتا۔

سلاطین پر صوفیہ کے اثرات:

صوفیہ کرام اور سلاطین کی پیری مریدی محض رسمی اور روایتی نہیں ہوتی تھی؛ بلکہ سلاطین کے مذہبی خیالات وجذبات کے نشوونما میں ان بزرگوں کے فیوض وبرکات کا بڑا دخل رہا کرتا تھا۔

اچھی معاشرت کے معمار صوفیائے کرام:

حقیقت یہ ہے کہ اچھی معاشرت اچھے صلحاء اور صوفیہ کے طفیل میں بنتی رہی، اکابر صوفیہ انابت، عبادت اور ریاضت شاقہ کے بعد تمکین وتلوین، مجاہدہ ومشاہدہ کی منزلیں طے کر کے اور عالم ملکوت وجبروت ولاہوت کی دولت سمیٹ کر کے خانقاہوں میں رشد وہدایت کے لئے بیٹھ جاتے تو ان کی ذات تجلی ربانی وروحانی کی ایک شمع بن جاتی اور لوگ پروانہ واران کے اردگرد جمع ہوجاتے اور وہ لوگوں کے اخلاق وسیرت کو اپنے اعلی کردار کے عملی نمونہ سے سنوارنے کی کوشش کرتے اور یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ مسلمانوں کے اعلی اخلاق کی تعلیم کا مرکز علماء کا حلقہ درس وتدریس یا ان کا مسکن نہیں رہا اور نہ سلاطین کے درباروں میں اس کے جلوے دکھائی دیئے بلکہ مسلمانوں کے اخلاق حمیدہ کی تعلیم صوفیائے کرام کی خانقاہوں میں ہوئی اور جب یہاں کے غیر مسلم باشندے مسلمان حکمرانوں کی تلوار کو اسلام کی تلوار سمجھ کر اسلام سے آزردہ اور خوف زدہ ہورہے تھے، تو ان فقر وفاقہ والے بزرگوں کے تزکیہ باطن اور تہذیب نفس کو دیکھ کر ان کے دلوں میں اسلام کی سچی عظمت اور شوکت قائم ہوئی۔ (ہندوستان کے سلاطین علماء اور مشائخ: ۱۰۰، ۱۰۲، ۱۱۷)

گجرات میں جس شہر کو صوفیائے کرام نے سب سے پہلے اپنی رشد وہدایت کا مرکز اور اپنی روحانی سلطنت کا دارالخلافت بنایا وہ نہروالہ یعنی پٹن ہے، یہ شہر گجرات کے ہندوراجاؤں کا دارالسلطنت تھا اور ایک بڑا اور پررونق شہر تھا، احمد آباد کی تعمیر کے بعد پٹن کی اہمیت اور رونق کم ہونے لگی۔

صوفیائے کرام کے پیغام کو شہر میں رہنے والوں سے زیادہ دیہات میں رہنے والوں نے اوراونچی ذات والوں سے زیادہ نیچی ذات والوں نے گوش ہوش سے سنا اور قبول کیا۔

صوفیائے کرام کی صحبت، رشد وہدایت اور تعلیم وتلقین سے عوام وخواص میں جو جلا ہوئی اس کے اثرات آج تک تاباں ونمایاں ہیں، ان کے فیض وکرم کا دائرہ کسی ایک طبقہ یا جماعت

کے لئے مخصوص ومحدود نہ تھا، بلکہ اتنا وسیع تھا کہ اس میں ہر ایک کے لئے گنجائش تھی اور معاشی، سماجی، روحانی اور اخلاقی اصلاحات کا جب ان کو خیال آتا تو وہ سب ہی انسانوں کی خوشحالی، فلاح و بہبودی اور بہتری کی تدابیر سوچتے تھے، ان کا فیض عام تھا، رنگ ونسل، ذات پاک اور اعلی ادنی کے امتیازات سے وہ بالاتر تھے، انہوں نے اپنی گفتار سے اور اپنے کردار سے ایک معیاری زندگی کا اعلی نمونہ پیش کیا۔ (مومن قوم اپنی تاریخ کے آئینہ میں: ۳۷،۳۸)

مشہور صوفی سلسلوں میں نظامی اور سہروردی بزرگوں نے پٹن پر خاص توجہ کی ہے، حضرت سلطان المشائخ کے تین خلفاء کے نام (سید موسی وراق الحسنی والچشتی، مخدوم سید حسین خنگ سوار، شیخ حسام الدین عثمانی) پٹن کے بزرگوں میں ملتے ہیں، لیکن اولیت کا شرف شیخ حسام الدین کو حاصل ہے، ان کا وطن ملتان تھا اور حضرت سلطان المشائخ کے خاص خلیفہ تھے، ۶۹۵ھ میں پٹن تشریف لائے اور اکتالیس برس تک رشد وہدایت میں مشغول رہے، ۱۸/ ذوالقعدۃ الحرام ۷۳۷ھ میں وفات پائی، سید حسین خنگ سواران کے برادرزادہ تھے، ۷۳۰ھ میں پٹن تشریف لائے اور ۷۹۸ھ میں وفات پاگئے، شیخ حسام الدین کے وجود مسعود سے ملتان اور اچہ کے کئی اور بزرگ یہاں تشریف لائے، ان میں سے ایک شیخ صدرالدین آپ کے بھانجے تھے، جو مع اہل وعیال کے ملتان سے تشریف لائے، پہلے ناگپور میں (جو ریاست جودھپور میں ایک مشہور اور قدیم مقام ہے) مقیم ہوئے اور آپ کی توجہ سے اسلام کو وہاں وقار حاصل ہوا، راجہ کی لڑکی سے آپ نے نکاح کیا، پھر آپ کو شیخ حسام الدین نے مع اپنی بہن اور خاندان کے دوسرے لوگوں کے پٹن بلالیا، اس زمانہ کے ایک اور بزرگ شیخ جمال الدین اچی ۷۳۰ھ میں پٹن تشریف لائے اور پندرہ سال ارشادوہدایت کے بعد ۷۴۵ھ میں انتقال کیا، حضرت چراغ دہلوی کی بھی پٹن کی طرف توجہ رہی ہے، چنانچہ ان کے مرید اور عزیز شیخ الاسلام شیخ سراج الدین یہیں آرام فرماہیں۔

گجرات بالخصوص احمدآباد میں نظامی سلسلہ سے زیادہ سہروردی سلسلہ نے فروغ پایا، اس

سلسلہ کے مرکز ملتان اور اچہ تھے اور سندھ میں اس کے ماننے والے کثرت سے تھے، سندھ اور گجرات میں دور کا فاصلہ نہیں، اس لئے اس سلسلہ کے بزرگ کثرت سے گجرات آئے اور ان کے تعلقات کا آغاز اس زمانہ میں ہوگیا تھا، جب ابھی احمد آباد تعمیر نہ ہوا تھا اور پٹن کی آبادی بارونق تھی، حضرت مخدوم جہانیان جہاں گشتؒ کے بھائی سید راجو قتال نے گجرات کی طرف خاص دھیان رکھا، آپ کے کئی مرید (مثلاً سید محمد خدا بخش، سید احمد مخدوم جہاں شاہ) پٹن میں دفن ہیں، آپ نے ہی حضرت قطب عالم کو دو سال خاص طور پر تعلیم دے کر فرمایا کہ اہل گجرات کی ہدایت آپ کے ذمہ کی گئی ہے، چنانچہ حضرت قطب عالم اپنی والدہ کے ساتھ پہلے پٹن تشریف لائے اور جب احمد آباد تعمیر ہوا تو سلطان احمد کی استدعا پر احمد آباد تشریف لے گئے۔

احمد آباد کی بناء سے پٹن کی رونق کم ہوگئی، لیکن پھر بھی اس شہر میں بڑے بڑے فخر روز گار علماء وفضلاء پیدا ہوتے رہے، ان میں سے ایک مولانا محمد طاہر پٹنی تھے، جن کے حالات ہم تفصیل کے ساتھ دوسری جگہ درج کریں گے، انہی خاندان سے عہد عالم گیری کے قاضی القضاۃ قاضی عبدالوھاب، قاضی شیخ الاسلام اور دوسرے مشہور زمانہ علماء پیدا ہوئے ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ پٹن کی نسبت لکھتے ہیں:

درپٹن کہ بلدۂ قدیمہ ولایت گجرات است، مشائخ بسیار آسودہ اند، ودر حقیقت دراں سر زمین بوئے عشق ومحبت می آید، واز ویرانہائے وے نور برکت وولایت می تابد، وہنوز ایں شہر از وجود اہل دل خالی نیست ونبودہ است ؎

بہر زمین کہ نسیمے ز زلف اوز دہ است ہنوز از سر آں بوئے عشق می آید

احمد آباد ۸۱۳ھ میں آباد ہوا اور نیک نیت بانئ شہر نے آبادی کے وقت بزرگان دین سے استمداد کی، مشہور ہے کہ اس شہر کی ابتدائی بنیاد احمد نام کے چار بزرگوں نے کی، ایک سلطان احمد بن محمد شاہ بن مظفر شاہ بانی شہر، دوسرے شیخ احمد کھٹو گنج بخش، تیسرے ملک احمد، چوتھے قاضی احمد، بزرگان دین کی دعا اور شاہان گجرات کے اقبال سے جلد ہی یہ شہر اس علاقہ کے باقی

شہروں سے بازی لے گیا اور بزرگان دین اور علماء وفضلاء اس شہر میں کثرت سے جمع ہو گئے اور ایک زمانہ میں تو علم وفضل کے لحاظ سے احمد آباد کو دہلی پر فضیلت حاصل تھی۔

بھروچ:

ان بزرگوں کے ساتھ جو کسی مشہور سلسلہ سے منسلک نہیں صوفیہ کے تذکروں میں جس طرح بے رخی برتی گئی ہے، اس کا اندازہ باوا ریحان کے ذکر سے ہوتا ہے، جن کا مزار قدیم بھروچ کے باہر گجرات کی ایک قدیمی زیارت گاہ ہے، گجرات بلکہ سارے صوبۂ بمبئی میں مسلمانوں کی سب سے زیادہ دیہاتی آبادی اسی علاقہ میں ہے، بمبئی میں عام طور پر وہ آبادی کا دس فیصدی کے قریب ہیں؛ لیکن ضلع بھروچ میں ان کی آبادی بیس فیصدی سے زیادہ ہے، اس وجہ سے خیال ہوسکتا تھا کہ اس علاقے کے بزرگوں سے بے اعتنائی نہ برتی جائے گی، لیکن حقیقت حال اس سے مختلف ہے، مرأۃ احمدی میں باوا ریحان کی نسبت فقط ایک سطر ہے، ''بھروچ میں قبر ہے، ۶؍ شعبان المعظم کو عرس ہوتا ہے۔'' نہ کوئی حالات دیئے ہیں، نہ جائے پیدائش، نہ تاریخ وفات، لیکن زیادہ تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ باوا ریحان، جن کا اصل نام خدا معلوم کیا تھا، بڑے سطوت بزرگ گزرے ہیں، مسٹر فاربس نے ان کی نسبت اپنی کتاب (Oriental Memories) میں لکھا ہے:

> ''۱۰۷۸ء اور ۴۹۲ھ میں جب بھروچ کے علاقے میں ہندوؤں کا راج تھا، بغداد سے ایک بزرگ باوا ریحان مشائخ اور فقراء کی تعداد کے ساتھ اشاعت اسلام کی غرض سے یہاں وارد ہوئے، لیکن راجہ نے ان کی مخالفت کی اور اپنے بیٹے رائے کرن کو ایک بڑی فوج دے کر باوا ریحان کے مقابلہ کے لئے بھیجا، رائے کرن باوا صاحب کی شخصیت سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے باوا صاحب کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا اور ملک محمد اپنا نام رکھا، ان دونوں کی کوششوں سے راجہ کی بیٹی بھاگ دیوی اور اس کے علاوہ بے شمار دوسرے

ہندو اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر باوا ریحان کے مرید ہو گئے،لیکن رائے کرن کے باپ نے ان کی مخالفت کی اور باپ، بیٹے میں بڑا سخت معرکہ ہوا، باپ کامیاب رہا اور رائے کرن، اس کی بہن اور نو مسلموں کی بھاری تعداد لڑائی میں شہید ہوئی، اس کے بعد راجہ نے باوا صاحب سے صلح کر لی اور جب ان کی وفات ہوئی تو وہ بھروچ سے باہر ایک بلند ٹیلے پر دفن ہوئے۔"

ایک روایت یہ بھی ہے کہ باوا ریحان کا وطن ماوراء النہر تھا، اپنے بھائی بابا احمد اور چالیس فقراء کے ساتھ پانچویں صدی ہجری میں بھروچ تشریف لائے اور راجہ سے معرکہ کے بعد ۴۳۰ھ میں مدرسہ اور خانقاہ کی تعمیر کی، بعد میں ایک گجراتی سردار عماد الملک نے آپ کے مزار پر گنبد تعمیر کروا دیا۔

ضلع بھروچ کے مسلمانوں میں زیادہ تعداد سنی بوہروں کی ہے، جو کاشت کاری کرتے ہیں اور اپنے کام میں مستعد، ہوشیار اور کفایت شعار ہیں، ان کے علاوہ اس علاقہ میں تھوڑی تعداد راجپوت نو مسلموں کی ہے، جنہیں "مولے سلام" کہتے ہیں، ان کے نام اور رسم بہت سی ہندوانہ ہیں۔

راندیر:

ضلع سورت میں مسلمانوں کی سب سے قدیم بستی راندیر میں ہے، جو سورت سے تین میل دور دریائے تاپتی کی دوسری طرف واقع ہے، اب بھی مسلمان اس شہر کی کل آبادی کے چالیس فیصد ہوں گے، یہ شہر سورت کی ترقی سے پہلے بڑا مشہور تھا اور قدیم تاریخوں مثلاً البیرونی کی تصانیف میں اس کا ذکر ہے، ۱۲۲۵ء میں یہاں جینیوں کی حکومت تھی، اس وقت عرب تاجروں اور ملاحوں کی ایک جماعت یہاں آ کر آباد ہوئی، جین حاکموں سے ان کا مقابلہ ہوا اور انہوں نے جینیوں کو شکست دے کر شہر پر قبضہ کر لیا، یہ عرب نوائط کہلاتے تھے، اور چوں کہ وہ دور دراز کے ملکوں سے تجارت کرتے تھے، اس لئے ان کی مالی حالت بہت

اچھی تھی، اب اس شہر میں نوائط بہت تھوڑے ہیں، لیکن ان کی جگہ سنی بوہروں نے لے لی ہے، جو برما، مشرقی افریقہ اور دوسرے ملکوں سے تجارت کرتے ہیں اور عام طور پر بڑے خوش حال ہیں، اس شہر کی بعض مسجدیں بڑی خوبصورت ہیں اور یہاں ایک تابعی کا مزار بھی بتایا جاتا ہے۔

کھنبایت:

راندیر سے بھی مشہور بندرگاہ کھنبایت ہے، جو قدیمی ایام سے عرب اور ہندوستان کے درمیان آمدورفت کا راستہ بنی ہوئی ہے، یہاں شروع سے ہی عربوں کی آبادیاں قائم ہوگئی تھیں، ابتدائی بوہرے مبلغ اور کئی دوسرے بزرگ اسی بندرگاہ کے راستہ سے یمن اور عرب کے دوسرے حصوں سے ہندوستان آئے اور آکر گجرات اور کچھ میں اپنے عقائد کی اشاعت میں مشغول ہوگئے، مشہور بوہر فاضل محمد علی جنہیں پیر پرواز بھی کہتے ہیں، پہلے کھنبایت میں تشریف لائے تھے، ان کا مزار آج بھی بوہروں کی مشہور زیارت گاہ ہے۔

کھنبایت میں اور بھی کئی بزرگوں کے مزار ہیں، ابن بطوطہ یہاں ۷۴۳ھ میں آیا، وہ یہاں کی مسجدوں کی بڑی تعریف کرتا ہے اور دو خانقاہوں کا خاص طور پر ذکر کرتا ہے، ایک حاجی ناصر کی، جو عراق کے شہر دیار بکر کے باشندے تھے اور دوسری خواجہ اسحاق کی جہاں فقیروں کو لنگر تقسیم ہوتا تھا۔

حضرت شاہ عالمؒ:

حضرت شاہ عالمؒ جن کے نام سے رسول آباد؛ آباد ہوا، وہی مسجد کے کونے کے اندر ایک چھوٹا حصہ ہے، ابھی بھی اس کے اندر ایک گدی وغیرہ وہاں رکھی ہے، صوفیائے کرام نے لکھا ہے کہ یہ حضرت شاہ عالمؒ ایک مرتبہ درس میں نہیں تھے، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درس کے لیے تشریف لائے، دوسرے دن جب آپ نے سبق شروع کیا تو اگلے دن والا سبق جو جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھا چکے تھے، طلبہ کو یہ ہوا کہ گزشتہ کل تو سبق ہو چکا ہے، طلبہ نے کہا کہ حضرت! یہ سبق تو کل ہو چکا ہے، حضرت نے فرمایا نہیں! طلبہ نے کہا کہ کل آپ نے پڑھایا،

سمجھ گئے، خیر! مشائخ گجرات کے سلسلے کی جو تاریخ ہے؛ اس میں یہ قصہ لکھا ہے، اسی نسبت سے پھر آپ کا جو مزار ہے، اس علاقے کو شاہ عالمؒ تو کہتے ہیں؛ لیکن اس کو رسول آباد سے بھی تعبیر کیا ہے، اسی نسبت سے اسے رسول آباد کہتے ہیں۔

خیر! اس طریقے سے گجرات کی تاریخ میں ایک طرف ہمیں علم وفن کے ماہرین ملتے ہیں، ایک سے بڑھ کر ایک، کوئی ابنِ حجر عسقلانیؒ کا شاگرد، کوئی ابن حجر ہیثمی کا شاگرد، شیراز سے بڑے بڑے منطقی علماء کے شاگرد یہاں آئے، محدثین کی ایک بہت بڑی جماعت یمن سے آئی، یہ سارے حضرات آئے؛ لیکن ان سب کو پڑھنے سے یہ ہی محسوس ہوتا ہے کہ یہ صرف ظاہری الفاظ کے عالم نہیں تھے؛ بلکہ ظاہر کے ساتھ ساتھ باطنی علوم کے بھی عالم تھے۔

شاہ وجیہ الدین علویؒ:

شاہ وجیہ الدین علویؒ اتنی کتابوں کے مصنف، درسِ نظامی کی مشکل سے مشکل کتابوں کے مصنف، ہدایہ پر آپ کا حاشیہ، شرح جامی پر آپ کا حاشیہ، نخبۃ الفکر پر آپ کا حاشیہ، شرح وقایہ پر آپ کا حاشیہ، اور اسی طریقے سے کئی اصول فقہ اور منطق کی کتابوں پر آپ کے حواشی؛ لیکن اس کے ساتھ آپ کی سیرت کو جب ہم پڑھتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ بڑے نیک اور صالح بندے تھے؛ خود ان سارے علوم کے باوجود شیخ غوث گوالیاری سے آپ کا روحانی رشتہ تھا۔

تصوف کے سارے سلسلے سرزمین گجرات کو راس آئے:

پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب کا ایک جملہ ہے "تصوف کے جتنے سلسلہ تھے: گجرات کی زمین کو وہ سارے راس آئے" ہمارے یہ سلسلوں کے علاوہ نہ معلوم دوسرے کتنے سلسلہ ہیں جن کا ذکر یادِ ایام میں مولانا سید عبدالحی صاحب نے کیا ہے، ان سارے سلسلوں کے علماء کرام گجرات میں تشریف لائے اور انہوں نے اپنے زمانے میں اہل علم کے سامنے اللہ کی معرفت، اللہ سے تعلق کو ذکر کیا، اس سے محسوس ہوتا ہے کہ جب علم ظاہر کے ساتھ علم باطن کی طرف توجہ کی جائے تو اس سے آدمی کے علم میں اعتدال پیدا ہوتا ہے، آدمی کے اخلاق اور اس

کے کردار پر اس کا اثر ہوتا ہے، اس لیے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا **إنما بعثت بعثت لاتمم مکارم الاخلاق.** (مجمع الزوائد: ۹ / ۱۸، باب فی حسن خلقه) میں اس لیے بھیجا گیا ہوں تاکہ اخلاق کی تکمیل کروں، یہ نہیں فرمایا کہ میں اخلاق بتلاؤں، اخلاق تو انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے زمانے کے جو اچھے لوگ تھے؛ انہوں نے بتلائے، آپ جانتے ہیں افعال حسیہ اور افعال شرعیہ، افعال حسیہ جو روزمرہ ہماری آنکھوں سے نظر آتے ہیں، جس کو ہر عقلمند سمجھدار آدمی، صحیح سالم طبیعت والا اس کو محسوس کرتا ہے، دنیا کے بہت سارے لوگ غیر مسلمین نے بھی اخلاقیات کی تعلیم دی، انہوں نے بھی اخلاق پر اپنے آپ کو لگایا۔

حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی فراست:

حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ بیمار ہوئے، کسی کے پاس آپ کو لے جایا گیا، اتفاق سے اللہ پاک نے شفاء مقرر فرمائی، اس کو پوچھا کہ تیرے پاس یہ علم کیسے آیا؟ اس نے کہا کہ میں اپنا ہر کام اپنے نفس کے خلاف کرتا ہوں، جو خواہش ہوتی ہے نفس کی؛ اس کے مطابق نہیں کرتا ہوں، تو حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے اس سے کہا: اچھا! جب یہ علم تمہیں اس کی وجہ سے حاصل ہوا تو ایک سوال میں کرتا ہوں؛ آیا اس وقت تمہارا دل اسلام لانے کو چاہتا ہے؟ اس نے کہا نہیں، حضرت نے فرمایا: پھر تو اپنے نفس کے خلاف کرو، اللہ پاک کی طرف سے وقت آچکا تھا، اللہ پاک نے اسے ایمان کی دولت سے مالا مال فرمایا، تو صوفیائے گجرات کی تاریخ ہے، جتنے بھی بڑے اکابر آئے ان کا کسی نہ کسی بڑے اللہ والے سے رابطہ اور واسطہ رہا ہے، چاہے وہ حضرت مولانا محمد بن طاہر پٹنیؒ جیسا محدث ہو، علی متقی جیسے محدث ہوں۔

حضرت شاہ عبدالحق محدثؒ:

حضرت شاہ عبدالحق محدثؒ؛ آپ تشریف لائے گجرات میں اور شیخ عبدالوہاب بھروچ میں رہتے تھے، اللہ پاک نے آپ کو یعنی حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی کو ان کا شاگرد بنایا اخبار الاخیار میں حضرت شاہ عبدالحق محدثؒ نے ان کے حالات اور ان کے واقعات کو ذکر کیا،

کئی علماء ایسے ہیں جس کا ذکر علامہ سخاویؒ نے اپنی کتاب **الضوء اللامع** میں کیا اور ان کی تعریف فرمائی، یہ سب ہوتا ہے جب بندہ اپنے آپ کو شہرت سے، دکھلاوے سے، پاک کرکے اللہ پاک کی ذات عالی کے لئے کوئی عمل کرتا ہے **من کان للہ کان اللہ لہ اور من تواضع للہ رفعہ اللہ**۔ (کنز العمال: ۱۱۳/۳، رقم: ۵۷۳۵) اللہ پاک اس کو سر بلند کرتے ہیں، وہ کسی کونے میں بیٹھا ہوا ہوتا ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ اس کو چمکا دیتے ہیں۔

شیخ احمد کھٹوؒ:

احمد آباد شہر جس سال بزرگوں نے قائم کیا، جس کی نسبت سے شہر کی نسبت احمد آباد ہوئی، اس میں شیخ احمد کھٹوؒ، جن کا مزار سرخیج میں ہے، یہ شیخ احمد کھٹو سمرقند و بخارا کے علاقہ میں پہونچے اور وہاں اسلامک مسائل میں اصول فقہ؛ جن قاعدوں کی روشنی میں مسائل نکالے جاتے ہیں، ان اصول فقہ کے کسی مسئلہ میں وہاں کے بڑے بڑے علماء کے درمیان اختلاف چلا، یہ سیدھے سادے لباس میں وہاں پہنچے تھے، علماء اس مسئلہ کو حل نہیں کر سکے، شیخ احمد کھٹو نے کہا: اگر آپ اجازت دو تو میں بھی اس مسئلہ میں کچھ گفتگو کروں، ان لوگوں نے کہا: بڑے بڑے علماء اور بڑے بڑے اصولیین جو اس مسئلہ کو حل کرنے سے عاجز رہے اور آپ جیسا ایک عامی آدمی اس کو کیا حل کرے گا؟ کہا کہ میں نے بھی کچھ پڑھا ہے اگر میری بات آپ کی سمجھ میں آجائے تو قبول کرنا ورنہ رد کردینا، اس کے بعد اس مسئلہ پر انتہائی عالمانہ اصولی انداز میں گفتگو کی اور اس مسئلہ کو حل کردیا، وہاں کے علماء نے کہا کہ اتنا بڑا گوہر نایاب ہم جانتے نہیں تھے کہ اس سادہ لباس میں ملبوس ہے اور پھر ان کی قدر کی۔

علم کا بھی ایک مزہ ہوتا ہے:

جو اہل علم ہوتے ہیں، جن کو طلب ہوتی ہے، جن کو پیاس ہوتی ہے، بے چینی اور بے قراری ہوتی ہے؛ وہ علم کی تلاش کے لئے کافی محنت کرتے ہیں، اور پھر جب وہ ملتی ہے تو اس کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا عورت کی عدت کے سلسلے میں، پہلے تو

مہلت مانگی ایک مہینے کی، پھر اس کے بعد مسئلہ بتایا، اس مجلس میں حضرت معقل بن یسارؓ تشریف فرما تھے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو وہ روایت نہیں پہنچی تھی؛ اس لیے آپ نے اپنے اجتہاد اور استنباط سے کام لیا، جب حضرت معقل بن یسارؓ نے یہ مسئلہ سنا تو فرمایا کہ یہ واقعہ ہمارے خاندان میں فلانی عورت کا پیش آیا تھا اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حکم فرمایا تھا، یہ وہی حکم تھا جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے اجتہاد سے کیا؛ لیکن جب نص مل جاتی ہے تو اجتہاد منسوخ ہو جاتا ہے، تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ خوشی محسوس کر رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ آج مجھے خوشی ہے کہ میرا اجتہاد جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایت کے مطابق ہو رہا ہے، (أبو داود: کتاب النکاح، باب فیمن تزوج ولم یسم صداقاً حتی مات) یہ سوچیے کہ علم کا بھی ایک مزہ ہوتا ہے۔

ہر ایک کا امتحان الگ الگ ہوتا ہے:

قرآن کریم کے حروف مقطعات؛ وہ آیتیں جو متشابہات کے قبیل سے ہیں، اہل علم کتنی بھی کوشش کریں؛ لیکن ان کا معنی کوئی نہیں جان سکتا ہے، خاص کر کے احناف کے یہاں تو وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ (آل عمران: ۷) اہل علم جو علم میں پختہ ہوتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لے آئے، الاستواء معلوم و الکیفیة مجهول، و السوال عنه بدعة، و الایمان واجب. ایمان لانا واجب ہے، ہم نہیں جانتے کہ الم کا کیا معنی ہے، اس مقام پر ملا جیونؒ نور الانوار میں یہ فرماتے ہیں کہ ہر ایک کا امتحان الگ الگ ہوتا ہے، عامی آدمی کا امتحان یہ ہے کہ وہ علم کی جگہوں میں نہیں جاتا! جاہل کی یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ خود بھی جاہل رہے اور دوسروں کو بھی جاہل رکھنے کی کوشش کرے۔

ایک واقعہ:

دو تین دن پہلے ایک صاحب کا فون آیا، وہ پروفیسر ہیں، انہوں نے سنایا کہ ایک جگہ ہم گیے تھے، نماز کا وقت تھا اور وہاں باہر ایک گاؤں میں ایک جگہ پر مسجد تھی، ڈرائیور سے کہا کہ گاڑی ایسی چلاؤ کہ ہمیں جماعت کے ساتھ نماز ملے، تو اس نے کہا کہ فلاں گاؤں میں مسجد ہے، جب وہ

صاحب گئے تو مغرب کی اذان ہو چکی تھی، سب لوگ کھڑے ہیں، انہوں نے کہا بھائی! نماز کا وقت ہو گیا، تو ایک شخص نے کہا کہ بھائی امام صاحب گھر گئے ہیں، جب تک وہ نہیں آئیں گے تب تک ہمیں انفرادی نماز پڑھنی ہے، وہ صاحب کہنے لگے، مجھے بہت تعجب ہوا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلح کے لیے گئے ہیں اور حضرت ابو بکرؓ نماز کے لیے کھڑے ہو گئے اور یہاں امام صاحب نہیں ہے تو انفرادی نماز پڑھی جا رہی ہے، خیر! انہوں نے کہا کہ میں امامت کرواتا ہوں، پہلے تو کسی بڑے بزرگ سے نماز پڑھانے کو کہا؛ تو کہا کہ اگر میں پڑھاؤں گا تو امام صاحب مجھے گاؤں سے نکال دیں گے، وہ صاحب کہنے لگے کہ مجھے دوسرے شہر میں سید صاحب کے یہاں جانا تھا، میں نے ان سے پورا واقعہ ذکر کیا، انہوں نے امام صاحب کو بلایا اور امام صاحب سے کہا کہ آپ نے ان لوگوں کو بغیر امام کے نماز پڑھنے کا حکم دیا! آپ نے یہ کیوں نہیں کہا کہ آپ کسی کو امام بنا لیتے اور نماز پڑھتے، امام صاحب نے کہا کہ اگر یہ لوگ امامت جان لیتے تو میرا کیا ہوتا؟ یہ اللہ پاک کا شکر ہے کہ علماء دیوبند نے ہر جگہ محنت کی، دعوت و تبلیغ کے ساتھیوں نے محنت کی اور ہمیں ہر جگہ پر نماز پڑھانے والے مل رہے ہیں، قرآن اور حدیث کو جاننے والے مل رہے ہیں۔

مکاتب دینیہ کی اہمیت:

دوستو اور بزرگو! یہ جو سلسلہ تسلسل سے آیا ہے ہمارے اکابرین سے، گجرات کے مشائخ سے، اللہ پاک نے ہمیں توفیق دی کہ اس کی بنیاد پر ہم آج مسائل شرعیہ جانتے ہیں، آج ہم دین کو جانتے ہیں، علمائے کرام کی ۱۵۰ سالہ قربانیوں کی وجہ سے آج ہمارے چھوٹے چھوٹے دیہاتوں میں مکاتب قائم ہے۔

مظفر نگر کا جو فساد ہوا، گجرات کے کچھ علاقے سے لوگ وہاں گئے، انہوں نے مجھے سنایا کہ وہاں کچھ لوگ مرتد ہو چکے تھے، ؛انہوں نے مجھے کہا کہ یہ تین بڑی جماعتوں کے لئے بہت بڑا طمانچہ ہے، ایک تو دارالعلوم دیوبند کے لیے جو قریب میں ہے، ایک جمعیت علماء جو دہلی میں ہے اور دعوت و تبلیغ کا مرکز بھی قریب ہے؛ لیکن ان دیہاتوں میں ہمارے یہاں جیسے مکاتب

قائم نہیں ہے، بڑے بڑے علماء یوپی اور دوسرے علاقوں میں ملتے ہیں؛لیکن اندر کے دیہاتوں میں دودو چار چار گھر جہاں ہوتے ہیں؛ وہاں علماءنہیں ملتے۔

یہ جو ہمارے یہاں ’’بچوں کے گھر‘‘ کا نظام ہے ؛یہ بہت شاندار نظام ہے، ایسے گاؤں اور دیہات جہاں مسلمانوں کے دو پانچ گھر ہوتے ہیں،اب وہ مدرسہ قائم نہیں کر سکتے ؛ بلکہ مسجد بھی قائم نہیں ہوتی ،لہذا ان بچوں کی اسکول اور مدرسوں کا انتظام جو ہمارے اداروں میں کیا جاتا ہے؛اس سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کی بنیادی باتوں کو جانتے ہیں، پھر یہ مرتد نہیں ہوتے۔

فتنۂ ارتداد کی روک تھام میں مکاتب کا کردار:

ہمارے ایک دوست انگلینڈ میں ہیں، انہوں نے سنایا وہ مارکیٹنگ کررہے تھے، ایک یہودی بھی ان کے ساتھ مارکیٹ میں کھڑا تھا،تھوڑی دوستی ہوگئی،ان کا لباس دیکھ کر یہ سمجھا کہ مسلمانوں کے کوئی مولوی اور عالم ہے، حالانکہ وہ عامی تھے، دعوتی ساتھی تھے،اس نے کہا کہ ہم لوگوں نے جو ریسرچ کیا؛ اس میں بڑی چیز ہم نے محسوس کی کہ بچپن میں تم لوگ بچوں کو مکتب میں ایمانیات کی تعلیم دیتے ہو؛وہ پوری زندگی مرتد ہونے سے بچاتی ہے،اس لیے ہم مسلمانوں پر بہت محنت کرتے ہیں ؛لیکن جب ایمان کا جھونکا آتا ہے تب وہ ایمانیات کی طرف آجاتے ہیں، ہمارے بزرگوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ نیک توفیق عطا فرمائی اورانہوں نے جگہ جگہ مکاتب کا نظام قائم فرمایا،اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان محنتوں کو شرف قبول عطا فرمائے۔

حضرت تشریف لا چکے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت کی ذات گرامی کو تکلیف دینے سے بچاتے ہوئے حضرت سے استفادہ کی توفیق نصیب فرمائے !اللہ تعالیٰ حضرت کو صحت و عافیت سے نوازے آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(۳۱)

قناعت اور شکر گذاری

الحمد لله رب العالمین و العاقبة للمتقین و الصلاة و السلام علی سید المرسلین و علی آله و اصحابه اجمعین. اما بعد!

قال الله تعالیٰ: فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ﴿۸۱﴾ (سورۂ قصص: ۸۱)

و قال الله تعالیٰ: وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ﴿۷﴾ (سورۂ ابراہیم: ۷)

و قال النبی صلی اللہ علیه و سلم: لیس الغنی عن کثرة العرض و لکن الغنی غنی النفس. (بخاری: کتاب الرقاق، باب الغنی غنی النفس)

و قال النبی صلی اللہ علیه و سلم: اُنْظُرُوا إِلَى مَنْ هو أَسفَل مِنْكُمْ وَلا تَنْظُرُوا إِلَى مَنْ هُوَ فَوقَكُم، فَهُوَ أَجْدَرُ أَن لا تَزْدَرُوا نعمةَ اللهِ عَلَيْكُمْ.

(مسلم: کتاب الزهد و الرقائق، رقم: ۲۹۶۳)

صدق الله العظیم، و صدق رسوله النبی الکریم، و نحن علیٰ ذلک لمن الشاهدین و الشاکرین، و الحمد لله رب العالمین.

پرسکون اور خوش رہنے کا آسان طریقہ:

محترم و مکرم حضراتِ علمائے کرام اور ایمان والے بھائیو! کلامِ پاک کی آیات اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو روایتیں آپ حضرات کے سامنے پیش کی؛ یہ ہمیں زندگی کا چین، سکون، امن و

عافیت کا راستہ بتلاتی ہیں، انسان اس دُنیوی زندگی میں چین وسکون سے کس طرح رہ سکتا ہے؛ اور آخرت کی زندگی کا بھی اس کو سکون حاصل ہو، اس کے لیے اللہ پاک نے ان آیات میں اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان روایات میں ہمیں ایک راہ بتلائی۔

حدیث شریف میں ذکر فرمایا **انظروا الی من هو اسفل منکم** دنیوی معاملات میں تم اپنے سے نیچے والے کو دیکھو، اپنے سے کمتر کو دیکھو، **ولا تنظروا الی من هو فوقکم** آپ سے زیادہ نعمتیں کسی بندے کو ملی ہے، کسی کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہے، گاڑیاں ہیں، شاندار مکانات ہیں، بنگلے ہیں، بزنس ہے؛ یہ اوپر والے کی طرف مت دیکھو، اور آگے ارشاد فرمایا: **فهُوَ أَجْدَرُ أَن لا تَزْدَرُوا نعمةَ اللهِ عَلَيْكُمْ** یہ تمہارے لئے بہت مناسب ہے، زیادہ لائق ہے اس بات سے کہ اللہ پاک کی نعمتوں میں کسی سے اتراہٹ اور کسی سے حسد کرکے، اپنے کو کمتر سمجھو، یہ روایت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمائی۔

اسی طرح کی ایک دوسری روایت آپ کے سامنے پیش کی، جس میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ارشاد فرماتے ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں **لیس الغنی عن کثرة العرض** مالداری مال اور سامان کی کثرت کی بنیاد پر نہیں ہے؛ مالداری جو ہے؛ وہ دل اور نفس کی مالداری ہے، یہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمیں زندگی گزارنے کا اصول بتلایا، جب ایک آدمی اپنے سے نیچے والے کو دیکھتا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی توفیق ملتی ہے، میں نے آپ کے سامنے ایک آیت پڑھی، اس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں **لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ** اگر تم شُکر یہ ادا کروگے تو اپنی نعمتوں کو تمہارے اوپر زیادہ کروں گا، **وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ** اور اگر تم میری نعمتوں کی ناشکری کروگے تو میرا عذاب بہت سخت ہے۔

روحانی دو بیماریاں:

نعمتوں کی ناشکری کب ہوتی ہے؟ جب انسان اللہ پاک کی دی ہوئی نعمتوں کا خیال نہیں کرتا، اس کو یاد نہیں کرتا، اور ہر وقت اپنے سے اوپر والے کو دیکھتا رہتا ہے، فلاں کا مکان ایسا

ہے، فلاں کی گاڑی ایسی ہے، فلاں کی اولاد ایسی ہے، فلاں کو یہ ملا، اور فلاں کو وہ ملا، جب آپ دوسروں کی نعمتوں کو بار بار دیکھتے رہو گے تو دو بیماریاں پیدا ہوگی، سب سے پہلے حسد کی بیماری پیدا ہوگی، آپ کے دل میں اُس سے حسد پیدا ہوگا اور دوسری؛ کبھی اللہ پاک کا شکر ادا کرنے کی توفیق نہیں ہوگی، اس لئے کہ آدمی ہر وقت اپنے سے اوپر والے کو دیکھتا ہے دنیوی اعتبار سے، تو ہر وقت اس کو یہ فکر رہتی ہے کہ میں اس کی طرح کیسے بن جاؤں، اور جب نہیں ہوگا؛ ہماری اسکیم فیل ہوگی؛ ہمارے پروگرام، ہمارا پلان، ہماری سوچ کے مطابق نہیں ہوگا تو انسان کے دل میں حسد اور بغض پیدا ہوگا، یہ خواہ مخواہ بغض کرے گا، نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنی نعمتوں کو کبھی یاد ہی نہیں کرے گا، وہ دوسروں کی نعمتوں کو دیکھ رہا ہے، تو اس کی بنیاد پر اُس کے دل میں بغض اور حسد پیدا ہوگا، شکر ادا کرنا تو بہت دور کی بات رہی! اس لیے کہ وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر یہ سمجھ ہی نہیں رہا ہے، اس کو تو دوسروں کی نعمتیں بڑی نظر آرہی ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ کا عمل:

حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ بہت بڑے محدث ہیں، بہت بڑے اللہ والے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں اپنی زندگی کا شروع زمانہ مالداروں کے ساتھ گزارتا تھا، مجھ سے زیادہ نعمتوں والے کے پاس جب بیٹھتا تھا تو ان کی باتیں بھی بڑی! مکانات کی بات کرے تو وہ بھی بڑی! اور بھی بہت سی چیزیں اللہ پاک نے ان کو دی تھی؛ اور میرے پاس وہ نہیں ہوتا تھا، تو میرے دل کے میں ناشکری پیدا ہوتی تھی، میں بہت پریشان رہتا تھا، جب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ روایت میں نے سنی اور عملاً اپنی زندگی میں لایا، پہلے تو میں نے اپنے بڑوں کے پاس بیٹھنا چھوڑ دیا، اپنے سے جو کمتر لوگ تھے، غریب لوگ تھے؛ اُن کے پاس بیٹھنا میں نے پسند کیا، جب ان کی تکلیفیں اور ان کی پریشانیوں کو میں سنتا رہا، تو میرے دل میں اللہ کا شکر پیدا ہوا کہ اس کو تو تو نے اس نعمت سے محروم کیا اور مجھے تو تو نے اس نعمت سے نوازا، اس لیے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں زندگی کی راحت، چین اور سکون کس سے ملے؟ یہ ایک اصول اور نظریہ

آپ نے ہمارے سامنے پیش کیا؛ جس پر عمل کرنے سے دل میں کبھی حسد اور پریشانی پیدا نہیں ہوگی، دوسروں سے نفرت نہیں ہوگی۔

قارون کا خزانہ:

میں نے آپ کے سامنے کلامِ پاک کی ایک آیت تلاوت کی ؛ جس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا؛ قارون کا قصہ قرآنِ پاک میں بیسویں (۲۰) پارہ میں اللہ پاک نے دو صفحہ میں ذکر فرمایا، اور کیسا خزانہ دیا تھا؟ اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ سیّدنا موسیٰؑ کا وہ رشتہ دار تھا، آپ کے خاندان اور بنی اسرائیل میں سے تھا؛ لیکن اس نے زیادتی کی، اللہ پاک فرماتے ہیں کہ ہم نے اس کو اتنا خزانہ دیا تھا کہ اُس خزانے کی چابیاں اٹھانے کے لئے مضبوط آٹھ- دس آدمی ہونے چاہیئے؛ صرف چابیاں اٹھانے کے لئے، اتنی بڑی مال و دولت سے اللہ پاک نے اس کو نوازا، آگے پھر اللہ پاک نے فرمایا؛ سیدنا موسیٰ اور دوسرے لوگوں نے اس کو کہا کہ اللہ پاک نے تجھے مال و دولت سے نوازا ہے، اس مال میں دنیا کا بھی حق ہے اور آخرت کا بھی حق ہے۔

اسلام نے روزی روزگار کمانے سے منع نہیں فرمایا:

اسلام وہ مذہب نہیں ہے کہ جو ہمیں روزی روزگار کی طرف رغبت نہ دلائے، اسلام یہ نہیں کہہ رہا ہے؛ بلکہ قرآنِ کریم نے فرمایا: زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ○ (سورۂ ال عمران: ۱۴) لوگوں کے دلوں میں محبت ڈالی گئی خواہشات کی، عورتوں کی، اپنی اولاد کی، سونے اور چاندی کے بڑے بڑے خزانے اور اشرفیاں، دینار اور درہم ؛ ان کی محبتیں اللہ پاک نے دل میں ڈالی، اور شاندار گھوڑے اُس زمانے میں گھوڑے تھے، قرآن نے اس کو تشبیہ دی، آج بڑی بڑی گاڑیاں ہے، وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ جانوروں اور کھیتی کی چیزیں، کسی کے پاس سو اونٹ،

دوسو اونٹ اور پانچ سو اونٹ، گائے، بکریاں؛ اللہ پاک نے ان تمام کو ذکر کرکے بتلایا زُيِّنَ لِلنَّاسِ لوگوں کے دلوں میں اُن کی محبت اللہ پاک کی طرف سے ڈالی گئی، ایک طرف دلوں میں مال کی محبت ہے، اس کو کمانے کے لئے آدمی محنت کرے گا، اس لیے اسلام سنیاسی پن نہیں بتلائے گا، بیٹھے رہنے کو، دُنیا نہ کمانے کو، پسند نہیں فرمایا۔

ایک واقعہ:

ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ بڑے بزرگ گزرے ہیں، ان کے خلیفہ شقیق بلخیؒ ان کے پاس آئے اور کہا کہ میں تجارت کے لئے ایک لمبے سفر پر جا رہا ہوں، روزی وروز گار کے لئے، ابراہیم بن ادہمؒ نے دعائیں دیں اور فرمایا کہ اللہ پاک آپ کو کامیاب فرمائے، اتفاق یہ ہوا کہ چار دن کے بعد شقیق بلخیؒ کو وہیں دیکھا، تو آپ نے کہا کہ آپ تو تجارت کے لئے جا رہے تھے، دعا کے لئے آئے تھے، اوراب آپ یہاں سے گئے ہی نہیں! شقیق بلخیؒ نے فرمایا کہ میں سفر کے لئے جا رہا تھا، میں نے راستے میں دیکھا کہ ایک چڑیا دوسری چڑیا کے منہ میں دانہ ڈال رہی ہے، تو میرے دل میں یہ ہوا کہ جو خُداوند قدوس اس چڑیا کو روزی دے رہے ہیں تو مجھے بھی دیں گے، جانے کی ضرورت نہیں ہے،، ابراہیم بن ادہمؒ نے فرمایا کہ او پر والی چڑیا تم نے نہیں دیکھی، جو اناج اور غلّہ اُس کے منھ میں ڈال رہی تھی اور اس کے لئے وہ تلاش کر کے لے کر آئی تھی، حدیث شریف میں اسی کو فرمایا: **لو أنكم كنتم تو كلون على الله حق تو كله لرزقتم كما يرزق الطير تغدو خماصا وتروح بطانا.** (ترمذی: أبواب الزهد، باب في التوكل على الله) اگر تم لوگ اللہ پر اس بھروسہ کرو جیسے اس پر بھروسہ کرنے کا حق ہے، تو وہ تمہیں اس طرح رزق دے جیسے پرندوں کو رزق دیتا ہے۔ وہ صبح بھوکے روانہ ہوتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر آتے ہیں، اگر تم اس طریقے کا بھروسہ کرو؛ جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذاتِ عالی پر بھروسہ کرنے کا حق ہے؛ تو تم صبح کرو گے خالی پیٹ اور شام کو پیٹ بھرے ہوئے آؤ گے، جیسے پرندے صبح میں خالی پیٹ جاتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے ہوئے واپس آتے

ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اگر تمہارا توکل اس درجہ کا ہوگیا؛ لیکن اس میں جو مثال دی تغدو خماصا کہ صبح میں نکلو گے خالی پیٹ و تروح بطانا اور شام کو کاروبار کر کے روزی روزگار لے کر واپس آؤ گے، اس لئے اسلام نے اس سے منع نہیں فرمایا۔

اپنے سے کم نعمت والوں کی طرف دیکھو:

میں جو آپ کو بات کہنا چاہتا ہوں وہ صرف اتنی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب انسان دوسروں کو دیکھتا رہے گا، تو اللہ کی نعمت کو جو اُس کے اوپر ہے؛ اُس کا وہ شُکر یہ ادا نہیں کرے گا، شیخ سعدیؒ بڑے بزرگ گزرے ہیں، مسجد میں دعا کر رہے ہیں اللہ پاک سے، چپّل نہیں تھے پہننے کے لئے، دعا فرمائی کہ باری تعالیٰ مجھے آپ چپّل عنایت فرمائیں، اتفاق یہ ہوا کہ مسجد سے دعا کر کے باہر نکلے اور ایک شخص کو دیکھا کہ بے چارہ پاؤں سے اپاہج تھا، لنگڑا ہے، شیخ سعدی واپس مسجد میں آئے اور آ کر اللہ تبارک وتعالیٰ سے کہنے لگے کہ باری تعالیٰ میں آپ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میرے پاؤں سلامت رکھے، اُس بندے کا تو چپل کیا؟ پیر ہی سلامت نہیں ہے، دوسروں کے سہارے پر اس کو چلنا پڑتا ہے، تو یہ شکر کی توفیق کیوں ہوئی شیخ سعدیؒ کو؟ جب انہوں نے اپنے سے نیچے والے کو دیکھا، عبد اللہ ابن مبارکؒ بھی فرماتے ہیں کہ میں نے جب دنیوی اعتبار سے اپنے سے نیچے والوں کے ساتھ بیٹھنا شروع کیا تو اللہ پاک نے مجھے شکر کی توفیق سے مالا مال فرمایا۔

قارون کی ناشکری:

قارون کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اتنا بڑا خزانہ دیا تھا؛ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی، اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ؕ اس نے کہا کہ میری صلاحیت کی بنیاد پر مجھے یہ مال ملا ہے، میری اپنی کوشش اور اپنی محنت کی بنیاد پر یہ مال ملا ہے، یعنی اللہ پاک نے دیا؛ یہ خیال اس کو نہیں آیا، بلکہ اپنی طرف منسوب کیا، اللہ پاک نے فرمایا کہ اس کو معلوم نہیں ہے اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ؕ

وَلَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ۝ (سورۂ قصص:۷۸) اِس سے پہلے اللہ پاک نے بڑی بڑی بستیوں کو ناشکری کی بنیاد پر ہلاک کیا، کیا قارون یہ سمجھ رہا ہے کہ یہ مال و دولت محض میری اپنی صلاحیت کی بنیاد پر ملا!

حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم کو اپنے کمزوروں کی وجہ سے رزق دیا جاتا ہے، جو تمہارے گھر میں ہوتے ہیں، روزی روزگار کمانے کی صلاحیت نہیں رکھتے، چھوٹے بچّے ہیں، بڑی عمر کی عورت اور مرد ہے، آپ جب کمانے جاتے ہیں، تو ان کی برکت سے اللہ پاک روزی دیتے ہیں، یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیث شریف میں فرمانا چاہتے ہیں؛ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ بیٹا گھر میں بیٹھا رہے اور یہ کہے کہ باپ کمانے جائیں گے، یہ حدیث شریف کا مفہوم نہیں ہے، روزی روزگار کمانے کے لئے **طلب الحلال فریضة بعد الفریضة**. (مجمع الزوائد: ۱۰/۲۹۴) حدیث شریف میں فرمایا، جس طرح نماز اور روزہ اللہ پاک کا فرض ہے، اس طرح حلال کمائی بھی اللہ پاک کا فرض ہے؛ اتنا شاندار جملہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **بعد الفریضة**، نماز پہلے پڑھنی ہے اور پھر اُس کے بعد اللہ پاک سے روزی مانگنی ہے۔

سورۂ جمعہ میں جو واقعہ پیش آیا؛ اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ذکر فرمایا، مدینہ منورہ میں اناج اور غلّہ نہیں تھا، کئی دن سے لوگ پریشان تھے، شام سے تجارتی قافلہ آیا، صحابیؓ نے اعلان کیا کہ تجارت کا مال آیا، جمعہ کی نماز اُس وقت ایسی ہوتی تھی کہ پہلے نماز ہوتی تھی، پھر بعد میں خطبہ ہوتا تھا، تو خطبہ چل رہا تھا اور یہ حضرات آواز سنی تو نکل گئے، **وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا** ؕ اللہ پاک فرماتے ہیں: آپ کو چھوڑ دیا اور یہ چلے گئے، اللہ پاک نے آیتیں نازل فرمائیں اور جمعہ کی ترتیب بدل گئی جیسے اس وقت ہم پڑھ رہے ہیں کہ پہلے خطبہ رکھا، پھر نماز رکھی۔

قارون اور اس کا مال:

تو روزی روزگار سے منع نہیں؛ لیکن جو بات ہے وہ یہ کہ آدمی اپنے مال پر اللہ کے حقوق ادا نہ کرے؛ جیسے قارون؛ کہ جب موسیٰؑ علیہ السلام نے اس سے زکوۃ کی ادائیگی کی بات کی، تو اس

نے کہا کہ یہ تو ٹیکس ہے، عجیب و غریب بات! اللہ پاک فرماتے ہیں کہ وہ اپنے گھر سے نکلا فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ اپنی ظاہری دنیوی جو کچھ حیثیت تھی: اچھی سے اچھی سواری، شاندار کپڑے، خادم اور حشمسب کو لے کر یہ نکلا قَالَ الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ قَارُوْنُ جن لوگوں کی نظریں دنیا پر تھیں، قارون کے مال پر تھیں، اُنہوں نے دل میں یہ سوچا کہ کاش! ہمیں بھی ایسا ملتا جیسے قارون کو ملا ہے، اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ بیشک یہ تو بہت بڑے نصیبے والا ہے، اللہ پاک نے اس کا نصیب چمکا دیا، وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَیْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ۝۸۰ (سورۂ قصص: ۸۰) جو دین دار لوگ تھے، علم والے، اُنہوں نے ان لوگوں سے کہا کہ قارون کے اس خزانے پر للچائی ہوئی نگاہیں مت رکھو۔

بڑی ناشکری: اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لانا:

قرآنِ کریم میں دوسری جگہ پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا لَا یَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ۝۱۹۶ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ۟ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ۝۱۹۷ (ال عمران: ۱۹۶، ۱۹۷) تم اللہ کے ان نافرمان بندوں پر جنھوں نے ایمان قبول نہیں کیا: ناشکریاں کیں، سب سے بڑی ناشکری ایمان نہ قبول کرنے کی، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ ملکوں میں گھوم رہے ہیں، ڈنڈناتے پھر رہے ہیں، حکومتیں اُن کے قبضے میں ہے، دُنیا بھر کی ساری میڈیا اور روزی روزگار کے اوپر جن کا کنٹرول ہے: ایمان والوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ مال و دولت اور ان چیزوں کو دیکھ کر دھوکے میں مت پڑنا، چند دین کی یہ زندگی ہے، پھر ان کا ٹھکانہ جہنم ہے، اُس کے مقابلے میں مؤمن کو جو کچھ مال و دولت دیا گیا، وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے، عام مسلمان جو ضعیف اور کمزور ہے: ان کی وہ مدد کرتا ہے، تو اللہ پاک نے فرمایا کہ یہ ہی چین اور سکون کی زندگی ہے۔

صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جذبۂ انفاق فی سبیل اللہ:

ایک صحابیؓ صبح سے شام تک محنت کرتے تھے اور جو کچھ کمایا اُن میں سے غریبوں اور

مسکینوں کو دیتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں دن بھر کمانے کے بعد یہ تھوڑا لے کر آئے کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ میری طرف سے غریبوں اور محتاجوں کے لئے ہے، ایک اور صحابی جو مالدار تھے حضرت عبد الرحمن بن عوف رضي الله عنه، تو اُنہوں نے زیادہ مال دیا، تو منافقین نے کہا کہ پہلے صحابی جو مال لے کر آئے اللہ پاک کو اُس کی کیا ضرورت ہے؟ دو دینار، تین دینار لے کر آیا ہے؛ اللہ پاک اس کے محتاج ہیں؟ اور دوسرے صحابی نے جو زیادہ مقدار میں دیا، انہوں نے فخر کے طور پر، ریاکاری کے طور پر دیا، تو اللہ پاک نے آیت نازل فرمائی اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾ (سورۂ توبہ: ۷۹) اپنی طرف سے بے چارے اللہ کی رضامندی کے لئے دے رہے ہیں، اُن پر یہ منافقین تہمت لگائی رہے ہیں، الزام لگا رہے ہیں، تو اللہ پاک کو یہ پسندیدہ ہے کہ غریب لوگوں کی مدد کر رہے ہیں، اللہ پاک سب کو مالدار بنا سکتے ہیں؛ لیکن یہ اُمّت کو سبق دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ احد پہاڑ کو سونے کا بنا دیا جائے، آپ کو نبی اور بادشاہت دونوں دی جائے، آپ نے فرمایا مجھے بادشاہت نہیں چاہیے، میں تو عبد شکور بننا چاہتا ہوں، میں تو آپ کا شکر گزار اور فرمانبردار بندہ بننا چاہتا ہوں، تو اس اُمت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وراثت میں یہ ملا۔

قارون کا انجام:

جب قارون نے حد سے زیادتی کی اور اُس وقت کے نیک لوگوں نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ بھائی اس طرح مت کیجئے، اللہ پاک نے فرمایا فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۫ (قصص: ۸۱) ہم نے اس کو اس کے گھر سمیٹ زمین میں دھنسا دیا، اب جو لوگ فرعون اور قارون کے اس مال و دولت کو دیکھ کر للچائے ہوئے تھے، اُن کی سمجھ میں آ گیا، آگے فرمایا کہ ناشکری کرنے والے کو اللہ پاک کامیاب نہیں کرتے، قرآنِ کریم نے یہ قصہ جو ہمارے سامنے ذکر

کیا، خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ایک آیت میں کہ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (اعراف:۱۷۶) آپ لوگوں کے سامنے ان قصوں کو بیان کیجئے تا کہ یہ غور وفکر کریں، اللہ پاک نے قرآنِ کریم میں یہ قصے ہماری عبرت اور نصیحت کے لیے بیان کیے۔

دنیا پرست آدمی کی مثال:

ایک اور مقام پر فرمایا: فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (اعراف:۱۷۶) ایک شخص جو دوسری قوم میں سے تھا؛ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے بددعا کرنے کے لئے کھڑا ہو گیا، اللہ پاک نے فرمایا: فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ إِن تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَث ۚ ذَّٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ بلعم بن باعوراء حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف مال و دولت کی لالچ میں آ کر اللہ کے نبی کے خلاف بدُعا کرنے لگا، چونکہ وہ مستجاب الدعوات تھا، اُس نے موسیٰ علیہ السلام کے خلاف بدُعا کی، بدُعا کر رہا تھا اور نکل رہی تھی دعا،، اللہ پاک نے اس واقعے کو ذکر کیا اور فرمایا کہ اُس کی مثال کُتے جیسی ہے، آپ دیکھتے ہیں کُتا ہر وقت ہانپتا رہتا ہے اور زبان باہر نکالی ہوئی ہوتا ہے، اللہ پاک نے مثال بیان کی کہ یہ کُتے جیسا ہے، اس کو چھوڑ دو گے تب بھی وہ آہ آہ کرتا رہے گا اور سانس نکالتا رہے گا اور زبان نیچے ہو گی إِن تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَث چھوڑ دو گے تب بھی وہ ہانپے گا اور پکڑو گے تب بھی وہ ہانپے گا، اس کا ذکر کر کے اللہ پاک نے فرمایا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (اعراف:۱۷۶) اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ لوگوں کے سامنے ان واقعات کو بیان کیجئے۔

دوستو اور بزرگو! جنابِ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں روایت میں جو فرمایا لیس الغنی عن کثرۃ العرض بہت زیادہ مال و سامان؛ یہ مالداری نہیں ہے، ولکن الغنی غنی النفس اللہ پاک جس کو دل کا چین و سکون عطا فرمائے، نفس کا اطمینان؛ یہ ہے غنی النفس یہ ہے سکون والی زندگی۔

انسان کی زندگی اور اس کی تمنائیں؛ مثال سے وضاحت:

ایک مثال دے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بہت اچھے انداز میں سمجھایا، آپ نے ایک چوکوڑ (چورس) لکیر بنائی اور اندر چھوٹی چھوٹی دوسری لکیریں بنائی اور ایک لمبا خط کھینچا جو اس چوکوڑ سے باہر نکل گیا، آپ نے سمجھایا کہ یہ جو چوکوڑ ہے؛ یہ انسان کی زندگی ہے، اس سے باہر ادھر بھی نہیں، اُدھر بھی نہیں، اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴿۴۹﴾ (سورۂ یونس :۴۹) اللہ پاک فرماتے ہیں موت کا وقت آئے گا آگے پیچھے نہیں ہوگا، یہ انسان کی زندگی ہے اور اندر جو بیچ میں لکیر ہے جو آگے نکل رہی ہے؛ اُس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹے چھوٹے آنکڑے بنائے، فرمایا کہ یہ انسان کی زندگی میں آنے والی پریشانیاں اور مصیبتیں ہیں، اور جو چوکوڑ سے لکیر آگے جارہی ہے؛ آپ نے فرمایا کہ لکیر تو آگے جارہی ہے؛ اور اس کی زندگی اتنی ہے، (بخاری: کتاب الرقائق، باب فی الأمل وطوله) مطلب یہ ہے کہ آپ فرمانا چاہتے ہیں کہ زندگی تو ۷۰-۸۰ سال کی ہوتی ہے اور اس کی امیدیں ۱۵۰-۲۰۰ سال کی، تو اُمیّد تو باہر نکلی ہوئی ہے اور انسان خود اندر ہے، پوری ہونے والی نہیں ہے، اِس لئے حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **لو کان لابن آدم وادیان من مال، لا بتغی ثالثا، ولا یملأ جوف ابن آدم الا التراب.** (صحیح البخاری: کتاب الرقاق، باب ما یتقی من فتنة المال) اگر آدم کے بیٹے کی ایک پوری وادی سونے کی ہو جاوے، ایک پورا میدان سونے کا بن جاوے، تو یہ تمنّا کرے گا کہ دوسری ہو جاوے، پھر تیسری، اس طریقہ سے تمنّا کرتا رہے گا اور اس کا پیٹ نہیں بھرے گا، اس کا منہ تو قبر کی مٹی ہی بند کرے گی۔

بابرکت ایام؛ قرب خداوندی کا ذریعہ:

دوستو اور بزرگو! اس وقت آنکھوں کے سامنے جو احوال پیش آئے، کورونا کی بیماری میں اچّھے اچھے لوگ، مالدار لوگ، بڑے بڑے لوگ جو دنیوی اعتبار سے اچھی سے اچھی ہسپتال میں

گئے؛لیکن اللہ پاک کی طرف سے وقت مقرر تھا، ڈاکٹروں نے جواب دے دیا،ہم اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ چکے ہیں،اللہ پاک تھوڑے تھوڑے وقفے میں ایمان والوں کی عبرت کے لئے،نصیحت کے لئے،اپنی طرف توبہ واستغفار کرنے کے لئے اچّھے مواقع لاتے ہیں، شبِ براءت اور شبِ قدر؛ یہ راتیں دی جاتی ہیں، رمضان المبارک کے روزے اور راتیں عبادتوں کے لئے اور مانگنے کے لیے دی جاتی ہیں،کبھی کبھار انسان کی انفرادی اور پرائیویٹ لائف میں بھی ایسے واقعات پیش آتے ہیں کہ اچانک اس کی زندگی بدل جاتی ہے،یہ بھی اللہ پاک کا احسان ہے کہ ناشکری میں چل رہا تھا،اللہ پاک نے اس کو شکریہ کی توفیق دی۔

اللہ پاک کے سوا کوئی معین ومددگار نہیں:

آپ کے سامنے میں نے جو آیت کلام پاک کی تلاوت کی اور قارون کا جو قصہ ذِکر کیا: اس قصے میں صاف اور صراحتاً اللہ پاک نے بتلا دیا کہ سب کچھ تھا خَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۗ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ اس کے دوست،احباب اور اُس کے خادموں اور اُس کی فوج میں سے کوئی ایسا نہیں تھا جو اللہ تبارک وتعالیٰ سے اُس کا انتقام لے سکے، دنیا میں ایسا ہوتا ہے کہ ایک بادشاہ کا دوسرے بادشاہ سے یا یہ کہ ایک بڑے آدمی کا دوسرے بڑے آدمی سے جھگڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے آدمی لاتا ہے، دھمکیاں دی جاتی ہیں،اللہ پاک فرماتے ہیں کہ قارون کے پاس کوئی جماعت نہیں تھی جو اُس کی مدد کرے، وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ۝ (قصص:۸۱) اور وہ خود بھی اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے نعوذ باللہ بدلہ لے سکے،لیکن احوال بتلا دیے قرآنِ کریم نے کہ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ کو مال و دولت پسند ہوتی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرتِ جبرئیل سے مشورہ کر کے اپنے لیے نبی ورسول کو منتخب نہ کرتے؛ بلکہ نبی اور خلیفہ؛ خلافت کو پسند فرماتے، نعمتیں آئی؛ آپ نے اختیاری طور پر اس کو چھوڑ دیا،اختیاری فقر اس کو کہتے ہیں کہ آپ نے جان بوجھ کر اس کو چھوڑ دیا۔

مسلمان کی حقیقی زندگی؛ آخرت کی زندگی ہے:

روزی روز گار کے لئے مکمل محنت کی جائے ،حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کا قصہ اسی لئے آپ کے سامنے ذِکر کیا،اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روایت میں فرمایا کہ پرندوں کی طرح صبح بھوکے پیاسے محنت کرو اور شام کو روزی روز گار کما کر آؤ،لیکن اِس کو حقیقی زندگی نہ سمجھیں،ایک مؤمن اور مسلمان کی حقیقی زندگی تو بعد میں آتی ہے اور وہ ہی زندگی ہے جس کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ کریم کی آیتوں میں کثرت سے جنّت کا تذکرہ فرمایا اور جنّت کی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا،ایک مؤمن جو اللہ پاک کی عبادت میں مشغول ہوگا؛اُس کو جو چین ہوگا، بڑے سے بڑے مال والے کو وہ چین نصیب نہیں ہوگا، رات دین ہماری آنکھوں کے سامنے ہے؛اللہ پاک نے اِس دنیا کا نظام ہی ایسا بنایا ہے کہ آدمی کُچھ نہ کُچھ اُلجھنوں میں رہتا ہے، وہ جو لکیر کے بیچ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکڑے بتلائے؛ یہ زندگی میں ہر ایک کے ساتھ ہوگا،غریب کے ساتھ غربت کے اعتبار سے، اولاد والوں کے ساتھ اولاد کے اعتبار سے، مال والوں کے ساتھ مال کے اعتبار سے، کسی کو دُنیا میں سو فیصد چین ملے؛ اللہ پاک نے دنیا میں یہ رکھا ہی نہیں!

انسان کی بے بسی:

دنیا تو دھوکے کا سامان ہے، ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں اس دھوکے کے سامان کو، ایک ایک لاکھ روپئے ایک دن کے علاج کے لیے دئے گئے؛ لیکن وقتِ مقرر آچکا تھا، لاکھوں روپئے خرچ کیے؛ لیکن زندگی واپس نہیں آسکی، اللہ پاک نے سورۂ واقعہ میں فرمایا:

فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿۸۶﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸۷﴾

(واقعہ: ۸۳ -۸۷) اللہ پاک اپنے نافرمان بندوں (مشرکین) سے کہہ رہے ہیں کہ اگر تمہیں مرنے کے بعد کی زندگی کا یقین نہیں ہے،تو تمہارا یہ قریبی رشتے دار جو بستر پر پڑا ہوا ہے اُس کی

روح قبض ہورہی ہے، تم ساری کوششیں کرنے کے باوجود اُس کی روح کو واپس لاؤ اگر تمہیں یقین ہو؛ کوئی لا نہیں سکتا، اور فوراً فرمادیا وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡہِ مِنۡکُمۡ وَلٰکِنۡ لَّا تُبۡصِرُوۡنَ﴿۸۵﴾ تم سے زیادہ ہم اس کے قریب ہیں، مگر تم دیکھ نہیں پاتے، تو ان آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اس بات کی نصیحت فرمائی کہ ہم دُنیا کمائیں؛ لیکن اللہ پاک کا شُکریہ ادا کرتے رہیں۔

دریں دنیا کسے بے غم نہ باشد

کسی بھی آدمی کی پرائیویٹ لائف میں آپ جائیں گے، آپ جس کو یہ سمجھ رہے ہیں کہ بڑا خوش حال ہے، اس کو پوچھنے جائیں گے تو کوئی نہ کوئی تکلیف اس کو ضرور ہوگی، بڑا سے بڑا مالدار ہوگا، اسباب والا ہوگا، سب چیزوں والا ہوگا؛ لیکن وہ پریشان ہوگا، اللہ پاک نے یہ نظام رکھا ہی ہے۔

دریں دنیا کسے بے غم نہ باشد * اگر باشد بنی آدم نہ باشد

اس دنیا میں کوئی غم کے بغیر نہیں رہ سکتا، اور اگر ہے؛ تو وہ انسان نہیں ہے، انسان کو تو غم کے ساتھ رکھا ہے، اس لیے ہم اللہ پاک کی ہمارے اوپر ہونے والی نعمتوں کا بار بار شُکریہ ادا کریں، کسی کی اولاد کو نافرمان دیکھیں، تب آپ کو احساس ہوگا کہ میری اولاد ایسی نافرمان نہیں ہے، محفوظ رکھا، کسی کی بیوی جھگڑے شوہر کے ساتھ ہوں گے اور آپ کے ساتھ نہیں ہے؛ تو آپ کو احساس ہوگا کہ اللہ پاک نے مجھے اس نعمت سے نوازا ہے، اس لیے نعمتیں کثرت سے اللہ پاک نے دیں ہے، اللہ پاک خود فرماتے ہیں وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ لَا تُحۡصُوۡھَا ؕ (ابراہیم: ۳۴) اگر تم شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے، اللہ پاک سے دعا ہے کہ اللہ پاک نے جو نعمتیں ہمیں عطا کی ہے؛ اُس کا صحیح معنوں میں شُکریہ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔۔۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(۳۲)

ہسپتال کی سنگ بنیاد کے موقع پر

(ٹنکاریہ، بھروچ، گجرات)

الحمد لله رب العالمين و العاقبة للمتقين و الصلاة و السلام على سيد المرسلين وعلى آله و اصحابه اجمعين. اما بعد!

قال الله تعالىٰ.. وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ (بقرہ:۱۷۷)

و قال النبی صلی اللہ علیہ و سلم: لكل داء دواء. (مسلم: كتاب السلام، باب لكل داء دواء و استحباب التداوى)

صدق الله العظيم، و صدق رسوله النبي الكريم، و نحن على ذلك لمن الشاهدين و الشاكرين، و الحمد لله رب العالمين.

خدمت خلق کی اہمیت:

محترم و مکرم صدر محترم، مہمان خصوصی، علماء کرام، ڈاکٹر حضرات، اور ہمارے گاؤں اور اطراف کے مہمان حضرات، بھائیو، دوستو اور بزرگو! ہسپتال کا سنگ بنیاد ہو رہا ہے، آپ نے بہت سی باتیں خدمت خلق کے متعلق سنی، مخلوق کی خدمت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اتنی بڑی تاثیر رکھی ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جہاں نماز، روزے اور زکوۃ کا حکم فرمایا: وہاں خدمت خلق کا بھی ذکر فرمایا، چنانچہ اللہ پاک فرماتے ہیں: لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى

الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ ۙ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَی الزَّکٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ (سورۂ بقرہ: ۱۷۷) نیکی بس یہی تو نہیں ہے کہ اپنے چہرے مشرق یا مغرب کی طرف کرلو، بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ اللہ پر، آخرت کے دن پر، فرشتوں پر اور اللہ کی کتابوں اور اس کے نبیوں پر ایمان لائیں، اور اللہ کی محبت میں اپنا مال رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سائلوں کو دیں، اور غلاموں کو آزاد کرانے میں خرچ کریں، اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، اور جب کوئی عہد کرلیں تو اپنے عہد کو پورا کرنے کے عادی ہوں، اور تنگی اور تکلیف میں نیز جنگ کے وقت صبر واستقلال کے خوگر ہوں۔ ایسے لوگ ہیں جو سچے (کہلانے کے مستحق) ہیں، اور یہی لوگ ہیں جو متقی ہیں، ایک اور جگہ فرمایا لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۱۹﴾ (ذاریات: ۱۹) جو مانگنے والا ہے اور جو محروم ہے، جو مانگ نہیں سکتا ہے؛ لیکن آپ ان کے چہروں سے محسوس کر لیتے ہیں کہ یہ بے چارہ پریشان ہے؛ ایسوں کی خدمت کرنے کا اللہ تبارک وتعالیٰ نے حکم فرمایا۔

حدیث قدسی:

حدیث قدسی میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے بندو! میں بیمار تھا تم نے میری بیمار پرسی نہیں کی، میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا نہیں کھلایا، میں پیاسا تھا تم نے مجھے پانی نہیں پلایا، بندے عرض کریں گے اے باری تعالیٰ! آپ کی ذات تو ان سارے عیوب سے پاک ہے، سبحان اللہ آپ بے عیب ہیں، اللہ پاک فرمائیں گے: میرا فلاں بندہ بیمار تھا؛ اگر تو اس کی عیادت کرتا، تیمارداری کرتا، تو وہاں پر مجھے پاتا یعنی میری رحمت کو پاتا، میرا فلاں بندہ بھوکا تھا، پیاسا تھا؛ اگر تو اس کو کھانا کھلاتا، پانی پلاتا تو اس کی ضرورت کو پوری کرتا تو وہاں میری رحمت کو پاتا، (مسلم: کتاب البر والصلة، باب فضل عیادۃ المریض) اس حدیث قدسی میں اللہ پاک خود فرماتے ہیں؛ اس سے بہتر انسانیت کی خدمت کے لئے اور کوئی چیز نہیں ہوسکتی، جناب

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں نمازوں کا، روزوں کا، زکوٰۃ کا، حج کا ذکر فرمایا؛ وہیں فرمایا کہ یتیم کی تیمارداری کرنے والا، بیواؤں کی خبر رکھنے والا ضعیف وکمزوروں کی خبر رکھنے والا؛حتی کہ قرآن کریم نے دومنٹ، چار منٹ جو ہم بیٹھتے ہیں ایک دوسرے کے بازو میں؛ ہمارے ساتھی کا کیا حق ہے؟اس کو بھی قرآن کریم نے ذکر فرمایا۔

خیر الناس من ینفع الناس:

تو یہ بندوں کے حقوق اور بندوں کے ساتھ خیر خواہی اور ہم دردی؛ یہ حقیقت میں خیر الناس أنفعهم الناس. (المعجم الأوسط: ۴/ ۲۲۲، رقم: ۵۷۸۷)لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے، جولوگوں کونفع پہنچائے، ہماری ذات سے لوگوں کو نفع پہنچے۔

اسی کڑھن نے، اسی بے چینی نے، اسی بے قراری نے جیسے ہمارے صدر محترم مولانا ابراہیم صاحب مالجی نے فرمایا کہ کڑھن تھی، ۱۹۸۴میں ان کے دل میں ایک بات آئی، اپنے دادا محترم کا قصہ مولانا نے ذکر فرمایا، ہم نے بچپن میں دیکھا کہ صبح سے لے کر شام تک ان کے دادا ہمارے محلے میں ہی رہتے تھے، بڑا بیلوری گلاس لے کر قرآن کریم صبح سے لے کر رات تک پڑھتے ہی رہتے تھے، اللہ پاک کے ایسے بندوں کے صدقے اور طفیل میں؛ یہ اس قسم کی انجمنیں اوراس قسم کے دینی و دنیوی کام ہوتے رہتے ہیں، اسلام نے نفع دینے والی چیز کو پسند فرمایا ہے، چاہے آپ دنیوی کام کریں؛ نیت اچھی ہے تو اس پر ثواب ملے گا ،اور دینی کام کریں؛لیکن نیت اچھی نہ ہوتو اس پر ثواب نہیں ملتا ہے، اس لئے ایک مؤمن کے لئے یہ ضروری ہے کہ آپ جب کسی کام کو شروع کرتے ہیں اس کی نیت درست ہو۔

حضرت مولانا ابراہیم صاحب اور مولانا مصطفیٰ صاحب نے انجمن قائم کی اور پھر اس کے بعد شب و روز کو ان کے دوڑنے اور چلنے کو ہم نے دیکھا ہے، مولانا کے پاس ہم کھڑے ہیں، کوئی آدمی آتا ہے، یا کوئی غریب عورت آتی ہے، مولانا جیب میں سے پرچی نکال کر کچھ لکھتے ہیں، کچھ دوائیاں جیب میں ہوتی ہیں، اس کو دے دیتے ہیں، یہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ، اس

طریقے سے اس انجمن کا آغاز ہوا، ہسپتال کی بنیاد اسی وقت سے شروع ہو چکی تھی، اللہ پاک نے آج ہمیں یہ دن عطا فرمایا کہ آج ہم اس کی سنگ بنیاد کے لئے جمع ہوئے ہیں، اللہ پاک کی ذات عالی سے امید ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ ایک بار پھر اس کے افتتاح کے لئے بھی حاضر ہوں گے۔

ہسپتال چلانے میں ڈاکٹر حضرات کا اہم کردار:

ہسپتال کن چیزوں سے وجود میں آتا ہے؟ ہسپتال کے لئے ڈاکٹروں کی ضرورت ہوتی ہے، سب سے بنیادی مسئلہ اس وقت مسلم ہسپتالوں ہی میں نہیں؛ بلکہ بڑی بڑی چیریٹی چلانے والے اور بڑے بڑے مالدار بزنس مین ہسپتال چلاتے ہیں؛ ان کے یہاں بھی ڈاکٹروں کا مسئلہ ہے، آج الحمدللہ ابھی ڈاکٹر صاحب کھڑے ہوئے ہمارے گاؤں کے، ہم لوگ آج سے تیس چالیس سال پہلے یہ سنتے تھے کہ ٹنکاریہ اسکول کے ٹیچروں کی فیکٹری ہے؛ لیکن آج الحمد للہ ہر محلے میں ہمارے یہاں MBBS ڈاکٹر، اور دوسرے BHMS وغیرہ ہمیں مل رہے ہیں، یہ جتنے بھی حضرات ہیں، الحمدللہ ایک ٹیم جمع ہو رہی ہے اور کسی بھی پریشانی کے موقع پر پہونچ جاتے ہیں، ہم نے بھروچ ضلع میں دیکھا کہ وہ ہسپتال اور مسلمانوں کی وہ تنظیمیں جو برسوں سے چل رہی ہیں اور جنہوں نے ہندو، مسلم میں کسی بھی قسم کا فرق کئے بغیر ایسی خدمتیں انجام دیں، ہمارے ڈاکٹر صاحب بیٹھے ہوئے ہیں، جمبوسر سے ہمارے ڈاکٹر اجود صاحب تشریف فرما ہیں، پورے بھروچ ضلع کی نظر اس وقت سب سے پہلے جمبوسر ہسپتال کی طرف تھی، انہوں نے اکرام واحترام کے ساتھ ہندو مسلم کا کوئی فرق کئے بغیر لوگوں کی اس طریقے سے خدمت کی، اسی طریقہ سے ہمارے یہاں بھی کوویڈ ہسپتال کا افتتاح ہوا اور اس کے اندر بھی لوگوں کو دوائی اور علاج کے لئے رکھا گیا اور اس وقت جو پریشانیاں آئی؛ لیکن ہم نے دیکھا **الحمدللہ** اللہ پاک نے ان ہی نوجوان ڈاکٹروں سے کام لیا اور **الحمد للہ** ابھی ہمیں پھر ضرورت ہوگی کہ ٹنکاریہ میں جب ہم ہسپتال کھول رہے ہیں تو یقیناً اس کے لئے ہمیں ایک ٹیم ڈاکٹروں کی اپنے گاؤں کی ہی ایسی چاہئے کہ جو اس ہسپتال کے لئے اور گاؤں کے لئے اور

اطراف کے علاقے کے لئے اپنی خدمت کے لئے ہر وقت تیار رہے، اس لئے میں ہمارے نوجوان اسکول اور کالج میں پڑھنے والے اسٹوڈنس سے گزارش کروں گا کہ آپ محنت کیجئے، سائنس اور میڈیکل کی لائن میں آپ آگے بڑھئے، انجینئرنگ کی لائن میں آگے بڑھئے۔

جسمانی بیماری کے لیے ڈاکٹر کی ضرورت:

اللہ پاک نے انسان کا ایک جسم بنایا ہے اور ایک روح بنائی ہے، روح کا تعلق انبیاء کرام علیہم السلام اور اللہ کے نیک اور صالح بندے اور علماء کرام اس کی اصلاح کے لئے محنت کرتے ہیں، اسی کے ساتھ یہ ظاہری جسم اور باڈی ہے؛ یہ ہمارے ڈاکٹر حضرات؛ اللہ پاک نے ان کو توفیق دی کہ وہ انسانی جسم سے بحث کرتے ہیں اور انسان کو تندرستی اور عافیت مل جائے؛ اس کی انسان ہونے کے اعتبار سے کوشش کرتے ہیں، شفاء دینا اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ ﴿٨٠﴾ (شعراء: ۸۰) حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب میں بیمار ہوتا ہوں تو اللہ پاک شفاء دیتے ہے؛ لیکن ڈاکٹر کی ہمدردی، اس کی بے چینی اور بے قراری اپنے دردی (مریض) کے لئے، اپنے پیشنٹ کے لئے؛ اللہ پاک کے یہاں قابل قبول ہوتی ہے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی بنیاد پر اس کو شفاء دیتے ہیں، اور ڈاکٹر کو بھی اس شفاء کا اللہ پاک ذریعہ بناتے ہیں۔

یونان میں طب کا آغاز ظہور مسیح کے تقریباً دوسو سال پہلے اور تقریبا دوسو سال بعد کے زمانہ میں ہوا۔ اس طرح یونانی طب کا زمانہ تقریباً چارسو یا پانچ سو سال ہے۔ اس کے بعد خود یونان میں یہ فن مزید آگے نہ بڑھ سکا۔ یونان یورپ کا ایک ملک ہے مگر یونانی طب کا تسلسل بقیہ یورپ میں جاری نہ رہ سکا کہ وہ جدید مغربی طب کے ظہور کا ذریعہ بن سکے۔ یہ واقعہ خود اس بات کا ثبوت ہے کہ قدیم یونان کا ماحول طب کی ترقی کے لئے سازگار نہ تھا۔

یونانی طب جس کو بعض انفرادی شخصیتوں نے پیدا کیا تھا، وہ اپنے ظہور کے بعد تقریبا ایک ہزار سال تک غیر معروف کتابوں میں بند پڑا رہا۔ یہاں تک کہ عباسی دور میں ان کتابوں

کے ترجمے کئے گئے عربوں نے مزید اضافے کے ساتھ فن طب کو از سر نو مدون کیا۔ اس کے بعد ہی یہ ممکن ہوا کہ یہ فن یورپ میں پہنچے اور جدید میڈیکل سائنس کے ظہور کا ذریعہ بنے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی انقلاب سے پہلے دنیا میں شرک اور توہم پرستی کا دور تھا۔ اس زمانہ کا ماحول اتنا غیر موافق تھا کہ کوئی شخص اگر علمی اور سائنسی تحقیق کرتا تو اس کو لوگوں کی طرف سے حوصلہ افزائی نہیں ملتی تھی۔ اس کو نامساعد حالات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اس بنا پر اس قسم کی کوششیں اگر انفرادی سطح پر ظاہر بھی ہوتیں تو وہ اکثر دب کر رہ جاتی تھیں۔ لوگ مرض اور علاج کا رشتہ دیوتاؤں سے جوڑے ہوئے تھے۔ ایسی حالت میں سائنسی طریق علاج کی بات لوگوں کو اپیل نہیں کرتی تھی۔ اسلام کے ذریعہ جب دنیا میں توحید کا انقلاب آیا، اس کے بعد ہی یہ ممکن ہوا کہ طبی ترقی کا وہ دروازہ کھلے جو بالآخر جدید میڈیکل سائنس تک پہنچ جائے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ارشاد ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے:

ان اللہ تعالی لم ینزل داءً الا انزل له دواءً علمه من علمه وجهله من جهله الا السام وهو الموت (مستدرک حاکم: ۴/۴۴۱، رقم: ۸۲۲۰)

یعنی اللہ تعالیٰ نے جو بھی مرض اتارا ہے اسی کے ساتھ اس کی دوا بھی اتاری ہے۔ جس نے اس کو جانا اس نے جانا، اور جو اس سے بے خبر رہا وہ اس سے بے خبر رہا۔ البتہ موت کی کوئی دوا نہیں۔

پیغمبر اسلام کا یہ ارشاد گویا قائد انقلاب کا ارشاد تھا چنانچہ آپ نے اپنی زبان سے اس طبی حقیقت کا اعلان فرمایا اور دوسری طرف تاریخ عملی طور پر اس کے سانچہ میں ڈھلنا شروع ہوگئی۔

ہم جانتے ہیں کہ چیچک ایک چھوت کی بیماری ہے۔ وہ وائرس انفکشن سے پیدا ہوتی ہے۔ انسان نے اب یہ دریافت کر لیا ہے کہ ایسی معالجاتی تدبیریں موجود ہیں جن کا پیشگی اہتمام کر لیا جائے تو چیچک کے حملہ سے بچا جا سکتا ہے۔

مگر یہ طبی حقیقت پہلی بار اسلام کے ظہور کے بعد صرف نویں صدی عیسوی کے آخر میں معلوم کی جاسکی۔ پہلا واضح نام جس نے تاریخ میں چیچک کا علاج تلاش کیا اور اس کی طبی جانچ کی

وہ مشہور عرب طبیب الرازی (۹۲۵-۸۶۵ء) ہے۔ وہ رے (ایران) میں پیدا ہوا۔ اس نے اس مہلک مرض کے بارے میں پہلی طبی کتاب لکھی، اس کتاب کا ترجمہ قدیم یورپ کی علمی زبان لاتینی میں ۱۵۶۵ میں وینس میں چھپا۔ اس کے بعد یونانی اور دوسری زبانوں میں ترجمہ ہو کر وہ پورے یورپ میں پھیلی۔ اس کا انگریزی ترجمہ لندن سے ۱۸۴۸ میں چھپا جس کا نام یہ تھا:

A Treatise on the Small Pox and Measles

محققین نے تسلیم کیا ہے کہ الرازی کی یہ کتاب پوری علوم تاریخ میں چیچک کے بارے میں پہلی طبی کتاب ہے۔ اس سے پہلے اس موضوع پر کسی شخص نے طبی تحقیق نہیں کی۔

ایڈورڈ جنر (Edward Jenner) نے الرازی کی کتاب کے ترجمہ کو پڑھا۔ اس سے اس کے اندر چیچک کے مرض کی طبی تحقیق کا خیال پیدا ہوا۔ یہاں تک کہ اس نے ۱۷۹۶ء میں ٹیکہ (Vaccination) کا وہ طریقہ دریافت کیا جس نے عالمی سطح پر شہرت حاصل کی۔ اب انسان نے چیچک کو کنٹرول کرنے کی تدابیر پر عمل شروع کیا۔ یہاں تک کہ تاریخ میں پہلی بار ۱۹۷۷ میں اقوام متحدہ کی طرف سے یہ اعلان کیا گیا کہ چیچک کے مرض کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔

چیچک کی بیماری کو طب اور علاج کا موضوع بنانے میں کئی ہزار سال کی تاخیر کیوں ہوئی۔ اس کا سبب وہی چیز تھی جس کو مذہبی اصطلاح میں شرک کہا جاتا ہے۔ یعنی غیر مقدس کو مقدس سمجھنا یا غیر خدا میں خدائی اوصاف فرض کرنا۔ ڈاکٹر ڈیوڈ ورنر (David Werner) کے الفاظ میں: قدیم زمانہ کے لوگ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ چیچک اور خسرہ کی بیماریاں دیوی دیوتاؤں کی ناراضگی کی بنا پر پیدا ہوتی ہیں۔ کسی خاندان یا قوم سے جب دیوی دیوتا ناراض ہوتے ہیں تو ان کو اس مہلک بیماری میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ وہ اس بیماری کے ذریعہ اپنے غصہ کا اظہار کرتے ہیں۔ اس عقیدہ کی بنا پر لوگ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ اس بیماری سے بچنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ دیوی دیوتاؤں کو نذرانے پیش کئے جائیں تاکہ وہ خوش ہو جائیں اور خوش ہو کر بیماری کو ہٹا دیں۔ اس عقیدہ کی بنا پر وہ قصداً مریض کو کچھ کھانے اور علاج کی تدبیر سوچنے سے

پرہیز کرتے؛ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اس سے دیوی دیوتا اورزیادہ ناراض ہوجائیں گے۔

اسلام نے جب مرض کے بارہ میں اس توہم کوتوڑا، اور یہ بتایا کہ ایک خدا کے سوا کسی کو بھی نفع یا نقصان کا کوئی اختیار نہیں۔ خالق صرف ایک ہے۔ اس کے سوا جو ہیں وہ سب مخلوق اور بندے ہیں۔ اسلامی انقلاب کے بعد جب انسان کے اندر یہ ذہن ابھرا، اور اس نے دیوتائی مفروضات سے آزاد ہوکر سوچنا شروع کیا، اس کے بعد ہی یہ ممکن ہوا کہ چیچک پر طبی تحقیق کی جائے اوراس کا علاج معلوم کرنے کی کوشش کی جائے۔

جب دنیا میں یہ فکری انقلاب آیا، اس کے بعد ہی یہ ممکن ہوا کہ چیچک کو طبی تحقیق اور علاج کا موضوع بنایا جائے۔ اس کے بعد ہی یہ امکان پیدا ہوا کہ ابوبکر رازی اور ایڈورڈ جنر جیسے افراد اٹھیں اور چیچک کا علاج دریافت کرکے انسانیت کو اس مہلک مرض سے نجات دلائیں۔ چیچک کے علاج کی دریافت تک پہنچنے میں اصل رکاوٹ (Barrier) مشرکانہ مفروضات تھے، اوران مفروضات کو تاریخ میں جس نے پہلی بار ختم کیا وہ بلاشبہ اسلام تھا۔

فن طب کے سلسلہ میں مسلمانوں کے کارنامہ پر کثرت سے کتابیں لکھی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر ہٹی کی کتاب ہسٹری آف دی عربس۔ ان کتابوں میں مسلمانوں کے طبی کارناموں کی تفصیلات دیکھی جاسکتی ہیں۔ (اسلام دور جدید کا خالق: ۷۳-۷۶)

مسلمان اور میڈکل سائنس؛ تاریخ کے جھروکوں سے:

دوستو اور بزرگو! ہم اپنی تاریخ بھول گئے ہیں، دنیا کو سائنس اور میڈیکل لائن کی چیزیں سب سے پہلے مسلمانوں نے دیں۔ انگلینڈ میں جہاں غسل خانے نہیں تھے، لوگ غسل کرنا نہیں جانتے تھے، اس موقع پر اسپین کے مسلمانوں کے پاس شاندار تہذیب اور کلچر تھا، ہسپتالیں تھیں، صابن دنیا کو مسلمانوں نے ہی دیا، خوشبو مسلمانوں نے دی، شیمپو مسلمانوں نے دیا، زکریا رازی نے آج سے ایک ہزار سال پہلے دنیا کے اندر میڈیکل کی لائن میں، آنکھوں کے آپریشن کے سلسلے میں، موتیوں کے سلسلے میں، سیترا کی بیماری؛ جس کو گجراتی میں

اوڑی بولتے ہیں؛ ان میں کیا فرق ہے؟ یہ سب سے پہلے زکریا رازی نے دنیا کو بتلایا، بوعلی سینا، جن کی کتاب القانون فرانس کی یونیورسٹیوں میں پڑھائی جاتی تھی، 1605 تک فرانس کی یونیورسٹیوں میں القانون کو میڈیکل کی دنیا کے اندر سب سے بڑی کتاب سمجھی جاتی تھی، یہ مسلمانوں کے کارنامے ہیں؛ لیکن؛ فارسی میں مثل مشہور ہے ؎

پدرم سلطان بود میرے باپ سلطان تھے

اس سے کچھ نہیں چلتا ہے، دنیا ماضی کو بھول جاتی ہے، حال اور مستقبل کی طرف اس کی نظر ہوتی ہے۔

میڈکل سائنس کی بنیاد رکھنے والے:

اس لیے سائنس کی دنیا میں ہمیں آگے بڑھنا ہے، ترقی کرنا ہے، یہ فن ہمارا تھا، ہم نے دنیا کو اس کے اندر ترقی کر کے آگے بڑھایا، اور اتنا بڑا احسان کرنے کے بعد بھی اس فن کا نام ہم نے اسلامی میڈیکل نہیں رکھا؛ بلکہ یونانی میڈیکل رکھا، یونان جو ایک یورپ کا ملک ہے، گریک جس کو بولتے ہیں، وہاں سب سے پہلے دنیا میں جو بڑے بڑے فلوسوفر پیدا ہوئے اور کچھ ڈاکٹر اور طبیب لوگ پیدا ہوئے اور اس علم کو مسلمانوں نے ان سے لیا اور لینے کے بعد ایک ہزار سال تک دنیا میں سائنس کے علم کو، میڈیکل کی لائن کو سب سے پہلے زکریا رازی ہیں، ابن الہیثم ہیں؛ جنہوں نے اور بھی اس کو آگے بڑھایا، اس طریقے سے الادریسی ہیں جغرافیہ کی دنیا کا ماہر؛ یہ سارے علوم اللہ پاک نے مسلمانوں کو دیئے تھے، اس لیے کہ انسانی خدمت کی نسبت سے ہم نے اپنے آپ کو آگے بڑھایا۔

دوستو اور بزرگو! اللہ پاک کا شکر ہے کہ آج ہمارے گاؤں میں اتنے ڈاکٹر حضرات جمع ہو گئے اور ہمارے پورے علاقے میں ایک بہت بڑی تعداد ڈاکٹروں کی **الحمدللہ** تیار ہے ہمیں اپنی ہسپتالوں کے لئے ان کی خدمت مہیا ہوگی، ان کی خدمات سے ہم فائدہ اٹھائیں گے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس ہونے والے پروگرام کو قبول فرمائے، اور جن نیتوں کے ساتھ

ہماری ۱۹۸۴ سے لے کر آج تک علماء کرام اور حفاظ کرام کی ٹیم نے انجمن کو صرف وہیں نہیں رکھا؛ بلکہ اس کو آگے بڑھا کر ترقی دی اور وہ ایک چھوٹے سے مکان سے نکل کر آج الحمدللہ اس وسیع میدان میں آرہی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس خدمت کو بھی قبول فرمائے اور اس کے علاوہ انجمن کی طرف سے اور دوسری جتنی خدمات ہورہی ہیں؛ اللہ تبارک و تعالیٰ اس کو بھی شرف قبولیت عطا فرمائے ،کام کرنے والوں میں اخلاص اور للّٰہیت نصیب فرمائے، لوگوں کی توجہات ان کی طرف مبذول فرمائے اور زیادہ سے زیادہ اللہ کے بندوں کو ہماری طرف سے خدمت ملے؛ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے ،آمین۔

وآخر دعوانا عن الحمد للہ رب العالمین